فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الهند

(جلد ۵)

المجلد الخامس

الطهارة بتمام ابوابها الصّلوٰة
من اوقات الصّلوٰة إلى صفة الصّلوٰة

۱۴۱۶ ——— ۱۹۳۵

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الهند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

بحق صاحبِ فتاوی شبیر احمد القاسمی 09412552294
بحق مالک مکتبہ اشرفیہ دیوبند 09358001571
01336-223082 08810383186

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبه اشرفیه، دیوبند، ضلع سهارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست مضامین

۸/ کتاب الطهارة

□	۱ / باب ما يتعلق بالوضوء	۳۳

۲/ باب ما یتعلق بالاستنجاء ۸۱

۳/ باب ما یتعلق بالغسل ۹۱

۴/ باب ما یتعلق بالمیاہ والآبار ۱۰۸

٥/ باب ما يتعلق بالتيمم ١٥٥

٦/ باب المسح على الخفين ١٦٩

	۷/ باب في النجاسات وأحكامها	۱۸۵

۹/ کتاب الصلوۃ

□	١ / باب أوقات الصلاة	٢٦٥

❐ ۳/ باب الإقامة والتثويب ۴۶۴

۸/ كتاب الطهارة

۱/ باب ما يتعلق بالوضوء

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

وضو کی فضیلت

سوال [۱۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا قرآن وحدیث میں وضو سے متعلق کوئی فضیلت وارد ہوئی ہے؟ اگر وارد ہوئی ہے تو نصوص کی روشنی میں واضح فرمادیں۔

المستفتی: نبیرالدین دیناجپوری، استاذ دارالعلوم بالا پارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کتب احادیث میں وضو کی فضیلت کے سلسلے میں مختلف قسم کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی مسلمان یا مؤمن شخص وضو میں اپنے چہرے کو دھوتا ہے، تو اس کے چہرے سے ٹپکنے والے آخری قطرہ کے ساتھ وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں، جو اس کی آنکھوں کے ذریعہ ہوئے، اسی طرح جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ٹپکنے والے پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ سب گناہ نکل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں کے ذریعہ ہوئے، اسی طرح جب وہ پیروں کو دھوتا ہے تو اس کے پیروں کے پانی کے ساتھ وہ گناہ بھی نکل جاتے ہیں جو اس کے پیروں سے ہوئے،

یہاں تک کہ ظاہری طہارت کے ساتھ گناہ سے بھی پاکی حاصل ہوجاتی ہے، ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میری امت کل قیامت میں وضو کی وجہ سے چمک دار اعضاء وضو کے ذریعہ پہچانی جائے گی؛ لہٰذا جو دنیا ہی میں اعضاء وضو کی چمک کو بڑھانا چاہے بڑھالے''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''جو شخص اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت تحیۃ الوضوء بھی پڑھ لے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہوجاتا ہے جیسے کہ وہ نومولود بچہ جو آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: إذا توضأ العبد المسلم أو المؤمن، فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر إليها بعينيه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء، فإذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة كان بطشتها يداه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء، فإذا غسل رجليه خرجت كل خطيئة مشتها رجلاه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء، حتى يخرج نقيا من الذنوب. (مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء، النسخة الهندية ١/ ١٢٥، بيت الأفكار، رقم: ٢٤٤، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٤٧، رقم: ٤)

عن نعيم المجمر، قال: رقيت مع أبي هريرة على ظهر المسجد، فتوضأ، فقال: إني سمعت النبي ﷺ يقول: إن أمتي يدعون يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء، فمن استطاع منكم أن يطيل غرته فليفعل. (بخاري شريف، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، والغر المحجلون من آثار الوضوء، النسخة الهندية ١/ ٢٥، رقم: ١٣٦، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة، والتحجيل فى الوضوء، النسخة الهندية ١/ ١٢٦، بيت الأفكار، رقم: ٢٤٦)

عن عقبة بن عامر –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: ما من مسلم يتوضأ فيسبغ الوضوء، ثم يقوم في صلاته، فيعلم ما يقول: إلا انفتل كيوم ولدته أمه منه الخطايا ليس عليه ذنب. (مستدرك حاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٤/ ١٣١٦، رقم: ٣٥٠٨، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية، بيروت ١/

۵۶۹، رقم: ۱۱۰۱، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۳۳۹، رقم: ۹۳۷، مسند الدارمي، دارالمغني ۱/ ۵۵۸، رقم: ۷۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۴۴)

وضو کا حکم کب نازل ہوا؟

سوال [۱۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آیت وضو ''**يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ**'' [المائدة: ۶] یہ مدنی آیت ہے اور حضور ﷺ مکہ میں بھی نماز پڑھتے تھے؟ تو آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں نماز کے لئے وضو کرتے تھے یا نہیں؟ اگر کرتے تھے تو کس طرح کرتے تھے؟

المستفتی: نعیم اللہ بستوی ٹوٹلا، ضلع تھانہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وضو کا حکم شروع اسلام سے تھا اور مذکورہ آیت کریمہ کے ذریعہ سے وضو کا نیا حکم نازل نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ اس کے نزول سے قبل آپ ﷺ قضائے حاجت کے بعد بغیر وضو کے کسی سے بات چیت اور سلام کا جواب وغیرہ بھی نہیں دیا کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ سے یہ حکم نازل فرمایا کہ وضو جواب سلام اور لوگوں سے بات چیت کرنے کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ جب بحالت حدث نماز کا ارادہ ہو تو نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے؛ لیکن سلام کا جواب اور لوگوں سے بات چیت کے لئے وضو کی ضرورت نہیں ہے۔

عن عبدالله بن علقمة بن الفغواء، عن أبيه قال: كان رسول الله ﷺ

إذا أهراق الماء إنما نكلمه فلا يكلمنا، ونسلم عليه فلا يرد علينا، حتى نزلت: ”يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ“ [المائدة: ٦]

(طحاوي شريف ١/ ٥٣، دارالكتب العلمية ١/ ١١٥، رقم: ٥٤٨، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٨/ ٦، رقم: ٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۱۲/۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۲/۱۴۱۰ھ

وضو کے بعد کی دعا

سوال [۱۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا وضو کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دعا منقول ہے؟ اگر منقول ہے تو اس کی کیا فضیلت ہے؟ مع حوالہ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں حضور ﷺ سے وضو کے بعد دعا منقول ہے اور اس دعا کے پڑھنے کی فضیلت بھی آئی ہے، چنانچہ روایت میں ہے: ”جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے: ”أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمد عبده ورسوله“ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جائیں گے اور اسے اختیار ہوگا جس سے چاہے داخل ہو جائے۔ روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ، فأحسن الوضوء، ثم قال: ”أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً

عبده ورسوله'' فتحت له ثمانية أبواب الجنة، يدخل من أيها شاء. (سنن نسائي، الطهارة، باب القول بعد الفراغ من الوضوء، النسخة الهندية ١/ ١٩، دارالسلام، رقم: ١٤٨، مسلم شريف، الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، النسخة الهندية ١/ ١٢٢، بيت الأفكار، رقم: ٢٣٤-٢٣٥)

اور''ترمذی شریف'' کی روایت میں مذکورہ کلمات کے ساتھ:''**أللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين**'' کا بھی اضافہ ہے۔روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من توضأ، فأحسن الوضوء، ثم قال: ''أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، أللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين''، فتحت له ثمانية أبواب الجنة، يدخل من أيها شاء. (سنن الترمذي، كتاب الطهارة، باب ما يقال بعد الوضوء، النسخة الهندية ١/ ١٨، دار السلام، رقم: ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۸۴۶)

مسواک صرف مردوں کے لئے سنت ہے یا عورتوں کے لئے بھی؟

سوال [۱۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس طرح مردوں کے لئے مسواک کرنا سنت ہے، کیا اسی طرح عورتوں کے لئے بھی مسواک کرنا سنت ہے، یا دونوں کا حکم الگ الگ ہے؟

المستفتی: میمونہ بیگم چک فاضل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں اور عورتوں کے درمیان مسواک کے حکم میں

امتیازی فرق یہ ہے کہ مردوں کے لئے علی الدوام مسواک کرنا مسنون ہے اورعورتوں کے چونکہ مسوڑے بہت کمزور ہوتے ہیں، جس کی بنا پر اگر وہ علی الدوام مسواک کرے گی تو مسوڑے اور زیادہ کمزور ہو جائیں گے؛ اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لئے بھی مسواک کرنا مستحب ہے؛ لیکن کبھی کبھار ترک کر دیا کریں؛ البتہ ایسا منجن میسر ہو جو مسوڑوں پر اثر انداز نہ ہوتا ہو، تو اس کو علی الدوام استعمال کرنے میں سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا؛ لیکن جس عورت کے مسوڑے مردوں کے مسوڑوں سے کمزور نہ ہوں، تو اس کے لئے مردوں کی طرح علی الدوام مسواک کرنا مسنون ہے۔ (مستفاد: بذل المجہود، کتاب الطہارة، باب السواک، دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ۱/۳۱۴، قدیم ۱/۱۱۳)

كما يقوم العلك مقامه للمرأة مع القدرة عليه (تحته في الشامية:) أي في الثوب إذا وجدت النية، وذلك أن المواظبة عليه تضعف أسنانها، فيستحب لها فعله. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في منافع السواك، زكريا ١/ ٢٣٦، كراچی ١/ ١١٥)

والعلك يقوم مقامه للمرأة لكون المواظبة عليه تضعف أسنانها، فيستحب لها فعله. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مكتبه زكريا ١/ ٤٣، كوئٹه ١/ ٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۰۲/۲۴)

مسواک کی موٹائی ولمبائی کیا ہونی چاہئے؟

سوال [۱۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسواک کا ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے بقدر موٹی اور ایک بالشت کے برابر لمبی ہونا لازم وضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسواک ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے بقدر موٹی اور ابتداء میں ایک بالشت کے بقدر لمبی رکھنا مستحب ہے، لازم وضروری نہیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۱۵۸، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۴۷، میرٹھ ۸/ ۱۱۸-۱۱۹)

وندب إمساكه بيمناه وكونه لينا، مستويا بلا عقد في غلظ الخنصر، وطول شبر، الظاهر أنه في ابتداء استعماله فلا يضر نقصه بعد ذلك بالقطع منه لتسويته. (شامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في منافع السواك، زكريا ١/ ٢٣٤، كراچی ١/ ١١٤)

وأفضله الأراک ثم الزيتون وأن يكون طول شبر فی غلظ الخنصر. (غنية المستملي، ومن الآداب أن يستاك، ص: ٣٣)

وينبغي أن يكون لينا في غلظ الإصبع طول شبر مستويا قليل العقد من الأراک. (مراقي الفلاح، ص: ٢٧-٢٨، حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، مكتبه دارالكتاب ديو بند، ص: ٦٧)

وينبغي أن يكون السواک من أشجار مرة، ولكن رطبا في غلظ الخنصر، وطول الشبر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول فی الوضوء ١/ ٢٢١، رقم: ١٠١)

وينبغي أن يكون السواک من أشجار مرة؛ لأنه يطيب نكهة الفم، ويشد الأسنان، ويقوى المعدة، وليكن رطبا فی غلظ الخنصر، وطول الشبر. (هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء، زكريا قديم ١/ ٧، جديد ١/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۱۳ھ
(رجسٹر خاص)

مسواک نہ ہونے کی صورت میں کیا کریں؟

سوال [۱۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب کسی کے پاس مسواک نہ ہو اور وضو کرے، تو ہاتھ کی انگلی سے مسواک کرنی چاہئے یا نہیں؟ اور کس ہاتھ کی کون سی انگلی سے کرنی چاہئے؟

المستفتی: نظر الاسلام تریپورہ، ممبئی ۵

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسواک نہ ہونے کی صورت میں انگلی کو مسواک کی جگہ پر استعمال کرنا مشروع ہے اور اس میں کسی بھی انگلی سے مسواک کرنا درست ہے؛ لیکن افضل یہی ہے کہ انگشت شہادت سے مسواک کی جائے، دائیں انگشت شہادت سے بائیں طرف اور بائیں انگشت سے دائیں جانب کی جائے۔

ثم بأي إصبع استاک لا بأس به، والأفضل أن یستاک بالسبابتین، یبدأ بالسبابة الیسری ثم بالیمنی، وإن شاء استاک بإبهامه الیمنی والسبابة الیمنی یبدأ بالإبهام من الجانب الأیمن فوق وتحت، ثم بالسبابة من الأیسر کذلک. (شامي، کتاب الطهارة، مطلب في منافع السواك، زکریا ۱/ ۲۳۶، کراچی ۱/ ۱۱۵، الموسوعة الفقهیة ٤/ ١٤٢)

ویستاک بأصابعه عند عدمه أو عدم أسنانه لقوله علیه السلام: یجزئ من السواک الأصابع. رواه البیهقي عن أنس بألفاظ مختلفة، وروی الطبراني عن عائشة رضي الله عنها قالت: قلت: یا رسول الله! الرجل یذهب فوه یستاک، قال: نعم، قلت: کیف یصنع؟ قال: یدخل إصبعه في فیه.

(شرح النقایة، مکتبه إعزازیه دیو بند ١/ ٤)

عن أنس –رضي الله عنه– عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: تجزئ

من السواک الأصابع. (السنن الکبری للبیهقي، باب الاستاك بالأصابع، دارلفکر ۱/ ۶۹، رقم: ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/۱/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱/۱۴۲۲ھ

وضو سے کون سے گناہ جھڑتے ہیں؟

سوال [۱۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سنا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس کرلیا کرتے تھے کہ کون سا گناہ اس میں دھل رہا ہے، جبکہ وضو سے صرف صغیرہ گناہ کے جھڑنے کا حکم آیا ہے؟

المستفتی: شفیق احمد سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو کے ذریعہ جس طرح صغیرہ گناہ جھڑتے ہیں، اسی طرح کبیرہ گناہ بھی جھڑتے ہیں، وضو کی وجہ سے مؤمن صغیرہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے، مگر وضو کی وجہ سے وضو کے وقت کبیرہ گناہ کے آثار تو دیکھنے والے کو نظر آجاتے ہیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے دیکھا، مگر وضو کی وجہ سے کبیرہ گناہ سے کلی طور پر پاک نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کے لئے توبہ لازم ہے۔

عن أبي الولید قال: حدثني أبو الولید، قال: حدثنا إسحاق بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص، قال: حدثني أبي عن أبیه، قال: کنت عند عثمان، فدعا بطهور، فقال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: ما من امرئ مسلم تحضره صلوۃ مکتوبة، فیحسن وضوءها وخشوعها، ورکوعها، إلا کانت کفارة لما قبلها من الذنوب ما لم یؤت کبیرة، وذلک

الدهر كله. (مسلم شريف، باب فضل الوضوء والصلاة عقبه، النسخة الهندية ١/ ١٢١، بيت الأفكار، رقم: ٢٢٨، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٢/ ١٤٧، رقم: ١٠٤١)

قال العلماء: إن هذا الحديث وما أشبه صالح للتكفير، فإن وجد مايكفره من الصغائر كفره، وإن صادف كبيرة، ولم يصادف صغيرة، يعني غيره مكفرة رجونا أن يخفف من الكبائر، وإلا كتب له به حسنات، ورفع به درجات. كذا ذكره الطيبي. (مرقاة، تخفيف الكبائر الحسنات، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ٣٢٥، عمدة القاري، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، مكتبه دار إحياء التراث العربي، بيروت ٣/ ١٣، زكريا ٢/ ٢٥٠، قوت المغتذي ١/ ١٢٨، رقم: ٢١٤، إمداديه، ملتان ١/ ٣٢٥، شرح مسلم للنووي، باب فضل الوضوء ١/ ١٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۴۸)

سر کا مسح بھولنے کا حکم

سوال [۱۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کا تیسرا فرض مسح بھول کر چھوٹ گیا یا جان کر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ پورا دن گذر گیا، اب یاد آیا کہ مسح چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا تھا اور کوئی حدث بھی نہیں ہوا، نماز کا وقت آ گیا صرف چوتھائی سر کا مسح کر کے نماز پڑھے یا از سر نو وضو کر کے نماز پڑھے؟

المستفتی: انوار الحق امام بڑی مسجد ہنومان گڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مجلس وضو باقی ہے، تو صرف مسح کرنا کافی ہو جائے گا، اسی طرح اگر مجلس بدل گئی مگر اعضاء مغسولہ سوکھے نہیں؛ بلکہ وضو کے پانی کے آثار موجود ہیں،

توجا کر مسح کرلے تب بھی سنت طریقہ سے وضو ہوجائے گا۔ اور اگر کافی دیر ہوگئی اور اعضائے وضو بھی سوکھ گئے اس کے بعد یاد آیا یا احساس پیدا ہوا، تو حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک ازسرنو وضو کرنا فرض اور لازم ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک از سرنو وضو کرنا مسنون ہے۔

وإنما يكره التفريق في الوضوء إذا كان بغير عذر. (هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء، زكريا قديم ١/ ٨، جديد ١/ ٥٨، الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ١/ ٨، إمداديه ملتان ١/ ٧)

ومن السنة الموالاة عندنا، وعند الشافعي ومالك فرض. وفي التحفة: الموالاة أن لايشتغل بين أفعال الوضوء بعمل ليس منه. (التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول فى الوضوء، زكريا ١/ ٢٢١، رقم: ١٠٠)

ومنها الموالاة: وهي أن لايشتغل المتوضي بين أفعال الوضوء بعمل ليس منه؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم هكذا كان يفعل، وقيل في تفسير الموالاة: أن لا يمكث في أثناء الوضوء مقدار ما يجف فيه العضو المغسول، فإن مكث تنقطع الموالاة، وعند مالك: هي فرض. (بدائع، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، زكريا ١/ ١١٢، بيروت ١/ ٢١١، كراچى ١/ ٢٢)

مگر سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل میں مسح کا فاصلہ پورے دن کا ہے، جس میں بعض نماز کے اوقات بھی گذر گئے ہوں گے، اتنا لمبا فاصلہ اور انقطاع کی شکل میں وضو کے اعضاء کے دھونے کا اعتبار نہیں ہوگا؛ بلکہ ازسرنو وضو کرنا لازم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۱ھ

مسح کا مسنون طریقہ

سوال [۱۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو میں مسح کا سنت اور احسن طریقہ کیا ہے؟ براہ کرم دلائل کی روشنی میں واضح فرمائیں، جب کہ علامہ شامیؒ نے لوگوں میں رائج اور مشہور طریقہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سنت طریقہ نہیں۔ اور حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں، جو یہ ہے کہ شہادت اور انگوٹھے کو چھوڑ کر باقی تین انگلی سر پر رکھے اور دونوں ہتھیلیوں کو سر سے علیحدہ رکھتے ہوئے آگے کی طرف لے آئے اور شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے کانوں کا مسح کرے۔ ذیل میں وہ طریقہ مذکور ہے، جو علامہ شامیؒ نے بتلایا اور جس کو ترجیح دی ہے۔

وتكلموا في كيفية المسح، والأظهر: أن يضع كفيه وأصابعه على مقدم رأسه ويمدُّهما إلى القفا على وجه يستوعب جميع الرأس، ثم يمسح أذنيه بإصبعيه، وما قيل: من أنه يجافي المسبحتين والإبهامين ليمسح بهما الأذنين، والكفين ليمسح بهما جانبي الرأس خشية الاستعمال فقال في الفتح: لا أصل له في السنة؛ لأن الاستعمال لا يثبت قبل الانفصال، والأذنان من الرأس. (شامي، زكريا ١/ ٢٤٣، كراچی ١/ ١٢١)

المستفتی: ندیم احمد بجنوری، مقیم ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسح علی الرأس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ: ہتھیلی اور تمام انگلیوں کو سر کے اگلے حصہ پر رکھ کر پورے سر کو مسح کرتے ہوئے پیچھے تک لے جائے، پھر اس کے بعد انگشت شہادت کے ذریعہ سے کان کے اگلے حصہ پر مسح کیا جائے اور دونوں انگوٹھوں کے ذریعہ سے کان کے باہری حصہ کی طرف مسح کیا جائے، یہی مسنون طریقہ ہے۔ اور یہی فقہاء نے لکھا ہے۔ اور انگشت شہادت اور دونوں انگوٹھوں اور ہتھیلیوں کو سر کے مسح کرتے

وقت الگ رکھنے کی بات بے اصل اور بلا دلیل ہے، اسی لئے اکثر فقہاء نے اس کی تردید فرمائی ہے، نیز جن لوگوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ ہتھیلی، انگشت شہادت اور انگوٹھے کو سر کے مسح کے وقت الگ رکھا جائے، یہ مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

عن عبدالله بن زيد أن رسول الله ﷺ مسح رأسه بيديه، أقبل بهما وأدبر، بدأ بمقدم رأسه، ثم ذهب بهما إلى قفاه، ثم ردهما حتى رجع إلى المكان الذي بدأ منه، ثم غسل رجليه. (ترمذي شريف، باب ما جاء في مسح الرأس، النسخة الهندية ١/ ١٥، دارالسلام، رقم: ٣٢، سنن أبي داؤد، باب صفة وضوء النبي ﷺ، النسخة الهندية ١/ ١٤، دارالسلام، رقم: ١١٨)

والأظهر: أن يضع كفيه وأصابعه على مقدم رأسه، ويَمُدَّهما إلى قفاه على وجه مستوعب جميع الرأس، ثم يمسح أذنيه بإصبعيه، واختاره قاضيخان، وقال الزاهدي: هكذا روي عن أبي حنيفة ومحمد -إلى قوله- وما في الخلاصة وغيرها من أنه يضع على مقدم رأسه من كل يد ثلاثة أصابع -إلى قوله- ففيه تكلف ومشقة، كما في الخانية: بل قال الكمال: لا أصل له في السنة. (حاشية الطحطاوي على المراقي، أشرفي، ص: ٧٢، عالمگیری، زکریا قدیم ١/ ٧، جدید ١/ ٨٥)

وما قيل: من أنه يجافي المسبحتين والإبهامين ليمسح بهما الأذنين والكفين ليمسح بهما جانبي الرأس خشية الاستعمال، فقال في الفتح: لا أصل له في السنة؛ لأن الاستعمال لايثبت قبل الانفصال، والأذنان من الرأس. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في تصريف قولهم، زكريا ١/ ٢٤٣، كراچی ١/ ١٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۷/۶/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۲۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۲ھ

کیا مسح علی الراس کے لئے ماءِ جدید لینا ضروری ہے؟

سوال [۱۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو میں سر کے مسح کے لئے ماءِ جدید لینا کیا ہے، واجب یا مستحب؟

المستفتی: سیف اللہ قاسمی، مدرسہ دارالسلام برق پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سر کے مسح کے لئے ماءِ جدید لینا لازم ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں: حاکم شہید ماءِ جدید کو لازم قرار دیتے ہیں اور جمہور ماءِ جدید کو لازم قرار نہیں دیتے؛ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ سر کے مسح کے لئے ماءِ جدید لیا جائے۔ اور اگر ماءِ جدید کے بغیر ہاتھوں کی تری سے مسح کرلیا جائے تو جمہور کے نزدیک یہ بھی جائز ہے، مگر یہ احتیاط کے خلاف ہے۔

فقال: إنه إذا مسح رأسه بفضل غسل ذراعيه لم يجز إلا بماء جديد؛ لأنه قد تطهر به مرة. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، فصل في أحكام الوضوء، مكتبه دارالكتاب ص: ٦٠، قديم: ٣٤)

ولو كان في كفه بلل، فمسح به رأسه أجزأه. (تاتارخانية، كوئٹه ١/ ٩٣، جديد، زكريا ١/ ٢٠٣، رقم: ٣٤)

ولو كان في كفه بلل، فمسح به رأسه أجزأه. قال الحاكم الشهيد: هذا إذا لم يستعمله فى عضو من أعضائه، بأن أدخل يده فى إناء حتى ابتل، فأما إذا استعمله في عضو من أعضائه، بأن غسل بعض أعضائه، وبقي على كفه بلل لايجوز، وأكثرهم على أن ماقاله الحاكم الشهيد خطأ. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الأول فى الوضوء، المجلس العلمي ١/ ١٦٦، رقم: ٢٣،

شامي، كتاب الطهارة، زكريا ۱/ ۲۱۳، كراچی ۱/ ۹۹، البناية، كتاب الطهارة، مكتبه أشرفيه ديو بند ۱/ ۲۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۷/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۶ھ

وضو میں دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک کتنی دفعہ دھونا سنت ہے؟

سوال [۱۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کا سنت طریقہ بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلے تین دفعہ گٹوں تک ہاتھ دھووے، (بہشتی زیور، اختر، ص: ۴۵) اور حضرت مولانا عبد الشکور صاحبؒ امام اہل سنت تحریر فرماتے ہیں وضو کی سنتوں کے بیان میں: ''منہ دھونے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا مع گٹوں کے ایک بار دھونا اور جب ہاتھوں کی کہنیوں تک دھوئے تو ہاتھوں کو پھر یہیں سے دھونا چاہئے''۔ (علم الفقہ ۱/ ۵۷، طبع مکتبہ صدیقیہ لکھنؤ)

دریافت طلب بات یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں کی عبارت میں تعارض ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو حضرت امام اہل سنت کی عبارت کی تشریح فرمادیں، مسئلہ واضح نہیں ہو پا رہا ہے، نیز در صورت تعارض بہشتی زیور کی عبارت کو ترجیح ہوگی؟۔

المستفتی: اعجاز احمد، چلہ امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دراصل حدیث میں ایک مرتبہ اور تین مرتبہ دونوں کی روایتیں آئی ہیں، شاید امام اہل سنت نے ایک مرتبہ والی روایت کو پیش نظر رکھ کر تحریر فرمایا ہوگا۔ اور حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور میں تین مرتبہ والی روایت کے مطابق تحریر فرمایا ہوگا، جس کو تمام فقہاء بھی نقل فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم توضأ مرة مرة. (ترمذي، كتاب الطهارة، باب ماجاء فی الوضوء مرة مرة، النسخة الهندية ١/ ١٦، دارالسلام، رقم: ٤٢)

عن علي –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم توضأ ثلاثا ثلاثا.

(ترمذي، باب ماجاء في الوضوء ثلاثا ثلاثا، النسخة الهندية ١/ ١٧، دارالسلام، رقم: ٤٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۴ھ

وضو میں تثلیث کی سنت کب ادا ہوتی ہے؟

سوال [۱۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو میں تثلیث کی سنت کب ادا ہوتی ہے؟ جب کہ فتاوی شامی زکریا میں ہے:

وتثليث الغسل المستوعب قوله: المستوعب، فلو غسل في المرة الأولى، وبقي موضع يابس، ثم في المرة الثانية أصاب الماء بعضه، ثم فى الثالثة أصاب الجميع لايكون غسلا للأعضاء ثلاثا، حلية عن فتاوى الحجة. (شامي ١/ ٢٣٩، بحر ١/ ٥٣)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو میں تثلیث کی سنت اسی وقت ادا ہوتی ہے، جب کہ تینوں مرتبہ میں سے ہر مرتبہ پورے عضو کا استیعاب کیا جائے اور جو عبارت آپ نے پیش کی ہے اس میں تینوں مرتبہ استیعاب نہیں پایا گیا ہے، صرف ایک مرتبہ استیعاب پایا گیا ہے۔ اور کتب فقہ کے ان جزئیات میں اور سوال نامہ کی نقل کردہ جزئیہ میں کوئی تعارض نہیں ہے، دونوں طرح کے جزئیات غور کر کے سمجھنے کی کوشش کریں، نیز خود سوال نامہ میں سائل نے جو

جزئیہ پیش کیا ہے، اس کے اندر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اور سائل نے جزئیہ پر غور کئے بغیر اور سمجھے بغیر سوال کرر رکھا ہے۔

لكن ذكر في الحلية عند ذكره استيعاب الأعضاء بالغسل في كل مرة الخ. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في منافع السواك، زكريا ١/ ٢٣٨، كراچی ١/ ١١٧)

ومنها: تكرار الغسل ثلاثا –إلى قوله– وفى فتاوى الحجة: وينبغي أن يغسل الأعضاء كل مرة غسلا يصل الماء إلى جميع ما يجب غسله في الوضوء. (عالمگیری، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في سنن الوضوء زكريا قديم ١/ ٧، جديد ١/ ٥٧)

ويسن تثليث الغسل أي المستوعب، وفي البحر: السنة تكرار الغسلات المستوعبات لا الغرفات. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، فصل فى سنن الوضوء، أشرفي، ص: ٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۶/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۶/۱۴۲۷ھ

نماز جنازہ یا کسی اور عبادت کے لئے کئے گئے وضو سے فرض نماز پڑھنا

سوال [۱۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے جنازہ حاضر دیکھ کر وضو کیا اور نیت صرف جنازہ پڑھنے کی کی یا غیر نماز کے وقت صرف اس نیت سے وضو کیا کہ اس وضو سے تلاوت کرلوں گا، تو کیا ان دونوں وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں یا دوسرا وضو ضروری ہے؟ جب کہ تیمّم کے اندر یہ بات نہیں ہے۔ اور تیمّم کا درجہ وضو سے کم ہے؛ لیکن ایسے تیمّم سے نماز پڑھنا درست ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: پانی نہ ملنے یا مرض کی وجہ سے نماز جنازہ کے

لئے تیمّم کیا، تو بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس سے بھی دوسری نماز پڑھنا جائز ہے۔ (اغلاط العوام کلاں/ ۴۵)

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو وضو نماز جنازہ یا کسی اور عبادت کے لئے کیا جائے، خواہ وہ مقصودہ ہو یا غیر مقصودہ، بہر دو صورت اس وضو سے ہر قسم کی عبادت مقصودہ وغیر مقصودہ ادا کرنا درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۱۸)

بخلاف الوضوء؛ فإنه طهارة أصلية، والأقرب أن يقال: إن كل وضوء تستباح به الصلاة –إلى قوله:– ويكفى الوضوء المطلق. (شامي، باب التيمم، مطلب في الفرق بين الظن وغلبة الظن، زكريا ١/ ٤١٦، كراچى ١/ ٢٤٧، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب التيمم، دارالكتاب، ص: ٢٩٥)

لیکن جو تیمّم عبادت غیر مقصودہ، مثلاً تلاوت قرآن، مس قرآن یا ذکر واذکار وغیرہ کے لئے کیا جائے، تو اس سے عبادت مقصودہ یعنی نماز وغیرہ ادا کرنا درست نہیں۔

لو تيمم لدخول المسجد، أو القراء ة، ولو من مصحف، أو مسه ...... لم تجزه الصلاة به. (درمختار، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ١/ ٤١٢، كراچى ١/ ٢٤٥، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ١/ ٣٩، زكريا ١/ ١٢٤، البحر الرائق كوئٹه ١/ ١٥٧، زكريا ١/ ٢٦٢، الأشباه/ ٧٠)

سوال نامہ میں آپ نے نماز جنازہ کے لئے تیمّم کا تذکرہ کیا ہے، تو یاد رہے کہ نماز جنازہ عبادت مقصودہ میں سے ہے؛ لہٰذا پانی نہ ہونے یا مرض وغیرہ کے عذر کی وجہ سے اگر نماز جنازہ کے لئے تیمّم کیا تو اس سے دوسری عبادت مقصودہ وغیر مقصودہ ادا کرنا درست ہے۔ اور حضرت تھانویؒ نے ''اغلاط العوام'' میں اسی کا ذکر فرمایا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۱۸)

بخلاف صلاة جنازة، أي فإن تيممها تجوز به سائر الصلوات، لكن

عند فقد الماء. (شامي، باب التيمم قبيل مطلب: في تقدير الغلوة، زكريا ١/ ٤١٣، کراچی ١/ ٢٤٥)

اور اگر نماز جنازہ فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمّم کیا، تو یہ جنازہ پڑھتے ہی ختم ہو جائے گا، اس سے دوسری عبادت ادا کرنا درست نہیں۔

أما عند وجوده إذا خاف فوتها؛ فإنها تجوز به الصلوة عن جنازة أخرى إذا لم يكن بينهما فاصل، كما مر، ولا يجوز به غيرها من الصلاة.
(شامي، باب التيمم قبيل مطلب في تقدير الغلوة، زكريا ١/ ٤١٣، کراچی ١/ ٢٤٥)

أما إذا تيمم لها مع وجوده لخوف الفوت، فإن تيممه يبطل بفراغه.
(البحر الرائق، باب التيمم، مكتبه رشيديه كوئٹه ١/ ١٥١، زكريا ١/ ٢٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۷ھ

جنازہ کے لئے کئے گئے وضو یا تیمّم سے نماز پنجگانہ پڑھنے کا حکم

سوال [۱۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس وضو سے نماز جنازہ ادا کی گئی ہو یا جس تیمّم سے، تو کیا اس وضو یا تیمّم سے دیگر نمازیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے لئے جو وضو کیا ہے، اس سے نماز پنجگانہ وغیرہ پڑھنا درست ہے، مگر جو تیمّم صرف نماز جنازہ کے فوت ہونے کے خطرہ سے کیا ہے، اس سے وقتی نماز پڑھنا جائز نہیں، ہاں البتہ اگر معذور شخص جو پانی کے استعمال پر قادر نہیں اس نے تیمّم کیا ہے یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے وقتی نماز کے لئے تیمّم کیا ہے، تو اس تیمّم سے وقتی نماز اور نماز جنازہ دونوں پڑھنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۳۳، فتاوی دار العلوم ۱/۱۵۰،

کفایت المفتی زکریا ۱/۲۲۳، ۲/۲۶۷، زکریا مطول ۳/ ۳۴۱، احسن الفتاوی ۲/ ۱۸)

أن كل وضوء تصح به الصلاة. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب الفرق بين الطاعة والقربة والعبادة، زكريا ١/ ٢٢٤، كوئٹه ١/ ٧٩، كراچى ١/ ١٠٧)

وقوله: وبيانه: أن الصلوة تصح عندنا بالوضوء ولو لم يكن منويا. (شامي، زكريا ١/ ٢٢٣، كوئٹه ١/ ٧٨، كراچى ١/ ١٠٦)

فإن تيممها تجوز به سائر الصلوات، لكن عند فقد الماء، وأما عند وجوده -إلى قوله- ولا يجوز به غيرها من الصلوات. (شامي، باب التيمم كوئٹه ١/ ١٨٠، زكريا ١/ ٤١٣، كراچى ١/ ٢٤٥)

يجوز الصلاة بالتيمم لصلاة الجنازة محول على ما إذا لم يكن واجد الماء- إلى قوله- إذا تيمم لها مع وجوده لخوف الفوات، فإن تيمم يبطل بفراغه منها. (البحر الرائق، باب التيمم، مكتبه رشديه، كوئٹه ١/ ١٥١، زكريا ١/ ٢٦٢، شامي زكريا ١/ ٤١٦، كراچى ١/ ٢٤٧)

بخلاف الوضوء، فإنه طهارة أصلية، والأقرب أن يقال: أن كل وضوء تستباح به الصلاة ...... ويكفي الوضوء المطلق. (شامي، باب التيمم، مطلب فى الفرق بين الظنه وغلبة الظن، زكريا ١/ ٤١٦، كراچى ١/ ٢٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۱۵)

وضو میں قبلہ کی طرف پشت کرنا

سوال [۱۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کے وقت قبلہ کی طرف پشت کرنا آیا مکروہ ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آسانی سے ہو سکے تو بوقت وضو استقبال قبلہ مستحب ہے۔ اور اگر استقبال قبلہ میں دشواری ہو تو استدبار قبلہ خلاف مسنون بھی نہیں ہے۔

وأن يستقبل القبلة عند الوضوء. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الأول، في الوضوء، الفصل الثالث في المستحبات، زكريا قديم ١/ ٨، جديد ١/ ٥٩)

ومن الأدب: أن يستقبل القبلة عند الوضوء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول ١/ ٢٢٨، رقم: ١٢٦، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء، المجلس العلمي ١/ ١٧٩، رقم: ٧٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ

۷؍ صفر ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۹)

وضو سے پہلے پیر تر کرنے کا حکم

سوال [۱۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''فتاوی رحیمیہ ۴/ ۲۷'' پر حضرت تھانویؒ کے مواعظ علم وعمل صفحہ: ۳۳۰؍ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وضو سے پہلے پیر تر کرلیا جائے اور آخر میں دھویا جائے، فقہاء نے مندوب کہا ہے، اگر آں محترم کے علم میں فقہاء کی وہ عبارت ہو جس میں مندوب لکھا ہے تو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: نسیم احمد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء کرام نے سردیوں کے زمانے میں اس عمل کو آداب وضو اور مستحب لکھا ہے کہ وضو سے پہلے پیروں کو تر کرلیا جائے اور پھر آخر میں باضابطہ دھولیا جائے۔

قال في الدر المختار: ومن الآداب: تعاهد موقيه وكعبيه وعرقوبيه وأخمصيه وأطالة غرته وتحجيله، وغسل رجليه بيساره، وبلّهما عند ابتداء الوضوء في الشتاء. (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، مطلب في الغرة والتحجيل، زكريا ١/ ٢٥٦، كراچی ١/ ١٣١، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الطهارة، كوئٹه ١/ ٧٦)

ينبغي للمتوضي في الشتاء أن يبل أعضاءه شبه الدهن، ثم يسيل الماء عليها، لأن الماء يتجافى عن الأعضاء في الشتاء. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، بيان أركان الوضوء، مطبع زكريا ١/ ٦٦، كراچی ١/ ٣، البحر الرائق، كتاب الطهارة، أركان الوضوء، زكريا ١/ ٢٦، كوئٹه ١/ ١١، هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الثالث في المستحبات، زكريا قديم ١/ ٩، جديد ١/ ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۴۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۸ھ

وضو کے لئے دوسرے سے پانی منگانے کا حکم

سوال [۱۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا میں اپنے وضو کے لئے دوسرے سے پانی منگوا سکتا ہوں؟ اور اسی طرح کیا میں خدمت کے طور پر لوٹے میں پانی بھر کر دے سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد تمباکو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو کے لئے دوسرے سے پانی منگوانا بلاکراہت درست ہے اور دوسرے کو وضو کا پانی لاکر دینا نہ صرف جائز؛ بلکہ باعث ثواب ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کو وضو کرایا ہے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ: میں پانی ڈال رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے۔ اور علامہ عینی ”عمدۃ القاری“ ۳/ ۶۱ رمیں لکھتے ہیں: کہ حضرات سلف سے وضو میں دوسرے سے مدد لینا ثابت ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسرا آدمی وضو کرا رہا تھا۔

عن أسامة بن زيد –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ لما أفاض من عرفة عدل إلى الشعب، فقضى حاجته، قال أسامة: فجعلت أصب عليه ويتوضأ. (بخاري، باب الرجل يوضئ صاحبه، النسخة الهندية ١/ ٣٠، رقم: ١٨١)

عن المغيرة بن شعبة، عن رسول الله ﷺ أنه خرج لحاجته، فأتبعه المغيرة بإداوة، فيها ماء، فصب عليه حين فرغ من حاجته، فتوضأ. (بخاري شريف، باب المسح على الخفين، النسخة الهندية ١/ ٣٣، رقم: ٢٠٣)

وحاصله: أن الاستعانة في الوضوء إن كانت بصب الماء أو استقائه، أو إحضاره، فلا كراهة بها أصلا، ولو بطلبه. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في مباحث الاستعانة في الوضوء بالغير، كراچی ١/ ١٢٧، زكريا ١/ ٢٥١)

ومع هذا لو استعان بغيره جاز بعد أن لايكون الغاسل غيره، بل يغسل بنفسه، وقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعان بالمغيرة، وكان المغيرة يفيض الماء ورسول الله كان يغسل. (الفتاوى التاتارخانية زكريا ١/ ٢٢٧، رقم: ١٢٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۵۶)

کیا استنجاء میں استعمال شدہ لوٹے سے وضو کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید کہتا ہے کہ پائخانہ کا لوٹا الگ نہ ہونا چاہئے اور پائخانہ لے جانے والے لوٹے سے پانی پینے یا وضو کرنے میں کراہت نہ کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ لوٹے کو ناپاک سمجھ کر وضو یا دوسرے کام میں استعمال نہیں کیا جاسکتا، بوجہ نفاست طبع نہ کرسکے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) پائخانہ سے فارغ ہوکر باہر آکر ہاتھ مٹی وغیرہ سے دھونا سنت ہے، ان دونوں صورتوں میں اسے اشکال پیدا ہوتا ہے کس صورت سے تطبیق ہو، واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد تحسین سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر پائخانہ کا لوٹا دھوکر پاک رکھا جاتا ہے، تو بلا کراہت اس سے وضو کرنا اور پانی پینا سب جائز ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص دھوئے ہوئے لوٹے سے وضو کرے اور اس سے پانی پینے میں شک کرے، تو اس کے شک کا کوئی اثر عبادت پر نہیں پڑے گا، ہاں البتہ اگر لوٹے میں نجاست لگی ہوئی ہے، یا پیشاب وغیرہ لگنے کا یقین ہے اور پھر بلا دھوئے استعمال کرتا ہے، تو ناجائز ہے، ورنہ جواز میں کوئی شک نہیں۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: كان النبي ﷺ إذا أتى الخلاء أتيته بماء في تور، أو ركوة، فاستنجى، ثم مسح يده على الأرض. الحديث. وفي البذل: إناء صغير من صفر أو حجارة يشرب منه، وقد يتوضأ منه، ويؤكل منه الطعام. (أبوداؤد، النسخة الهندية ١/ ٧، دارالسلام، رقم: ٤٥، بذل المجهود، باب الرجل يدلك يده بالأرض إذا استنجى، مبطوعه لكهنو، مكتبه يحيى سهارنپور ١/ ٢٩، دارالبشائر الإسلامية ١/ ٣١٠)

لأن شك الطاري لا يرفع حكم اليقين السابق على ما حقق من أنه هو المراد من قولهم اليقين لا يرفع بالشك. (الأشباه والنظائر، قديم: ١٠١)

(۲) حدیث شریف میں حضور ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے؛ لیکن نظافت کے طور پر تھا۔

كان النبي ﷺ إذا أتى الخلاء أتيته بماء في تور –إلى قوله– ثم مسح يده على الأرض، الحديث. تحته في البذل: ثم مسح يده على الأرض للتنظيف، ليذهب مايحتمل أن يبقى من رائحة خفية، وإن كانت الطهارة حصلت بالغسل فقط. (أبو داؤد، النسخة الهندية ۱/ ۷، دارالسلام، رقم: ٤٥، بذل المجهود، باب الرجل يدلك يده بالأرض إذا استنجى، مبطوعه لكهنو، مكتبه يحيى سهارنپور ۱/ ۲۹، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۲۰/۲۴)

درمیان وضو سلام اور اس کا جواب

سوال [۱۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ درمیان وضو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا یا مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: انوارالحق، امام بڑی مسجد، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وضو کے درمیان سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے یا مصافحہ کرنے کی ممانعت کسی حدیث یا فقہ کی جزئیہ میں احقر کے نظر سے نہیں گذری، حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ نے سلام کرنے کو درست لکھا ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ دعا نہ پڑھ رہا ہو، اگر وضو کے ساتھ ساتھ دعا بھی پڑھ رہا ہو تو مکروہ لکھا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، میرٹھ ۲۸/ ۱۹۰، ڈابھیل ۱۹/ ۷۴-۷۵)

اور مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری علیہ الرحمہ نے ممنوع اور مکروہ لکھا ہے، مگر اس پر کوئی دلیل اور جزئیہ نہیں لکھا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، زکریا ۱۰/ ۱۳۰)

بہر حال دوران وضو سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور شامی و بذل میں سلام کے عدم جواز کے جو مواقع نقل فرمائے ہیں، ان میں وضو شامل نہیں ہے؛ اس لئے ہم جائز سمجھتے ہیں، وہ مواضع حسب ذیل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

وقد صرح علماء الحنفية وغيرهم بكراهة السلام في مثل هذه الحالة، قال في الدر المختار نظما:

سلامك مكروه على من ستسمع ☆ ومن بعد ما أبدي يسن ويشرع

مصل وتال ذاكر ومحدث ☆ خطيب ومن يصغي إليهم ويسمع

مكرر فقه جالس لقضائه ☆ ومن بحثوا في الفقه دعهم لينفعوا

مؤذن أيضا أو مقيم مدرس ☆ كذا الأجنبيات الفتيات أمنع

ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم ☆ ومن هو مع أهل له يتمتع

ودع كافرا أيضا ومكشوف عورة ☆ ومن هو في حال التغوط أشنع

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب في الرجل يرد السلام، وهو يبول، دارالبشائر الإسلاميه ١/ ٢٢٠، تحت رقم الحديث: ١٦، سهارنپور، قديم ١/ ١٢)

وفي الدر المختار أيضا:

ودع آكلا إلا إذا كنت جائعا ☆ وتعلم منه أنه ليس يمنع

وقد زدت عليه: المتفقة على أستاذه كما فى القنية، والمغني، ومطير الحمام، وألحقته، فقلت:

كذلك أستاذ مغن مطير ☆ فهذا ختام والزيادة تنفع

(الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها؟ مطلب المواضع التي يكره فيها السلام، زكريا ٢/ ٣٧٣ -٣٧٥، كراچى ١/ ٦١٦-٦١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۱ھ

دورانِ وضو دینی یا دنیاوی باتیں کرنے کا حکم

سوال [۱۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کرتے وقت دین ودنیا کی باتیں کرنا درست ہے یا نہیں؟ دین کی باتیں کرنا اگر درست ہو تو مع الدلائل جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اکرام باری، باری سنس تحصیل اسکول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے، ہاں البتہ اگر کوئی ایسی صورت درپیش ہو کہ اگر اسی وقت باتیں نہ کرے تو ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے، تو بقدرِ ضرورت دنیاوی باتیں کرنے کی گنجائش ہے اور ضرورت سے زائد ممنوع ہوگی۔ اور اگر مسائل کی باتیں کی جائیں تو جائز ہے، مکروہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ دنیاوی باتیں ممنوع ہیں دین کی نہیں۔

ویکره التكلم بكلام الناس؛ لأنه يشغله عن الأدعية. وفي الطحطاوي: ويكره التكلم بكلام الناس ما لم يكن لحاجة تفوته بتركه.
(طحطاوي على المراقي، دارالكتاب ديوبند ۸۱، الدر المختار، آداب الوضوء، كراچی ۱/ ۱۲۶، زكريا ۱/ ۲۵۰، البحر الرائق، كتاب الطهارة، كوئٹه ۱/ ۲۹، زكريا ۱/ ۵۸)

ومن الأدب أن لا يتكلم بكلام الناس –إلى– التكلم في حال التوضي مكروه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول، زكريا ۱/ ۲۳۰، رقم: ۱۳۳، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء، المجلس العلمي ۱/ ۱۷۸، رقم: ۶۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۶۱/۲۴)

دوران وضو چار یا پانچ مرتبہ منہ دھلنے کا حکم

سوال [۱۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب وضو کررہے تھے، وضو کرنے میں تین دفعہ منہ دھونے کے بجائے چار پانچ دفعہ دھولیا، زید کا کہنا ہے کہ وضو حرام ہوگیا، کیا قول زید صحیح ہے؟

المستفتی: عبدالودود، امام مسجد اسماعیل بیگ والی مغل پورہ اول، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعضائے وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ سنت یا باعث ثواب سمجھ کر دھونا مکروہ ہے۔ اور اگر ایسا نہیں سمجھ رہا ہے؛ بلکہ صرف ازالۂ شک اور اطمینان دل کی خاطر تین مرتبہ سے زیادہ دھورہا ہے، تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

والإسراف ومنه الزيادة على الثلاث، (تحته في الشامية:) أي في الغسلات مع اعتقاد أن ذلك هو السنة لما قدمناه من أن الصحيح أن النهي محمول على ذلك، فإذا لم يعتقد ذلك وقصد الطمأنينة عند الشك، أو قصد الوضوء على الوضوء بعد الفراغ منه فلا كراهة. (شامي، الإسراف فى الوضوء، زكريا ١/ ٢٥٨، كراچى ١/ ١٣٢، حاشية الطحطاوي على المراقي، فصل في المكروهات، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ٨٠، حلبي كبير، آداب الوضوء، مكتبه أشرفيه ديوبند، ص: ٣٤)

عن عبدالله بن عمرو –رضى الله عنه– أن رسول الله ﷺ مر بسعد، وهو يتوضأ، فقال: ما هذا السرف؟ فقال: أ في الوضوء إسراف؟ قال: نعم، وإن كنت على نهر جار. (ابن ماجة، باب ماجاء في القصد في الوضوء وكراهية التعدى فيه، النسخة الهندية ١/ ٣٤، دارالسلام، رقم: ٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۲۰ھ

بہت دیر تک وضو کرنے کا حکم

سوال [۱۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بھائی حامد علی جو کہ جماعتی اور نمازی ہیں، اس وقت ان کی حالت بہت خراب ہے، جب وہ مسواک کرتے ہیں، تو خون نکال دیتے ہیں اور بہت دیر تک کرتے ہیں اور دونوں طرف سے کرتے ہیں، وضو کرتے وقت ان کی کیفیت تبدیل ہو جاتی ہے، وضو بہت دیر تک کرتے ہیں اور نماز پڑھتے وقت اوپر کی طرف دیکھتے ہیں، گردن پیچھے ڈال دیتے ہیں، سجدے بہت طویل کرتے ہیں، یہاں تک کہ لیٹ جاتے ہیں، ان کو محسوس ہوتا ہے کہ ان کے جسم میں کوئی چیز گھس رہی ہے اور سر میں جا رہی ہے، ان کو اس وقت دیکھ کر ڈر لگتا ہے، ہم سب لوگ بہت پریشان ہیں، یہی ایک کاروبار کرنے والے تھے، اب یہ کام بھی نہیں کررہے ہیں؛ لہٰذا آپ سے رائے ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے اور کس کو دکھانا چاہئے؟ ان پر کوئی شئ وغیرہ بھی معلوم ہوتی ہے۔

المستفتية: صالحہ عمر احسنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحریر پڑھ کر دیکھ لیا ہے، مذکورہ شخص کے حالات سے متعلق احقر کسی قسم کی رائے دینے سے قاصر ہے؛ اس لئے کہ اس قسم کی بیماریوں سے متعلق احقر کوئی تجربہ نہیں رکھتا کہ اس کا کیا علاج کر سکے، ہاں البتہ وضو میں دیر لگانا اور پانی زیادہ گرانا شرعاً جائز نہیں ہے، اس کو حدیث میں شیطانی وسوسہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے گریز کرنا ضروری ہے۔

عن أبي بن كعب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن للوضوء شيطانا يقال له: الولهان، فاتقوا وسواس الماء. (ترمذی شریف، باب كراهية الإسراف في الماء، النسخة الهندية ۱/ ۱۹، دارالسلام، رقم: ۵۷، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۶،

رقم: ۵٤۹، مستدرك حاكم، مكتبه نزار مصطفى الباز ۱/ ۲٤۲، رقم: ۵۷۸، ابن ماجة شريف، باب ما جاء في القصد في الوضوء و كراهية، النسخة الهندية ۱/ ۳٤، دارالسلام رقم: ٤۲۱)

ويحترز من وسوسة الشيطان في الوضوء؛ لأن للشيطان في الوضوء وساوس. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱/ ۲۳۰، رقم: ۱۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۳۸)

وضو کے بعد کھڑے ہو کر چلو سے ٹنکی کا پانی پینا

سوال [۱۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوٹے میں وضو کرتے ہیں اور وضو کا پانی بچتا ہے، اس کو کھڑے ہو کر پینا سنت ہے اور اس سے گناہ جھڑتے ہیں؛ لیکن اب ٹنکی سے وضو کرنے والے کیا کریں، وہ تو اس سنت سے محروم ہیں؛ کیوں کہ ٹنکی اوپر اٹھا نہیں سکتے، تو اب کیا شکل اختیار کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ٹنکی یا تالاب وغیرہ سے وضو کرنے کے بعد چلو میں پانی لے کر کھڑے ہو کر پی لیا کریں، امید ہے کہ فضیلت پانے والے شمار ہوں گے۔

عن علي -رضي الله عنه- توضأ ثلاثا ثلاثا، ثم قام فشرب فضل وضوئه، وقال: صنع رسول الله ﷺ كما صنعت. (نسائي شريف، باب الانتفاع بفضل الوضوء، النسخة الهندية ۱/ ۱۷، دارالسلام، رقم: ۱۳٦)

عن علي مثل حديث أبي حية قال: كان إذا فرغ من طهوره أخذ من فضل طهوره بكفه فشربه. (ترمذي، باب في وضوء النبي صلى الله عليه وسلم كيف كان، النسخة الهندية ۱/ ۱۷، دارالسلام، رقم: ٤۹)

وأن يشرب بعده من فضل وضوءه كماء زمزم مستقبل القبلة قائما

أو قاعدا، و فيما عداهما يكره قائما تنزيها، وتحته في الشامية: لا يستحب الشرب قائما إلا في هذين الموضعين. (شامي، مطلب فى مباحث الشرب قائما، كراچى ۱/ ۱۲۹، زكريا ۱/ ۲٥٤، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء، المجلس العلمي ۱/ ۱۷۹، رقم: ۷٤، مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۰، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱/ ۲۲۸، رقم: ۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۹۴)

نل یا حوض وغیرہ سے وضو کرنے کے بعد بقیہ پانی کس طرح پیئے؟

سوال [۱۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کا بقیہ پانی پینا مسنون ہے یا نہیں؟ اگر مسنون ہے تو اگر کوئی نل یا حوض یا تالاب میں وضو کرے تو پانی پینے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چلتی ہوئی ٹنکی سے وضو کیا جائے یا حوض یا تالاب سے وضو کیا جائے یا نہر سے وضو کیا جائے، تو وضو کے بعد ایک چلو پانی کھڑے ہوکر پینا اسی طرح مستحب ہے جس طرح لوٹے سے وضو کرنے کے بعد بچے ہوئے پانی میں سے ایک چلو پانی پینا مستحب ہے۔ اور اس بات کے لئے صاف جزئیہ نہیں مل سکا کہ نہر یا تالاب میں سے یا چلتی ہوئی ٹنکی سے وضو کا بچا ہوا پانی پیا جائے؛ لیکن جن روایات میں وضو کے بچے ہوئے پانی پینے کا ذکر ہے، ان سے یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ وضو کے بعد بچا ہوا پانی پی لیا جائے، جیسا کہ حدیث کی کتابوں میں صراحت ہے کہ وضو کے بعد بچے ہوئے پانی میں سے ایک چلو پی لیا

جائے۔حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

عن علي مثل حديث أبي حية قال: كان إذا فرغ من طهوره أخذ من فضل طهوره بكفه فشربه. (ترمذي، باب في وضوء النبي ﷺ كيف كان، النسخة الهندية ١/ ١٧، دارالسلام، رقم: ٤٩)

اوربعض روایات میں اس طرح کے الفاظ ہیں: **ثم قام فأخذ فضل طهوره بكفه فشربه وهو قائم.** (ترمذي، باب في وضوء النبي ﷺ كيف كان، النسخة الهندية ١/ ١٧، دارالسلام، رقم: ٤٨)

اوربخاری شریف میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں:

فشرب فضله وهو قائم. (بخاري، باب الشرب قائما، النسخة الهندية ٢/ ٨٤٠، رقم: ٥٣٩٩، ف: ١٦١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۳ھ

کیا وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا مسنون ہے؟

سوال [۱۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا وضو کے بعد رفع بصرالی السماء مسنون ہے؟ اور کیا انگلی سے اشارہ کرنا بھی ثابت ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو کے بعد آسمان کی طرف آنکھوں کو اٹھا کر دیکھنا دعائے شہادت پڑھنے کے ساتھ علامہ شامیؒ نے مستحب لکھا ہے۔ (شامی زکریا ۱/ ۲۵۳، کراچی ۱/ ۱۲۸)

اور انگلی سے اشارہ کرنے کی بات علامہ طحطاوی نے غزنوی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۵۵، میرٹھ ۸/ ۱۲۲)

عن عقبة بن عامر الجهني –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: عند قوله: فأحسن الوضوء، ثم رفع نظره إلى السماء. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا توضأ، النسخة الهندية ١/ ٢٢، دارالسلام، رقم: ١٧٠، مسند أحمد ١/ ١٩، ٤/ ١٥١، رقم: ١٢١، ١٧٤٩٧، مسند الدارمي، دارالمغني ١/ ٥٥٨، رقم: ٧٤٣)

وزاد في المنية أيضا: وأن يقول بعد فراغه: سبحانک اللهم وبحمدک أشهد أن لا إله إلا أنت. ...... ناظرا إلى السماء. (شامي كراچی، كتاب الطهارة، باب الوضوء، كراچی ١/ ١٢٨، زكريا ١/ ٢٥٣)

وذكر الغزنوي: أنه يشير بسبابته حين النظر إلى السماء. (طحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، دارالكتاب ديوبند/ ٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۲/۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۹)

گرم پانی کی حصول یابی کے لئے ٹھنڈا پانی بہانے کا حکم

سوال [۱۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں عموماً ظہر کے وقت ٹنکی کا ٹھنڈا پانی ٹونٹیوں کے ذریعہ نکال کر تازہ پانی بھر کر اس سے وضو کیا جاتا ہے، کیا یہ ٹھنڈا پانی نکالنا اسراف میں تو داخل نہیں ہے؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی ٹنکی کا ٹھنڈا پانی ٹونٹیوں کے ذریعہ نکال کر تازہ پانی بھرنا اسراف میں داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ یہاں مقصد پانی کا ضیاع نہیں ہے؛ بلکہ سردی کی وجہ سے یہ پانی ناقابل استعمال ہو چکا ہے؛ البتہ اس پانی کو ضائع نہ کر کے غسل خانہ اور

بیت الخلاء وغیرہ کی صفائی میں استعمال کریں تو بہتر ہے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر، قدیم/ ۱۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۰/۱۰)

ووٹ کی روشنائی ناخن پر جم جائے تو وضو کا حکم

سوال [۱۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: الیکشن کے موقع پر ووٹ دینے کے بعد انگلی پر بطور نشان کے رنگ لگاتے ہیں، اس کے لگے رہنے پر وضو ہوگا یا نہیں؟ جب کہ بندہ کو کئی بار کا تجربہ ہے کہ اس رنگ کو اجاڑنے پر پرت کی طرح ذی جرم اجڑتا ہے، اس مرتبہ بھی میں نے اجاڑ کر اس کے اجزاء کو محفوظ رکھا ہے، جو باریک پیپڑی کی طرح معلوم ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رنگ سوکھنے پر ذی جرم ایک باریک سی پرت کی شکل میں ناخنوں وغیرہ پر جم جاتا ہے، جو پانی کے پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔ اور اگر وضو وغیرہ درست نہیں ہے، تو کیا شکل اختیار ہو، جب کہ وہ رنگ آسانی سے نہیں چھوٹتا ہے اور لوگ اس کی طرف توجہ بھی کم کرتے ہیں؛ لہٰذا عوام کو اطلاع کی کوئی شکل اختیار کی جائے، تاکہ لوگ اس کی طرف توجہ کریں اور کسی قدر تفصیل تر ارشاد فرمائیں۔

المستفتی: محمد شاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حتی الامکان اس کے ازالہ کے لئے مل کر کے دھویا جائے، پھر بھی نہیں جاتا ہے، تو وہ معاف ہے۔ اور بہت سے لوگوں کا یہ تجربہ ہے کہ اسے دھوکر صاف کرنے کی کوشش کی گئی، مگر ہفتوں کے بعد بھی وہ رنگ زائل نہیں ہوا ہے؛ اس لئے روشنائی اور پکا رنگ کے درجہ میں قرار دیا جائے گا۔ اور الیکشن کو آج ایک مہینہ سے زائد ہو گئے

باوجود کوشش کے خود میرے ناخن سے وہ رنگ زائل نہیں ہو پایا، اب تک وہ رنگ میرے ناخن میں موجود ہے، جب کہ اس کے ازالہ کے لئے بڑی کوشش کی گئی؛ البتہ ناخن سے ہٹ کر گوشت وچمڑا کے حصہ پر جو لگا تھا وہ زائل ہو چکا ہے؛ اس لئے الیکشن کے موقع پر جو رنگ لگایا جاتا ہے، وہ تیز اثر روشنائی کے حکم میں ہے، اسے ذی جرم کہہ کر ناخن پالش کے درجہ میں قرار نہیں دیا جائے گا؛ لہٰذا اس کی وجہ سے مسلمانوں کے وضو اور غسل میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولا یمنع ما علی ظفر صباغ، ولا طعام بین أسنانه أو فی سنه المجفوف. (شامي، کتاب الطهارة، مطلب فی أبحاث الغسل، زکریا ۱/ ۲۸۹، کراچی ۱/ ۱۵۴، هندية، الفصل الأول في فرائض الوضوء، زکریا قدیم ۱/ ٤، جدید ۱/ ٥٤، مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الطهارة، فصل في تمام أحکام الوضوء، دارالکتاب، ص: ٦٣)

ولا یضر بقاء أثر کلون وریح لازم فلا یکلف في إزالته إلی ماء حار، أو صابون ونحوه. (شامي، باب الأنجاس، قبیل مطلب في حکم الصبغ ......، کراچی ۱/ ۳۲۹، زکریا ۱/ ٥۳۷)

ویعفی أثر شق زواله بأن یحتاج في إخراجه إلی نحو الصابون. (مجمع الأنهر، باب الأنجاس، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۹۰، مصري قدیم ۱/ ٦۰)

والمراد بالأثر اللون والریح، فإن شق إزالتهما سقطت. (البحر الرائق، باب الأنجاس، کوئٹه ۱/ ۲۳۷، زکریا ۱/ ٤۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۷ھ

اعضائے وضو میں لگی ہوئی روشنائی وسفیدہ کا حکم

سوال [۱۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: اگر اعضائے وضو میں روشنائی اور سفیدہ لگ جائے تو ازالہ کئے بغیر وضو صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: عبد القادر دیوبندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفیدہ اور سفید پینٹ بظاہر ذی جرم اور تہہ دار ہوتا ہے؛ لہٰذا اصل حکم ان کو چھڑانے کا ہے؛ لیکن حسب گنجائش اپنی کوشش سے جتنا چھوٹ جائے اتنا کافی ہے، اس کے بعد جتنا باقی رہ جاتا ہے، تو اس کو چھڑائے بغیر وضو درست ہو جائے گا۔

ولا یمنع الطهارة ونیم ...... وحناء ولو جرمه، به یفتي ودرن ووسخ. (قال الشامي تحته) صرح به في المنية عن الذخيرة في مسألة الحناء والطين والدرن معللا بالضرورة -إلى قوله- والظاهر أن هذه الأشياء تمنع الإسالة، فالأظهر التعليل بالضرورة. (شامي، مطلب في أبحاث الغسل، زكريا ١/ ٢٨٨، كراچی ١/ ١٥٤، هندية، الفصل الأول فی فرائض الوضوء، زكريا قديم ١/ ٤، جديد ١/ ٥٤، حاشية الطحطاوي، فصل في تمام أحكام الوضوء، مكتبه دارالكتاب، ص: ٦٣)

وإذا كان في أظفاره درن أو طين أو عجين، أو المرأة تضع الحناء جاز فی القروي والمدني، وهو صحيح، وعليه الفتوى. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، زكريا ١/ ٢٩، كوئٹه ١/ ١٣، فتح القدير، كتاب الطهارة، زكريا ١/ ١٢، دارالفكر ١/ ١٦، كوئٹه ١/ ١٣، البناية، كتاب الطهارة، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ١٥١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۳؍۱۴۳۱ھ

چوری کی بجلی سے کئے گئے وضو کا حکم

سوال [۱۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک شخص کے گھر میں بجلی کا کنکشن حکومت سے منظور شدہ نہیں ہے، محض پڑوس کے کھمبے سے تار ڈال کر بجلی گھر میں جلا رہا ہے، یہ کام اگرچہ شرعاً درست نہیں، لیکن کیا ایسی لائٹ کی روشنی میں نماز، قرآن وغیرہ پڑھنا درست ہے؟

المستفتی: عبدالرشید، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چوری کی بجلی شرعاً حلال نہیں ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ لوگ آخرت کے مواخذہ دار اور گنہگار ہیں، تاہم چوری کی بجلی سے نماز یا قرآن پڑھنے کا ثواب اپنی جگہ پر ملے گا؛ لیکن جب تک چوری کی بجلی استعمال ہوتی رہے گی جس نے چوری کی ہے، سارا گناہ اس کے سر پر رہے گا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی. [سورة النجم: ٣٨)

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا. [سورة الفرقان: ٤٩)

الماء خلق طهورا في الأصل، فلا تتوقف طهوريته على صنع العبد.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٨/ ٨٩)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ديوبند ٩/ ٥٦٢، تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، إمداديه ملتان ٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤)

لأن المطلوب من التوضي هو الطهارة ...... لأن الماء خلق طهورا في الأصل، فلا تقف طهوريته على صنع العبد. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، زكريا ١/ ١٠٧، كراچی ١/ ٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۰۱)

خروجِ ریح پر ہاتھ منہ دھونے کا حکم تعبدی ہے؟

سوال [۱۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جاہل آدمی نے بندہ سے سوال کیا کہ جب کسی شخص کو ریح خارج ہوجائے تو وہ ہاتھ اورمنہ دھوتا ہے۔ اوراس مقام کو نہیں دھوتا، یعنی اسے سرین چوتڑ بھی تو دھونا چاہئے۔

المستفتی: ظریف احمد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ امر تعبدی ہے، عقلی چیز نہیں ہے۔

لأن غسل غير موضع الإصابة أمر تعبدي. (هداية، مكتبه أشرفي ديوبند فصل في نواقض الوضوء ١/ ٢٣)

نیز یہ ایسا ہے کہ اگر کسی کو دست آئے تو دوا کو اس راستہ سے داخل نہیں کیا جاتا؛ بلکہ منہ کے راستہ سے داخل کیا جاتا ہے۔

لأن غسل غير موضع الإصابة أمر تعبدي، أي أمر تعبدنا به: أي كلفنا الله به من غير معني يعقل؛ إذ العقل إنما يقتضي وجوب غسل موضع أصابته النجاسة، فيقتصر على مورد الشرع. (عناية مع فتح القدير، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، زكريا ١/ ٤٢، دارالفكر ١/ ٣٩، كوئٹه ١/ ٣٤، البناية، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٢٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۸/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

کیا ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال [۱۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رہتا ہے، دوسرے نے کہا: پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رہنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، شرعی مسئلہ کیا ہے؟

المستفتی: احمد نبی بیرپورتھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹخنہ سے نیچے پائجامہ پہننے سے وضونہیں ٹوٹتا؛ کیوں کہ وضوجسم سے کسی ناپاک چیز کے نکلنے سے ٹوٹتا ہے؛ البتہ اس طریقہ سے پائجامہ پہننا ناجائز وحرام ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ينظر الله يوم القيامة إلى من جر إزاره بطرا. (بخاري شريف، باب من جر ثوبه من الخيلاء، النسخة الهندية ۲/ ۸۶۱، رقم: ۵۵۶۰، ف: ۵۷۸۸)

وينقضه خروج كل خارج نجس منه إلى ما يطهر. (تنوير الأبصار على الشامي، مطلب في نواقض الوضوء، كراچی ۱/ ۱۳۴، زكريا۱/ ۲۶۰-۲۶۱) **فقط واللّٰہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

کیا عمداً ستر کھولنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

سوال [۱۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ستر کو قصداً کھولنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلمان مقبرہ درگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قصداً ستر کھولنے سے وضو نہیں ٹوٹتا؛ کیوں کہ وضو جسم کے کسی حصہ سے ناپاک چیز کے نکلنے سے ٹوٹتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱/ ۱۳۵)

وينقضه خروج كل خارج نجس منه إلى ما يطهر. (تنوير الأبصار على الشامي، مطلب في نواقض الوضوء، كراچی ۱/ ۱۳٤، زكريا ۱/ ۲٦۰- ۲٦۱، البحر الرائق، كتاب الطهارة، كوئٹه ۱/ ۲۹، زكريا ۱/ ٦۲)

المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السبيلين: والدم، والقيح، والقئ ملء الفم، والنوم مضطجعا، أو متكئا، والغلبة على العقل بالإغماء، والجنون، والقهقهة في صلوات ذات ركوع وسجود. (هدايه، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، مطبع ياسر نديم، ۱/ ۲۲-۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

محض کشف عورت سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال [۱۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زاہد نے چھوٹا استنجاء کیا اور ڈھیلے سے عضو تناسل کو سکھا لیا، پانی سے صاف نہیں کیا، اسی حالت میں وضو بنالیا بعد وضو خیال ہوا کہ استنجاء پانی سے نہیں کیا ہے، پھر پانی سے استنجاء کیا، تو اس حالت میں وضو باقی رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلمان مقبرہ درگاہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سبیلین سے بوقت استنجاء کوئی چیز نہیں نکلی ہے، بس

صرف طہارت کی ہے، تو وضو پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ اس لئے کہ کشف عورت ناقض وضو نہیں ہوا کرتا ہے؛ لہٰذا وضو بدستور باقی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱/ ۱۳۵)

وینقضه خروج کل خارج نجس منه إلی ما یطهر. (تنویر الأبصار علی الشامي، مطلب في نواقض الوضوء، کراچی ۱/ ۱۳۴، زکریا ۱/ ۲۶۰-۲۶۱، البحر الرائق، کتاب الطهارة، کوئٹه ۱/ ۲۹، زکریا ۱/ ۶۲)

المعاني الناقضة للوضوء کل ما یخرج من السبیلین: والدم، والقیح، والقيء ملء الفم، والنوم مضطجعا، أو متکئا، والغلبة علی العقل بالإغماء، والجنون، والقهقهة في صلوات ذات رکوع وسجود. (هدایه، کتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، مطبع یاسر ندیم، ۱/ ۲۲-۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۶)

کیا دودھ پلانا ناقض وضو ہے؟

سوال [۱۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی عورت کا اپنے بچہ کو دودھ پلانا ناقض وضو ہے یا نہیں؟

المستفتی: احقر عزیز الحق دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دودھ پلانا ناقض وضو نہیں؛ اس لئے کہ دودھ پلانے سے کسی نجاست کا خروج نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۴۱)

وینقضه خروج کل خارج نجس منه، أي المتوضي -إلی- کما لا ینقض لو خرج من أذنه ونحوها کعینه وثدیه. (شامي، کتاب الطهارة، نواقض

الوضوء، زكريا ١/ ٢٦٠-٢٦١، كراچی ١/ ١٣٤، زكريا ١/ ٢٧٩، كراچی ١/ ١٤٧، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الطهارة، كوئٹه ١/ ٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۳۸)

پستان سے دودھ نکلنا ناقض وضو ہے یا نہیں؟

سوال [۱۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض عورتوں کو بچہ کی خوارک پوری ہوجانے کے باوجود ان کے پستانوں میں دودھ کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے بلا کسی ارادہ یا حرکت کے اپنے مخرج سے نکل جاتا ہے، یا نکلتا رہتا ہے، دودھ کا اپنے مخرج سے نکلنا خواہ وجہ کچھ بھی ہو ناقض وضو میں سے ہے؟ اگر ہاں تو پھر عورتوں کے وضو اور ان کی نمازوں کا مسئلہ کیا بنے گا؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: ابوحارث عثمانی، محلہ انصاریان علی گنج، ضلع ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کے پستان سے دودھ نکلنا ناقض وضو نہیں ہے۔

(مستفاد: امداد المفتیین ۱/ ۱۶۲، امداد الاحکام ۱/ ۳۵۷)

لا ينقض لو خرج من أذنه ونحوها كعينه وثديه. (درمختار، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، زكريا ١/ ٢٧٩، كراچی ١/ ١٤٧، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الطهارة، كوئٹه ١/ ٨٥)

وينقضه خروج كل خارج نجس منه إلى ما يطهر. (تنوير الأبصار على الشامي، مطلب في نواقض الوضوء، كراچی ١/ ١٣٤، زكريا ١/ ٢٦٠-٢٦١، البحر الرائق، كتاب الطهارة، كوئٹه ١/ ٢٩، زكريا ١/ ٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

سجدہ میں کون سی ہیئت نوم ناقض وضو ہے؟

سوال [۱۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ نے آج مجھ سے یہ سوال کیا کہ ''بہشتی زیور'' حصہ اول ص: ۴۵ پر ہے کہ نماز کے اندر سجدہ میں اگر نیند آئی تو وضو ٹوٹ جائے گا، جب کہ ''تعلیم الاسلام'' تیسرا حصہ ص: ۳۱ پر اس صورت میں وضو نہ ٹوٹنے کی بات لکھی ہے، تو کون سی بات صحیح ہے؟ اور کس کی بات غلط ہے؟ دونوں ہی ہمارے اکابر ہیں، پھر ان میں آپس میں تعارض کیوں ہے؟ اس مسئلہ کے حل کے لئے میں نے ''ہدایہ'' اور ''نور الایضاح'' کا سہارا لیا؛ لیکن اس میں ''تعلیم الاسلام'' کی موافقت میں عدم نقض وضو کی بات لکھی ہے؛ لہٰذا کوئی جواب میرے سمجھ میں نہیں آیا؛ بلکہ میں خود خلجان میں مبتلا ہو گیا کہ آخر اس کا کیا جواب ہوگا۔

آنجناب سے درخواست ہے کہ اس کا جواب مرحمت فرما کر ہم لوگوں کو مطمئن فرمائیں، نوازش ہوگی۔ فقط والسلام

المستفتی: عبداللہ فیض آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''تعلیم الاسلام'' اور ''ہدایہ، نور الایضاح'' وغیرہ کا مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے۔ اور ''بہشتی زیور'' کا مسئلہ بھی اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، فرق یہ ہے کہ نماز میں عورتوں کو ہاتھوں کو زمین پر بچھا کر زمین سے چپک کر سجدہ کرنے کا حکم ہے۔ اور اس حالت میں سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ''تعلیم الاسلام'' اور ''ہدایہ'' وغیرہ میں مردوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اور مرد کلائی کہنیوں وغیرہ کو زمین سے دور رکھ کر سجدہ کرتا ہے اور اس حالت میں سو جانے سے زیادہ سہارا نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ اختری بہشتی زیور کا حاشیہ دیکھ لیں۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله ﷺ: لا يجب

الوضوء على من نام جالسا، أو قائما، أو ساجدا حتى يضع جنبه؛ فإنه إذا وضع جنبه استرخت مفاصله. (السنن الكبرى للبيهقي، باب ما ورد في نوم الساجد، دارالفكر ۱/ ۲۱۲، رقم: ۶۰۱)

إنما لا ينقض نوم الساجد إذا كان رافعا بطنه عن فخذيه جافيا عضديه عن جنبيه، وإن ملتصقا بفخذيه معتمدا على ذراعيه، فعليه الوضوء. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵، مصري قديم ۱/ ۲۱، شامي، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، زكريا ۱/ ۲۷۱، كراچی ۱/ ۱۴۱، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني، ما يوجب الوضوء، زكريا ۱/ ۲۵۳، رقم: ۲۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ رمضان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۳۷)

ایسی کون سی ٹیک ہے جس کو ہٹانا ممکن نہیں؟

سوال [۱۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ ایسی ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا کہ جس کو ہٹانے سے نائم گر جائے، تو اب سوال یہ ہے کہ ایسی کون سی ٹیک ہے جس کو ہٹانا ممکن نہیں ہے؟ مثلاً دیوار ہے، اس کو بھی ہٹانا ممکن ہے؟۔

المستفتی: حسیب الرحمٰن گوری نو ادا، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہٹانا تو ممکن ہے؛ لیکن اگر ہلکا ٹیک لگایا جائے تو جس پر ٹیک لگایا گیا ہے، اس کو ہٹا دینے سے ٹیک لگانے والا گرے گا نہیں؛ لیکن اگر اچھی طرح ٹیک لگایا ہے تو ہٹانے سے ٹیک لگانے والا اپنی جگہ قائم نہیں رہتا کہ بے خبری میں ہٹانے سے

گرجائے گا، تو اگر کوئی شخص وضو کے بعد کسی شئ پر اچھی طرح ٹیک لگا کر سوجاتا ہے کہ اس کو ہٹانے سے بے خبری کی وجہ سے گرسکتا ہے، تو اس طرح غالب نوم ناقض وضو ہوجاتا ہے۔

وينقضه حكما نوم يزيل مسكته، أي قوته الماسكة بحيث تزول مقعدته من الأرض، وهو النوم على أحد جنبيه، أو وركيه، أو قفاه، أو وجهه.

(الدر مع الرد، كتاب الطهارة، مطلب نوم من به انفلات ريح غير ناقض، زكريا ديوبند ۱/ ۲۷۰، ۲۷۱، كراچی ۱/ ۱۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ارمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۱۸ھ

انجکشن سے خون نکالنے یا بڑے مچھر، چیچڑی کے کاٹنے سے وضو ٹوٹ جائے گا یانہیں؟

سوال [۱۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: انجکشن کے ذریعہ بدن سے خون نکالنے سے وضو ٹوٹے گا یانہیں؟ پہلے سوال پر اگر آپ لکھتے ہیں کہ وضو ٹوٹ جائے گا، تو مچھر کے خون چوسنے کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یانہیں؟ اور مچھر بڑا ہے، اس نے اتنا خون پی لیا ہے کہ وہ بہتا ہوا خون ہوسکتا ہے، ایسے مچھر کے کاٹنے کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خون اگر اتنی مقدار میں باہر آجائے کہ وہ بہنے کے درجہ میں نہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹتا، جیسے کہ زخم سے باہر یا چمڑا اچھل جانے سے خون ظاہر ہو۔ اور اگر خون اتنی مقدار میں ہو کہ اپنے محل سے بہہ پڑے تو وضو ٹوٹ جائے گا، چنانچہ ''دار قطنی'' نے تمیم داری سے اور ابن عدی نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بہتا خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، فقہاء نے انجکشن سے قریب تر صورت ذکر کی ہے کہ مچھر، مکھی یا چیچڑی کسی آدمی کا خون چوسے اور خون سے بھر جائے، تو اگر مچھر وغیرہ بڑے ہیں، تو وضو

ٹوٹ جائے گا اور چھوٹے ہوں تو وضونہیں ٹوٹے گا۔ (مستفاد: کتاب الفتاوی۲/ ۵۰، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۷۰، میرٹھ ۸/ ۱۴۷)

عن عمر بن عبدالعزيز قال: قال تميم الداري: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الوضوء من كل دم سائل. (دار قطني، باب في الوضوء من الخارج من البدن ......، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱٦۳، رقم: ۵۷۱، معرفة السنن والآثار ۱/ ٤۲۷، رقم: ۱۱۹۹)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن رسول الله ﷺ قال: ليس في القطرة والقطرتين من الدم وضوء، حتى يكون دما سائلا. (دار قطني، باب في الوضوء من الخارج من البدن ......، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱٦٤، برقم: ۵۷۳)

القراد إذا مص عضو إنسان فامتلأ دما إن كان صغيرا لا ينقض وضوءه؛ لأن الدم فيه ليس بسائل، كما إذا مص الذباب والبعوض وإن كان كبيراً ينتقض؛ لأن الدم فيه سائل. (الولوالجية، مكتبه دار الأيمان سهارن پور ۱/ ٤۷، فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، زكريا ۱/ ٤۰، كوئٹه ۱/ ۳٤، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني ما يوجب الوضوء؟ ۱/ ۲٤۵، رقم: ۲۰۹، هندية، الباب الأول فى الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، زكريا قديم ۱/ ۱۱، جديد ۱/ ٦۲)

والمراد أن تتجاوزه ولو بالعصر، وما شأنه أن يتجاوز لو لا المانع، كما لو مصت علقة فامتلأت بحيث لو شقت لسال منها الدم. (حاشية الطحطاوي، فصل فيما ينقض الوضوء، أشرفيه، ص: ۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

کیا شراب پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال [۱۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شراب کا پینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، کیا یہ شراب پائخانہ پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے؟ کیا شراب پینے سے جب کہ نشہ نہ ہو وضو ٹوٹ جائے گا؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب پیشاب وپاخانہ سے بھی غلیظ ترین نجاست ہے۔ اور شراب پینے کے بعد جب نشہ آجائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر بالکل نشہ نہ آئے تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [سورة المائدة، آيت: ۹۰]

فالغليظة كالخمر هي غليظة باتفاق الروايات؛ لأن حرمتها قطعية، وسماها الله تعالى رجسا. (حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الأنجاس والطهارة عنها، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۵۳، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السابع معرفة النجاسات وأحكامها ۱/ ۴۴۲، رقم: ۱۱۲۹)

وكذا السكر ناقض أيضا، وحد السكر، أي علامته أن لا يعرف السكران الرجل من المرأة هذا حده عند أبي حنيفة في إيجاب الحد لا في نقض الوضوء، والصحيح في حده في النقض ما قال في المحيط: أنه إذا دخل في مشيته تحرك، فهو سكران بالاتفاق يحكم بنقض وضوئه لزوال المسكة به. (كبيرى، فصل في نواقض الوضوء، مكتبه أشرفيه ديوبند، ص: ۱۴۱، شامي، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، زكريا ۱/ ۲۷۴، كراچى ۱/ ۱۴۴، هندية، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، زكريا قديم ۱/ ۱۲، جديد ۱/ ۶۳، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني ما يوجب الوضوء، زكريا ۱/ ۲۵۸، رقم: ۲۸۳، حاشية چلپى، إمداديه ملتان ۱/ ۱۰، زكريا ۱/ ۵۴، الموسوعة الفقهية ۴۳/ ۳۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۵ھ

مذی ناقض وضو ہے موجب غسل نہیں؟

سوال [۱۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص جن کا ایک لڑکی سے رشتہ چل رہا ہے، وہ اس سے محبت بھی کرتے ہیں، اگر وہ اس لڑکی سے فون پر بات کرتے ہیں، تو بات کرنے کے بعد عضو تناسل سے سفید پانی کی طرح کچھ نکلتا ہے، تو کیا وہ ناپاک ہوگیا؟ کیا اس پر غسل کرنا واجب ہوجاتا ہے؟ اگر وہ ناپاک ہوگیا، تو اس کا تسبیحات نماز، قرآن وغیرہ پڑھنا یا اذان کا جواب دینا یا کوئی بھی نیک عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل قبول ہوگا یا نہیں؟ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز اگر یہ کپڑوں میں لگ جائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل میں اس کا صرف وضو ٹوٹ جاتا ہے، نماز وغیرہ کے لئے وضو کرنا کافی ہے، غسل اس کے اوپر لازم نہیں۔ اور اگر کپڑے میں لگ جائے تو جہاں لگ جائے وہاں سے دھو دینا کافی ہے، جس طرح پیشاب کے بعد بغیر وضو کے زبانی قرآن پاک پڑھنا اور اذان کا جواب دینا اور ہر نیک کام کرنا جائز ہے، ویسے ہی اس کے لئے بھی جائز ہے۔

عن أبي عبدالرحمن، عن علي، قال: كنت رجلا مذاء، فأمرت رجلا يسأل النبي صلى الله عليه وسلم لمكان ابنته، فسأل، فقال: توضأ واغسل ذكرك. (بخاري شريف، باب غسل المذي والوضوء منه، النسخة الهندية ۱/ ۴۱، رقم: ۲۶۹)

وأما الحدث الأصغر فلا يمنعه عن تلاوة القرآن وغيرها من الأذكار. (بذل المجهود، باب في الرجل يذكر الله تعالىٰ على غير طهر، قديم ۱/ ۱۳، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۲۲۷)

يجب تطهير ما أصابته النجاسة من بدن، أو ثوب، أو مكان لقوله تعالىٰ: "وثيابك فطهر". (الفقه الإسلامي وأدلته، شروط وجوب الطهارة، مكتبه هدى، ۱/ ۲۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۲۴ھ

۲/ باب ما يتعلق بالاستنجاء

کیا استنجاء میں پانی استعمال کرنا ضروری ہے؟

سوال [۱۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیشاب کرنے کے بعد مٹی کے ڈھیلہ سے خشک کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ جب کہ پانی آسانی کے ساتھ دستیاب بھی ہے۔ اور کسی شخص نے پیشاب کرنے کے بعد مٹی کے ڈھیلہ سے خشک کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کئے بغیر نماز پڑھا دی ہو، تو ایسی صورت میں مقتدی صاحبان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نماز نہیں ہوئی، تو کیا کرنا چاہئے

المستفتی: محمد قاسم محلّہ کٹگھر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقام استنجاء سے نجاست ایک درہم سے زائد تجاوز کر جائے، تو پانی سے پاک کرنا واجب اور ضروری ہے، ورنہ ڈھیلہ پر اکتفاء کرنا اور اس سے نماز پڑھنا اور امامت کرنا سب جائز ہے، نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ اور مقدار درہم سے تجاوز نہ کرنے کی صورت میں ڈھیلہ کے بعد پانی کا استعمال افضل اور مستحب ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: نزلت هذه الآية في أهل قباء: "" قال: كانوا يستنجون بالماء، فنزلت فيهم هذه الآية. (أبو داؤد، باب في الاستنجاء بالماء، النسخة الهندية ۱/ ۷، دارالسلام، رقم: ٤٤، ابن ماجة، باب الاستنجاء بالماء، النسخة الهندية ۱/ ۳۰، دارالسلالام، رقم: ۳۵)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: إن رسول الله ﷺ قال: إذا ذهب أحدكم إلى الغائط، فليذهب معه بثلاثة أحجار، يستطيب بهن، فإنها

تجزئ عنه. (أبو داؤد، باب الاستنجاء بالحجارة، النسخة الهندية ١/ ٦، دارالسلام، رقم: ٤٠، طحاوي شريف ١/ ١٥٦، رقم: ٧٠٨، مسند الدارمي، دارالمغني ١/ ٥٣٠، رقم: ٦٩٧)

والأفضل أن يجمع بينهما كذا فى التبيين، قيل: هو سنة فى زماننا. (هندية، الباب السابع، الفصل الثالث، زكريا قديم ١/ ٤٨، جديد ١/ ١٠٤، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء ١/ ٢١٢، رقم: ٦٤)

وغسل نجاسة المخرج ...... إذا تجاوزت مخرجها يجب عند محمد رحمة الله عليه قل أو أكثر، وهو الأحوط، وعندهما يجب إذا تجاوز قدر الدرهم. (عالمگيرى، الباب السابع، الفصل الثالث في الاستنجاء، زكريا قديم ١/ ٥٠، جديد ١/ ١٠٥، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الأول في الوضوء ١/ ٢١١، رقم: ٦٢، حلبي كبير، آداب الوضوء، ص: ٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۲۳)

ٹیشو پیپر سے استنجاء کا حکم

سوال [۱۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کاغذ ہوتا ہے، جو اب اسٹیشن اور ایئر پورٹ وغیرہ پر پایا جاتا ہے، وہ کاغذ بہت ملائم اور جاذب کرنے والا ہوتا ہے، وہ استنجاء کے لئے رکھا جاتا ہے، تو ایسے کاغذ سے استنجاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فضل الرحمٰن نواب پورہ رجو والا کنواں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بحالت عذر ایسے کاغذ سے استنجاء درست اور جائز ہے۔ اور مستنجی کی امامت درست اور جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱/ ۳۷۹)

وكذا ورق الكتابة لصقالته وتقومه، وله احترام أيضا لكونه آلة لكتابة العلم، ولذا علله في التاتارخانية: بأن تعظيمه من أدب الدين -إلى- ومفاده الحرمة بالمكتوب مطلقا، وإذا كانت العلة في الأبيض كونه آلة لكتابة كما ذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لايصلح لها ”إذا كان قالعا للنجاسة غير متقوم كما قدمناه“. (شامي، باب الأنجاس، فصل في الاستنجاء، مطلب إذا دخل المستنجي في ماء قليل، زكريا ۱/ ۵۵۲، کراچی ۱/ ۳۴۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۳۰)

ہندوستان میں قدمچہ کس سمت میں رکھنا چاہئے؟

سوال [۱۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہندوستان میں بیت الخلاء کی شیٹ (قدمچہ) کس سمت میں رکھنا چاہئے؟

(۲) ”لاتستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا“ کا مطلب کیا ہے؟ (۳) بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ پورب پچھم کا قدمچہ ہوسکتا ہے، ممنوع سمت قبلہ ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۴) سمت قبلہ سے کیا وہ رخ مراد ہے، جس طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں یا مطلقاً ہندوستان جیسے ملک میں پچھم کی سمت مراد ہے؟

(۵) کیا ہندوستان کے لحاظ سے پوری پچھم سمت قبلہ ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی دلائل کے ساتھ مسئلہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن قاسمی کانٹھ دروازہ
کیپٹل سینما روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ پانچوں سوالات کا مرکز مضمون ایک ہے؛ اس لئے اولاً پانچوں سوالوں کے جواب کا مرکز مضمون پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد سوالات کے جوابات دئے جائیں گے۔ حدیث پاک میں قضائے حاجت کے وقت استقبال قبلہ یا استدبار قبلہ کی جو ممانعت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، اس کا سارا مدار جہت قبلہ اور سمت قبلہ پر ہے۔ اور جہت قبلہ اور سمت قبلہ کی حدود ۴۵ ر ڈگری کے اندر اندر رہتی ہے۔ اور ۴۵ ر ڈگری والی تفصیل کسی کو دیکھنا ہو، تو وہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کا وہ رسالہ دیکھے جو عنایت اللہ مشرقی کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اور جس وقت آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے جہت قبلہ اور سمت قبلہ کی ممانعت کے ساتھ ساتھ ''**ولکن شرقوا أو غربوا**'' فرمایا تھا، اس وقت آپ کا قیام قبلہ سے جانب شمال میں تھا۔ اور جب قبلہ سے جانب شمال میں کسی کا قیام ہوگا، تو اس کے لئے جہت قبلہ سے بچنے کے لئے صرف یہی شکل ہے کہ وہ جانب شرق یا جانب غرب یعنی پورب یا پچھّم کی طرف رخ کرے۔ جانب جنوب اور جانب شمال کی طرف رخ کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا؛ لہٰذا ہندوستان والوں کے لئے جانب غرب اور جانب شرق یعنی پچھّم یا پورب کی سمت میں بیت الخلاء کا قدمچہ رکھنا ناجائز اور ممنوع ہوگا اور اس میں معمولی سا رخ بدلنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ ۴۵ ر ڈگری سے باہر ہونا ضروری ہے۔ اور ۴۵ ر ڈگری سے باہر ہونے کے لئے جانب جنوب یا جانب شمال میں قدمچہ ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ عین قبلہ کا رخ منع ہے، جہت قبلہ کا نہیں؛ اس لئے کہ عین قبلہ کا حکم صرف مکہ والوں کے ساتھ خاص ہے اور آفاق کے لوگوں کے لئے عین قبلہ کا حکم نہیں ہے؛ بلکہ صرف جہت قبلہ اور سمت قبلہ کا حکم ہے، اب حدیث شریف کا مطلب محدثین اور فقہاء کے الفاظ میں سنئے۔ عمدۃ القاری کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

شرقوا أو غربوا: خطاب لأهل المدينة، ولمن كانت قبلته على ذلك السمت، وأما من كانت قبلته إلى جهة المشرق أو المغرب؛ فإنه لا

يشرق ولا يغرب. (عمدة القاري، شرح بخاري، باب لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء ......، داراحياء التراث العربي ۲/ ۲۷۷، زکریا ۲/ ۳۹۳)

"بذل المجہو دٗ" کی عبارت اس سے بھی وضاحت کے ساتھ مروی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ولكن شرقوا أو غربوا: أي توجهوا إلى جهة المشرق والمغرب، لئلا يقع استقبالكم واستدباركم إلى القبلة، وهذا خطاب مختص لأهل المدينة، ومن في حكمهم من الساكنين في جهة الشمال والجنوب من الكعبة، فأما من كانت قبلته إلى جهة الغرب أو الشرق، فإنه ينحرف إلى الجنوب أو الشمال. (بذل المجهود، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۱۹۶-۱۹۷، سهارن پور قدیم ۱/ ۷)

مرقاۃ شرح مشکوۃ کی عبارت بھی بذل کی طرح کافی وضاحت کے ساتھ مروی ہے:

ولكن شرقوا أو غربوا: هذا خطاب لأهل المدينة، ولمن كانت قبلته على ذلك السمت، فأما من كانت قبلته إلى جهة الغرب أو الشرق، فإنه ينحرف إلى الجنوب أو الشمال. (مرقاة، شرح مشكوة، باب آداب الخلاء، مطبع بمبئی ۱/ ۲۸۳، مکتبه إمداديه ملتان ۱/ ۳۴۷)

اور مکہ والوں کے لئے عین قبلہ کا اعتبار ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

فللمكي فرضها إصابة عينها، أي عين القبلة. (البحر الرائق، باب شروط الصلوة، مكتبه رشيديه، كوئٹه ۱/ ۲۸۴، زكريا ۱/ ۴۹۵)

قوله: فانحرف عنها: أي بجملته أو بقبله حتى خرج عن جهتها، والكلام مع الإمكان، فليس فى الحديث دلالة على أن المنهى استقبال العين كما لا يخفى. (شامي، باب الأنجاس، مطلب القول مرجح على الفعل، زكريا ۱/ ۵۵۴، کراچی ۱/ ۳۴۲)

ان تمام جزئیات سے بات واضح ہوجاتی ہے کہ اہل مکہ کے علاوہ دنیا کے تمام اماکن کے لئے جہت قبلہ اور سمت قبلہ کا اعتبار ہے، عین قبلہ کا اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا ہندوستان والوں کے لئے

نماز میں جہت قبلہ کا استقبال لازم ہے، جو ۴۵؍ڈگری کے اندر اندر رہوتا ہے۔ اور قضائے حاجت میں ۴۵؍ڈگری سے باہر جہت قبلہ سے منحرف ہوکر بیٹھنا لازم ہے، اب اس تفصیل سے اصل مسئلہ کا خلاصہ سامنے آگیا، اب سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ہندوستان میں بیت الخلاء کی شیٹ قدمچہ جانب جنوب یا جانب شمال میں ہونا ضروری ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔

(۲) اس کی وضاحت بھی اوپر آچکی ہے۔

(۳) بعض اہل علم کا یہ کہنا کہ پورب پچھّم کا قدمچہ ہوسکتا ہے، ممنوع سمت قبلہ ہے، سوال کی یہ عبارت ایک معمہ ہے؛ اس لئے کہ پورب پچھّم کا قدمچہ ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو قبلہ سے جانب شمال یا جانب جنوب میں رہتے ہیں، اگر بعض اہل علم کا مطلب یہی ہے کہ قبلہ کی جانب جنوب اور جانب شمال والوں کے پورب پچھّم کا قدمچہ جائز ہے، تو کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر اس سے قبلہ کی جانب شرق یا غرب کے لوگوں کے لئے جائز کہنا چاہتے ہیں اور پھر سمت قبلہ سے عین قبلہ اور عین کعبہ مراد لیتے ہیں، تو یہ ان کی طرف سے مغالطہ ہے؛ اس لئے کہ سمت قبلہ اور جہت قبلہ میں ۴۵؍ڈگری کے اندر اندر کی حدود داخل ہیں، جس بنا پر ہندوستان والوں کے لئے پورب پچھّم کے اعتبار سے جہت قبلہ آجاتی ہے۔ اور ۴۵؍ڈگری ہے، باہر ہونے کی صورت میں پورب پچھّم کی جہت باقی نہیں رہتی ہے۔ اور اس کی تفصیل مفتی محمد شفیع صاحب کے رسالہ ''سمت قبلہ'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۴) ہندوستان والوں کے لئے صرف پچھّم کی سمت میں نماز پڑھنا جائز ہے؛ اس لئے کہ پچھّم کی سمت مکمل ۴۵؍ڈگری میں داخل ہے؛ لہٰذا مطلقاً پچھّم یا پورب کی طرف بیت الخلاء کی شیٹ رکھنا ممنوع ہے، جیسا کہ ماقبل کی عربی عبارات سے واضح ہے۔

(۵) ہندوستان والوں کے لئے پچھّم سمت قبلہ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۱/ ۲۵۶، جدید زکریا ۲/ ۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۲۴ھ

کیا سر ڈھک کر استنجاء کرنا مسنون ہے؟

سوال [۱۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب استنجاء کرنے جاتے ہیں، تو ٹوپی اوڑھ کر جاتے ہیں، ٹوپی نہ ہونے کی صورت میں سر پر رومال یا کوئی کپڑا رکھ لیتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ٹوپی اوڑھ کر استنجاء کرنا سنت ہے؟

المستفتی: محمد یونس، نیوسیلم پور، دہلی ۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سر ڈھک کر پیشاب پاخانہ کرنا یا اس کے لئے بیت الخلاء میں داخل ہونا فقہاء نے مستحب لکھا ہے۔

قال في البحر: إذا أراد الإنسان دخول الخلاء، وهو بيت التغوط يستحب له أن يدخل بثوب غير ثوبه الذي يصلي فيه -إلى قوله- ويدخل مستور الرأس. (البحر الرائق، قبيل كتاب الصلاة، زكريا ١/ ٤٢١، ١/ ٤٢٢، كوئٹه ١/ ٢٤٣)

إذا أراد دخول الخلاء يستحب له أن يدخل بثوب غير ثوبه الذي يصلي فيه. (هندية، قبيل كتاب الصلاة، زكريا قديم ١/ ٥٠، جديد ١/ ١٠٦، شامي، فصل في الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء، زكريا ١/ ٥٥٩، كراچی ١/ ٣٤٥، حاشية الطحطاوي، فصل في مايجوز به الا ستنجاء، دارالكتاب، ص: ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ۱/ ۱۴۲۰ھ

دورانِ استنجاء بایاں ہاتھ پیٹ پر اور دایاں ہاتھ سر پر رکھنے کا حکم

سوال [۱۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: سنتے ہیں کہ استنجاء کے وقت بائیں پیر پر زور دیا جائے اور بایاں ہاتھ پیٹ پر اور دایاں ہاتھ سر پر رکھا جائے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے اور کیا اس کا ثبوت ہے؟

المستفتی: زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: استنجاء کے آداب میں سے یہ ہے کہ استنجاء کے وقت بائیں پیر پر زور دیا جائے، یہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اور استنجاء میں سہولت پیدا کرتا ہے؛ لیکن استنجاء کے وقت بایاں ہاتھ پیٹ پر اور دایاں ہاتھ سر پر رکھنے کی بات کہیں نظر سے نہیں گذری۔

عن رجل من بني مدلج قال: سمعت أبي يقول: جاء سراقة بن مالك بن جعشم من عند النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا، فقال رجل كالمستهزئ: أما علمكم كيف تخرون؟ قال: بلى، والذي بعثه بالحق أمرنا أن نتوكأ على اليسرى وأن ننصب اليمنى. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۷/ ۱۳۶، رقم: ۶۶۰۵، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۰۶)

وتحته في إعلاء السنن: قلت: هكذا ذكر أصحابنا فى كيفية الجلوس للحاجة. (إعلاء السنن، كراچی ۱/ ۳۱۶)

وفي البحر: من آداب الاستجاء يوسع بين رجليه ويميل على اليسرى. (البحر الرائق، قبيل كتاب الصلوة، كوئٹه ۱/ ۲۴۳، زكريا ۱/ ۴۲۱، هندية، قبيل كتاب الصلوة، زكريا قديم ۱/ ۵۰، جديد ۱/ ۱۰۶، شامي، باب الأنجاس، فصل في الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء، زكريا ۱/ ۵۵۹، كراچی ۱/ ۳۴۵، عمدة القاري، باب وضع الماء عند الخلاء، مكتبه دار إحياء التراث العربي، بيروت ۲/ ۲۷۹، زكريا ۲/ ۳۸۹، غنية الطالبين مع ترجمه، ص: ۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۲۸ھ

شبہ کی بنا پر درمیانی حصہ میں پانی پہنچانا ضروری نہیں

سوال [۱۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک سن رسیدہ اوردائم المریض خاتون ہوں، بوقت فراغت پیشاب کے بارے میں مجھے شبہ ہوتا ہے کہ درمیانی حصہ میں (حیض ونفاس والا) پیشاب نہ پہنچ گیا ہو، اس وجہ سے میں درمیانی حصہ میں پانی پہنچاتی ہوں۔ اور تین تین مرتبہ پاک کرتی ہوں، اس کی وجہ سے دوران استنجاء پیشاب پھر نکل جاتا ہے، پھر دوبارہ استنجاء کرنا پڑتا ہے، اس وجہ سے پیشاب کی آمد بھی بڑھ گئی اور بار بار آنے لگا ہے۔اور انگلی داخل کر کے پاکی کرنے کی وجہ سے اجابت بھی نکل جاتی ہے، ویسے میں حیض ونفاس اور غسل جنابت سے بری ہوں؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں بعد از پیشاب اس طریقہ سے استنجاء کرنا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض شبہ کی وجہ سے بار بار درمیانی حصہ میں پانی پہنچانے کی ضرورت نہیں اور نہ انگلی داخل کر کے پاک کرنے کی ضرورت ہے؛ البتہ پیشاب سے فراغت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر اطمینان حاصل کر کے پاکی حاصل کر لی جائے، اتنا کافی ہے۔

فإنه لا استبراء عليها بل كما فرغت تصبر ساعة لطيفة، ثم تستنجي.

(شامي، باب الأنجاس، فصل في الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء، زكريا ۱/ ۵۵۸، كراچی ۱/ ۳۴۴، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، دارالكتاب ديو بند ص: ۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۹۷)

بیت الخلاء میں تھوکنے کا شرعی حکم

سوال [۱۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیت الخلاء میں تھوکنا ممنوع تو نہیں ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جی ہاں بیت الخلاء میں بلا وجہ تھوکنا مکروہ ہے؛ لہٰذا اس کی عادت نہ بنائے۔

ولا يبصق، ولا يتمخط، ولا يتنحنح، ولا يكثر الالتفات. (حاشية الطحطاوي، فصل فيما يجوز به الاستنجاء، مكتبه دارالكتاب، ص: ٥٥)

ولا يبذق، ولا يمتخط، ولا يتنحنح، ولا يكثر الالتفات. (هندية، قبيل كتاب الصلوة، زكريا قديم ١/ ٥٠، جديد ١/ ١٠٦)

وينبغي أن لايلقى البزاق في البول؛ لأنه يورث كثرة وسوسة. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الأول في الوضوء ١/ ٢١٦، رقم: ٧٦، البحر الرائق، قبيل كتاب الصلوة، زكريا ١/ ٤٢٢، كوئٹه ١/ ٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۹)

۳/ باب ما يتعلق بالغسل

بلوغت کی عمر

سوال [۱۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مرد کتنے سالوں (دنوں) میں بالغ ہوجاتا ہے؟

المستفتی: محمد اسعد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکا بارہ سال میں اورلڑکی نوسال میں بالغ ہوسکتی ہے۔اور بلوغت کی علامت یہ ہے کہ لڑکے کو احتلام ہوجائے یا اس کی وطی سے بیوی حاملہ ہوجائے یا اس سے منی کا خروج ہوجائے۔اورلڑکی کو احتلام ہوجائے، یا حیض آجائے، یا استقرارحمل ہوجائے،ان علامتوں میں سے کوئی بھی پائی جائے تو بلوغت کا حکم لاگو ہوجائے گا۔اوران میں سے کوئی بھی نہ پائی جائے تو دونوں کی عمر پندرہ سال مکمل ہونے پر بلوغت کا حکم لگ جائے گا۔

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير، وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس عشرة. (بخاري شريف، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم، النسخة الهندية ۱/ ۳٦٦، رقم: ۲٥۹۰، ف: ۲٦٦٤، مسلم شريف، باب بيان سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۸٦۸)

بلوغ الغلام بالاحتلام، والإحبال، والإنزال، والأصل هو الإنزال،

والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، وقوله: فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة، به يفتي، لقصر أعمار أهل زماننا وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين. (درمختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، كراچی ٦/ ١٥٣، زكريا ٩/ ٢٢٥، هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا قديم ٥/ ٦١، جديد ٥/ ٧٣، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني، بيان أنواع الحجر، زكريا ١٦/ ٢٨٠، رقم: ٢٤٩٠٩، مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل سن الاغتسال لأربعة أشيا، مكتبه دارالكتاب ديو بند، ص: ١٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۱/۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۷۱)

لڑکا اورلڑکی شرعاً کب بالغ شمار ہوتے ہیں؟

سوال [۱۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا لڑکی شرعاً کتنی کتنی عمر میں بالغ شمار کئے جاتے ہیں، شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: اشتیاق کٹکھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکے کو احتلام یا انزال وغیرہ کے ذریعہ سے بلوغیت کے آثار ظاہر نہ ہوں، تو پندرہ سال عمر پوری ہونے پر بالغ شمار ہوتا ہے۔ اور لڑکی کو جب حیض شروع ہوجائے، تو بالغ شمار ہوتی ہے۔ اور اگر حیض وغیرہ کے آثار ظاہر نہ ہوں، تو پندرہ سال پورے ہوجانے پر شرعی طور پر بالغ شمار ہوتی ہے۔

عن ابن عمر – رضي الله عنه – أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عرضه يوم أحد

وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير، وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس عشرة. (بخاري شريف، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم، النسخة الهندية ۱/ ۳٦٦، رقم: ۲٥۹۰، ف: ۲٦٦٤، مسلم شريف، باب بيان سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۸٦۸)

بلوغ الغلام بالاحتلام، والإحبال، والإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة، به يفتي. (تنوير الأبصار مع الدر، كراچی ٦/ ۱٥۳، زكريا ۹/ ۲۲٥، هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا قديم ٥/ ٦۱، جديد ٥/ ۷۳، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني، بيان أنواع الحجر ۱٦/ ۲۸۰، رقم: ۲٤۹۰۹، مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل سن الاغتسال لأربعة أشيا، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۱۸)

لیس دار پانی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا

سوال [۱۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) فرض کیجئے ایک لڑکے کو مستقل طور پر یہ بیماری ہے کہ جب وہ رات کو سو جاتا ہے، تو کسی بھی حصہ میں رات کے اس کے عضو تناسل میں سختی اور جوش پیدا ہو جاتا ہے اور بیدار ہونے پر جب وہ اس کو دبا کر دیکھتا ہے تو منی ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) جب وہی لڑکا بازار یا کسی اور جگہ جاتا ہے اور کسی لڑکی کو دیکھتا ہے، جو دیکھنے میں اچھی

لگے یا اس کے بارے میں تصور کرے یا اس کے قریب سے گذرے یا اس سے مس ہو یا بات کرے اور عضو تناسل میں سختی پیدا نہ ہو؛ لیکن عضو کو دبانے پر چپ چپا سا مادہ غالباً منی ظاہر ہوتی ہے، کیا غسل واجب ہے؟ اور صورت (۱) اور (۲) میں جو نمازیں بغیر غسل کے پڑھی ہیں، کیا ان کا اعادہ ضروری ہے؟

المستفتی: محمد رفیع کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیس دار پانی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، صرف عضو کو دھو کر وضو کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، گاڑھا مادہ جس کو منی کہتے ہیں، وہ اگر جوش کے ساتھ نکلے گا تو غسل واجب ہوتا ہے۔

عن علي –رضي الله عنه– قال: سألت النبي ﷺ عن المذي، فقال: من المذي الوضوء، ومن المني الغسل. (ترمذي، باب ماجاء في المني والمذي، النسخة الهندية ١/ ٣١، دارالسلام، رقم: ١١٤، السنن الكبرى للبيهقي، باب الوضوء من المذى والودي، دارالفكر ١/ ٢٠٣، رقم: ٥٦٦، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ١٥٩، رقم: ٦١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۱۰/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۰/۱۴۱۷ھ

بغیر انزال کے جماع کرنے سے غسل کا حکم

سوال [۱۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص ہے، اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور عضو تناسل کو مقام خاص میں داخل کر دیا، کچھ دیر بعد باہر کیا اور منی نہیں خارج ہوئی، تو اس صورت میں غسل کرے گا یا صرف عضو تناسل دھولے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں بہر حال غسل دونوں پر واجب ہوجاتا ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا التقى الختان الختان وجب الغسل، أنزل أو لم ينزل. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر ١/ ٢٧٥، رقم: ٧٨٨، مسلم شريف، باب بيان أن الجماع كان في أول الإسلام لا يوجب الغسل، النسخة الهندية ١/ ١٥٦، بيت الأفكار، رقم: ٣٤٩، طحاوى شريف ١/ ٦٨، رقم: ٣٠٦)

الإيلاج في أحد السبيلين إذا توارت الحشفة يوجب الغسل على الفاعل والمفعول به، أنزل أو لم ينزل. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الثانى، الفصل الثالث، زكريا قديم ١/ ١٥، جديد ١/ ٦٦، شامي، كتاب الطهارة، زكريا، ١/ ٢٩٨، كراچى ١/ ١٦١، هداية، كتاب الطهارة، فصل في الغسل، مكتبه أشرفي ديو بند، ١/ ٤٦، شرح النقاية، اعزازيه ديو بند ١/ ١٥، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١/ ٢٧٩، رقم: ٣٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۳/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

بلا انزال محض غیبوبت حشفہ موجب غسل ہے؟

سوال [۱۴٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر غیبوبتِ حشفہ بالثوب ہوا، بغیر انزال کے، تو اس سے وجوب غسل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان سرسید نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیبوبت حشفہ بالثوب ہونے کی صورت میں غسل واجب ہوجائے گا۔

ولو لف ذكره بخرقة وأولجه، ولم ينزل، فالأصح أنه إن وجد حرارة الفرج واللذة وجب الغسل، وإلا فلا، والأحوط وجوب الغسل في الوجهين. (مراقي الفلاح، قديم ص: ٥٤، دارالکتاب دیوبند/ ٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۶۴)

بلا انزال خواب میں جماع کرنے سے غسل کا حکم

سوال [۱۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خواب میں کسی شخص نے اپنی مرحومہ بیوی کے ساتھ جماع کیا، مگر انزال نہیں ہوا اور نہ لنگی خراب ہوئی، تو وہ محتلم ہوا کہ نہیں؟ اس پر غسل واجب ہوگا کہ نہیں؟ وہ بغیر غسل کے صرف وضو کر کے نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟

المستفتی: فدا حسین، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا شخص شرعاً جنبی نہیں ہے، اس پر غسل واجب نہیں، وہ بغیر غسل کے صرف وضو کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

المراد به نفي وجوب الغسل بالرؤية في النوم إذا لم ينزل، وهذا الحكم باق بلا شك. (البحر، كتاب الطهارة، كوئٹه ١/ ٥٣، زكريا ١/ ١٠٠)

وروى ابن أبي شيبة وغيرهم عن ابن عباس أنه حمل حديث الماء من الماء على صورة مخصوصة، وهي مايقع في المنام من رؤية الجماع. (بذل المجهود، باب الاكسال، سهارنپور ١/ ١٣٤، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ١٨٠، شرح المسلم للنووي، باب بيان أن الجماع كان في أول الإسلام ١/ ١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۸۷)

غسل جنابت کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۱۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غسل جنابت کرنے کے بعد بغیر وضو کئے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اسی طرح سادہ غسل کرنے کے بعد بھی بغیر وضو کئے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ سادہ غسل کرنے میں نہ تو غرارہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی ناک میں پانی چڑھایا جاتا ہے۔

المستفتی: احقر محمد احمد فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غسل جنابت کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھنا شرعاً درست ہے، نیز سادہ اور غسل تبرید کے بعد بھی بغیر وضو نماز پڑھنا درست ہے؛ کیوں کہ وضو میں غرارہ اور استنشاق فرض یا واجب نہیں ہے، محض سنت ہے، ان کے بغیر وضو ہو جاتا ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله ﷺ لا يتوضأ بعد الغسل من الجنابة. (نسائي شريف، باب ترك الوضوء من بعد الغسل، النسخة الهندية ١/ ٤٩، دارالسلام، رقم: ٢٥٢، ٤٣٠، ترمذي شريف، باب في الوضوء بعد الغسل، النسخة الهندية ١/ ٢٩، دارالسلام، رقم: ١٠٧، سنن ابن ماجه، باب في الوضوء بعد الغسل، النسخة الهندية ١/ ٤٣، دارالسلام، رقم: ٥٧٩)

فمن فروعها إذا اجتمع حدث وجنابة، أو جنابة وحيض كفى الغسل الواحد. (الأشباه والنظائر، ص: ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۹۶)

کیا غسل کے وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے؟

سوال [۱۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غسل کرتے وقت جو وضو کیا جائے اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نیازمند عبدالرب کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غسل کرتے وقت جو وضو کیا جائے اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں، نماز کے لئے دوبارہ الگ سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله ﷺ لا يتوضأ بعد الغسل من الجنابة. (نسائي شريف، باب ترك الوضوء من بعد الغسل، النسخة الهندية ١/ ٤٩، دارالسلام، رقم: ٢٥٢، ٤٣٠، ترمذي شريف، باب في الوضوء بعد الغسل، النسخة الهندية ١/ ٢٩، دارالسلام، رقم: ١٠٧، سنن ابن ماجه، باب في الوضوء بعد الغسل، النسخة الهندية ١/ ٤٣، دارالسلام، رقم: ٥٧٩)

إذا اجتمع حدث وجنابة، أو جنابة وحيض كفى الغسل الواحد.

(الأشباه والنظائر، ص: ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۴/۲۳)

غسل خانہ میں برہنہ نہانا اور حضرت ایوب اور موسی علیہما السلام کا برہنہ نہانا

سوال [۱۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غسل خانہ میں برہنہ نہانا کیسا ہے؟ اور کیا کسی نبی سے برہنہ نہانا ثابت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی تنہائی کی جگہ جہاں کوئی نہ دیکھ پائے برہنہ نہانا جائز اور درست ہے، خواہ کھڑے ہوکر نہائے یا بیٹھ کر؛ لہٰذا غسل خانہ میں برہنہ نہانا جائز ہے؛ اس لئے کہ غسل خانہ ایسی جگہ ہے جہاں نہانے کی حالت میں دوسرا نہیں دیکھ سکتا۔ اور غسل خانہ کی چھت چاہے کھلی ہو یا ڈھکی ہوئی ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱/ ۵۹) اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی برہنہ نہانا ثابت ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے برہنہ نہانے کی شہادت صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۳۱، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/۹۲، محمودیہ میرٹھ ۸/ ۱۷۵، فتاوی عثمانی ۱/ ۳۴۶، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۱۱۹)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلی الله عليه وسلم قال: بينا أيوب يغتسل عريانا، فخر عليه جراد من ذهب، فجعل أيوب يحتثي في ثوبه، فناداه ربه يا أيوب أ لم أكن أغنيتك عما ترى؟ قال: بلى وعزتك ولكن لاغنى بي عن بركتك. (بخاري، باب من اغتسل عريانا وحده في الخلوة ......، النسخة الهندية ۱/ ٤٢، رقم: ۲۷۹)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلی الله عليه وسلم قال: كانت بنو إسرائيل يغتسلون عراة، ينظر بعضهم إلى بعض، وكان موسیٰ عليه السلام يغتسل وحده، فقالوا: والله ما يمنع موسیٰ أن يغتسل معنا إلا أنه آدر، فذهب مرة يغتسل فوضع ثوبه على حجر، ففر الحجر بثوبه، فخرج موسیٰ في أثره يقول: ثوبي يا حجر ثوبي يا حجر، حتى نظرت بنو إسرائيل إلى موسیٰ، فقالوا: والله ما بموسیٰ من بأس، وأخذ ثوبه، فطفق بالحجر ضربا. (بخاري شريف، باب من اغتسل عريانا، النسخة الهندية ۱/ ٤٢، رقم: ۲۷۸)

وقال بهز بن حكيم عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم: الله أحق أن

يستحيي منه من الناس. إن ظاهر حديث بهز يدل على أن التعري في الخلوة غير جائز مطلقا، لكن استدل المصنف على جوازه في الغسل بقصة موسى وأيوب عليهما السلام. (فتح الباري، زكريا ۱/ ۴۸۲، دارالفكر بيروت ۱/ ۳۸۶)

جواز الاغتسال عريانا في الخلوة فيه قصة موسیٰ عليه السلام ...... أنه يجوز كشف العورة في موضع الحاجة في الخلوة، وذلك كحالة الاغتسال، وحال البول، ومباشرة الزوجة، ونحو ذلك، فهذا كله جائز فيه التكشف في الخلوة. (شرح النووي على المسلم ۱/ ۱۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۷/۱۴۳۵ھ
(رجسٹر خاص)

کیا غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا کیسا ہے؟ مسقّف وغیر مسقّف کی تفصیل ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس غسل خانہ میں پردہ کا اہتمام ہے، چاہے مسقّف نہ ہو برہنہ غسل کرنا جائز ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: بينا أيوب يغتسل عريانا، فخر عليه جراد من ذهب، فجعل أيوب يحتثى في ثوبه، فناداه ربه يا أيوب ألم أكن أغنيتك عما ترى؟ قال: بلى وعزتك ولكن لاغنى بي عن بركتك. (بخاري، باب من اغتسل عريانا، النسخة الهندية ۱/ ۴۲، رقم: ۲۷۹)

ومنها يجوز في بيت الحمام الصغير. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، زكريا ۲/ ۷٦، كراچی ۱/ ٤۰٤)

جوز الاغتسال عريانا في الخلوة فيه قصة موسىٰ عليه السلام ...... أنه يجوز كشف العورة في موضع الحاجة في الخلوة، وذلک كحالة الاغتسال، وحال البول، ومباشرة الزوجة، ونحو ذلک، فهذا كله جائز فيه التكشف في الخلوة. (شرح النووي على المسلم ۱/ ۱٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۹)

غسل خانہ میں ننگے نہانے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بند غسل خانہ میں بالکل سترکھول کر نہانا کیسا ہے؟ یعنی بالکل ننگے نہانا؟

المستفتی: محمد ناصر انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی پردہ کی جگہ کہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے وہاں پر برہنہ غسل کرنا درست ہے۔

ويستحب أن يغتسل في موضع لا يراه فيه أحد. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني، الفصل الثاني في سنن الغسل، زكريا قديم ۱/ ۱٤، جديد ۱/ ٦٥، شامي، كتاب الطهارة، مطلب سنن الغسل، زكريا ۱/ ۲۹۱، كراچی ۱/ ۱٥٦، بهشتي زيور ۱/ ٥۹)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: بينا أيوب يغتسل عريانا، فخر عليه جراد من ذهب، فجعل أيوب يحتثي في ثوبه، فناداه ربه يا أيوب أ لم أكن أغنيتک عما ترى؟ قال: بلى وعزتک

ولكن لا غنى بي عن بركتك. (بخاري، باب من اغتسل عريانا، النسخة الهندية ١/ ٤٢، رقم: ٢٧٩)

وقال بهز بن حكيم عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ: الله أحق أن يستحيي منه من الناس. إن ظاهر حديث بهز يدل على أن التعري في الخلوة غير جائز مطلقا، لكن استدل المصنف على جوازه في الغسل بقصة موسى وأيوب عليهما السلام. (فتح الباري، كتاب الغسل، باب من اغتسل عريانا الخ، مكتبه أشرفيه ١/ ٥٠٧، ٥٠٨، رقم: ٢٧٨، دارالفكر بيروت ١/ ٣٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ر ذیقعدہ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦٩٣٢/٣٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢١/١١/٦ھ

برہنہ غسل کرنے والے کا اسی غسل سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال [١٤٧٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص میدان میں جانگیا پہن کر غسل کرتا ہے اور وضو فرض کے ساتھ کرتا ہے، کیا اس غسل سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ جانگیا پہن کر وضو کرنے سے وضو باقی رہ جائے گا؟ اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

(٢) غسل خانہ میں ننگا ہو کر غسل کرنے سے اگر وضو صحیح طریقہ سے فرض کی ادائے گی کر کے کیا تو کیا اس وضو سے فرائض ونوافل نماز ادا کر سکتا ہے؟

المستفتی: موضع بکر پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: وضو ایک الگ حکم ہے اور برہنہ ہونا دوسرا حکم ہے، دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر موقوف نہیں ہے، لہٰذا میدان میں جانگیا پہن کر غسل کیا ہو یا غسل خانہ میں برہنہ غسل کیا ہو، دونوں صورتوں میں غسل کے وضو سے نماز پڑھنا جائز اور درست

ہے۔اوراس وضو سے بلا تردد فرائض ونوافل ادا کرسکتا ہے؛ البتہ جانگیا پہن کر میدان میں غسل کرتے وقت جوستر کھلا رکھا تھا،اس کا گناہ الگ سے ہوگا۔(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱/ ۱۵۰)

إذا اجتمع حدث وجنابة، أو جنابة وحيض كفى الغسل الواحد. (الأشباه والنظائر، ص/ ۱۹۹)

عن عائشة – رضي الله عنها – قالت: كان رسول الله ﷺ لا يتوضأ بعد الغسل من الجنابة. (نسائي شريف، باب ترك الوضوء بعد الغسل، النسخة الهندية ۱/ ۴۹، دارالسلام، رقم: ۲۵۲، ۴۳۰، سنن ابن ماجه، باب في الوضوء بعد الغسل، النسخة الهندية ۱/ ۴۳، دارالسلام، رقم: ۵۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱/۱۴۱۷ھ

جنبی شخص ٹب سے پانی کیسے نکالے؟

سوال [۱۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پانی دہ دردہ سے کم ہے اور وہاں کوئی چھوٹا برتن نہیں جس سے پانی نکالا جائے، جنبی غسل جنابت کے لئے اور محدث وضو کے لئے کیا کرے؟ وضو اور غسل جنابت کا مکمل طریقہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: انوار الحق، امام بڑی مسجد ہنومان گڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پانی لینے کے لئے کسی قسم کا برتن، گلاس، مگھا وغیرہ نہ ہو اور جنبی کے ہاتھ میں نجاست حقیقی لگی ہوئی نہ ہو، تو ایسی صورت میں ہاتھ کے چلو سے پانی لے کر دونوں ہاتھوں کو احتیاطاً دھولیا جائے، اس کے بعد ہاتھوں کے چلو سے پانی لے کر بدن پر ڈالا جائے اور نجاست حقیقی جہاں جہاں لگی ہو ایک ہاتھ کے چلو سے پانی لے کر اسے صاف

کرتا جائے، پھر اس کے بعد پورے بدن پر چلوؤں سے پانی لے کر پانی بہا دیا جائے، تو جنبی پاک ہوجائے گا اور شرعی طور پر اس کا غسل صحیح ہوجائے گا، مگر یہ خیال رکھے کہ غسل کے پانی کی چھینٹ پاک پانی میں نہ پڑنے پائے۔

وإن لم يكن يدخل أصابع يده اليسرى مضمومة فى الإناء، ولا يدخل الكف، ويصب الماء على يمينه، ويدلك الأصابع بعضها ببعض، يفعل هكذا ثلاثا، ثم يدخل يمناه في الإناء بالغا ما بلغ. (شرح وقاية، كتاب الطهارة، ياسر نديم كمپنى ديوبند ١/ ٥٩، شامي، كتاب الطهارة، مطلب فى دلالة المفهوم، زكريا ١/ ٢٣١، كراچى ١/ ١١١، هندية، كتاب الطهارة، الباب الأول، الفصل الثاني، زكريا قديم ١/ ٦، جديد ١/ ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۲۵ھ

داڑھ میں مسالہ بھرے ہونے کی صورت میں غسل کا حکم

سوال [۱۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی ایک داڑھ خالی ہے، اس میں اگر چاندی یا مسالہ وغیرہ بھروایا جائے تو غسل صحیح ہوجایا کرے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر چاندی یا سونے کا مسالہ اس طرح بھر دیا جائے کہ آسانی سے اس کو نکالنا اور پھر لگانا ممکن نہیں ہے، تو وہ جسم کے جزو متصل کے حکم میں ہوگا۔ اور اس کو نکالے بغیر غسل جائز ہوجاتا ہے، جیسا کہ سونے کے دانت کا حکم ہے۔

عرفجة بن سعد أنه أصيب أنفه يوم الكلاب في الجاهلية، فاتخذ أنفا من ورق، فأنتن عليه، فأمره النبى ﷺ أن يتخذ أنفا من ذهب، ففعل.

(شامي، كتاب الكراهية، فصل فى اللبس، كراچى ٦/ ٣٦٢، زكريا ٩/ ٥٢١)

عن عرفجة بن سعد قال: أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية، فاتخذت أنفا من ورق، فأنتن علي، فأمرني رسول الله ﷺ أن أتخذ أنفا من ذهب. (ترمذي شريف، باب ماجاء في شد الأسنان بالذهب، النسخة الهندية ١/ ٣٠٦، دارالسلام، رقم: ١٧٧٠، أبوداؤد شريف، باب ماجاء فى ربط الأسنان بالذهب، النسخة الهندية ١/ ٥٨١، دارالسلام، رقم: ٤٢٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۱۱)

کیا بیوی سے صحبت کے لئے غسل کرنا ضروری ہے؟

سوال [۱۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیوی سے صحبت کے لئے جب بھی جائے کیا ضروری ہے کہ غسل کر کے جائے؟

المستفتی: ایس اے الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی سے صحبت کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ بغیر غسل ووضو کے صحبت کرنا جائز ہے۔ اور غسل یا وضو کرنا صرف افضل اور بہتر ہے۔

عن أنس -رضي الله عنه- أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يطوف على نسائه بغسل واحد. (مسلم شريف، باب جواز نوم الجنب، النسخة الهندية ١/ ١٤٤، بيت الأفكار، رقم: ٣٠٩)

أن المعاودة من غير وضوء ولا غسل بين الجماعين أمر جائز، وأن الأفضل أن يتخللها الغسل أو الوضوء. (شامي مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل

الثناء، کراچی ۱/ ۱۷۶، زکریا ۱/ ۳۱۹، هندية، الفصل الثالث: المعاني الموجبة للغسل، زكريا قديم ۱/ ١٦، جديد ۱/ ٦٨، حلبي كبير، ص: ٥٦، سنن الغسل، بدائع الصنائع، أحكام الجنابة، زكريا ۱/ ١٥١، أحسن الفتاوى ٢/ ٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰؍رجب ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۸۵)

دانتوں کا کیپ صحت غسل کے لئے مانع نہیں؟

سوال [۱۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص کے دانت خراب ہوگئے ہوں اور ان پر کیپ چڑھانا پڑے جو کہ دوسرے بنے ہوئے دانت ہوتے ہیں، کیا ان پر غسل میں کلی یا وضو میں کلی کا پانی اصلی دانتوں کی جڑ تک نہیں پہنچتا ہے؟ اگر نہیں پہنچتا ہے تو کیا یہ دانت لگوانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذوالفقار احمد دہلی گلاب بیکری متھرا روڈ، اودھم سنگھ نگر، اتراکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خراب دانتوں کے اوپر کیپ چڑھانا اسی طرح جو دانت ٹوٹ گئے ہوں، ان پر دانت لگانا شرعا جائز ہے اور دانتوں کے اوپر جو کیپ لگایا جاتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے جام ہوجاتا ہے، آسانی سے نہیں نکلتا ہے، اس کے نیچے جو کھانے کے ذرات اور گوشت کے ریشہ وغیرہ گھس جاتے ہیں اور وہ آسانی کے ساتھ نہیں نکلتے ہیں، تو غسل واجب میں اچھی طرح کلی کرلے اور کھانے کے وہ ذرات اور ریشہ وغیرہ نہ نکلیں تو اسی حالت میں غسل صحیح ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، ڈابھیل ۵/ ۸۲، فتاوی حقانیہ ۲/ ۵۲۳، احسن الفتاوی ۲/ ۳۲، امداد الفتاوی ۱/ ۴۷)

ولو كان سنه مجوفا، فبقي فيه أو بين أسنانه طعام، أو درن رطب في أنفه،

ثم غسله على الأصح. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، زكريا ١/ ١٣، جديد زكريا ديوبند ١/ ٦٤)

وإذا اغتسل من الجنابة، وبقي بين أسنانه طعام فلم يصل الماء تحته جاز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل، زكريا ١/ ٢٧٧، رقم: ٣٨٤، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل، المجلس العلمي ١/ ٢٢٦، رقم: ٢٦٤)

ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين أسنانه، أو في سنه المجوف، به يفتي. (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في سنن الغسل، كراچی ١/ ١٥٤، زكريا ١/ ٢٨٩، حاشية الطحطاوي على الدر، کوئٹہ ١/ ٨٨)

ولو كان سنه مجوفا أو بين أسنانه طعام أو درن رطب يجزئه. (فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في الغسل، زكريا ١/ ٦٠، دارالفكر مصري، قديم ١/ ٥٦، حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في الغسل، دارالكتاب ديوبند ص: ١٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

۴/ باب ما یتعلق بالمیاہ والآبار

حوض شرعی کی مقدار

سوال [۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ اجتماع میں وضو کے لئے جو حوض بنائے گئے، ان کی کشادگی دو فٹ سے زیادہ نہ تھی اور گہرائی تقریباً چار انچ سے زیادہ نہ تھی، ان میں ایک سمت سے بذریعہ پمپ پانی جاری تھا اور پہلو بہ پہلو ایک دوسرے سے ملے لوگ وضو کر رہے تھے اور نجس پانی کے نکاس کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، کیا یہ شریعت کے اعتبار سے جائز ہے؟

المستفتی: منیجر مسلم ایجوکیشنل سینٹر، مفتی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کا ذکر کردہ حوض احقر نے بھی دیکھا ہے اور حوض شرعی ہونے کی وجہ سے از خود وضو بھی کیا ہے؛ اس لئے کہ اگر حوض لمبا ہو اور چوڑائی کم ہو اور حساب لگانے سے دس ہاتھ طول اور دس ہاتھ عرض بیٹھتا ہو، مثلاً ایک ہاتھ چوڑا اور سو ہاتھ لمبا یا دو ہاتھ چوڑا اور پچاس ہاتھ لمبا ہو، یا ڈیڑھ ہاتھ چوڑا ہو اور چھتر ہاتھ لمبا ہو، تو حوض شرعی کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور گہرائی صرف اتنی ہونا کافی ہے کہ چلو سے پانی لینے سے مٹی نظر نہ آئے؛ اس لئے مذکورہ حوض بھی شرعی حوض کے دائرہ میں داخل ہے۔

وفي المثلث من كل جانب خمسة عشر وربعا وخمسا بذراع الكرباس ولو له طول لا عرض لكنه يبلغ عشرا في عشر جاز تيسيرا. (تحته في الشامية) كأن يكون طوله خمسين وعرضه ذراعين مثلا، فإنه لو ربع صار عشرا في عشر. (درمختار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض الخ، كراچی ۱/ ۱۹۳، زكريا ۱/ ۳۴۲، ۳۴۳، البحر الرائق،

كتاب الطهارة، مكتبه رشيديه كوئٹه ١/ ٧٧، زكريا ١/ ١٤١، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ١/ ٣٠٢، رقم: ٤٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۹)

ستون اور فوارہ دہ دردہ کی مقدار میں مانع ہیں؟

سوال [۱۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حوض دس بائی دس کا ہے، اس کے اندر چار ستون ہیں، ہر ایک ستون کی لمبائی ایک ایک فٹ ہے اور چوڑائی بھی ایک ایک فٹ ہے، حوض کا نقشہ اس طرح سے ہے، آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ یہ حوض ان ستونوں کے ساتھ دہ دردہ کے حکم میں رہے گا یا ان ستونوں کو حوض کی مقدار میں سے منہا کر دیا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دہ دردہ حوض میں پانی کا سطح سومربع ذراع کا ہونا شرط ہے۔ اورستون اور فوارہ وغیرہ دہ دردہ کی مقدار میں نقصان دہ ہوتے ہیں؛ اس لئے مذکورہ حوض دہ دردہ کی مقدار سے چار فٹ چھوٹا ہوگا۔

إن المراد من اعتبار العشر في العشر ما يكون وجهه مائة ذراع. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض الخ، كراچی ١/ ١٩٣، زكريا ١/ ٣٤٢)

وأما إذا كان الجمد كثيرا قطعا قطعا لا يتحرك بالتحريك، أي بتحريك الماء لا يجوز الوضوء؛ لأنه حائل يمنع إتصال الماء بمنزلة الصخر ونحوه. (كبيري، كتاب الطهارة، فصل فى أحكام الحياض، أشرفيه ديوبند/ ٩٩)

وصورة الحوض الكبير المقدر بعشرة في عشرة أن يكون من كل جانب من جوانب الحوض عشرة، وحول الماء أربعون ذراعا، ووجه الماء مائة ذراع هذا مقدار الطول والعرض. (البحر الرائق، زكريا ١/ ١٤٠، رشيدية كوئٹه ١/ ٧٧، هندية، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، زكريا قديم ١/ ١٨، جديد ١/ ٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۱۲/۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/۱۴۱۱ھ

پانی کب ناپاک ہوتا ہے؟

سوال [۱۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد میں ایک نل ہے اور چار ہاتھ دوری پر ایک گڑھا ہے، تقریباً چھ سات ہاتھ اس کی گہرائی ہے اور اس گڑھا میں وضو کا پانی اور پیشاب جمع رہتا ہے اور نل کے پانی کا ذائقہ بدلا ہوا ہے؛ البتہ رنگ اور بو نہیں پائی جاتی ہے، تو اس پانی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس نل کے پانی سے وضو کرنا یا اور کسی استعمال میں لانا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ناپاک گڑھا اور نل کے درمیان فاصلہ کی مقدار کا اعتبار نہیں؛ بلکہ اعتبار پانی میں نجاست کے آثار ظاہر ہونے کا ہے؛ لہٰذا اگر ذائقہ جو بدلہ ہوا ہے، اس میں نجاست ہی کا ذائقہ ہے، تو پانی ناپاک ہوگا اور اگر نجاست کا ذائقہ نہیں ہے؛ بلکہ یوں ہی ذائقہ بدلا ہوا ہے، تو ناپاک نہ ہوگا، اس پر اچھی طرح غور فرمائیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۲۶۰، جدید، زکریا ۴/ ۳۸، امداد الفتاوی ۱/ ۶۴)

اختلف مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر –إلى قوله– المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب فى الفرق بين الروث، کراچی ۱/ ۲۲۱، زکریا ۱/ ۳۸۱، فتاوى قاضى خان، كتاب الطهارة، فصل في الماء الراكد، زكريا جديد ۱/ ۷، وعلى هامش الهندية ۱/ ۸، البحر الرائق رشيديه كوئٹه ۱/ ۱۲۲، زكريا ۱/ ۲۱٤، كتاب الطهارة، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث فى المياه التي يجوز الوضوء بها ۱/ ۳۳۰، رقم: ٦۱۲، هندية، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، مكتبه زكريا قديم ۱/ ۲۰، جديد ۱/ ۷۳)

البعد بين البالوعة والبئر المانع من وصول النجاسة إلى البئر خمسة أذرع –إلى– وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز، وإلا لا. (فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل فى البئر فرع، مطبع زكريا ۱/ ۱۱۱، كوئٹه ۱/ ۹۲، المبسوط للسرخسي، كتاب الطهارة، باب الوضوء والغسل، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ٦۱، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع فى المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ۱/ ۳۳۱، رقم: ٦۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۹ھ

ٹنکیوں کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۱۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چھوٹے حوض اور ٹنکیاں جن میں پانی کے آمد ورفت کا تسلسل نہ ہو، ان کو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ ہمارے یہاں ایک طریقہ اس طرح رائج ہے کہ ایک طرف سے پانی ڈالتے ہیں، پھر وہ پانی دوسرے راستے سے تھوڑا بہت نکل جائے تو بس وہ حوض یا ٹنکی پاک سمجھی جاتی

ہے، آیا یہ طریقہ درست ہے یانہیں؟ اگر ہے تو نکلنے والے پانی کی کوئی مقدار معین ہے یانہیں؟ واضح فرمائیں، شرعاً دیوانگی کی کیا علامت ہے؟

المستفتی: مختار احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوٹا حوض یاٹنکی جب ناپاک ہوجائے تواس کے پاک کرنے کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ملتے ہیں: (۱) وہی طریقہ ہے جوسائل نے سوال نامہ میں ذکرکیا ہے اوراسی طریقے کواکثر فقہاء نے راجح قول کہاہے (۲) یہ ہے کہ حوض یاٹنکی میں جتنا ناپاک پانی موجود ہوکم ازکم اتنا پانی دوسری طرف سے نکل جائے تو پاک شمار ہوگا (۳) تیسرا قول یہ ہے: کہ ایک طرف سے پانی داخل ہونے کے ساتھ دوسری طرف سے اس کا تین گنا پانی نکل جائے جو حوض یاٹنکی میں موجود ہے، تو حوض یاٹنکی پاک سمجھی جائے گی، اسی پر امام ظہیر الدین مرغینانی رحمہ اللہ فتوی دیا کرتے تھے، تو معلوم ہوا کہ فقہاء نے اس بارے میں کافی اختلاف کیا ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک قول اول زیادہ صحیح ہے۔ اور بعض کے نزدیک قول ثانی زیادہ صحیح ہے۔ اور ظہیر الدین مرغینانی کے یہاں قول ثالث زیادہ صحیح ہے؛ لہٰذا تینوں قول میں سے ہر ایک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، آپ کے علاقہ میں جوطریقہ رائج ہے اس کو اکثر فقہاء نے صحیح قرار دیا ہے؛ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ کم ازکم قول ثانی پر عمل کرکے حوض یاٹنکی میں جتنا پانی موجود ہے اتنا دوسری جانب سے نکال دیا جائے، تب حوض یا ٹنکی کو پاک سمجھا جائے اوراسی پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

حوض صغير تنجس ماء ه، فدخل الماء الطاهر فيه من جانب وسال ماء الحوض من جانب آخر كان الشيخ الإمام الفقيه أبو جعفرؒ يقول: لما سال ماء الحوض من الجانب الآخر يحكم بطهارة الحوض، وهو اختيار الصدر الشهيد، وكان الفقيه أبوبكر بن سعدؒ يقول: لا يحكم بطهارة الحوض حتى يخرج منه ثلاث مرات، مثل ما كان في الحوض من الماء

النجس، وبه يفتي الشيخ ظهير الدين المرغيناني، ومن المشايخ من شرط خروج مثل ما في الحوض من الماء النجس مرة واحدة، وفي الظهيرية، والصحيح أنه يطهر وإن لم يخرج مثل ما فيه. (تاتارخانية، قديم ۱/ ۱۷۷، جديد، كتاب الطهارة، الفصل الرابع ۱/ ۳۰۷، رقم: ۵۱۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي، كتاب الطهارة، الفصل الرابع ۱/ ۲۵۰، رقم: ۳٦٤، هندية، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، زكريا قديم ۱/ ۱۷، جديد ۱/ ٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۲/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸٦۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۴ھ

کنویں میں آدمی کے داخل ہونے سے کنویں کی ناپاکی کا حکم

سوال [۱۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کنویں کے اندر بغرض صفائی کیچڑ وکوڑا داخل ہوگیا اور اندر سے برابر کیچڑ وکوڑا باہر بھیجتا رہا، تقریباً پون گھنٹہ یا ایک گھنٹہ کنویں کے اندر رہا، زید کے کنویں کے اندر سے واپس ہونے پر کنویں میں سے پینتیس عدد بالٹی پانی نکال دیا گیا تو ایسی حالت میں کنویں کا پانی پاک ہوگیا یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس، ایس ایم زردہ کمپنی، مصطفیٰ آباد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے بدن پر پہلے سے کوئی نجاست نہیں تھی تو کنویں کی صفائی کے لئے اترنے کی وجہ سے کنویں ناپاک نہ ہوگا، ۳۵؍ بالٹی جو نکالا ہے، وہ بھی نہ نکالتے تب بھی کنویں کی پاکی میں کوئی فرق نہ آتا۔

ولا ينجس الماء بوقوع آدمي. الخ (مراقي الفلاح، فصل في مسائل الآبار، قديم: ۲۳، دارالكتاب ديوبند ۱/ ٤۱)

فإن كان آدميا ليس على بدنه نجاسة حقيقية ولا حكمية، وقد استنجى لا ينزح شيء في ظاهر الرواية، وروى الحسن عن أبي حنيفة: أنه ينزح عشرون دلوا، وهذه الرواية لا تصح؛ لأن الماء إنما يصير مستعملا بزوال الحدث أو بقصد القربة ولم يوجد شيء من ذلك. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، أحكام الآبار، زكريا ١/ ٢٢٢، كراچی ١/ ٧٤، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز ١/ ٣١٣، رقم: ٥٤٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٠/ ٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۴/ ۱۴۱۳ھ

کنواں کا سارا پانی نکالنے کا مسئلہ خاص ہے یا عام؟

سوال [۱۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ناپاک کنواں سے سارا پانی نکالنے کے بارے میں یہ جو مسئلہ ہے کہ اگر پورا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دوسو ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا، تو کیا یہ حکم اب بھی خاص ہے یا ہر کنواں کے بارے میں عام ہو گیا ہے؟ بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اب عام ہے، امام محمدؒ کے قول پر دوسو ڈول نکالنے کا فتوی دیا جا سکتا ہے۔ اور بعض حضرات دیتے بھی ہیں۔
(فتاوی دار العلوم جلد ۱/ ۲۰۵)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کنواں کا پانی اگر ناپاک ہو گیا اور اس کا سارا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دوسو ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا؛ لیکن یہ حکم عام کنواں کے بارے میں نہیں ہے؛ بلکہ اس کنواں کے بارے میں ہے جس میں چشمہ ابلتا ہو اور پانی بہت

زیادہ ہواور نکالنا بھی ممکن نہ ہو، ورنہ اگر کنواں میں پانی کم ہواور کنواں چشمہ دار نہ ہوتو ایسی حالت میں کنواں کا سارا پانی نکالنا لازم ہوتا ہے۔

وإن تعذر نزح كلها لكونها معينا، فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزح ...... وقيل: يفتي بمائة إلى ثلاث مائة، وهذا أيسر، وتحته في الشامية: جزم به في الكنز والملتقى: وهو مروي عن محمد وعليه الفتوى، خلاصة وتاتارخانية عن النصاب ...... وقال الشامي: قلت: لكن مروياتى أن مسائل الآبار مبنية على اتباع الآثار على أنهم قالوا: وإن محمداً أفتى بما شاهد في آبار بغداد، فإنها كثيرة الماء، وكذا ما روى عن الإمام من نزح مائة في مثل آبار الكوفة لقلة مائها، فيرجع إلى القول الأول؛ لأنه تقدير ممن له بصارة وخبرة بالماء في تلك النواحي لا لكون ذلك لازماً في آبار كل جهة.

(الدرالمختار على هامش الرد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، زكريا ١/ ٣٧١، ٣٧٢، كراچی ١/ ٢١٥، حلبي كبير، فصل في البئر، أشرفيه، ص: ١٦٣-١٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۵۲/۳۴)

ناپاک کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۱۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پندرہ ہاتھ گہرا اور تین ہاتھ گول چوڑا کنواں ہے، برسات میں اس میں پیشاب، پاخانہ کا پانی بہہ کر سیلابی پانی کے ساتھ چلا گیا، جس سے کنواں بالکل گندہ اور ناپاک ہوگیا، پانی بدبو بھی کرنے لگا، مگر قریب میں پوکھر ہے، پانی جتنا نکالا جاتا ہے، پانی کم نہیں ہوتا ہے، ایسی

حالت میں کتنا ڈول پانی پھینکنے پر کنواں پاک ہوجائے گا، اب پانی مہکتا نہیں ہے؟

المستفتی: محمد فیاض الدین گوڑ اگڑھ پوسٹ بہار شریف، نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو عادل تجربہ کار افراد مذکورہ کنویں کے پانی کا اندازہ لگا کر کہیں کہ اس میں اتنا پانی ہوسکتا ہے، تو اتنا نکال دینے سے پاک ہوجائے گا۔ اور اگر دو عادل تخمینہ لگانے والے نہ ہوں، تو تین سو ڈول نکالنے سے پاک ہوجائے گا۔

إذا وقعت نجاسة في بئر دون القدر الكثير -إلى قوله- ينزح كل مائها بعد إخراجه، وإن تعذر فبقدر ما فيها، يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء، به يفتي، وفي الشامية: وعليه الفتوى. (تنویر الأبصار، كتاب الطهارة، باب المياه، كوئٹه ۱/ ۱۵۵، شامي زكريا ۱/ ۳٦٦، تا۳٦۸، كراچی ۱/ ۲۱۱، ۲۱۲)

قوله: وقيل: يفتي بمائة إلى ثلاث مائة، وهذا أيسر، وذلك أحوط، وفي الشامي: هو مروى عن محمد وعليه الفتوى. (الدرالمختار ۱/ ۱۵۸، درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، زكريا ۱/ ۳۷۱، كوئٹه ۱/۱۵۸، كراچی ۱/ ۲۱۵، حلبي كبير، فصل في البئر، أشرفيه ديوبند ص: ۱٦۳، ۱٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ٦۹۷)

جس کنویں میں بکرے نے پیشاب کردیا، اس کی پاکی کا طریقہ

سوال [۱۴۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ کنواں کے اندر بورنگ کر کے اس میں نل اور موٹر لگا کر پانی استعمال کے لئے لیا جاتا ہے؛ لیکن کنواں میں جو پانی موجود ہے اس میں ایک بکرے نے پیشاب کر دیا ہے، تو بورنگ میں آنے والا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عابد حسین پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں کنواں ناپاک ہو چکا ہے؛ لہٰذا نل میں کنویں کا جو پانی آرہا ہے وہ بھی ناپاک ہے اور پیشاب کے وقت جتنا پانی کنواں میں تھا اتنا پانی نکالنا لازم ہے؛ البتہ اگر یہ ممکن نہ ہو تو آسان طریقہ یہ ہے کہ درمیانی بالٹی سے تین سو بالٹی نکال دیا جائے، تو پاک ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱/ ۲۰۷)

إذا وقعت نجاسة ليست بحيوان ولو مخففة أو قطرة بول أو دم في بئر دون القدر الكثير ...... ينزح كل مائها الذي كان فيها وقت الوقوع ...... وإن تعذر نزح كلها، فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزح، وقيل: يفتي بمائة إلى ثلاث مائة، وهذا أيسر، وفي الشامي: وهو مروي عن محمد وعليه الفتوى.

(شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، زكريا ١/ ٣٦٦، تا ٣٧١، كراچی ١/ ٢١١، تا ٢١٥، حلبي كبير، أشرفيه، فصل في البئر، ص: ١٦٢، محيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه، المجلس العلمي ١/ ٢٥٤، رقم: ٣٧٧، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ١/ ٣١٥، رقم: ٥٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ شعبان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۰۱)

آب خورہ سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال [۱۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ آب خورہ سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے تو کون سا مکروہ ہے؟ تنزیہی یا تحریمی؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ بسا اوقات آدمی پانی رکھے ہوتا ہے اور اس کو پیتا ہے، پھر اس کو پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے اور لوٹا پانی سے بھرا ہوا ہے تو اس پانی کو پھینک کر دوسرا پانی استنجاء کے لئے لے یا اسی سے استنجاء کرلے؛ اس لئے کہ اگر ایک طرف مکروہ ہے، تو دوسری طرف اسراف بھی ہوگا۔ کتب حدیث کے حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عرفان احمد قاسمی گونڈوی، مدرسہ تنویر العلوم دارا پور، پرتاب گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کوئی حدیث صحیح فقیر کی نظر سے نہیں گذری، جس میں اس بات کا ثبوت ہو کہ آب خورہ سے استنجاء کی ممانعت ہے؛ بلکہ حدیث شریف سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، جس میں سور بنی آدم کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جس پانی میں انسان نے منہ لگا کر کے پیا ہو وہ پانی پاک ہے، اس میں سے پینا اور اس میں سے وضو کرنا اور اس کے ذریعہ سے استنجاء کرنا سب جائز ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كنت أشرب وأنا حائض، ثم أناوله النبي صلى الله عليه وسلم، فيضع فاه على موضع في، فيشرب واتعرق العرق وأنا حائض، ثم أناوله النبي صلى الله عليه وسلم، فيضع فاه على موضع في. (مسلم شريف، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، النسخة الهندية ١/ ١٤٣، دارالسلام، رقم: ٣٠٠، أبوداؤد، كتاب الطهارة، باب مواكلة الحائض ومجامعتها، النسخة الهندية ١/ ٣٤، دارالسلام، رقم: ٢٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۱۱ھ

آبِ زمزم سے وضوو غسل کی شرعی حیثیت

سوال [۱۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آبِ زمزم سے وضواور غسل کرنا کیسا ہے؟ نیز یہ بھی بتلائیں کہ اس پانی سے آب دست کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آبِ زمزم سے وضواور غسل تبرکاً کرنا جائز اور درست ہے، یہ خلاف ادب بھی نہیں، تاہم آب زم زم سے استنجاء کرنا خلاف ادب اور مکروہ ہے۔
(مستفاد: انوار مناسک/ ۳۹۹، کتاب المسائل ۳/ ۲۵۶)

يجوز الوضوء والغسل بماء زمزم عندنا من غير كراهة، بل ثوابه أكثر ...... إن كان على طهارة للتبرك، فلا ينبغي أن يغتسل به جنب ولا محدث، ولافي مكان نجس، ولا يستنجى به، ولا يزال به نجاسة حقيقة، وعن بعض العلماء تحريم ذلك. (حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، مكتبه دارالكتاب ديوبند/ ۲۲)

لا يكره الوضوء والاغتسال بماء زمزم. (البناية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۳٦٦)

شرب من ماء زمزم (تحته في الشامي): ماسحا به وجهه ورأسه وجسده صابا منه على جسده إن أمكن. (شامي، مطلب في كراهية الاستنجاء بماء زمزم زكريا ۳/ ٥٤٦، كراچی ۲/ ٥٢٤)

يكره الاستنجاء بماء زمزم (تحته في الشامية) وكذا إزالة النجاسة الحقيقية من ثوبه أو بدنه حتى ذكر بعض العلماء تحريم ذلك. (الدرالمختار مع الشامي، مطلب في كراهية الاستنجاء بماء زمزم، زكريا ٤/ ٥٢، كراچی ۲/ ٦۲٥، غنية

الناسك/ ۱۸۳، الموسوعة الفقهية ۵/ ۱۹۷، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، فصل العمرة سنة، ص: ۷۳۱، دارالكتاب ديو بند) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ صفر ۱۴۳۵ھ

کنویں کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو نمازوں کا اعادہ کب سے کریں؟

سوال [۱۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کا ایک کنواں نالے کی غلاظت اس میں جانے کی وجہ سے ناپاک ہوا، ناپاک پانی اس میں کب سے گر رہا تھا صحیح علم نہیں، تاہم ناپاکی آنے کے راستہ کا نشان بتا رہا ہے کہ کم ازکم تین چار ماہ سے مستقل وہ ناپاکی کنویں میں آرہی تھی، اب کنواں پاک کردیا گیا اور ناپاکی کے راستہ بھی بند کردئے گئے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس کنویں سے وضو کرکے جتنی نمازیں پڑھی گئیں ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ جب کہ کنویں کے ناپاک ہونے کی ابتداء کسی کو معلوم نہیں یا جس دن ناپاکی کا علم ہوا اس دن سے جو نماز پڑھی گئی، ان نمازوں کا اعادہ کرے جیسا کہ جانور کے مرنے اور پھولنے پھٹنے کے مسئلہ میں صاحبین کا قول ہے یا تین دن قبل سے نماز کا اعادہ کرے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے جو شکل بھی ہو واضح کریں۔

المستفتی: مسلم انور قاسمی مدرس مدرسہ امداد العلوم آجرہ کولہا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کنویں کے ناپاک ہونے کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے، تو صاحبین کے قول پر عمل کرکے جس وقت یقین ہوا ہے اس وقت سے کنویں کو ناپاک سمجھا جائے گا، اس کے بعد جن لوگوں نے وضو کیا ہے، ان کو اس وقت سے نمازیں لوٹانی ہوں گی، اس سے پہلے کی تمام نمازیں صحیح مانی جائیں گی۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی/ ۱۶۸)

عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: فأرة وقعت في جر فماتت فيه،

فقال: لا يتوضأ منه، فإن توضأت ولم تعلم، ثم صليت ولم تعلم، فعد ما كنت في وقت، قال: فإن فاتك الوقت، فعد أيضا، قلت: فثوبي مسه من ماء تلك الجرة شيء أغسله أو أرشه؟ قال: لا. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۱/ ۸۷، رقم: ۲۹۰)

قالا: من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله، قيل: وبه يفتي، وتحته في الشامية: فلا يلزمهم أي أصحاب البئر شيء من إعادة الصلوة أو غسل ما أصابه مائها كما صرح به الزيلعي ...... وقوله: بأن قولهما قياس، وقوله: استحسان، وهو الأحوط في العبادات. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب ...... تعريف الاستحسان، زكريا ۱/ ۳۷۸، كراچی ۱/ ۲۱۹، تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ۱/ ۳۲۵، رقم: ۵۸۵، حلبي كبير، فصل في البئر، أشرفيه، ص: ۱۶۰، المبسوط للسرخسي، باب الوضوء والغسل، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت، ۱/ ۵۹، تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، مكتبه إمداديه، ۱/ ۳۰، زكريا ۱/ ۱۰۲، البناية، كتاب الطهارة، فصل فى البئر، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۴۶۱)

مگر امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر عمل کر کے تین دن کی نمازیں لوٹالیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۱)	۱۴۱۸/۱۱/۱ھ

پھولا ہوا کتا کنویں میں پایا گیا تو کتنی نمازیں لوٹائیں؟

سوال [۱۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کنویں کے پانی سے چند یوم سے بدبو آرہی تھی، جمعہ کو قبل نماز جمعہ کتا مردہ پھولا ہوا

پایا گیا، جن لوگوں نے اس پانی سے وضو کرکے سنتیں پڑھ لی تھیں، مائے جدید سے وضو کرکے اعادہ کرلیا، امام صاحب نے نماز فجر میں غسل اسی پانی سے کیا تھا، بغیر غسل کے اعادہ کئے ہوئے مائے جدید سے وضو کرکے نماز جمعہ پڑھائی اور چند یوم تک نمازیں پڑھاتے رہے، کنواں کب سے ناپاک خیال کیا جائے گا اور نمازوں کا اعادہ کب سے ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: سید نورالعابدین لونگراہر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مرے ہوئے کتے کے گرنے کا وقت معلوم نہیں ہے اور جس وقت نکالا گیا اس وقت پھول یا پھٹ گیا تھا، تو نکالنے کے وقت سے تین دن تین رات پہلے سے گرا ہوا تسلیم کیا جائے گا اور اسی مدت کی نمازیں لوٹائی جائیں گی اور دھلے ہوئے کپڑے بھی پاک کرلئے جائیں۔ اور امام صاحب نے اس مدت میں اس کنوئیں سے وضو یا غسل کرکے جو نمازیں پڑھائی تھیں، ان نمازوں کے لوٹانے کا اعلان کردیا جائے، نیز اگر تین دن کی مدت سے پہلے بھی بدبو آرہی تھی، جب بھی تین ہی دن کے لوٹانے کے مکلّف ہیں؛ اس لئے اس سے پہلے کی نمازیں صحیح سمجھی جائیں گی اور وضو وغسل سے پاک سمجھے جائیں گے اور ہم اسی کے مکلّف ہیں۔

وإن كانت قد انتفخت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها عند أبي حنيفةؒ. (هداية، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مكتبه أشرفي ديوبند ۱/ ۴۳)

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم ...... ومنذ ثلاثة أيام بلياليها إن انتفخ أو تفسخ استحسانا. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب مهم في تعريف الاستحسان، زكريا ۱/ ۳۷۷، كراچی ۱/ ۲۱۸، حلبي كبير، فصل في البئر، أشرفيه، ص: ۱۶۰، هندية، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ زكريا قديم ۱/ ۲۰، جديد ۱/ ۷۳، المبسوط للسرخسي، باب الوضوء والغسل، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت، ۱/ ۵۹، تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، مكتبه إمداديه

ملتان ۱/ ۳۱، زکریا ۱/ ۱۰۳، البناية، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ٤٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱/۱۴۲۰ھ

ٹنکی کے اندر پرندہ پھول پھٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد بلال میں پانی کی ٹنکی ہے، اس کا پانی وضو اور غسل کے لئے استعمال ہوتا ہے، ٹنکی کے اندر ایک پرندہ گر کر مر گیا، فاختہ کے برابر ۳/ستمبر کو آٹھ بجے پتہ چلا، جب پانی میں بدبو آنے لگی تھی، پرندہ کا ڈھانچہ برقرار تھا اور بال و پر بدن پر نہ تھا، بدبو آرہی تھی، ٹنکی کی لمبائی ۶/ ہاتھ اور چوڑائی ۴/ ہاتھ ہے اور اونچائی ۶/ ہاتھ ہے، تو کیا پانی ناپاک ہے یا پاک ہے؟ اگر پانی ناپاک ہے تو کتنی نمازیں لوٹائی جائیں گی، مجھے تو علم نہیں کہ کب اس کے اندر مرا تھا۔

المستفتی: محمد اقبال، امام بلال مسجد مدینہ کالونی، دھودھ روڈ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حوض یا ٹنکی جو دہ در دہ نہ ہو، اگر اس میں کوئی پرندہ یا جانور گر کر مر جائے اور پھول پھٹ جائے تو سارا پانی نکالنا ہوگا۔ اور تین دن تین رات کی نماز وغیرہ کا لوٹانا ضروری ہوگا، اگر اس حوض یا ٹنکی سے غسل یا وضو کیا ہے۔ اور سوال میں مذکورہ ٹنکی ۶x۴ = ۲۴/ ہاتھ ہے؛ اس لئے یہ حوض شرعی کے حکم میں نہ ہوگا اور شریعت نے گہرائی کا کوئی اعتبار نہیں کیا ہے؛ اس لئے یہ ٹنکی تین دن سے ناپاک سمجھی جائے گی اور انہیں ایام کی نمازوں کا اعادہ بھی ضروری ہوگا، مگر کھانے پینے کے معاملہ میں اس ٹنکی کے پانی کو صرف اس وقت سے ناپاک مانا جائے گا، جس وقت سے وہ پرندہ مرا ہوا ملا ہے؛ لہٰذا اس کا پانی جواب

تک پیا گیا ہے اور اس کے پانی سے کھانا وغیرہ بنایا گیا ہے وہ پاک شمار ہوگا۔

قال في التنوير: إذا وقعت نجاسة في بئر دون القدر الكثير، أو مات فيها حيوان دموي، وانتفخ أو تفسخ ينزح كل مائها بعد إخراجه. (التنوير مع الشامي، باب المياه، فصل في البئر، زكريا ١/ ٣٦٨، كراچى ١/ ٢١١-٢١٢)

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم، وإلا منذ ثلاثة أيام بلياليها، إن انتفخ أو تفسخ استحسانا. (الدر المختار مع الشامي، فصل في البئر، زكريا ١/ ٣٧٧، كراچى ١/ ٢١٨)

وفي الشامي: قوله: قيل: به يفتي، وصرح في البدائع بأن قولهما قياس، وقوله: استحسان، وهو الأحوط في العبادات. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب مهم في تعريف الاستحسان، زكريا ١/ ٣٧٧، كراچى ١/ ٢١٩)

وإن كانت قد انتفخت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها عند أبي حنيفةؒ. (هداية، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مكتبه أشرفي ديوبند ١/ ٤٣)

وفي حاشية شرح الوقاية عن المجتبى: كان ركن الأئمة الصباعي يفتي بقول أبي حنيفة فيما يتعلق بالصلوة، وبقولهما في ماسواه، يعنى في غسل الثوب والبدن، والأواني وغير ذلك مما وصل إليه ذلك الماء. (حاشية شرح الوقاية، كتاب الطهارة، فصل في البئر ١/ ٨٥، شامي كراچى ١/ ٢١٨، زكريا ١/ ٣٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۹ھ

ٹنکی میں میڈک مرنے کے بعد پھول کر پھٹ جائے

سوال [۱۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میری مسجد کی پانی کی ٹنکی میں مینڈک گر کر مرگیا اور پھول کر پھٹ گیا، تو کیا پانی ناپاک ہوگیا؟ نمازوں کا اعادہ کریں یا نہ کریں؟

المستفتی: سعید احمد، امام مسجد کاشی ورڑی پونہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حکم شرعی یہ ہے کہ ٹنکی کا پانی مینڈک کے گر کر مرنے اور پھولنے پھٹنے کی وجہ سے ناپاک ہوگیا ہے؛ لہٰذا تمام پانی نکال کر ٹنکی کو خالی کرلیا جائے اور اگر مینڈک کے گرنے کے وقت کا علم ہے، تو اس وقت کے بعد سے جن حضرات نے اس کے پانی سے وضو کرکے نمازیں پڑھیں ہیں ان نمازوں کا اعادہ لازم ہے۔ اور اگر گرنے کا وقت صحیح معلوم نہ ہوتو احتیاطاً تین دن اور تین راتوں کی نمازیں لوٹائی جائیں گی۔

والضفدع البري إذا مات في الماء، إن كان كبيرا له دم سائل ينجس الماء. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه، نوع في الجباب والأواني، المجلس العلمي ۱/ ۲۷۲، رقم: ٤۳۹، شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في مسألة الوضوء من الغساقي، زكريا ۱/ ۳۳۱، كراچى ۱/ ۱۸۵)

فإن انتفخ الحيوان فيها أو تفسخ نزح جميع ما فيها صغر الحيوان أو كبر. (هدايه، كتاب الطهارة، فصل في البئر، أشرفى ديوبند ۱/ ٤۳، حلبي كبير، فصل فى البئر، أشرفيه، ص: ۱٦۰)

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم -إلى قوله- منذ ثلاثة أيام بلياليها، إن انتفخ أو تفسخ استحسانا. (تنوير الأبصار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب في المياه، قبيل مطلب مهم في تعريف الاستحسنان، زكريا ۱/ ۳۷۵-۳۷۷، كراچى ۱/ ۲۱۸)

وإن وجدوا في البئر فارة أو غيرها ولا يدري متى وقعت...... إن

كانت قد انتفخت أو تفسخت أعادوا صلوة ثلاثة أيام ولياليها. (هداية، كتاب الطهارة، فصل في البئر، أشرفی دیوبند ۱/ ۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲)

کنویں میں چپل گر جائے تو کتنا پانی نکالیں؟

سوال [۱۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کنویں میں چپل گر جائے تو کتنا پانی نکالا جائے؟ بہت سے لوگ کہتے ہیں سارا پانی نکالا جائے اور کچھ کہتے ہیں ساٹھ ڈول نکالا جائے؛ اس لئے کنواں ابھی ویسے ہی پڑا ہوا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چپل میں اگر ظاہری نجاست لگی ہوئی تھی، تو اس کی وجہ سے کنویں کا سارا پانی نکالنا ہوگا۔ اور اگر ظاہری نجاست نہیں لگی ہوئی تھی، تو کنواں پاک ہے، ایک قطرہ بھی نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سئل يوسف بن محمد لو وقع بعض الجلد من الخف مما يكون في موضع القدم في الجب، وكان صاحب الخف يلبسه، قال: لا يحكم بنجاسة الماء حتى يستيقن أن به نجاسة. (تاتارخانية، قديم ۱/ ۱۹۹، جديد ۱/ ۳۳۰، رقم: ۶۰۹)

قال العلامة ابن عابدين قوله: ولو شك الخ، من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه: أصابته نجاسة أولا فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعة في الطرقات. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في

ندب مراعاة الخلاف، زکریا ۱/ ۲۸۳، کراچی ۱/ ۱۵۱، حلبي كبير، فصل في الحياض، أشرفيه، ص: ۱۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۶ھ

دہ دردہ کنویں میں پیشاب کرنے کا حکم

سوال [۱۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کنویں میں پیشاب گر جانے کے بعد پانی کو کھینچ کر دہ دردہ حوض میں ایسی نالی کے ذریعہ جو جاری پانی کے حکم میں ہو داخل کیا جائے، جب کہ حوض اس سے قبل خشک تھا یا حوض میں پانی پہلے سے موجود ہے، دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ نیز اوصاف ثلاثہ میں کوئی تغیر بھی نہیں، بالتفصیل تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد شاکر بارہ بنکوی، متعلم مدرسہ جامع العلوم
جامع مسجد پٹکا پور، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر دہ دردہ حوض میں پہلے سے پانی نہیں تھا؛ بلکہ خشک تھا، تو اس میں اگر چھوٹے کنویں کا ناپاک پانی کھینچ کر نالی کے ذریعہ یا براہ راست ڈال دیا جائے تو دہ دردہ حوض ناپاک ہی رہے گا؛ اس لئے کہ اس میں پاک پانی آیا ہی نہیں اور اگر دہ دردہ حوض میں پہلے سے پاک پانی موجود تھا، اب ناپاک پانی مذکورہ طریقے سے پہنچایا گیا ہے اور اس پانی کی وجہ سے دہ دردہ حوض کے پانی میں کسی قسم کا تغیر نہیں آیا ہے، تو اس سے دہ دردہ حوض ناپاک نہ ہوگا؛ بلکہ پاک رہے گا اور اگر اس کے اوصاف ثلاثہ میں تغیر آجائے تو ناپاک ہو جائے گا۔

والفتوی على عدم التنجيس مطلقا إلا بالتغير بلا فرق بين المرئية

وغيرها لعموم البلوى، حتى قالوا: يجوز الوضوء من موضع الاستنجاء قبل التحرك –إلى قوله– لأن الدليل إنما يقتضي عند الكثرة عدم التنجيس إلا بالتغير من غير فصل. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض، مصري ۱/ ۱۷٦، زكريا ۱/ ۳۳۹، كراچی ۱/ ۱۹۱)

وفي الفتاوى: غدير كبير لا يكون فيه الماء في الصيف وتروث فيه الدواب والناس، ثم يمتلي في الشتاء، ويرفع منه الجمد إن كان الماء الذي يدخله يدخل على مكان نجس، فالماء والجمد نجس، وإن كثر بعد ذلك، وإن كان دخل في مكان طاهر واستقر فيه حتى صار عشرا في عشر، ثم انتهى إلى النجاسة، فالماء والجمد طاهران. (فتح القدير، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالا يجوز، مكتبه زكريا ۱/ ۸۵، دارالفكر ۱/ ۸۰، كوئٹه ۱/ ۷۱، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الطهارة، باب المياه، كوئٹه ۱/ ۱۰٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۸۹)

جس بورنگ کو ۶۰؍ رفٹ پر چھوڑ دیا جائے، اس کے پانی کا حکم

سوال [۱۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض علاقوں میں لوگ بورنگ کرتے ہیں اور تقریباً ۶۰ ؍رفٹ پر چھوڑ دیتے ہیں اور پھر اس بورنگ میں اپنے گھر کا گندا پانی نیچے اتارتے ہیں اور واضح رہے کہ جو نل پانی نکالنے کے لئے لگوائے جاتے ہیں، وہ ۸۰؍رفٹ پر لگوائے جاتے ہیں اور ۸۰؍رفٹ پر صاف پانی نکلتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح گندا پانی مذکورہ صورت میں ۶۰ ؍رفٹ پر اتارنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ اور یہ بات بھی یاد رہے کہ اس طرح گندا پانی زمین میں اس لئے اتارتے ہیں کہ ان

کے اس گندے پانی کے نکلنے کی کوئی اور صورت نہیں ہے، تو کیا اس مجبوری کے تحت ایسا کرسکتے ہیں، یا کسی مجبوری کے بغیر بھی کرسکتے ہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد ارشاد محلّہ بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر گندے پانی سے بیس فٹ نیچے کو بورنگ کرواکے پاک صاف پانی حاصل کیا جائے اور اس پانی میں کسی طرح بدبو بھی نہیں آرہی ہے اور ذائقہ میں بھی کوئی فرق نہیں آرہا ہے، تو ایسی صورت میں بورنگ کا صاف پانی شرعی طور پر پاک اور حلال ہے۔

الثالث: أن المختار المعتمد في البعد بين البالوعة والبئر نفوذ الرائحة إن تغير لونه وريحه، أو طعمه، تنجس، وإلا فلا. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، رشيديه كوئٹه ١/ ٧٦، زكريا ١/ ١٤٠، شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض، زكريا ١/ ٣٤١، كراچى ١/ ١٩٢، فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في البئر فرع، مطبع زكريا ١/ ١١١، كوئٹه ١/ ٩٢، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ١/ ٣٣١، رقم: ٦١٣) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۰/۴/۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۱۸ھ

بیت الخلاء کے گڑھے سے کنواں کی دوری کتنی ہو؟

سوال [۱۴۹۶] (الف): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بیت الخلاء بنوایا جو ۲۲؍ فٹ گہرا ہے، بیت الخلاء کی شکل یہ ہے کہ چاروں طرف کی دیواریں پختہ ہیں؛ لیکن اندر کا نچلا فرش کچا ہے، اب اگر مزید پانی پینے کا

کنواں کھودنا چاہے تو کتنی دوری پر کنواں کھودنا چاہیے، جس سے پانی میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ امید کہ جواب مکمل ومدلل حوالہ کے ساتھ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد شعیب القاسمی، مدرسہ دار الرشاد بنکی، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سلسلہ میں کسی نے پانچ ذراع اور کسی نے سات ذراع کی مقدار متعین کی ہے؛ لیکن زیادہ صحیح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس میں زمین کی صلابت اور رخاوت کا اعتبار رہے کہ بیت الخلاء سے کنواں اتنی دوری پر ہونا چاہئے کہ کسی بھی زمانہ میں براز کے اثرات کنویں تک نہ پہنچ سکتے ہوں، اس کا تخمینہ وہاں کے تجربہ کار لوگ ہی لگا سکتے ہیں۔

اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة، وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون، أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا، ولو كان عشرة أذرع (قوله) الحاصل: أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه. (فتاوى شامي، قبيل مسئلة السور، شامي زكريا ۱/ ۳۸۱، كراچی ۱/ ۲۲۱، فتاوى قاضى خان، كتاب الطهارة، فصل فی الماء الراكد، زكريا جديد ۱/ ۷، وعلى هامش الهندية ۱/ ۸، البحر الرائق، كتاب الطهارة، رشيديه كوئٹه ۱/ ۱۲۲، زكريا ۱/ ۲۱٤، تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث فی المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ۱/ ۳۳۰، رقم: ۶۱۲، هندية، زكريا قديم ۱/ ۲۰، جديد ۱/ ۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۴۷)

کیا گندا پانی فلٹر کرنے سے پاک ہوجائے گا؟

سوال [۱۴۹۶] (ب): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ آج کا زمانہ جدید ترین مشینری اور کھربائی اور برقی دور ہے، دنیا کی بہت سی اشیاء کھربائی اور برقی مشینوں کے ذریعہ سے تیار کی جاتی ہیں اور ان میں سے ایک اہم مسئلہ اس وقت ہمارے سامنے درپیش ہے کہ دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں بڑے بڑے شہروں میں یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے کہ شہر کی آبادی کے لوگوں کے بول و براز کے ساتھ گندے اور ناپاک پانی کو سیور لائن کے ذریعہ سے ایک بڑی جگہ پر جمع کیا جاتا ہے، جو جگہ بہت بڑے تالاب سے کم نہیں، پھر وہاں سے بڑی بڑی مشینوں کے ذریعہ سے ان گندے پانیوں کو صاف کیا جاتا ہے، ان میں جو گندگیاں ہوتی ہیں ان کو کھاد وغیرہ کے کام میں لے آتے ہیں اور پانی کو چھان کر صفائی کر کے ایسا فلٹر کر لیا جاتا ہے کہ زمین کے ۵۰۰؍فٹ کے نیچے سے بورنگ کے ذریعہ جو عمدہ صاف و شفاف پانی نکالا جاتا ہے اس سے بھی بہتر، مزہ دار اور صاف شفاف ہوتا ہے، ان پانیوں کو صاف کر کے ان کو دوبارہ شہر کی ٹنکیوں میں منتقل کیا جاتا ہے اور شہر کے لوگ ان کو ہر قسم کی طہارت کے لئے استعمال کرتے ہیں اور پینے کے کام میں بھی لاتے ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کی نجاست کے آثار باقی نہیں رہتے، ان میں بدبو کا نام ونشان باقی نہیں رہتا، انتہائی صاف وشفاف ہوتے ہیں اور ان کا مزہ بھی بہترین ہوتا ہے، تو اب مفتیان کرام سے گزارش ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے اس طرح گندگیوں سے مشینوں اور فلٹروں کے ذریعہ سے صاف ہو کر شہر کی ٹنکیوں میں دوبارہ واپس آنے والا پانی پاک ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شہر کے گندے پانی جو جدید مشینوں اور فلٹروں کے ذریعہ سے صفائی کر کے شہر میں دوبارہ استعمال کئے جاتے ہیں، اس پانی کے بارے میں برصغیر کے علماء نے کیا غور وخوض فرمایا ہے اور اس کے بارے میں کیا حکم لگایا ہے؟ احقر کے علم میں نہیں ہے، مگر سعودی عرب میں حکومت کے تعاون سے ہیئۃ کبار العلماء (جو پورے ملک کے سب سے بڑے بڑے تجربہ کار حدیث وفقہ کے ماہر علماء کی کمیٹی اور بورڈ ہے) ان سب کی متفقہ رائے سے جو مسائل لکھے جاتے ہیں ان کو مرتب کر کے جمع کر دیا جاتا ہے، اس کا نام رکھا گیا

ہے ''اللجنة الدائمة'' ان کبار علماء کے فتاوی کے اس مجموعہ میں سوال نامہ میں ذکر کردہ مسئلہ کو مختصر اور طویل متعدد فتاوی میں واضح کیا گیا ہے، ان میں سے دو فتاوی سوال وجواب کے ساتھ یہاں پر ہم نقل کردیتے ہیں، جن میں اس بات کو واضح کردیا گیا ہے کہ جب ان گندے پانیوں کو مشینوں اور فلٹروں کے ذریعہ صاف کرلیا جاتا ہے اور ان میں نجاست کی کسی طرح کی بو، مزہ اور رنگ باقی نہیں رہتا ہے اور عمدہ صاف وشفاف ہوکر شہر کی ٹنکیوں میں پہنچ جاتا ہے تو وہ پانی شرعی طور پر پاک ہوجاتا ہے اور اس کا پینا، اس سے ہر طرح کی طہارت حاصل کرنا جائز ہوجاتا ہے؛ البتہ طبی نقطہ نظر سے اگر اس پانی میں صحت کے اعتبار سے کوئی مضر اور نقصان دہ اثر موجود ہوتا ہو تو پینے کے بارے میں احتیاط کے طور پر اس پانی سے احتراز کرنا بہتر ہے، مگر طہارت کے بارے میں کوئی تردد باقی نہیں رہتا ہے، مگر چونکہ برصغیر کے علماء کی ابھی تک کوئی رائے سامنے نہیں آئی ہے؛ اس لئے مثبت یا منفی میں ہم نے اپنی کوئی رائے قائم نہیں کی ہے، اہل علم سے اس پر غور کرنے کی گزارش ہے۔

اب ''اللجنة الدائمة'' کے فتاوی کی عبارات بعینہ یہاں نقل کردیتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

السوال: ماذا يقول العلماء الكرام في الماء المستعمل في المراحيض والحمامات ومع هذا الماء العذرة والبول، ويروح هذا الماء إلى مكينة ويتغير الرائحة الكريهة من هذا الماء، ويختلط مع هذا الماء بالأدوية، ويختلط مع هذه الماء الطاهر، ويرجع هذا الماء إلى المراحيض والحمامات ثانيا وإلى المطعم، فهل يجوز استعمال هذا الماء في الوضوء والاغتسال من جهة الشرع أم لا؟

الجواب: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه ...... وبعد لقد درس هذا الموضوع من قبل مجلس هيئة كبار العلماء في المملكة العربية السعودية وصدر فيه قرار هذا:

اطلع المجلس على البحث المعد في ذلک من قبل اللجنة الدائمة

للبحوث العلمية والإفتاء كما اطلع المجلس على خطاب، وبعد البحث والمداولة والمناقشة قرر المجلس ما يلي:

بناء على ما ذكره أهل العلم من أن الماء الكثير المتغير بنجاسة يطهر إذا زال تغيره بنفسه، أو بإضافة ماء طهور إليه، أو زال تغيره بطول مكث، أو تأثير الشمس، أو مرور الرياح عليه أو نحو ذلك لزوال الحكم بزوال علته، وحيث إن الماء المتنجس يمكن التخلص بنجاستها بعدة وسائل، وحيث أن تنقيتها وتخليصها مما طرأ عليها من النجاسات بواسطة الطرق الفنية الحديثة لأعمال التنقية يعتبر من أحسن وسائل الترشيح والتطهير حيث يبذل الكثير من الأسباب المادية لتخليص هذه المياه من النجاسات كما يشهد ذلك ويقرره الخبراء المختصون لذلك، فإن المجلس يرى طهارتها ممن لا يتطرق الشك إليهم في عملهم وخبرتهم وتجاربهم لذلك، فإن المجلس يرى طهارتها بعد تنقيتها التنقية الكاملة بحيث تعود إلى خلقتها الأولىٰ لا يرى فيها تغير بنجاسة في طعم ولا لون ولا ريح، ويجوز استعمالها في إزالة الأحداث والأخباث، وتحصل الطهارة بها منها كما يجوز شربها إلا إذا كانت هناك أضرار صحية تنشأ عن استعمالها، فيمتنع ذلك محافظة على النفس اتقاء للضرر لا لنجاستها.

والمجلس إذا يقرر ذلك يستحسن الاستغناء عنها في استعمالها للشرب متى وجد إلى ذلك سبيل احتياطا واتقاء للضرر، وتنزها عما تستقذره النفوس وتنفر منه الطباع. وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم. (فتاوى اللجنة الدائمة ٥/ ٩٥، ٩٦، ٩٧، رقم الفتوى: ٢٤٦٨)

السوال: في هذه الأيام تجمع المياه النازلة في المجارى مع النجاسات في بعض البلدان، وتكرر لتعود للبيوت مرة ثانية هل طهر عين النجاسة في هذه المياه؟

الجواب: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه ...... وبعد: الأصل في الماء الطهارة، وما ذكرت من مياه المجاریٰ إنما صارت متنجسة بما خالطها من البول والغائط ونحوهما، فإذا كررت وخلصت من النجاسة وزال منها ريح النجاسة وطعمها ولونها صارت طاهرة، وإلا فهي متنجسة بما بقي فيها من آثار النجاسة ومظاهرها. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم. (فتاوى اللجنة الدائمة ۵/ ۹۸-۹۹، رقم الفتوى: ۳۱۵۹)

(نوٹ) ہم نے اس پر کوئی حتمی رائے ابھی قائم نہیں کی ہے اور اہل علم سے غور وخوض کرنے کی گزارش کی ہے اور اہلِ علم سے یہ بھی گزارش ہے کہ غور وخوض کے وقت فقہاء کے اس طرح کے جزئیات بھی پیش نظر رکھیں:

وينبغي أن يكون بين البالوعة وبين بئر الماء مقدار ما لا تصل النجاسة إلى بئر الماء، وقدر في الكتاب بخمسة أذرع أو سبعة، وذلک غير لازم، وإنما المعتبر عدم وصول النجاسة إليه، وذلک يختلف بصلابة الأرض ورخاوتها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۲۰، جديد زكريا ۱/ ۷۳)

وبئر الماء إذا كانت بقرب من البالوعة لا يفسد الماء ما لم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه، وقدر أبو حفص المسافة بينهما: بسبعة أذرع، وأبو سليمان: بخمسة، وذا ليس بتقدير لازم لتفاوت الأراضي في الصلابة والرخاوة. (بدائع الصنائع ۱/ ۲۳۰)

البعد بين البئر والبالوعة بقدر ما لا يظهر للنجس أثر، وتحته في الشامية: اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة، وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا، ولو كان عشرة أذرع. (شامي، زكريا ۱/ ۳۸۱، كراچی ۱/ ۲۲۱)

وفي الأصل: أدنى ما ينبغي أن يكون بين الماء والبالوعة مقدار خمسة أذرع، وهذا في رواية أبي سليمان رحمه الله تعالى، وفي رواية أبي حفص رحمه الله تعالى: سبعة أذرع، قال شمس الأئمة الحلواني رحمه الله: ليس هذا بتقدير لازم، بل الشرط أن يكون بينهما برزخ يمنع خلوص طعم البالوعة أو ريحها إلى ماء البئر، ولا يقدر هذا بالذرعان، حتى إذا كان بينهما عشرة أذرع، وكان يوجد في البئر أثر البالوعة، فماء البئر نجس، وإن كان بينهما ذراع واحد، وكان لا يوجد أثر البالوعة في البئر، فماء البئر طاهر. (المحيط البرهاني ۱/ ۲٦۷، رقم: ٤۱۹، هكذا في التاتارخانية ۱/ ۳۳۰، رقم: ٦۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اس مسئلہ میں بحث کی گنجائش ہے، اچھا ہوا کہ حتمی رائے سے قبل حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اہل علم کو غور کی دعوت دی اور بعض علمی بحثیں پیش فرمادیں- فجزاکم اللہ- فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۲۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۱۱/ ۱۴۳۶ھ

ہینڈ پائپ کے قریب بیت الخلاء بنوانا

سوال [۱۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک ہینڈ پائپ لگوایا اور اسی کے قریب تقریباً چار ہاتھ کی دوری پر بکر نے ایک پاخانہ بنوایا، ہینڈ پائپ اور پاخانہ کے درمیان ایک گلی ہے، جس میں ہینڈ پائپ کا پانی اور پاخانہ کی غلاظت دونوں گرتی ہیں، پانی اور غلاظت بہنے کا راستہ نہ ہونے کی وجہ سے بکر نے کہا کہ اسی گلی کے اندر ایک پائپ زمین کے اندر لگوایا جائے، جس میں ہینڈ پائپ اور پاخانہ کا پانی دونوں اسی پائپ میں گرجایا کریں گے، جس سے پریشانی ختم ہوجائے گی، اس پر زید نے کہا کہ اس طریقہ پر ہینڈ پائپ کا پانی خراب اور متاثر ہوجائے گا، جس کی وجہ سے ایسے پائپ

کا یہاں لگوانا قطعاً درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں راقم الحروف نے فقہ کی کتابوں کو دیکھا، تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ”من حفر بئرا فله حولها أربعون ذراعا“ صاحب شرح وقایہ اسی کے تحت وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: کہ اگر کوئی شخص اس کنوئیں کے پاس دوسرا کنواں یا نجاست والا کنواں کھودے، تو صاحب بیر اول کو حق منع حاصل ہے کہ دوسرا کنواں یا بیر بالوعہ نہ کھودنے دے، پانی کے جذب کرنے کی وجہ سے یا نجاست سے متاثر ہونے کے سبب پر۔ (شرح وقایہ ۱/ ۸۱، مکتبہ تھانوی دیوبند)

حاشیہ عالمگیری ۴/ ۴۰۳، فتاوی بزازیہ کی عبارت یہ ہے:

والتعديل على نفوذ الأثر.

اور عالمگیری جلد اول ص: ۲۰ کی عبارت کا بھی یہی ماحصل ہے۔

ان عبارتوں کی روشنی میں مندرجہ ذیل شبہات کو رفع کریں:

(۱) **والتعديل على نفوذ الأثر:** کی اقل مقدار اور اکثر مقدار کا تعین کرتے ہوئے ہینڈ پائپ اور نجاست والے پائپ کے مابین اقل مقدار اور اکثر مقدار کا تعین کریں۔

(۲) اس حدیث مذکور سے صاحب شرح وقایہ حریم بیر کی وضاحت ہر چہار اطراف دس ہاتھ سے کرتے ہیں، جیسا کہ عالمگیری کی بعض عبارت سے مصرح ہے۔ اور صاحب ہدایہ حریم بیر ہر چہار اطراف چالیس ہاتھ سے کرتے ہیں۔ **كما قال صاحب الهداية: هو الصحيح، فكيف التطبيق بين القولين؟**

(۳) بئر ماء اور بالوعہ کی مسافت کا تعین ارجح طریقہ پر کریں۔

(۴) اس فتوی کے نہ ماننے والے پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: انوار احمد محلّہ گلزار باغ، پوسٹ موہرسن، سنت کبیر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید اور بکر کا پانی بہنے کے لئے پائپ لگوانے کے متعلق جو جھگڑا ہے، اس میں زید کا حدیث شریف: ”**من حفر بئرا فله حولها أربعون ذراعا**“

(سنن ابن ماجة، باب حريم البئر، النسخة الهندية ٢/ ١٧٩، دارالسلام، رقم: ٢٤٨٦) پیش کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ حریم کا حاصل ہونا یہ بنجر اور غیر آباد زمینوں کے آباد کرنے پر موقوف ہے۔ اور دوسرے کو کنواں کھودنے سے اسی وقت منع کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ پہلے شخص کی ملکیت اور اس کے حریم میں کھودرہا ہو؛ لیکن اگر وہ اپنی زمین کے اندر یہ تصرف کرر ہا ہے، تو کسی کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے؛ لہٰذا ہینڈ پائپ اور پاخانہ کے درمیان فاصلہ اور اس کی اقل واکثر مقدار کا حکم اسی وقت لگایا جائے گا جب کہ دونوں فریق غیر آباد اور بنجر زمین میں اپنی اپنی ضرورت کا سامان کرر ہے ہوں، نیز ”من حفر بئرا فله حولها أربعون ذراعا“ والی حدیث ”کتاب إحیاء الاموات“ سے متعلق ہے، آبادی سے متعلق نہیں ہے۔

وحريم بئر الناضح كبئر العطن أربعون ذراعا من كل جانب ...... إذا حفرها في موات بإذن الإمام، فلو في غير موات أو فيه بلا إذن الإمام لم يكن الحكم كذلک. (درمختار مع الشامي، كتاب إحياء الموات، زكريا ١٠/ ٨-٧، كراچى ٦/ ٤٣٤، ٤٣٥)

(۲) صاحب شرح وقایہ کے قول دس ہاتھ اور صاحب ہدایہ کے قول چالیس ہاتھ حریم بئر ہونے میں تطبیق یہ ہے: کہ اس کمی اور زیادتی کا مدار زمین کی سختی اور نرمی پر ہے، اگر زمین سخت ہے، تو دس ہاتھ ہی کافی ہے۔ اور اگر نرم ہے تو پھر چالیس ہاتھ کا حکم ہوگا۔

وهذا الضرر ربما لا يندفع بعشرة أذرع من كل جانب، فإن الأرض تختلف بالصلابة والرخاوة. (المبسوط، كتاب الشرب ٢٣/ ١٦٢، شامي، كتاب إحياء الموات، كراچى ٦/ ٤٣٤، زكريا ١٠/ ٧، الموسوعة الفقهية ١٧/ ٢١٤)

وهذا الضرر لا يندفع بعشرة أذرع من كل جانب بيقين، فإن الأراضي تختلف بالصلابة والرخاوة. (حاشية هدايه، أشرفى ديوبند ٤/ ٤٨٠)

والجواب مختلف باختلاف صلابة الأراضي ورخاوتها. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع ١/ ٣٣٠، رقم: ٦١٢، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الرابع، المجلس العلمي ١/ ٢٦٧، رقم: ٤١٩)

(۳) بئر ماء اور بالوعہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ بئر ماء کے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، حتی کہ اگر دونوں کے درمیان فقط ایک ہی ہاتھ کا فاصلہ ہے اور پانی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تو اس کا بھی اعتبار ہے۔

بئر الماء إذا كانت بقرب البئر النجسة، فهي طاهرة ما لم يتغير طعمه أو لونه أوريحه، كذا فى الظهيرية، ولا يقدر هذا (إلى قوله) وإن كان بينهما ذراع واحد، ولا يوجد أثر البالوعة، فماء البئر طاهر، كذا فى المحيط وهو الصحيح. (فتاوى عالمگيرية ١/ ٢٠، جديد ١/ ٧٣، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ١/ ٣٣٠، ٣٣١، رقم: ٦١٢)

ولا يقدر هذا بالذرعان حتى إذا كان بينهما عشرة أذرع، وكان يوجد فى البئر أثر البالوعة، فماء البئر نجس، وإن كان بينهما ذراع واحد، وكان لا يوجد أثر البالوعة في البئر، فماء البئر طاهر. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه، المجلس العلمي ١/ ٢٦٧، رقم: ٤١٩)

(۴) فتویٰ صحیح ہونے کے باوجود اس کا نہ ماننے والا فاسق اور قابل ملامت ہے۔ اور اگر فتوی کے ساتھ مزید گستاخانہ انداز اختیار کریگا، تو کفر تک پہنچ سکتا ہے، جس کے نتیجہ میں تجدید ایمان بھی لازم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۳۷، زکریا مطول ۲/ ۳۷۴)

رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة فردها، وقال: ”چه بار نامه فتوى آورده“ قيل: يكفر (إلى قوله): وقال: اين چه شرع است كفر ...... إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة، فقال صاحبه: ليس كما أفتوه، أو قال: لا نعمل بهذا كان عليه التعزير كذا في الذخيرة. (عالمگيرى، الباب التاسع في أحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/ ١٩٢، جديد ٢/ ٢٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

کیا چوری کی بجلی سے بھرے گئے پانی سے وضو ہو جائے گا؟

سوال [۱۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد جو کہ ایک مسلم محلّہ میں واقع ہے اور ساتھ ہی اس میں ایک مدرسہ بھی چلتا ہے، جہاں مشکوۃ شریف تک کی تعلیم دی جاتی ہے، اس مسجد اور مدرسہ میں بجلی چوری سے جلائی جاتی ہے، اس شکل میں اس چوری کی بجلی سے موٹر سے پانی بھی بھرا جاتا ہے اور پنکھے وغیرہ بھی اس بجلی سے چلتے ہیں، ایسی شکل میں کیا اس پانی سے وضو ہو جائے گا اور ان پنکھوں کے نیچے نماز ادا ہو جائے گی کہ انتظامیہ اور وہاں کے اساتذہ جانتے ہیں، پھر بھی خاموش ہیں اور ساتھ ہی اذان اور تعلیم وغیرہ بھی اس بجلی سے دی جاتی ہے، ایسی شکل میں مقتدیوں اور محلّہ کے لوگوں پر کیا ذمہ داری ہوگی اور ان علماء حضرات کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور کیا مذکورہ صورت میں مقتدیوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہوگی تو کراہت کے ساتھ ہوگی یا بلا کراہت ہوگی؟

المستفتی: عبداللہ گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ یا مسجد میں چوری کی بجلی جو لی گئی ہے، وہ شرعی طور پر چوری ہی ہے، اس سے چوری کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جن لوگوں نے بجلی کی لائن چوری سے لی ہے، مسجد کا متولی ہو یا مدرسہ کا ذمہ دار، جس نے بھی چوری کی بجلی لی ہے، چوری کا گناہ اسی کے سر پر ہوگا اور فوری طور پر چوری کی لائن ختم کرنا لازم ہے۔ اور اس کے پنکھے کی ہوا میں جو نمازیں پڑھی گئی ہیں اور اس سے بھری ہوئی ٹنکی سے جو وضو کر کے نمازیں پڑھی گئی ہیں، وہ سب نمازیں درست ہوگئی ہیں، نمازیوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا؛ البتہ انتظامیہ پر گناہ ہوگا اور اس گناہ سے بچنے کے لئے یہ شکل ہے کہ جتنی بجلی چوری سے لی گئی ہے، اس کا تخمینہ لگا کر اتنے پیسے کسی حیلہ سے محکمۂ بجلی کے دفتر میں جمع کردئے جائیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۸۰، نظام الفتاوی ۴/ ۸۳، جامع الفتاوی ۳/ ۵۸۴)

لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه، أو وکالة منه، أو ولایة علیه، وإن فعل کان ضامنا. (شرح المجلة سلیم رستم باز اتحاد دیو بند۱/ ٦١، رقم المادة: ٩٦، شامي، کتاب الغصب، مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر، زکریا ٩/ ٢٩١، کراچی ٦/ ٢٠٠)

مستفاد: اشتری الزوج طعاما أو کسوة من مال خبیث جاز للمرأة أکله ولبسها، والإثم علی الزوج. (شامي کراچی، کتاب الغصب، مطلب شری دار وسکنها ٦/ ١٩١، زکریا ٩/ ٢٧٩، هندیة، کتاب الکراهیة، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زکریا قدیم ٥/ ٣٧٥، جدید ٥/ ٤٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۶۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍ ۷؍ ۱۴۳۳ھ

چوری کی بجلی سے ٹنکی میں پانی بھرنے اور اس سے کئے گئے وضو وغسل کا حکم

سوال [۱۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ٹنکی میں پانی بھرنے کے لئے چوری کی بجلی استعمال ہوتی ہے، کیا اس پانی سے وضو اور غسل کیا جا سکتا ہے؟ اور اس وضو وغسل سے پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا انجام ہوگا؟

المستفتی: شہاب الدین سرائے ترین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی چوری جائز نہیں ہے؛ لہٰذا جو ذمہ دار چوری کی بجلی سے ٹنکی میں پانی بھرتا ہے، وہ گنہگار ہوگا؛ لیکن اس کی وجہ سے پانی اور وضو میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، صرف ذمہ دار گنہگار ہوگا، مگر نمازیوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۷، ۲/ ۱۴۵، احسن الفتاوی ۸/ ۱۲۵، جامع الفتاوی ۳/ ۵۸۴، نظام الفتاوی ۴/ ۸۳)

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، اشرفي ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩، شامي، کتاب الغصب، مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر، زکریا ٩/ ٢٩١، کراچی ٦/ ٢٠٠، شرح المجلة، سلیم رستم باز اتحاد دیوبند ١/ ٦١، رقم المادة: ٩٦)

وکذا لو اشتری طعاما أو کسوة من مال أصله لیس بطیب، فهي في سعة من تناوله، والإثم علی الزوج. (شامي، کتاب الغصب، مطلب فیمن ورث مالا حراما، زکریا ٧/ ٣٠٢، کراچی ٥/ ٣٧٥، هندیة، کتاب الکراهیة، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زکریاق دیم ٥/ ٣٧٥، جدید ٥/ ٤٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

سرکاری ٹنکی کا پانی بغیر اجازت استعمال کرنا

سوال [۱۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ کھوکران مدینہ مسجد میں ۷/ جنوری کو واٹر ورکس کا کنکشن کرا لیا گیا، ۴/ فروری ۹۲ء تک فارم نہیں بھرا اور واٹر ورکس سے کنکشن کی منظوری نہیں ہوئی، پانی برابر وضو وغسل میں استعمال ہوتا رہا، ایسی صورت میں نمازیوں کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

المستفتی: ریاست علی محلّہ کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری پانی بغیر اجازت خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا جو پانی اجازت سے پہلے خرچ کیا گیا ہے، اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہے؛ البتہ اس پانی سے وضو وغسل کر کے جن نمازیوں نے نماز پڑھی ہے، ان سب کی نمازیں بلا کراہت درست ہو جائیں

گی اورسرکاری پانی بلا اجازت پینے کا گناہ ذمہ داروں کے سر ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۲۲/۸۰، ڈابھیل ۱۵/۱۰۷، امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۵، ۱۴۷، احسن الفتاوی ۸/ ۱۲۵)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، شامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، زكريا ۹/ ۲۹۱، كراچی ۶/ ۲۰۰، شرح المجلة، سليم رستم باز اتحاد دیوبند ۱/ ۶۱، رقم الماة: ۹۶)

وكذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناوله، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب الغصب، مطلب فيمن ورث مالا حراما، زكريا ۷/ ۳۰۲، كراچی ۵/ ۳۷۵، هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ۵/ ۳۷۵، جديد ۵/ ۴۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۱۱/۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۹۸۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱۱/۱۴۳۰ھ

کیا چوری کی بجلی سے حاصل شدہ پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی بجلی کا بل نہ جمع ہونے کی وجہ سے لائن کٹ گئی، اب بجلی کو چوری سے استعمال کیا جارہا ہے، پنکھے کے نیچے نماز پڑھی جارہی ہے، وضو بھی کیا جارہا ہے، ایسی حالت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مظفر عالم کرولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کا وہ ذمہ دار جس نے چوری کی بجلی کی لائن مسجد میں لگا رکھی ہے، وہ خود اس کا ذمہ دار ہے اور اس کا سارا گناہ اسی کے سر پر ہوگا، اب رہی یہ بات کہ اس بجلی کے ذریعہ سے آئے ہوئے پانی سے وضو کرنا اور اس بجلی کے پنکھے کی ہوا میں نماز

پڑھنا یہ دونوں جائز اور درست ہیں؛ لیکن نمازیوں پر بھی یہ ذمہ داری ہے کہ جس ذمہ دار نے ناجائز بجلی کا کنکشن مسجد میں لگا رکھا ہے، اس کو کٹوانے کا مشورہ دیں اور جائز بجلی کا کنکشن لگوا دیں، نیز یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اگرچہ ایسے پانی سے وضو کرنا اور ایسے پنکھے کے نیچے نماز پڑھنا فتوی کی رو سے جائز ہے؛ لیکن تقوی کے خلاف ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۷، احسن الفتاوی ۸/ ۱۲۵، محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۸۰)

وكذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناوله، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب الغصب، مطلب فيمن ورث مالا حراما، زكريا ۷/ ۳۰۲، كراچى ۵/ ۳۷۵، هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ۵/ ۳۷۵، جديد ۵/ ۴۳۲)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، شامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، زكريا ۹/ ۲۹۱، كراچى ۶/ ۲۰۰، شرح المجلة، سليم رستم باز اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ۳/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۳/ ۱۴۲۳ھ

حرام کمائی سے لگائے گئے کنویں یا حوض سے نکلنے والے پانی کا حکم

سوال [۱۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حرام کمائی سے ہینڈ پمپ خریدا گیا یا اس کمائی سے کنواں یا حوض بنایا گیا، اب سوال یہ ہے کہ ہینڈ پمپ یا کنواں وغیرہ سے جو پانی نکل رہا ہے، اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ جب کہ پانی نکالنے کا وسیلہ اور ذریعہ حرام مال سے خریدا گیا۔

المستفتی: شبیر احمد نئی، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام کمائی سے خریدے گئے ہینڈ پمپ اور بنائے گئے کنویں اور حوض سے پانی لے کر استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اس کا گناہ حرام مال لگانے والے پر ہوگا، دوسروں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہے؛ البتہ تقوی کا تقاضہ ہے کہ استعمال نہ کریں۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۵، فتاوی رشیدیہ قدیم ص: ۵۷۲، جدید زکریا ص: ۵۵۹)

کما استفید من هذه العبارة للشامي: وكذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناوله، والإثم على الزوج.

(شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، زكريا ۷/ ۳۰۲، كراچی ۵/ ۳۷۵، هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ۵/ ۳۷۵، جديد ۵/ ۴۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۵/۱۴۱۵ھ

مسجد میں چوری کی بجلی سے پانی گرم کرنے اور وضو نماز کا حکم

سوال [۱۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر کی اکثر مساجد میں وضو کے لئے پانی کی ٹنکی میں بھرنے یا جاڑوں میں گرم کرنے کے لئے غیر قانونی بجلی کا استعمال کیا جاتا ہے، اس سے وضو یا غسل کرنا کیسا ہے؟ جب کہ ہر ایک کو اس کا علم ہے؟

المستفتی: عبدالحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر قانونی سے اگر بجلی کی چوری مراد ہے، تو یہ جائز نہیں ہے، اس کا سارا گناہ چوری کی بجلی حاصل کرنے والے کے سر ہوگا۔ اور جو نمازی ٹنکی کے پانی

سے وضو کرتے ہیں، وہ ذمہ دار نہیں، ان کی نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی، ہاں البتہ جن نمازیوں کو یقین سے یہ بات معلوم ہے کہ یہ چوری کی بجلی کا پانی ہے، تو ان کے لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اپنے گھر سے وضو کر کے آیا کریں؛ لیکن اگر وہ اس پانی سے وضو کر کے نماز پڑھیں گے تو بھی ان کی نماز درست ہو جائے گی، گنہگار بہر حال چوری کی بجلی حاصل کرنے والا ہی ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۷، احسن الفتاوی ۸/ ۱۲۵، محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۸۰)

كما استفيد من هذه العبارة للشامي: وكذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناوله، والإثم على الزوج.
(شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، زكريا ۷/ ۳۰۲، كراچی ٥/ ۳۷٥، هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ٥/ ۳۷٥، جديد ٥/ ٤۳۲)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی ديوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲٦۹، شامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، زكريا ۹/ ۲۹۱، شرح المجلة، سليم رستم باز اتحاد ديوبند ۱/ ٦۱، رقم المادة: ۹٦)

مستفاد: اشترى الزوج طعاما أو كسوة من مال خبيث جاز للمرأة أكله ولبسها، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب الغصب، مطلب شرى دار وسكنها، كراچی ٦/ ۱۹۱، زكريا ۹/ ۲۷۹، هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ٥/ ۳۷٥، جديد ٥/ ٤۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۱۱/ ۱۴۳۰ھ

غیر قانونی طور پر ہیٹر سے گرم کئے ہوئے پانی سے وضو و نماز کا حکم

سوال [۱۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مسجد میں غیر قانونی طریقہ پر ہیٹر سے پانی گرم کرنا، پھر اس پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا وضو اور نماز صحیح ہو جائے گی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر قانونی طور پر ہیٹر سے پانی گرم کرنا جائز نہیں ہے، جو بھی غیر قانونی ہیٹر جلائے گا وہی گنہگار ہوگا، اس گرم پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ (مستفاد: منتخبات نظام الفتاوی ۲/۳۱۶)

مستفاد: اشترى الزوج طعاما أو كسوة من مال خبيث جاز للمرأة أكله ولبسها، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب الغصب، مطلب شرى دار وسكنها، زكريا ۹/ ۲۷۹، كراچى ٦/ ١٩١)

وكذا لو اشترى لها طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناول ذلك الطعام والثياب، ويكون الإثم على الزوج. (هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ٥/ ٣٧٥، جديد ٥/ ٤٣٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۳/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۰/۴۰)

دائمی شراب پینے والے کے پسینہ اور جھوٹے کا حکم

سوال [۱۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب آدمی ہمیشہ شراب پیتا ہے، تو اغلب یہ ہے کہ اس کا اثر اس کے بدن میں ہو جاتا ہو، تو اب ایسے شرابی کے پسینہ اور جھوٹے کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ نیز

جو کبھی کبھی شراب پیتا ہو اس کا بھی حکم تحریر کریں۔ اور صاحب درمختار کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے:

وشارب خمر فور شربها، ولو شاربه طويلا لا يستوعبه اللسان، فنجس ولو بعد زمان. (شامي نعمانيه، مطلب في السؤر ۱/ ۱٤۹، زكريا ۱/ ۳۸۲)

المستفتی: محمد شاہد تجوید القرآن قصبہ سیانہ، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرابی کا جھوٹا جب کہ اس کے منہ میں شراب کا اثر باقی ہے، ناپاک ہے، اگر اس کا اثر اور بدبو منہ میں باقی نہیں ہے، تو اس کا جھوٹا پاک ہے، خواہ وہ شراب کا عادی ہو یا کبھی کبھی پیتا ہو اور اس کا پسینہ بہرصورت پاک ہے۔

سؤر الآدمي طاهر مطلقا، إلا حال شرب الخمر، فإن سؤره في تلك الحالة نجس قبل بلع ريقه، فإن بلع ريقه ثلاث مرات طهر فمه عند الإمام. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۵، مصري قديم ۱/ ۳۵، عيني، أشرفيه ديوبند ۱/ ٤٦۵، قديم ۱/ ۲٦۱، هندية، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ، زكريا قديم ۱/ ۲۳، جديد ۱/ ۷٦، حلبي كبير، كتاب الطهارة، فصل في الأسار، أشرفيه، ص: ۱٦۷)

سوال میں مذکورہ عربی عبارت کا مطلب یہ ہے: کہ شراب پینے کے بعد اگر کافی دیر تک بدبو باقی ہے، تو اس بدبو کے باقی ہونے کی حالت میں اس کا جھوٹا ناپاک ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بدبو ختم ہو جانے کے بعد بھی اس کا جھوٹا ناپاک رہے گا۔

فكان سؤره طاهراً إلا في حال شرب الخمر، لنجاسة فمه، وقيل: هذا إذا شرب الماء من ساعته، فأما إذا شرب الماء بعد ساعة معتبرة ابتلع بزاقه فيها ثلاث مرات يكون طاهر. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، أحكام السؤر، مكتبه زكريا ۱/ ۲۰۱، كراچى ۱/ ٦٤، تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، مكتبه إمداديه

ملتان ۱/ ۳۳، زكريا ۱/ ۱۰٤، شامي، باب المياه، مطلب في السؤر، كراچی ۱/ ۲۲۳، زكريا ۱/ ۳۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۴۴۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۲۱ھ

کیا ناپاک پانی سے استنجا کرنے کی وجہ سے کپڑے ناپاک ہوجائیں گے؟

سوال [۱۵۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ٹنکی میں گلہری گرکر مرگئی، تو اب ٹنکی کے ناپاک پانی سے جو لوگ استنجاء کرلیں تو ان کے کپڑے بھی ناپاک ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن لوگوں نے ٹنکی کے ناپاک پانی سے استنجاء کیا ہے اور اس سے ان کے کپڑے گیلے ہوگئے ہیں، تو ان کے بارے میں صاحبینؒ کے قول پر فتوی ہے کہ جس وقت مری ہوئی گلہری دیکھی گئی ہے اس کے بعد سے کیے گئے استنجاء کے نتیجہ میں جو کپڑا گیلا ہوگیا ہے وہ ناپاک شمار ہوگا اور دیکھنے اور معلومات ہونے سے قبل پاک شمار ہوگا۔

ويتنجس البئر من وقت الوقوع إن علم ذلك، وإلا فمذ يوم وليلة إن لم تنتفخ، ومذ ثلاثة أيام ولياليها إن انتفخ، وقالا: مذ وجد (وفي هامشه:) أي ذلك النجس في البئر قال في الجوهرة النيرة: عليه الفتوى، وفي المجتبى: كان ركن الأئمة الصباغي يفتي بقول أبي حنيفة فيما تتعلق بالصلاة، وبقولهما ما سواه، يعني في غسل الثوب والبدن، والأواني وغير

ذلک مما وصل إلیه الماء. (شرح وقایة مع عمدة الرعایة، کتاب الطهارة، أحکام البئر، أشرفي دیو بند ۱/ ۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۰ھ

ناپاک ٹنکی کے پانی سے دھوئے ہوئے گوشت اور کپڑوں کا حکم

سوال [۱۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناپاک ٹنکی کے پانی سے دھویا ہوا گوشت بالکل ناپاک ہوجائے گا یا پھر دوسرے پاک پانی سے دوبارہ دھونے سے پاک ہوجائے گا؟ اور اس نجس ٹنکی کے پانی سے دھوئے گئے کپڑوں کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقہائے متأخرین کا فتویٰ یہی ہے کہ نماز اور عبادات کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ ہے کہ تین دن تین رات تک کی نمازیں دہرائی جائیں گی۔ اور نماز وعبادات کے علاوہ دیگر تمام امور یعنی غسل ثوب، غسل بدن اور غسل اوانی یعنی برتن وغیرہ دھونے سے متعلق حضرات صاحبین کے قول پر فتوی ہے اور صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ جس وقت سے گلہری کے ٹنکی میں گر کر مرنے کا علم ہوا ہے اس وقت سے ٹنکی کے پانی کو ناپاک سمجھا جائے گا اور اس سے پہلے جتنے کپڑے یا گوشت دھوئے گئے ہیں، یا غسل کیا گیا ہے، سب پاک سمجھا جائے گا؛ لہٰذا علم ہونے سے پہلے جتنا گوشت اور کپڑے دھوئے گئے ہیں سب پاک شمار ہوں گے اور علم ہونے کے بعد جو دھویا گیا ہے وہ ناپاک شمار ہوگا۔

ویتنجس البئر من وقت الوقوع إن علم ذلک، وإلا فمذ یوم ولیلة

إن لم تنتفخ، ومذ ثلاثة أيام ولياليها إن انتفخ، وقالا: مذ وجد (وفي هامشه:) أي ذلك النجس في البئر قال في الجوهرة النيرة: عليه الفتوى، وفي المجتبى: كان ركن الأئمة الصباغي يفتي بقول أبي حنيفة فيما تتعلق بالصلاة، وبقولهما ما سواه، يعني في غسل الثوب والبدن، والأواني وغير ذلك مما وصل إليه الماء. (شرح وقاية مع عمدة الرعاية، كتاب الطهارة، أحكام البئر، أشرفي ديو بند ١/ ٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/ صفر المظفر ١٤٣٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤١/ ١١٨٩٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٦/٢/١٠ھ

کیا ٹنکی میں پانی آنے والے اور پانی نکلنے والے نل کو کھولنے سے ٹنکی جاری پانی کے حکم میں ہوگی یا نہیں؟

سوال [١٥٠٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ٹنکی میں گلہری گر کر مر گئی ہے، تو اس ٹنکی کے اگر دونوں نل کھول دئے جائیں ایک جس سے پانی آتا ہے اور دوسرا جس سے پانی باہر نکلتا ہے، تو وہ بہتی ہوئی نہر کے حکم نہیں آئے گی؟ اور کچھ دیر پانی بہہ کر باقی پانی پاک نہیں ہو جائے گا؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس ٹنکی میں گلہری گری ہے، اس ٹنکی کے دونوں جانب کے نل کھول دئے جائیں (ایک جس سے پانی آتا ہے اور دوسرا جس سے پانی باہر نکلتا ہے) تو وہ نہر جاری کے حکم میں نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ ٹنکی میں جو پانی آتا ہے، وہ تسلسل کے ساتھ نہیں نکلتا؛ بلکہ ٹنکی میں کچھ دیر ٹھہر کر نکلتا ہے۔

رأيت في شرح سيدي عبدالغني في مسألة خزانة الحمام التي أخبر

أبويوسفؒ برؤية فأرة فيها قال: فيه إشارة إلى أن ماء الخزانة إذا كان يدخل من أعلاها، ويخرج من أنبوب في أسفلها، فليس بجار. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض، وخرج من أسفله، فليس بجار، زكريا ديوبند ۱/ ۳۳۸، كراچی ۱/ ۱۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۹۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۰ھ

ٹنکی میں گلہری مر کر پھول کر پھٹ گئی

سوال [۱۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گلہری پانی کی ایک بڑی ٹنکی میں گر کر مرگئی اور پھٹ گئی، جس کی وجہ سے اس کا سارا پانی ناپاک ہوگیا، اب اس نجس پانی سے کئے گئے وضو اور استنجاء سے کتنے دن پہلے کی نمازیں دہرانی ہوں گی؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس نجس پانی سے کئے گئے وضو اور استنجاء سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق احتیاطاً تین دن، تین رات کی نمازیں دہرانی لازم ہے۔

ويتنجس البئر من وقت الوقوع إن علم ذلك، وإلا فمذ يوم وليلة إن لم تنتفخ، ومذ ثلاثة أيام ولياليها إن انتفخ، وقالا: مذ وجد (وفي هامشه:) أي ذلك النجس في البئر قال في الجوهرة النيرة: عليه الفتوى، وفي المجتبى: كان ركن الأئمة الصباغي يفتي بقول أبي حنيفة فيما تتعلق بالصلاة، وبقولهما ما سواه، يعني في غسل الثوب والبدن، والأواني وغير

ذلک مما وصل إلیه الماء. (شرح وقایة مع عمدة الرعایة، کتاب الطهارة، أحکام البیر، أشرفي دیوبند ۱/ ۸۵)

وإذا وجد في البئر فأرة میتة أو غیرها ...... ولا یدرون متی وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ أعادوا صلاة یوم ولیلة، وإن کانت قد انتخفت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أیام ولیالیها في قول أبي حنیفة. (الجوهرة النیرة، کتاب الطهارة، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۱، مکتبه تهانوي دیوبند ۱/ ۲۵)

ویحکم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم، وإلا فمذ یوم ولیلة إن لم ینتفخ ولم یتفسخ، وهذا في حق الوضوء والغسل...... ومذ ثلاثة أیام بلیالیها إن انتفخ أو تفسخ استحسانا. (وتحته في الشامیة:) قوله استحسان: وهو الأحوط في العبادات. (الدر مع الرد، کتاب الطهارة، باب المیاه، زکریا دیوبند ۱/ ۳۷۵-۳۷۸، کراچی ۱/ ۲۱۸-۲۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۰ھ

شامی کی ایک عبارت کی وضاحت

سوال [۱۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وعافیت تعلیم وتعلم میں منہمک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور والا کا سایہ عاطفت بصد عافیت تا دیر قائم رکھے۔ (آمین ثم آمین)

بعدہ عرض اینکہ بندہ کو درج ذیل عبارت میں پیش کردہ مسئلہ کی صورت اور اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی ہے، برائے کرم اس کی مفصل تشریح فرمائیں۔

ولو جمد ماءه فثقب إن الماء منفصلا عن الجمد جاز، لأنه کالمسقف، وإن متصلا لا؛ لأنه کالقصعة حتی لو ولغ فیه کلب تنجس لا

لو وقع فيه فمات لتسفله. (درمختار، زكريا ١/ ٣٦، شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، كراچی ١/ ١٩٤، زكريا ١/ ٣٤٤)

المستفتی: محمد طیب مہاراشٹری، خادم دارالفقہ والافتاء کنڈیلا بڑودہ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بڑے حوض کا پانی سخت سردی کی وجہ سے برف بن کراس کے اوپر کا حصہ تختہ اور فرش کی طرح سخت پڑ جائے اور پھراس کے نیچے پتلا پانی موجود ہوتو اس کی دوشکلیں ہیں:

شکل نمبر ۱: پانی کے اوپر کا حصہ جو سخت ہوکر برف بن کر کے تختہ بن چکا ہے، نیچے کا پانی اس سے ملا ہو نہ ہو؛ بلکہ اس سے جدا ہو، تو ایسی صورت میں اوپر کے سخت برف والے حصہ کو چھت کے درجہ میں قرار دیا جائے گا اور نیچے کا پانی دہ در دہ کے دائرہ میں پھیلا ہوا ہے؛ اس لئے ماءِ کثیر ہے، اب سخت حصہ کے بیچ میں سے سوراخ کر کے منہ بنالیا جائے، پھراس میں سے وضو کرلیا جائے تو جائز اور درست ہے، پھراس میں سے کتے نے پانی پی لیا ہے یا کوئی ایسی نجاست گر جائے جس کی وجہ سے اوصاف ثلاثہ میں تغیر نہ ہو، تو پانی کو پاک شمار کیا جائے گا، اس مفہوم کو صاحب درمختار نے: ’’**ولو جمد ماءه فثقب إن الماء منفصلا عن الجمد جاز، لأنه كالمسقف، وإن متصلا لا؛ لأنه كالقصعة**‘‘ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

ترجمہ: ’’اگر بڑے حوض کا پانی جم کر برف بن جائے، پھر برف کے اوپر سوراخ کردیا جائے، تو اگر نیچے کا پانی برف کے حصہ سے منفصل ہوکر نیچے اترا ہوا ہے، تو اس سے وضو کرنا ایسا جائز ہے جیسا کہ بڑے حوض سے جائز ہوتا ہے؛ اس لئے کہ جما ہوا حصہ حوض کے اوپر چھت کے درجہ میں بن چکا ہے۔

شکل نمبر ۲: اگر اوپر کا حصہ برف بن کر سخت ہو گیا ہے اور اس کے نیچے کا پانی اس سخت حصہ سے جدا ہو کر نیچے اترا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ برف کے حصہ سے ملا ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جتنا بڑا سوراخ کیا گیا ہے، اتنا ہی پانی شمار کیا جائے گا، گویا کہ کسی طباق اور

طغاری میں پانی رکھا ہوا ہے؛ لہٰذا اگر اس میں کتے نے منہ ڈال دیا یا اس میں کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا، پھر اس سوراخ سے وضو کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر کتا یا کوئی جانور اس سوراخ میں گر کر مر جائے اور اس کی تہ میں پہنچ جائے، تو ایسی صورت میں تغیر اوصاف نہ ہونے کی شکل میں پانی ناپاک شمار نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ نیچے جو پانی ہے وہ بڑے حوض کے دائرہ میں پھیلا ہوا ہے، اس وجہ سے مر کر نیچے پہنچنے کی صورت میں ماء کثیر ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اوپر جہاں سوراخ کیا گیا ہے، اس حصہ میں نجاست گرنے سے وہ حصہ ناپاک ہوجائے گا؛ اس لئے کہ وہ دہ دردہ کے دائرہ میں نہیں آتا ہے، اس کو صاحب درمختار نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: **وإن متصلا لا؛ لأنه كالقصعة حتى لو ولغ فيه كلب تنجس لا لو وقع فيه فمات لتسفله.**

اور اگر سخت حصہ سے نیچے کا پانی الگ نہ ہو؛ بلکہ ملا ہوا ہو تو نجاست گرنے کی صورت میں اس سوراخ سے وضو جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ سوراخ کا حصہ ایسا ہے، جیسا کہ کسی برتن اور طغاری میں پانی رکھا ہوا ہو، حتی کہ اگر اس سوراخ میں سے کتے نے پانی پی لیا تو پانی کا وہ حصہ ناپاک ہوجائے گا، ہاں اگر اس میں گر پڑے پھر مر کر حوض کی تہہ میں پہنچ جائے تب پورا حوض ناپاک نہ ہوگا؛ اس لئے کہ نیچے کا پانی پورے حوض میں پھیلا ہوا ہے، یہی ہے درمختار کی عبارت کا واضح مطلب۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۵۳/۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۷ھ

۵/ باب ما یتعلق بالتیمم

کیا مریض تیمّم کرسکتا ہے؟

سوال [۱۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص متقی پرہیزگار، صوم وصلاۃ کا پابند اور عرصۂ دراز سے صاحب فراش ہے، کئی امراض کا شکار ہے، کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے، پھر رعشہ کا بھی مرض ہے، اب نقاہت اورضعف بھی بہت ہے، عمر رسیدہ بھی ہے، مگران امراض کے باوجود وہ نماز جیسے بھی ہو ادا کرتا ہے، ان امراض میں کسی میں بھی پانی مضر نہیں ہے، نہ سرد نہ گرم؛ البتہ معذوری ہے، حالاں کہ اولاد خدمت کرتی ہے، مگر وہ کسی سے مدد لینا نہیں چاہتا اور نماز کے لئے تیمّم کرتا ہے اور تیمّم کر کے نماز ادا کرتا ہے، تو کیا اس کا تیمّم سے نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس کو پانی نقصان نہیں دیتا؟

المستفتی: حاجی اقبال احمد، سیکریٹری علی مسجد شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کہ مذکورہ شخص کی خدمت کرنے والے موجود ہیں اور سرد وگرم پانی بھی ان کے لئے مضر نہیں ہے، تو ایسے شخص کے لئے تیمّم کر کے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة ظن أو قول حاذق مسلم، ولو بتحرك أو لم يجد من توضئه، فإن وجد ولو بأجرة مثل، وله ذلك لا يتيمم في ظاهر المذهب. (شامي، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ١/ ٣٩٧، كراچی ١/ ٢٣٣، شرح النقايه، اعزازيه ديوبند ص: ٢٤، هندية، باب التيمم، الفصل الأول، زكريا قديم ١/ ٢٨، جديد ١/ ٨١، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ١١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۷۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۲۴ھ

کیا بیماری کی وجہ سے تیمّم کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک خاتون کو جسمانی بیماری ہے، ماہر ڈاکٹروں نے غسل اور وضو سے سختی سے منع کر دیا ہے، اب ایسی حالت میں اگر غسل اور وضو کی حاجت ہو تو کیسے طہارت اور پاکی حاصل کی جائے؟ کیا تیمّم کافی ہوجائے گا اور غسل واجب ہو تو کس طرح تیمّم کریں؟ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد شمیم امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ٹھنڈے پانی سے غسل اور وضو کرنے میں مرض کا اندیشہ ہو تو گرم پانی سے غسل اور وضو کرنا چاہئے۔ اور اگر گرم پانی سے بھی ظن غالب سے یا ماہر مسلمان ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق مرض کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرنا جائز ہے، ورنہ نہیں اور غسل ووضو دونوں کا تیمّم ایک ہی ہے، تیمّم دونوں کے لئے کافی ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَآئِطِ اَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. [المائدة: ٦]

من عجز عن استعمال الماء لبعده ميلا الخ أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة ظن أو قول حاذق مسلم، ولو بتحرك الخ، أو برد يهلك الجنب أو يمرضه الخ، تيمم لهذه الأعذار كلها. (شامي مع الدر المختار، باب التيميم، زكريا ١/ ٣٩٥، كراچی ١/ ٢٣٢، هندية، فصل أمور لابد منها في التيمم، زكريا قديم ١/ ٢٨، جديد ١/ ٨١، حاشية چلپی مع تبيين الحقائق، باب التيمم، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ٣٦، زكريا ١/ ١١٧، البناية، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٥١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۰۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۲۵ھ

ڈاکٹر چہرہ پر پانی لگانے سے منع کرے تو وضو کا حکم

سوال [۱۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ڈاکٹر نے چہرہ پر پانی لگانے سے منع کر دیا ہے، تو کیا ہاتھ پاؤں وضو کرتے وقت دھولیں اور سر پر مسح کرنا ہی ہے، کیا چہرہ پر بھی مسح کرلیں یا ایسی شکل میں تیمّم کی اجازت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں چہرہ دھونے سے مرض کے بڑھنے یا دیر سے اچھا ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں ان لوگوں کے لئے تیمّم کرکے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَآئِطِ اَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. [المائدة: ٦]

ومن العذر حصول مرض يخاف منه اشتدادا لمرض أو بطء البرء.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب التيمم، دارالكتاب ديوبند ص: ١١٥)

ولو كان يجد الماء إلا أنه مريض، فخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه يتيمم لما تلونا (وان كنتم مرضى الآية) ولأن الضرر في زيادة المرض فوق الضرر في زيادة ثمن الماء، وذلك يبيح التيمم، فهذا أولىٰ ولا فرق بين أن يشتد مرضه بالتحرك أو بالاستعمال. (هداية، باب التيمم اشرفی ديوبند ١/ ٤٩، شامي زكريا مع الدر المختار، باب التيمم ١/ ٣٩٥، كراچی ١/ ٢٣٢، هندية، الفصل في أمور لا بد منها فی التيمم، زكريا قديم ١/ ٢٨، جديد ١/ ٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

ٹرین میں حالت جنابت میں تیمّم کرنے کا حکم

سوال [۱۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ٹرین کے اندر حالت جنابت میں تیمّم کرنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مظہرالحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک ٹرین کے کسی ڈبہ میں پانی موجود ہوتو وہ پانی پاک ہے، اس سے وضواور غسل کر کے نماز پڑھ لینا چاہئے، پانی کی موجودگی میں تیمّم جائز نہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. [المائدة: ٦]

من عجز عن استعمال الماء المطلق الكافى لطهارته، وفي الشامية: أي من الخبث والحدث الأصغر أو الأكبر، ...... لصلوة تفوت إلى خلف لبعده ميلا (تيمم) وفى الشامية: قيد بالبعد؛ لأنه عند عدمه لا يتيمم، وإن خاف خروج الوقت في صلوة لها خلف. (درمختار مع الشامي، باب التيمم، زكريا ١/ ٣٩٥، ٣٩٦، كراچى ١/ ٢٣٢، شرح النقاية، اعزازيه ديو بند ١/ ٢٤، باب التيمم، شرح الوقاية، باب التيمم، ياسر نديم كمپنى ١/ ٨٧، بدائع الصنائع، شرائط ركن التيمم، زكريا ١/ ١٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۴/۱۴۲۱ھ

جنابت کا تیمّم کرنے والا وضو کے بقدر پانی پر قادر ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: جو شخص جنبی ہو اور اس کے لئے تیمّم مباح ہو، چنانچہ اس نے نماز فجر اسی طہارت سے ادا کی ہو، تو سوال یہ ہے کہ کیا اسی طہارت سے ظہر پڑھ سکتا ہے؟ نیز اگر ظہر میں وضو پر قادر ہو؛ لیکن غسل پر نہ ہو، تو کیا کرے گا؟ آیا وضو کرے یا نہ کرے؟ نیز یہ بھی فرق وضاحت طلب ہے کہ مذکورہ مسئلہ اور سلس البول کا مسئلہ ایک ہی ہے یا کوئی فرق ہے؟ دلائل کے ساتھ مسئلۂ ہذا کی تحقیق مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ دارین میں بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔

المستفتی: سفیان احمد آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جنبی نے غسل کی جگہ تیمّم کرلیا ہے، تو اس کے لئے اس تیمّم سے جتنی چاہے نمازیں پڑھنا جائز ہے؛ لیکن جب جنابت کے تیمّم کے بعد پیشاب پاخانہ یا خروج ریح وغیرہ کا حدث لاحق ہو جائے اس کے بعد ظہر کی نماز کے لئے صرف وضو کے بقدر پانی ہو، تو اس کے اوپر لازم ہے کہ ظہر کی نماز کے لئے اس پانی سے وضو کرے، اتنا پانی ہوتے ہوئے ظہر کی نماز کے لئے تیمّم کرنا جائز نہیں ہوگا، مذکورہ مسئلہ اور سلس البول والا مسئلہ ایک نہیں؛ اس لئے کہ سلس البول والے کے لئے لازم ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے اور جس کے لئے تیمّم کرنا مباح ہوتا ہے، اس کے واسطے ایک تیمّم سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

یصلي الرجل بتیممہ ماشاء من الصلوۃ من الفرائض والنوافل والفوائت. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل الخامس في التیمم، زکریا ۱/ ۳۹۵، رقم: ۹۱۰، مراقي الفلاح، باب التیمم، دارالکتاب دیو بند ص: ۵۱، هندیة، الباب الرابع في التیمم، الفصل الثالث في المتفرقات، زکریا قدیم ۱/ ۳۰، جدید ۱/ ۸۳، عنایة، باب التیمم، قدیم زکریا ۱/ ۱۴۰، المحیط البرهاني، کتاب الطهارة، الفصل الخامس، المجلس العلمي ۱/ ۱۷۸، المبسوط للسرخسي، باب التیمم، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۱۳، تبیین الحقائق، باب التیمم، زکریا ۱/ ۱۲۷، إمدادیه ملتان ۱/ ۴۰)

إذا کان للجنب ماء یکفی للوضوء لا للغسل یجب علیه التیمم لا

الوضوء، خلافا للشافعي، أما إذا كان مع الجنابة حدث يوجب الوضوء يجب عليه الوضوء. (شامي، باب التيمم، مطلب فاقد الطهورين، زكريا، ۱/ ٤٢٦، كراچی ۱/ ۲٥٥)

وفي البقالي: مسافر أجنب وشرع في الصلاة بالتيمم، ثم سبقه الحدث فوجد ماء قدر ما يكفى للوضوء، فإنه يتوضأ به، ويبنى قال: هذا هو القول الأخير لمحمد، وهو رواية عن أبي حنيفة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في التيمم، زكريا ۱/ ۳۹٥، رقم: ۹۰۷)

المستحاضة ومن به سلسل بول إلى قوله: يتوضؤن لوقت كل صلاة. (ملتقى الأبحر، فصل في المستحاضة ومن به سلسل البول، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۸٤، مصري قديم ۱/ ٥٦، طحطاوي على المراقي، باب الحيض والنفاس، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ۱٤۹، شامي مطلب في أحكام المعذور، كراچی ۱/ ۳۰٥، زكريا ۱/ ٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴/۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۳ھ

جنابت سے تیمّم کر کے امامت کرنا

سوال [۱۵۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سخت سردی کے زمانے میں ایک امام جنبی ہوگیا اور وہ پانی کے استعمال پر کسی طرح قادر نہیں اور گرم پانی کا بھی نظم نہیں ہے؛ اس لئے اس نے تیمّم کر کے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھادی تو ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز درست ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام شدید سردی اور گرم پانی کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے

غسل جنابت کی سکت نہیں رکھتا، تو اس کے لئے تیمّم کرکے نماز پڑھانا جائز ہے۔ اور تیمّم کرنے والے کے پیچھے وضواور غسل کرنے والوں کی نماز درست ہوجاتی ہے۔

عن عمرو بن العاص –رضي الله عنه– قال: احتلمت فی لیلة باردة في غزوة ذات السلاسل، فأشفقت أن أغتسل فأهلک، فتیممت، ثم صلیت بأصحابی الصبح، فذکروا ذلک لرسول الله ﷺ، فقال: یا عمرو! صلیت بأصحابک وأنت جنب؟ فأخبرته بالذي منعني من الاغتسال، وقلت إني سمعت الله یقول: ولا تقتلوا أنفسکم إن الله کان بکم رحیما، فضحک رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یقل شیئا. (أبو داؤد، باب إذا خاف الجنب البرد أ یتیمم؟ النسخة الهندیة ۱/ ۴۸، دارالسلام، رقم: ۳۳۴، المستدرك، کتاب الطهارة، مکتبه نزار مصطفی الباز ۱/ ۲۶۳، رقم: ۶۲۹)

لا اقتداء متوضيء بمتیمم أي لا یفسد، فذهب محمد إلی فساده، وذهبا إلی صحته، وترجح المذهب بفعل عمرو بن العاص حین صلی بقومه بالتیمم لخوف البرد من غسل الجنابة، وهم متوضئوون. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا ۱/ ۶۳۶، کوئٹه ۱/ ۳۶۳، بدائع، کتاب الطهارة، صفة التیمم، زکریا ۱/ ۱۸۶، تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة، مکتبه إمدادیه ملتان ۱/ ۱۴۲، زکریا ۱/ ۳۶۳، حاشیة الطحطاوي علی المراقي الفلاح، کتاب الصلوة، باب الإمامة، مکتبه دارالکتاب دیوبند، ص: ۲۹۵، شامي، باب الإمامة، زکریا ۲/ ۳۳۶، کراچی ۱/ ۵۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۱۷ھ

متیمّم کے پیچھے متوضی کی نماز کا حکم

سوال [۱۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص پانی کے استعمال پر قادر نہیں، حالاں کہ یہ شخص امام ہے، تو کیا یہ تیمّم کرکے وضو کرنے والے مقتدیوں کی امامت کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی عذر کی بنا پر تیمّم کرنے والا امام وضو کرنے والے مقتدیوں کی امامت کرسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

عن عمرو بن العاص –رضي الله عنه– قال: احتلمت فى ليلة باردة فى غزوة ذات السلاسل، فأشفقت أن أغتسل فأهلک، فتيممت، ثم صليت بأصحابى الصبح، فذكروا ذلک لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا عمرو! صليت بأصحابک وأنت جنب، فأخبرته بالذي منعني من الاغتسال، وقلت: إني سمعت الله يقول: ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما، فضحک رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولم يقل شيئا.

(أبوداؤد، باب إذا خاف الجنب البرد أ يتيمم؟ النسخة الهندية ١/ ٤٨، دارالسلام، رقم: ٣٣٤، المستدرك، كتاب الطهارة، مكتبه نزار مصطفى الباز ١/ ٢٦٣، رقم: ٦٢٩)

وأما اقتداء المتوضي بالمتيمم فيجوز. (حلبي كبير، من لا يصح الاقتداء به، مكتبه أشرفيه/ ٥١٨)

فجاز اقتداء المتوضي بالمتيمم عندهما؛ لأن التيمم طهارة مطلقة.

(حاشية الطحطاوي على المراقي، باب التيمم، مكتبه دارالكتاب/ ١٢٥)

ويجوز للمتيمم أن يؤم المتوضي في قول أبي حنيفة وأبي يوسف.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في التيمم، زكريا ١/ ٣٩٥، رقم: ٩٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤٣٥/٣/٢٦ھ

جنابت کے تیمّم سے نماز پڑھنا درست ہے، الگ سے وضو کی ضرورت نہیں

سوال [۱۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص حالت جنابت میں ہے، غسل کے لئے پانی کے استعمال پر قادر نہیں؛ لیکن وضو پر قدرت ہے؛ لہٰذا اس نے غسل جنابت کے بدلے تیمّم کرلیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا نماز کے لئے اس پر وضو کرنا لازم ہے یا غسل جنابت کے بدلے جو تیمّم کیا ہے، اسی سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غسل جنابت کے تیمّم کے بعد اگر اس شخص کو کوئی حدث وغیرہ پیش نہیں آیا تو اسی تیمّم سے نماز پڑھنا جائز ہے اور نماز کے لئے الگ سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں، چاہے وضو کے بقدر پانی کیوں نہ ہو۔

عن عمرو بن العاص -رضي الله عنه- قال: احتلمت فی لیلة باردة فی غزوة ذات السلاسل، فأشفقت أن أغتسل فأهلک، فتیممت، ثم صلیت بأصحابی الصبح، فذکروا ذلک لرسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال: یا عمرو! صلیت بأصحابک وأنت جنب، فأخبرته بالذي منعني من الاغتسال، وقلت: إني سمعت الله یقول: ولا تقتلوا أنفسکم إن الله کان بکم رحیما، فضحک رسول الله صلی الله علیه وسلم، ولم یقل شیئا.

(أبوداؤد، باب إذا خاف الجنب البرد أ یتیمم؟ النسخة الهندیة ۱/ ٤۸، دارالسلام، رقم: ۳۳٤، المستدرك، کتاب الطهارة، مکتبه نزار مصطفی الباز ۱/ ۲٦۳، رقم: ٦۲۹)

وفي القهستاني: إذا کان للجنب ماء یکفي لبعض أعضائه أو للوضوء تیمم ولم یجب علیه صرفه إلیه، إلا إذا تیمم للجنابة، ثم أحدث فإنه یجب علیه الوضوء. (شامي، کتاب الطهارة، باب التیمم، زکریا ۱/ ۳۹۵، شامي کراچی ۱/ ۲۳۲)

إن أجنب المسافر ومعه من الماء مقدار ما یتوضأ به یتیمم عندنا ولم

يستعمل الماء. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١١٣، خانية، فصل فيما يجوز به التيمم، زكريا جديد ١/ ٤١، وعلى هامش الهندية ١/ ٦٢، شامي كراچی، باب التيمم، مطلب فاقد الطهورين، زكريا ١/ ٤٢٦، كراچی ١/ ٢٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۱۷ھ

تیمّم سے پڑھی گئی نمازوں کے اعادہ کا حکم

سوال [۱۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید اعمیٰ ہے، مریض جریان بھی ہے، مسلسل بیماری کے باعث انتہائی کمزور اور لاغر ہوچکا ہے، سخت سردی کے باعث غسل کرنے سے معذور ہے، اگر غسل کرے تو ہلاکت کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں اگر تیمّم کرکے نماز ادا کرے، تو کیا تیمّم سے پڑھی ہوئی نمازوں کا موسم گرما میں اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟ نیز پورا دن ناپاک رہنے کی وجہ سے روزے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

(۲) نیز نماز فجر کے وقت روز کا یہ معمول ہے کہ ناپاک ہوتا ہے اور کپڑے بھی ناپاک ہیں، دوسرے کپڑے بھی نہیں ہیں، تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو کیا دھوپ نکلنے کے بعد غسل کرکے اور کپڑے بدل کے نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا، یا اسی حالت کی پڑھی ہوئی نماز کافی سمجھی جائے گی؟

المستفتی: نور محمد ہر پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب پانی کا استعمال ہلاکت کا باعث ہے یا مرض میں اضافہ کا باعث ہے اور پانی گرم کرنے کی بھی کوئی شکل نہیں ہے، تو ایسی صورت میں غسل جنابت کی جگہ اس وقت تک تیمّم کرکے عبادت کرنے کی اجازت ہے، جب تک پانی کے استعمال پر قدرت حاصل نہ ہو اور تیمّم سے پڑھی ہوئی نماز شرعاً درست ہوجائے گی، ان کا

اعادہ لازم نہیں ہے، پڑھی گئی نمازیں ہمیشہ کے لئے صحیح ہوگئی ہیں۔

عن ابن عباس أن عمرو بن العاص –رضي الله عنه– صلى بالناس وهو جنب، فلما قدموا على رسول الله ﷺ ذكروا ذلك له، فدعاه رسول الله ﷺ فسأله عن ذلك، فقال: يا رسول الله! خشيت أن يقتلني البرد، وقد قال الله عز وجل: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ فسكت عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۱/ ۱۸۷، رقم: ۱۱۵۹۳)

ولو خاف الجنب إن اغتسل أن يقتله البرد أو يمرضه، يتيمم بالصعيد. (هداية، باب التيمم، أشرفي ديوبند ۱/ ۳۲، شرح الوقاية، باب التيمم، ياسر نديم كمپنی ديوبند ۱/ ۸۸، المحيط البرهاني، من يجوز له التيمم، المجلس العلمي ۱/ ۳۱۵، رقم: ۵۷۱)

نیز شریعت نے جس کو تیمّم کی اجازت دی ہے، وہ جب تیمّم کرے گا تو وہ ناپاک نہیں رہے گا؛ بلکہ پاک ہی شمار ہوگا، اس حالت کا روزہ ناپاکی کا روزہ نہیں ہوگا۔

(۲) اگر فجر کے بعد پانی کے استعمال سے ہلاکت کا خطرہ ہے؛ اس لئے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی ہے، تو اس نماز کو بعد میں لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پاک کپڑا اگر اس کے پاس نہیں ہے تو دوسرے سے عاریت لے کر نماز پڑھ لینا چاہئے، حتی الامکان پاک کپڑے میسر نہ ہونے کی بات بہت زیادہ بعید معلوم ہوتی ہے؛ البتہ اگر ایسی جگہ ہو جہاں کوئی دوسرا نہ ہو اور بدن کے کپڑے ناپاک ہوں، پاک کرنے کے لئے پانی وغیرہ میسر نہ ہو علاوہ ناپاک کپڑے کے کوئی شکل ممکن ہی نہ ہو، تو ایسی مشکل صورت حال میں فقہاء نے ناپاک کپڑے میں نماز کی اجازت لکھی ہے، اس کا اعادہ بھی لازم نہیں ہے، اب مبتلا بہ اپنی حالت پر خود غور کر لے۔

ولو لم يجد ما يزيل به النجاسة صلى معها، ولم يعد، وهذا على وجهين: إن كان ربع الثوب أو أكثر منه طاهرا يصلي فيه ...... وإن كان الطاهر أقل من الربع، فكذلك عند محمد. (هداية، باب شروط الصلوة التي

تتقدمها، اشرفي ديوبند ١/ ٧٨، فتح القدير، زكريا ١/ ٢٧٠، كوئٹه ١/ ٢٢٩، البناية، اشرفيه ديوبند ٢/ ١٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۱۳۳/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۱۹ھ

نماز کے لئے کئے گئے تیمّم سے نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال [۱۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کرنے کے بعد نماز جنازہ پڑھ لی، پھر اسی وضو سے وقتیہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے تیمّم سے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر اسی تیمّم سے نماز جنازہ پڑھ لی، تو کیا حرج ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس وضو سے نماز جنازہ پڑھی ہے، اس وضو سے نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

بخلاف الوضوء، فإنه طهارة أصلية، والأقرب أن يقال: أن كل وضوء تستباح به الصلاة...... ويكفي الوضوء المطلق. (شامي، باب التيمم، مطلب في الفرق بين الظن وغلبة الظن، زكريا ١/ ٤١٦، كراچی ١/ ٢٤٧)

أن كل وضوء تصح به الصلوة. (شامي، مطلب: الفرق بين الطاعة والقربة، والعبادة، زكريا ١/ ٢٢٤، كراچی ١/ ١٠٧)

وبيانه أن الصلوة تصح عندنا بالوضوء، ولو لم يكن منويا. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب الفرق بين الطاعة والقربة والعبادة، كراچی ١/ ١٠٦، زكريا ١/ ٢٢٤)

اسی طرح فرض نماز کے لئے تیمّم کیا ہے، تو اس سے نماز جنازہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

أنه لو تيمم للعصر جاز له أن يصلي به غيره. (الاشباه ١/ ٦٠)

فالحاصل: أن قول عامة العلماء رحمهم الله تعالیٰ، لو وقع التیمم للصلاة أو لجزء من الصلاة جاز أن یصلي به صلاة أخری، وما لا فلا. (الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۱/ ۳٦٥، رقم: ۷٥۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۱۹ھ

پینٹ والی دیوار پر تیمّم کا حکم

سوال [۱۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس دیوار پر پینٹ کیا جاتا ہے، کیا اس دیوار پر تیمّم کر سکتے ہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر ناظم علی ایم بی بی ایس سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس دیوار کو پینٹ سے رنگ دیا گیا ہے، اس دیوار پر تیمّم کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ پینٹ رنگ ہے،، مٹی کی جنس سے نہیں؛ البتہ جس دیوار کو چونے یا سموسم سے رنگ دیا گیا ہے، اس پر تیمّم درست ہے؛ اس لئے کہ چونا اور سموسم بھی مٹی کی جنس سے ہوتا ہے۔

وکذا بالخزف الخالص إلا إذا کان مخلوطا بما لیس من جنس الأرض أو کان علیه صبغ لیس من جنس الأرض. (البحر الرائق، باب التیمم، زکریا ۱/ ۲٥۸، کوئٹه ۱/ ۱٤۸، هندیة، باب التیمم، الفصل الأول، زکریا قدیم ۱/ ۲۷، جدید ۱/ ۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۹۴۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

مسجد کی دیوار پر تیمّم کرنا درست ہے؟

سوال [۱۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دیوار پر تیمّم کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب گودھنا، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں اگر مسجد میں غسل واجب ہوجائے تو مسجد کی دیوار پر تیمّم کرکے باہر نکلے۔

وإن احتلم في المسجد تيمم للخروج. (شامي، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ١/ ٤١٠، كراچی ١/ ٢٤٣، حلبي كبير، سنن الغسل، أشرفيه: ٦١، الفتاوى التاتارخانية ، فصل في الغسل ١/ ٢٨٦، رقم: ٤٢٢)

ولو احتلم في المسجد وأمكنه الخروج من ساعته يخرج ويغتسل، وقيل: يتيمم ويخرج. (البناية، فصل في الغسل، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٣٣٢)

وعند الحنفية أيضا لو احتلم فى المسجد وأراد الخروج يتيمم ندبا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٤/ ٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۰۶/۳۴)

۶/ باب المسح علی الخفین

موزے پر مسح کی شرائط کیا ہیں؟

سوال [۱۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موزے پر مسح کرنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خفین پر مسح کرنے کی حسب ذیل دس شرائط ہیں: (۱) خفین ٹخنوں سمیت پورے قدم کو چھپالیں (۲) وہ قدم کی ہیئت پر بنے ہوئے اور پیر سے ملے ہوئے ہوں (۳) اتنے مضبوط ہوں جنہیں پہن کر معتد بہ مسافت تک چلنا ممکن ہو اور معتد بہ مسافت کی مقدار بعض فقہائے متأخرین نے ایک فرسخ بیان فرمایا ہے۔ اور ایک فرسخ میں تین میل شرعی ہوتے ہیں۔ اور تین میل شرعی میں تقریباً ساڑھے پانچ کلو میٹر ہوتے ہیں (۴) وہ پیروں پر بغیر باندھے رک سکیں (۵) اتنے دبیز ہوں کہ پانی کو پیروں تک نہ پہنچنے دیں (۶) ان میں سے کسی موزے میں اتنی پھٹن نہ ہو جو مسح سے مانع ہو (۷) طہارت کاملہ پر پہنا ہو (۸) وہ طہارت تیمّم سے نہ حاصل کی گئی ہو (۹) مسح کرنے والا جنبی نہ ہو (۱۰) اگر پیر کٹا ہوا شخص مسح کرنا چاہے تو یہ شرط ہے کہ کم از کم ہاتھ کی چھوٹی تین انگلیوں کے بقدر اس کے قدم کا اوپری حصہ باقی ہو۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۱۹۷)

ویشترط لجواز المسح علی الخفین سبعة شرائط: الأول: لبسهما بعد غسل الرجلین، الثاني: سترهما للکعبین، الثالث: إمکان متابعة المشي فیهما، الرابع: خلو کل منهما عن خرق قدر ثلاث أصابع من أصغر القدم، الخامس: استمساکهما علی الرجلین من غیر شدة، السادس: منعهما وصول الماء إلی الجسد، السابع: أن یبقی من مقدم القدم قدر ثلاث أصابع

من أصغر أصابع اليد. (مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، مكتبه فيصل/ ٥٣، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٢٩)

قلت: ويزاد كون الطهارة المذكورة غير التيمم، وكون الماسح غير جنب، ...... والثاني: كونه مشغولا بالرجل ليمنع سراية الحدث. (شامي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، زكريا ١/ ٤٣٧، كراچی ١/ ٢٦٢)

والخف الذي يجوز عليه المسح بأن يكون صالحا لقطع المسافة، والمشي المتابع عادة، ويستر الكعبين وما تحتهما. (خانية، فصل في المسح على الخفين، زكريا جديد ١/ ٣٢، وعلى هامش الهندية ١/ ٤٦، هندية، الباب الخامس فی المسح على الخفين، الفصل الأول، زكريا قديم ١/ ٣٢، جديد ١/ ٨٥، بدائع، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، زكريا ١/ ٨١، مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٨)

وكذا يجوز على الثخين الذي يمكن المشي به فرسخا الخ. (الدر المنتقى، جديد مكتبه دارالكتب العلمية ١/ ٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

وضو کے کچھ دیر کے بعد موزہ پر مسح کرنے کا حکم

سوال [۱۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے حوض سے وضو کیا اور خف پر مسح نہیں کیا، کچھ دیر کے بعد کسی نے یاد دلایا کہ تو نے مسح نہیں کیا، اس کے بعد زید نے مسح کرلیا، تو یہ مسح درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا حوض سے وضو کرنے کے کچھ دیر کے بعد موزے پر

مسح کرنا درست ہے؛ اس لئے کہ صحت مسح میں ترک موالات: یعنی پے در پے کو ترک کرنا عذر کی وجہ سے بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

مالک عن نافع أن عبدالله بن عمر بال بالسوق، ثم توضأ وغسل وجهه ويديه، ومسح برأسه، ثم دعي لجنازة ليصلي عليها حين دخل المسجد، فمسح على خفيه، ثم صلى عليها. (موطأ إمام مالك/ ١٢ / رقم: ٤٣، السنن الصغرىٰ للبيهقي ١/ ٥٣، رقم: ١١٨، مؤطا إمام محمد/ ٦٩، رقم: ٥٠)

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن رجلا توضأ فترك موضع ظفر على قدمه فأبصره النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ارجع فأحسن وضوءك، فرجع ثم صلى...... أمره فيه بالإحسان لا بالإعادة، والإحسان يحصل بمجرد اسباغ غسل ذلك العضو. (إعلاء السنن كراچی ١/ ٦٦)

إنما يكره التفريق في الوضوء إذا كان بغير عذر، وأما إذا كان لعذر بأن فرغ ماء الوضوء أو انقلب الإناء، وما أشبه ذلك فلا بأس بالتفريق على الصحيح. (الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، مكتبه دارالكتاب ديو بند ١/ ٨، إمداديه ملتان ١/ ٧، البحر الرائق، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، زكريا ١/ ٥٥، كوئٹه ١/ ٢٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

خفین پر مسح کا جواز، مسح کی مدت اور اس کی مقدار

سوال [۱۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو اس کی مدت کیا ہونی چاہئے؟ (۳) اور مسح کی مقدار کہاں تک ہونی

چاہئے کہ کہاں تک مسح کرنے سے مسح صحیح ہوتا ہے؟ (۴) نیز وضو کرنے کے بعد نماز پڑھ کر دوبارہ وضو کئے بغیر موزے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فدا احمد اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا متواتر احادیث سے ثابت ہے؛ اس لئے بلاشبہ جائز ہے (۲) مسح کرنے کی مدت مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر شرعی کے لئے تین دن تین رات ہے (۳) مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی تین انگلیوں کو تر کرکے پیروں کی انگلیوں کے سرے پر رکھ کر پنڈلیوں تک کھینچا جائے۔

(۴) نماز پڑھنے کے بعد اگر وضو نہ ٹوٹا ہو تو دوبارہ وضو کئے بغیر نماز کے وضو ہی پر موزے پہن لینا جائز ہے۔

عن عروة بن المغيرة، عن أبيه المغيرة بن شعبة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه خرج لحاجته، فأتبعه المغيرة بإداوة فيها ماء، فصب عليه حين فرغ من حاجته، فتوضأ ومسح على الخفين. (بخاري شريف، باب المسح على الخفين، النسخة الهندية ١/ ٣٣، رقم: ٢٠٣، مسلم، باب المسح على الخفين، النسخة الهندية ١/ ١٣٣، بيت الأفكار، رقم: ٢٧٤)

عن علي بن أبي طالب فقال: جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة أيام ولياليها للمسافر، ويوما وليلة للمقيم. (مسلم شريف، باب التوقيت في المسح على الخفين، النسخة الهندية ١/ ١٣٥، بيت الأفكار، رقم: ٢٧٦)

عن جابر، قال: مر رسول الله صلى الله عليه وسلم برجل يتوضأ، ويغسل خفيه، فقال: بيده كأنه دفعه، إنما أمرت بالمسح، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بيده هكذا من أطراف الأصابع إلى أصل الساق، وخطط بالأصابع. (ابن ماجة، باب في مسح أعلى الخف وأسلفه؟ النسخة الهندية ١/ ٤١، بيت الأفكار، رقم: ٥٥١)

المسح على الخفين جائز بالسنة من كل حدث موجب للوضوء إذا

لبسهما على طهارة كاملة، فإن كان الماسح مقيما يمسح يوما وليلة، وإن كان مسافرا يمسح ثلاثة أيام ولياليها، ويستحب أن يكون المسح خطوطا بالأصابع، وفرض ذلك المسح مقدار ثلاث أصابع من أصابع اليد. (حلبي كبير، فصل في المسح على الخفين، اشرفيه ديو بند ص: ١٠٧-١٠٩)

صح أي جاز المسح على الخفين في طهارة من الحدث الأصغر لما ورد فيه من الأخبار المستفيضة، ويمسح المقيم يوما وليلة، ويمسح المسافر ثلاثة أيام بلياليها، وفرض المسح قدر ثلاث أصابع من أصغر أصابع اليد. وسننه مدالأصابع مفرجة يبدأ من رؤس أصابع القدم إلى الساق. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب المسح على الخفين، دارالكتاب ديو بند ١٢٧-١٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/شعبان ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٩٦٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٧/٨/١٦ھ

صحت مند شخص کا خفین پر مسح کرنا جائز ہے؟

سوال [١٥٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) موسم سرد میں کچھ صحت مند حضرات جو اپنی عام مصروفیات میں مشغول رہتے ہیں؛ لیکن عام حالات میں وہ نماز کے لئے مکمل وضو نہیں کرتے ہیں اور ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد بقیہ نماز کے لئے وہ خفین (موزے) پر مسح کر لیتے ہیں، یہاں سوال یہ ہے کہ کیا صحت منداور حشاش بشاش شخص جو اپنی عام مصروفیات میں مشغول ہے، اس کے لئے خفین پر مسح کرنا کافی ہے، اس کا وضو ہو جائے گا؟ یا افضل اور بہتر یہ ہوگا کہ وہ مکمل وضو تازہ ہی کرے؟

(٢) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں خفین پر مسح فرمایا ہے، تو کن حالات میں کیا پانی

کی قلت کی وجہ سے یا کسی جنگ کی مجبوری میں؟ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس کسی معاملہ میں سہولت دی ہے جیسا کہ قرآن میں سفر اور بیماری کی حالت میں رعایت دی ہے، فطری بات ہے کہ ہر نفس تازہ اور اچھی چیز کو پسند کرتا ہے، قرآن کریم میں اس معاملہ میں کیا کوئی ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے؟ قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں وضاحت فرما دیں۔

المستفتی: اشرف رضا قاضی ٹولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موزے پر یعنی خفین پر مسح کرنا حضور اکرم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اور آپ ﷺ کا موزوں پر مسح کرنا کسی عذر یا پانی کی کمی کی بنا پر نہیں تھا؛ اس لئے ہر شخص کو مسح علی الخفین کے جواز کا معتقد ہونا ضروری ہے۔ اور کسی عقلی وجہ کے بغیر اس کو جائز سمجھنا چاہئے، جیسا کہ حضرت امام صاحبؒ نے اہل سنت والجماعت کی علامت چار چیزوں کو بیان کیا ہے، ان میں سے ایک موزوں پر مسح کے جواز کا اعتقاد بھی ہے؛ اس لئے مسح علی الخفین کے جواز میں کوئی شک نہیں کرنا چاہئے۔

عن سعد بن أبي وقاص عن النبي ﷺ أنه مسح على الخفين.

(بخاري شريف، باب المسح على الخفين، النسخة الهندية ١/ ٣٢، رقم: ٢٠٢)

قال في الدر: وفي القهستاني: أنه رخصة مسقطة للعزيمة، ولهذا لو صب الماء في خفه بنية الغسل ينبغي أن يصير آثما، قال الشامي تحته: لما علمت من أن العزيمة لم تبق مشروعة ما دام متخففا. (درمختار، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، زكريا ١/ ٤٤٣، كراچی ١/ ٢٦٤)

قال في البدائع: المسح على الخفين جائز عند عامة الفقهاء، وعامة الصحابة رضى الله عنهم. (بدائع، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، زكريا ١/ ٧٦، كراچی ١/ ٧)

ولهذا رآه أبوحنيفة –رحمه الله– من شرائط السنة والجماعة،

فقال فيها: أن تفضل الشيخين، وتحب الختنين، وأن ترى المسح على الخفين، وأن لاتحرم نبيذ التمر. (بدائع الصنائع، زكريا ۱/ ۷۷، كراچی ۱/ ۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۸۴/۳۸)

مقیم نے ایک دن ایک رات سے قبل سفر شروع کیا اور مسافر تین دن تین رات سے قبل مقیم ہوگیا، تو مسح کا کیا حکم؟

سوال [۱۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقیم نے چوبیس گھنٹے پورے کرنے سے قبل ہی سفر شروع کر دیا ہے، تو کیا تین دن تین رات پورے کرے گا؟ یا چوبیس گھنٹے پورے ہونے پر موزے اتار دے گا؟ اسی طرح مسافر تین دن تین رات پورے ہونے سے قبل آٹھ گھنٹے پہلے مقیم ہوگیا، تو موزے اتار دے گا یا تین دن تین رات پورے کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس مقیم نے چوبیس گھنٹہ پورے ہونے سے قبل ہی سفر شروع کر دیا، تو اب چوبیس گھنٹہ پورے ہونے پر وہ موزے کو نہیں اتارے گا؛ بلکہ مدت سفر کو پورا کر سکتا ہے؛ لیکن اگر مسافر تین دن تین رات پورے ہونے سے قبل مقیم ہوگیا کہ ابھی آٹھ گھنٹے باقی تھے، تو یہ تین دن تین رات پورے نہیں کرے گا؛ بلکہ مقیم ہونے کے بعد فوراً خف کو اتار دینا لازم ہے؛ اس لئے کہ یہ رخصت سفر کی وجہ سے حاصل تھی، بدون سفر یہ رخصت باقی نہ رہے گی۔

من ابتدأ المسح وهو مقيم، فسافر قبل تمام يوم وليلة مسح ثلاثة

أيام ولياليها، سواء سافر قبل انتقاض الطهارة أو بعده قبل كمال مدة المقيم، ولو أقام وهو مسافر إن استكمل مدة الإقامة نزع؛ لأن رخصة السفر لاتبقى بدونه. (فتح مع الهداية، باب المسح على الخفين، زكريا ۱/ ۱۵۷، كوئٹه ۱/ ۱۳۶-۱۳۷، دارالفكر ۱/ ۱۵۵)

وإن مسح مقيم، ثم سافر قبل تمام مدته أتم مدة المسافر، وإن أقام المسافر بعد ما مسح يوما وليلة نزع خفيه؛ لأن رخصة السفر لاتبقى بدونه. (حاشية الطحطاوي، باب المسح على الخفين، مكتبه دارالكتاب ديو بند/ ۱۳۱)

مقيم سافر في مدة الإقامة يستكمل مدة السفر ...... والمسافر إذا أقام بعد ما استكمل مدة الإقامة ينزع خفيه ويغسل رجليه. (هندية، باب المسح على الخفين، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۳٤، جديد ۱/ ۸۷، الولوالجية، دارالايمان سهارن پور ۱/ ٦۲، الجوهرة النيرة، باب المسح على الخفين، إمداديه ملتان ۱/ ۳۲، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۳۳، تبيين الحقائق، باب المسح على الخفين، زكريا ۱/ ۱۵۰، إمداديه ملتان ۱/ ۵۱، خانية، فصل في المسح على الخفين، زكريا جديد ۱/ ۳٤، وعلى هامش الهندية ۱/ ٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

خفین کے اوپر سوتی موزہ پہن کر مسح کرنے کا حکم

سوال [۱۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر نے پہلے خف پہن لیا اس کے بعد خف کے اوپر سوتی موزہ پہن لیا اب سوتی موزے پر مسح کرتا ہے، تو یہ مسح مسح علی الخف کے حکم میں داخل ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص خف کے اوپر سوتی موزہ پہن کر اس پر مسح کرتا

ہے، تو اگر یہ سوتی موزہ اتنا موٹا ہے کہ اس کی وجہ سے تراوٹ خف تک نہیں پہنچ پاتی ہے، تو اس طرح کے موزے پر مسح کرنے سے مسح درست نہ ہوگا؛ لیکن اگر سوتی موزہ اتنا باریک ہے کہ مسح کرنے سے تراوٹ خف پر چلی جاتی ہے، تو اس طرح کے سوتی موزے پر مسح کرنا جائز اور درست ہے اور اس پر مسح علی الخف کا حکم جاری ہو جائے گا۔

يجوز المسح على الجرموق فوق الخف ...... ولو كان الجرموق من كرباس أو نحوه لا يجوز إلا أن يكون رقيقا يصل البلل إلى ماتحته. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، دار الكتب العلمية ١/ ٧٤، مصري قديم ١/ ٤٩)

إن كان لبسهما فوق الخفين، فإن كانا من كرباس أو ما يشبه الكرباس لايجوز المسح عليهما...... إلا أن يكونا رقيقين يصل البلل إلى ماتحتهما. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السادس في المسح على الخفين ١/ ٤٠٩، رقم: ٩٧١، هندية، الباب الخامس في المسح على الخفين، الفصل الأول، زكريا قديم ١/ ٣٢، جديد ١/ ٨٥، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل السادس في المسح على الخفين، كوئٹه ١/ ١٩٠، المجلس العلمي ١/ ٣٤٥، رقم: ٦٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

دبیز موٹے اونی موزہ پر مسح کا حکم

سوال [۱۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جوربین پر مسح کا کیا حکم ہے؟ آج کل انگلینڈ سے ایسا موزہ آرہا ہے جو موٹا دبیز ہے، اس کو پہن کر چار پانچ کلومیٹر آرام سے چل سکتے ہیں، اس پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواونی موزہ اتنا موٹا اور دبیز ہو جسے پہن کر چار پانچ کلو میٹر آرام سے چلا جا سکتا ہو اور وہ بغیر کسی سہارے کے پیر پر رک جاتا ہو، نیز پہننے کے بعد پیر کے اندر کا حصہ نظر بھی نہ آتا ہو، تو ایسے موزے پر مسح کرنا درست ہے، یہ شرائط اگر انگلینڈ کے موزے میں پائی جاتی ہیں، تو ان پر بھی مسح درست ہے۔

عن المغيرة بن شعبة قال: توضأ النبي ﷺ، ومسح على الجوربين والنعلين. (ترمذي، باب فی المسح على الجوربين والنعلين، النسخة الهندية ١/ ٢٩، دارالسلام، رقم: ٩٩، أبوداؤد شريف، باب المسح على الجوربين، النسخة الهندية ١/ ٢١، دارالسلام، رقم: ١٥٩، سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی المسح على الجوربين والنعلين، النسخة الهندية ١/ ٤٢، دارالسلام، رقم: ٥٥٩)

المسح على الجوربين إذا كانا ثخينين بحيث يستمسكان على الساق من غير أن يربطا بشيء جاز عندهما، وعن أبي حنيفة أنه رجع إليهما فى آخر عمره عليه الفتوى. (الفتاوی السراجيه، دارالأيمان سهارن پور: ٤٣)

حكى أن أبا حنيفة مسح على جوربيه في مرضه الذي مات فيه، وقال لعواده فعلت ما كنت أمنع الناس عنه، وعليه الفتوى. (التاتارخانية، الفصل السادس في المسح على الخفين ١/ ٤٠٧، رقم: ٩٦٨)

وقال أبويوسف ومحمد: يجوز المسح على الجوربين إذا كانا ثخينين لايشفان أي لا يرى ماتحتهما من بشرة الرجل من خلاله- رجع أبوحنيفة إلى قولهما في آخر عمره قبل موته، وعليه الفتوى. (الجوهرة النيرة، باب المسح على الخفين، مكتبه دارالكتاب ديو بند ١/ ٣٣، إمداديه ملتان ١/ ٣٢، ٣٨، فتح القدير، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، مكتبه زكريا ١/ ١٥٨، كوئٹه ١/ ١٣٦، بدائع، باب المسح على الخفين، زكريا ١/ ٨٣، تبيين الحقائق، باب المسح على الخفين،

زکریا ۱/ ۱۵۳، مکتبه إمدادیه ملتان ۱/ ۵۲، مجمع الأنهر، باب المسح علی الخفین، مکتبه دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/ ۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

سوتی موزہ پر خفین پہن کر مسح کرنے کا حکم

سوال [۱۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص نے پہلے اونی یا سوتی موزہ پہن لیا اس کے اوپر خفین پہن لیا، اب خفین پر مسح کرتا ہے، تو اس کا مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوتی یا اونی موزہ پہن کر اس پر خفین پہن لئے جائیں اور ان پر مسح کیا جائے تو اس طرح مسح کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی زکریا ۲/ ۴۵، امداد الفتاوی زکریا ۱/ ۸۰)

یعلم منه جواز المسح علی خف لبس فوق مخیط من کرباس أو جوخ أو نحوهما مما لایجوز علیه المسح. (منحة الخالق، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/ ۳۱۵، کوئٹه ۱/ ۱۸۱)

وهو أن ما یلبس من الکرباس المجرد تحت الخف یمنع المسح علی الخف لکونه فاصلا وقطعة کرباس تلف علی الرجل لا تمنع؛ لأنه غیر مقصود باللبس. (شامي، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/ ٤٥١، شامي کراچی ۱/ ۲٦۹، حلبي کبیر، فصل في المسح علی الخفین، أشرفي/ ۱۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

کیا موزے پر مسح کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سادہ موزے اونی سوتی یا نائلون کے ہوں اور وہ نہ تو سخت ہوں کہ خود کھڑے رہ سکیں اور نہ اتنے دبیز ہوں کہ ان میں پانی نہ چھن سکے اور نہ اتنے مضبوط ہوں کہ تین میل ان کو پہن کر چلا جاسکے، اگر ان پر چمڑے کے بنے ہوئے پائتابے جو سلیم شاہی جوتی کی شکل کے ہوتے ہیں، سی دئے جائیں تو ان پر مسح جائز ہے یا نہیں؟ جورب منعل میں یہ داخل ہیں یا نہیں؟ براہ کرم اپنی تحقیق، رائے اور فتویٰ سے مطلع فرمائیں ممنون ہوں گا۔

(نوٹ) ''امداد الاحکام'' جلد اول میں اس سلسلہ میں ایک مفصل فتویٰ ہے۔ اور ''فتاویٰ دارالعلوم'' قدیم میں اس موضوع پر ایک رسالہ ہے، ''بہشتی زیور'' حصہ اول اور ''تعلیم الاسلام'' حصہ دوم میں بھی مسئلہ ہے اور عام کتب افتاء کی ابحاث آپ سے مخفی نہیں ہیں۔

والسلام سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری، خادم دارالعلوم دیوبند ۱۲/۸/۱۷ ۱۴ھ

المستفتی: مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری،
استاذ دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ سادہ باریک موزہ جس پر سلیم شاہی جوتی کی شکل کے پائتابے سی دئے جائیں تو وہ جورب رقیق منعل میں داخل ہوں گے، اس پر مسح کے جواز وعدم جواز کے بارے میں: (''البحر الرائق'' باب المسح علی الخفین، کوئٹہ ۱/ ۱۸۳، زکریا ۱/ ۳۱۷، منحۃ الخالق علی البحر، باب المسح علی الخفین، کوئٹہ ۱/ ۱۸۲، زکریا ۱/ ۳۱۷، بدائع، باب المسح علی الخفین، جدید زکریا ۱/ ۸۳، کراچی ۱/ ۱۰، ہندیۃ، الباب الخامس في المسح علی الخفین، الفصل الأول، زکریا قدیم ۱/ ۳۲، جدید ۱/ ۸۵، کبیری، باب المسح علی الخفین، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ ۱۲۰، تاتارخانیہ ۱/ ۲۶۷، جدید، کتاب الطہارۃ، الفصل السادس، زکریا ۱/ ۴۰۶، طحطاوی علی المراقی/ ۷۰، شامی زکریا ۱/ ۴۳۸، کراچی ۱/ ۲۶۲) میں جو بحثیں کی گئی ہیں، ان

سب کا حاصل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اکثر مشائخ متاخرین کے نزدیک اس پر مسح جائز نہیں ہے۔ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''نیل المآرب'' میں بھی مختلف دلائل سے اس پر مسح کو ناجائز لکھا ہے۔ اور اگر سادہ موزہ دبیز ہو، مگر ثخین کے شرائط میں داخل نہ ہو تو علامہ شامی اور شارح منیہ نے اس پر مسح کو جائز لکھا ہے، مگر ساتھ ساتھ ''**ولکن هذا حکم التقوی، وهو لا یمنع الجواز**'' کہہ کر خلاف احتیاط بھی بتلایا ہے، انہیں حضرات کی رائے ورجحان کے مطابق ''فتاوی دار العلوم'' جدید ۱/۲۷۲، اور ''بہشتی زیور'' کے متن میں اس پر مسح کو جائز لکھا ہے، مگر ''بہشتی زیور'' کے محشی نے اعتراض کر کے خلاف احتیاط کہہ کر مسح نہ کرنے کی بات لکھی ہے۔ اور ''تعلیم الاسلام'' میں یہ مسئلہ صاف اور واضح نہیں ہے، نیز ''بدائع، ہندیہ، بحر، طحطاوی'' وغیرہ کی عبارات سے ان فقہاء کرام کا رجحان عدم جواز ہی ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے عدم جواز ہی کی بات اس خاکسار کے فہم ناقص میں راجح ہے اور یہی احوط اور اصول کے موافق بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۸/۱۷ھ

موزے کی چین ٹخنوں سے نیچے تلوے تک کھلنے کا حکم

سوال [۱۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے موزوں کی شرائط کے مطابق فجر کی نماز کے وقت وضو کرنے کے بعد موزہ پہن کر فجر کی نماز پڑھی، اس کے بعد وضو ٹوٹ گیا، پھر موزہ پر مسح کر کے ظہر کی نماز پڑھی، پھر دوپہر کو نماز کے بعد کھانا کھا کر قیلولہ کیا، جب اٹھا تو موزے کی چین ٹخنوں سے نیچے تلوے تک کھل گیا ہے، اب تلوے تک کھل جانے کی وجہ سے موزہ اتار کر دوبارہ وضو کر کے موزہ پہننا ضروری ہے یا چین کو بند کر دیا جائے اور اسی پر مسح کرے؟ اس سلسلے میں حکم شرعی کیا ہے؟ واضح فرما دیجئے۔

المستفتی: مولانا عبد الناصر صاحب نائب مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موزہ کی چین تلوے تک کھل جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خرق کبیر کے حکم میں ہوگیا اور خرق کبیر کا حکم اکثر قدم میں سے موزہ نکل جانے کے حکم میں ہے۔ اور اگر حالت حدث میں قدم کا اکثر حصہ موزہ سے نکل جائے تو باقاعدہ وضو کرکے موزہ پہننا لازم ہے۔ اور اگر حالت وضو میں ہے تو پیروں کو دھوکر کے موزہ پہننے کا حکم ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں خرق کبیر کے حکم میں ہونے کی وجہ سے موزہ نکال کر باقاعدہ وضو کرکے دوبارہ پہننا ضروری ہے؛ اس لئے کہ قیلولہ میں سوجانے کی وجہ سے وضو باقی نہیں رہا ہے اور حالت حدث میں ایسا واقعہ پیش آنے کی صورت میں پورا موزہ اتار کر کامل وضو کرکے پہننے کا حکم ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

من النواقض الخرق الكبير، وخروج الوقت للمعذور، قاله السيد: والخرق الكبير الحادث بعد المسح داخل في حكم النزع، وخروج الوقت للمعذور داخل في انقضاء المدة. (حاشية الطحطاوي على المراقي، الطهارة، قبيل فصل في الجبيرة ونحوها، دارالكتاب ديوبند/ ١٣٤)

خروج أكثر القدم نزع، وهو الصحيح. (البحرالرائق، الطهارة، باب المسح على الخفين، زكريا ١/ ٣١٠، كراچى ١/ ١٧٨)

حكم النزع يثبت بخروج القدم إلى الساق، وكذا أكثر القدم وهو الصحيح. (الفتاوى التاتارخانية، الطهارة، الفصل السادس المسح على الخفين، زكريا ١/ ٤١٨، رقم: ١٠١٤، ومثله في الهداية مع البناية، الطهارة، باب المسح على الخفين، أشرفيه ١/ ٦٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۴۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱؍۳؍۱۴۳۶ھ

موزے پر مسح سے متعلق ''ایضاح المسائل'' کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال [۱۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خیرت دارم وی خواہم! آپ کی کتاب ''ایضاح المسائل'' کے ایک مسئلہ کی تحقیق مطلوب ہے: ''ایضاح المسائل'' ص: ۲۰، مسئلہ نمبر۱۳ر میں درج ہے: ''البتہ چمڑے کے موزے اور سوت یا اون کے موٹے دبیز موزے پر مسح جائز ہے کہ بغیر جوتے کے ایک ڈیڑھ کلومیٹر چل سکتا ہو اور مسح کرنے میں تری کا اثر نیچے کو محسوس نہ ہوتا ہو''۔ (ہدایہ جیسوری ۱/ ۶۱)

اور ''ہدایہ'' ۱/ ۶۱ر کے حاشیہ نمبر۳ر پر درج ہے کہ: ''**الصحیح أنہ إن کان صلبا مستمسکا یمشي معہ فرسخاً، أو فراسخ، فعلی ہذا الخلاف کما في المشي ۱۲**''. اور ''ایضاح المسائل'' کے ص: ۷۰ر پر فرسخ کی مقدار تین میل ۶۰۰۰ر گز پانچ کلومیٹر ۴۸۶ میٹر ۴ر ڈیسی میٹر لکھی ہے، تو اس حساب سے ایک فرسخ پانچ کلومیٹر سے بھی زیادہ ہوتا ہے، جب کہ ''ہدایہ'' کے حاشیہ کی عبارت میں ''**فرسخ أو فراسخ**'' بھی ہے۔

اور حضرت مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ نے ''کتاب المسائل'' ۱/ ۱۸۵ر پر ''ایضاح المسائل ص: ۷۰ر ہی کے حوالہ سے مذکورہ مسئلہ ایک فرسخ ہی لکھا ہے۔

اسی ص: ۷۰ر کے شروع میں لکھا ہے ایک میل شرعی ۲۰۰۰ر گز ایک کلومیٹر ۸۲۸ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر ہے، تو یہ پوری تفصیل ایک میل شرعی کی ہے یا ایک میل شرعی فقط دو ہزار گز کا ہوتا ہے؟

اسی طرح سے ایک میل انگریزی ۱۷۶۰ر گز ایک کلومیٹر ۶۰۹ میٹر ۳۴ سینٹی میٹر ۴ر ملی لیٹر۔

مزید وضاحت: ایک میل شرعی ۲۰۰۰ گز ۱۸۲۸ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر، تو اس میں ۱۸۲۸ درج ہے اور اوپر والی لائن میں ۸۲۸ درج ہے۔ بالتفصیل وضاحت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: آپ کا اپنا رفیق: عبدالحفیظ قاسمی، خادم جامعہ تحفیظ القرآن
ابی بن کعب، محلہ نورسرائے نگینہ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''ایضاح المسائل'' ص: ۲۰ر پر ایسا ہی لکھا ہوا

ہے جیسے آنجناب نے توجہ دلائی ہے اوراس میں ہدایہ کا حوالہ ہے۔ اور ہدایہ کے متن میں کوئی مقدار مذکور نہیں ہے؛ بلکہ صرف اتنا ہے کہ: اس کو پہن کر چل سکتا ہو، اس میں تین شرطیں لگائی ہیں: (۱) جوربین خوب دبیز اور موٹے ہوں (۲) بغیر کسی چیز سے باندھے پنڈلی پر خود بخود رک جاتے ہوں (۳) ان کو پہن کر معتد بہ مسافت چل سکتا ہو، یہ ہدایہ کے متن کا حاصل ہے؛ لیکن ہدایہ کے حاشیہ میں اور جزئیات کی کتابوں میں معتد بہ چلنے کی مسافت کم ازکم ایک فرسخ لکھی ہے اور ایک فرسخ میں ۳ر میل شرعی ہوتے ہیں، جس میں ۶۰۰۰ر گز ہوتے ہیں۔ اور کلومیٹر کے حساب سے ۵ر کلومیٹر ۴۸۶ میٹر ۴ر ڈیسی میٹر ہوتے ہیں، یعنی تقریباً ساڑھے پانچ کلومیٹر چل سکتا ہو؛ لہٰذا اتنی دور تک اس موزے کو پہن کر چل سکتا ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے؛ لہٰذا ’’ایضاح المسائل‘‘ ص: ۲۰ر پر ایک ڈیڑھ کلومیٹر کی جو بات لکھی گئی ہے، احقر اس سے رجوع کرتا ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ ۳ر میل شرعی کی مسافت چل سکتا ہو جو حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

أو جوربيه ولو من غزل أو شعر، الثخينين بحيث يمشي فرسخا ويثبت على الساق بنفسه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، زكريا ۱/ ۴۵۱، كراچی ۱/ ۲۶۹)

وكذا يجوز على الثخين الذي يمكن المشي به فرسخا. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۷۴)

حضرت والا نے ’’ایضاح المسائل‘‘ ص: ۷۰ر کی ایک عبارت کی نشاندہی کی ہے، جس میں ایک میل شرعی کی مقدار ۲ر ہزار گز یعنی ایک کلومیٹر ۸۲۸ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر ہے، یہ مقدار ایک میل شرعی کی مسافت کی ہے، میٹر اور گز میں فرق ہے۔ ۲۰۰۰ر گز میں ۱۸۲۸ میٹر اور ۸۰ر سینٹی میٹر ہوتے ہیں، اب ’’ایضاح المسائل‘‘ ص: ۷۰ر کی عبارت میں اوپر کی لائن میں اور نیچے کی لائن میں نظر ثانی فرمائیں یہی لکھا ہوا موجود ہے، امید ہے کہ مزاج گرامی باعافیت ہوں اور اس تحریر سے اطمینان ہوگیا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲/۱۴۳۶ھ

۷/ باب في النجاسات وأحكامها

انسان کے آنسو، پسینہ اور لعاب کا حکم

سوال [۱۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آنسو پاک ہوتا ہے یا ناپاک؟ اگر کسی کپڑے پر آنسو ٹپکے اور وہ بھیگ جائے یا چشمہ آنسوؤں سے تر ہو جائے، تو ان چیزوں کو پاک کرنا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتی: عامر فیضی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انسان کا آنسو، پسینہ اور لعاب سب پاک ہیں؛ لہٰذا اگر یہ کپڑے پر لگ جائیں تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے؛ بلکہ علیٰ حالہ پاک ہی رہیں گے۔

فسؤر آدمي مطلقا ومأكول لحم طاهر الفم طاهر (تحته في الشامية:) ولعابه متولد من لحمه، فاعتبر به طهارة ونجاسة وكراهة وشكا. (تنوير الأبصار مع الشامي، باب المياه، مطلب في السور، زكريا ۱/ ۳۸۱، ۳۸۲، كراچی ۱/ ۲۲۲)

وحكم عرق كسؤر، وتحته: أي العرق من كل حيوان حكمه كسؤره لتولد كل منهما من اللحم، كذا قالوا: ولا خفاء أن المتولد هو اللعاب، أي لا السؤر. (درمختار مع الشامي، باب المياه، مطلب في السؤر، كراچی ۱/ ۲۲۸، زكريا ۱/ ۳۸۱-۳۸۹)

عرق كل شيء معتبرة بسؤره...... وسؤر الأدمي طاهر، ويدخل في هذا الجنب والحائض والنفساء والكافر. (هندية، الباب الثالث، في المياه، الفصل الثاني فيما لايجوز به التوضئ، زكريا قديم ۱/ ۲۳، جديد ۱/ ۷۶)

وعرق كل شيء معتبرة بسؤره؛ لأنهما يتولدان من لحمه، فأخذ أحدهما حكم صاحبه، قال: وسؤر الآدمي وما يؤ كل لحمه طاهر؛ لأن

المختلط به اللعاب، وقد تولد من لحم طاهر، فيكون طاهرا. (هدايه، فصل في الآسار وغيرها، أشرفي ديو بند ۱/ ٤٤، كراچی ۱/ ٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۲/۹/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۳۲)

منی ائمۂ اربعہ میں سے کس کے نزدیک پاک ہے؟

سوال [۱۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منی ائمۂ اربعہ میں سے کس کس کے نزدیک پاک ہے؟

المستفتی: مسرور احمد، پوسٹ بکس ۱۶۱۲، ریاض ۱۱۵۳۱، سعودیہ عربیہ K.S.A

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: منی امام مالک وامام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پاک اور امام احمدؒ کے ایک قول میں پاک اور دوسرے قول میں ناپاک ہے۔

قال مالك: أنه نجس يجب غسله، وأحمد في إحدى روايتيه: الثاني: قال أبو حنيفة: أنه نجس، يجزئ فركه، الثالث: قال الشافعي: هو طاهر لا غسل فيه، ولا فرك إلا على الاستحباب لقباحة منظره واستحياء مما يدل عليه من حالته. (أماني الأحبار في شرح معاني الآثار، باب حكم المني هل هو طاهر أم نجس؟ مكتبه يحيى سهارنپور ۱/ ۲٤۸)

باب في المني يصيب الثوب، مذهب الشافعي وأحمد طهارة المني، ومذهب أبي حنيفة ومالك أنه نجس. (العرف الشذي على الترمذي ۱/ ۳۱)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۴۳)

کپڑے میں لگی ہوئی منی کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۱۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منی نکل کر کپڑے پر لگ جاوے اور خشک ہوجائے اور رگڑ کر صاف کردیا جائے، تو کپڑا پاک ہوجائے گا یا نہیں؟ یا پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے پاک کرنے کے لئے کوئی شرط ہے؟ اس کا جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: منعام احمد بھاگلپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر منی رقیق ہے تو رگڑ کر صاف کرنے سے کپڑا پاک نہیں ہوسکتا؛ لیکن اگر غلیظ ہے تو پاک ہوجائے گا، اس زمانہ میں ضعف طبائع کی بنا پر عام طور سے منی رقیق اور پتلی ہوتی ہے؛ اس لئے پانی سے پاک کرنا ضروری ہے۔

عن عائشة قالت: كنت أفرك المني من ثوب رسول الله ﷺ إذا كان يابسا، وأغسله إذا كان رطبا. (سنن الدار قطني، باب ما ورد في طهارة المني وحكمه رطبا ويابسا، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٣١، رقم: ٤٤٣)

والنص ورد في مني الرجل، ومني المرأة ليس مثله لرقته وغلظ مني الرجل، والفرك إنما يؤثر زوال المفروك أو تقليله، وذلك فيما له جرم، والرقيق المائع لا يحصل من فركه هذا الغرض، فيدخل مني المرأة إذا كان غليظا، ويخرج مني الرجل إذا كان رقيقا لعارض. (شامي، باب الأنجاس، مطبع كوئٹه ١/ ٢٢٩، كراچى ١/ ٣١٣، زكريا ١/ ٥١٥، إمداد الفتاوى، زكريا ١/ ١٢٤، ١/ ٧٧، هندية، الباب السابع الفصل الأول، زكريا قديم ١/ ٤٤، جديد ١/ ٩٨، تاتارخانية، الفصل الثامن تطهير النجاسات، زكريا ١/ ٤٦٢، رقم: ١٢٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱؍رمضان ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۶/۲۴)

بدن سے نجاست غیر مرئی کی تطہیر کا طریقہ

سوال [۱۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہاتھ یا بدن کے کسی عضو پر نجاست غیر مرئی غیر دیدار لگ جائے، تو اس کی تطہیر کا کیا طریقہ ہے؟

المستفتی: جمیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی نجاست سے پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ پانی ڈال کر دھولیا جائے تو پاک ہوجاتا ہے۔

عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا استيقظ أحدكم من نومه، فلا يغمسن يده في الإناء حتى يغسلها ثلاثا؛ فإنه لا يدري أين باتت يده. (مسلم شريف، باب كراهة غمس المتوضي وغيره، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۶، بيت الأفكار، رقم: ۲۷۸)

إذا أصابت النجاسة البدن يطهر بالغسل ثلاث مرات متواليات. (تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثامن في تطهير النجاسات، قديم ۱/ ۳۰۸، جديد ۱/ ۴۵۳، رقم: ۱۱۸۳)

ويطهر محل النجاسة غير المرئية بغسلها ثلاثا. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الأنجاس و الطهارة عنها، دار الكتاب ديوبند ص: ۱۶۱)

وإن كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات. (هندية، الباب السابع، زكريا قديم ۱/ ۴۲، جديد ۱/ ۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۷۰)

روٹی پر لگے ہوئے گوبر کی راکھ کا حکم

سوال [۱۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت گوبر کے اپلوں سے چولہا جلاتی ہے اوراسی ایندھن سے روٹی بھی بناتی ہے، جب روٹی کی سکائی ہوتی ہے، تو اس کی راکھ روٹی پر لگ جاتی ہے، تو اس روٹی کا کھانا جائز ہے یانہیں؟ جب کہ اس میں گوبر کے ذرات لگ گئے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دیہاتوں میں گوبر کے اپلے سے روٹی بنتی ہے اورروٹی کی سکائی اپلے کی آگ سے ہوتی ہے اورکوئی روٹی ایسی نہیں ہوتی جس میں کم یازیادہ گوبر کی راکھ نہ لگ جاتی ہواور یہ عموم بلویٰ ہے اوراس کوناپاک اورناجائز قراردینے میں سخت مشکلات پیش آسکتی ہیں؛ اس لئے روٹی میں لگی ہوئی راکھ اورذرات کوشریعت نے پاک قرار دیا ہے۔

(مستفاد: غیر مقلدین کے ۵۶/اعتراضات کے جوابات، ص: ۱۴۱، فتاوی دارالعلوم ۱/۱۷۳، فتاوی محمودیہ میرٹھ ۸/ ۲۵۸، ڈابھیل ۵/ ۲۳۶)

ومن ذلک قولنا: بأن النار مطهرة للروث والعذرة، فقلنا بطهارة رمادها لتيسر، وإلا لزمت نجاسة الخبز في غالب الأمصار. (الأشباه والنظائر، زكريا، ص: ۲۲۹)

وإذا سعرت المرأة التنور ثم مسحته بخرقة مبتلة نجسة، ثم خبزت فيه، فإن كانت حرارة النار أكلت بلة الماء قبل إلصاق الخبز بالتنور لا يتنجس الخبز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثامن في تطهير النجاسات ۱/ ۴۶۱، رقم: ۱۲۱۷، خلاصة الفتاوى، اشرفيه ديوبند ۱/ ۴۲، هندية، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۴۴، جديد ۱/ ۹۸، المحيط البرهاني، الفصل الثامن في تطهير النجاسات، كوئٹه ۱/ ۲۳۱، جديد المجلس العلمي ۱/ ۳۸۷، رقم: ۸۰۲، خانية، كتاب الطهارة، فصل فى النجاسة التي تصيب الثوب أو الخف أو البدن،

زکریا جدید ۱/ ۱۷، وعلی هامش الهندیة، زکریا ۱/ ۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

باوضو گیلے پیر ناپاک فرش پر رکھنے سے پیر پاک ہے یا ناپاک؟

سوال [۱۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گوبر کے گارے سے پتائی کے بعد فرش سوکھ گیا ہے، اب زید وضو کر کے گیلے پیر اس کے اوپر چلتا ہے، تو زید کے پیروں پر جو لگنا تھا وہ لگ گیا، اس کے بعد زید پیر دھوئے بغیر نماز پڑھ لیتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو کر کے گیلے پیروں سے گوبر کے فرش پر چلنے سے پیر ناپاک شمار نہ ہوگا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۲۸۵، میرٹھ ۸/ ۳۳۰، فتاوی دار العلوم ۱/ ۳۷۳)

المشقة تجلب التيسير. (الأشباه والنظائر، زكريا، ص: ۲۲٦)

الضرورات تبيح المحضورات. (الأشباه والنظائر، زكريا، ص: ۲٥۱)

إذا وضع رجله على أرض نجسة، أو على لبد نجس إن كانت الرجل رطبة والأرض أو اللبد يابسا، وهو لم يقف عليه بل مشي لا تتنجس رجله، ولو كانت الرجل يابسة والأرض رطبة، وظهرت الرطوبة في الرجل، تتنجس رجله، وفي بعض المواضع: لم يشترط ظهور الرطوبة في الرجل؛ لأنه يظهر أثر الرطوبة في الرجل لا محالة. (المحيط البرهاني، الفصل السابع في النجاسة ۱/ ۲۱۳، المجلس العلمي ۱/ ۳٦۸، رقم: ۷٤۱، خانية، فصل النجاسة، زكريا جديد ۱/ ۱۹، وعلى هامش الهندية ۱/ ۲٦، كذا فى حلبي كبير، باب الأنجاس، اشرفيه

دیو بند، ص: ۲۰٦)

مشي في الطين ولم يغسل قدميه حتى صلى يجزيه ما لم يكن فيه أثر النجاسة. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السابع معرفة النجاسات وأحكامها ١/ ٤٣٦، برقم: ١٠٩٧)

دخل المشرعة وتوضأ ولم يكن له نعلان، فوضع رجله على ألواح المشرعة وقد كان يدخل فيها من رجلاه قذر جاز. (الفتاوى التاتارخانية ١/ ٤٣٨، رقم: ١١١٠، شامي فصل في الاستنجاء، زكريا ١/ ٥٦٥، كراچی ١/ ٣٥٠)

أخرج ابن أبي شيبة عن الحسن فى طين المطر يصيب الثوب، قال: إن شاء غسله وإن شاء تركه حتى يجف، ثم يفركه. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٢/ ٢٣١، رقم: ١٨٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

چاول کی دیگ میں چوہا گر جائے تو کیا کریں؟

سوال [۱۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے سو آدمیوں کی دعوت کی، جس میں ایک من چاول بنائے، جب چاول بن رہے تھے تو چاول بنتے میں اچانک ایک چوہا گر گیا، گرتے ہی فوراً مر گیا اور زید کے پاس کھانا کھلانے کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہے، تو ایسی صورت میں وہ چاول جس میں چوہا گر گیا تھا، لوگوں کو کھلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز نہ ہوگا تو جن آدمیوں کی دعوت کی ان سے کس طرح نجات پائے؟ مدلل ومفصل وضاحت فرمایئے۔

المستفتی: اشرف علی قصبہ کوری روانہ، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چاول ابھی نرم نہیں ہوا ہے، تو تین مرتبہ دھو کر دوبارہ پکانا شروع کر دیا جائے اور پکا کر کھانا جائز ہوگا؛ لیکن اگر نرم ہو چکا ہے، تو اس کا

کھانا جائز نہیں ہوگا اور مدعوین حضرات سے یہ عذر ظاہر کر دیا جائے کہ یہی ان سے نجات کی صورت ہے۔

كما استفيد عن الشامي: ولو صبت الخمرة في قدر فيها لحم إن كان قبل الغليان يطهر اللحم بالغسل ثلاثا، وإن كان بعده فلا. (شامي كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب فی تطهير الدهن والعسل، كراچی ١/ ٣٣٤، زكريا ١/ ٥٤٤، البحر الرائق، باب الأنجاس، كوئٹه ١/ ٢٣٩، زكريا ١/ ٤١٥)

امرأة تطبخ قدرا فطار طير فوقع فی القدر ومات لا يؤكل المرقة بالإجماع؛ لأنه تنجس بموت الطير فيه، وأما اللحم ينظر إن كان الطير وقع في القدر حالة الغليان لا يؤكل؛ لأن النجاسة تشربت، وإن كان الطير قد وقع في القدر حالة السكون يغسل ويؤكل. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثامن في تطهير النجاسات ١/ ٤٥٧، رقم: ١٢٠٢، المحيط البرهاني، الفصل الثامن في تطهير النجاسات، المجلس العلمي ١/ ٣٨٤، رقم: ٧٩٢، فتح القدير، قبيل فصل فی الاستنجاء، مكتبه زكريا ١/ ٢١٠، كوئٹه ١/ ١٨٥، هندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل، زكريا قديم ٥/ ٣٣٩، جديد ٥/ ٣٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۶۵)

دودھ پیتی بچی اور بچے کے پیشاب کا حکم

سوال [۱۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دودھ پیتی لڑکی کے پیشاب اور دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب کی نجاست کے حکم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں اس طرح کے الفاظ وارد ہوئے ہیں: ”عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنه قال في الرضيع: يغسل بول الجارية، وينضح بول الغلام“ (طحاوي شريف، بيروت ١/ ١٩٩، رقم: ٥٦٧) دودھ پیتی بچی کا پیشاب ناپاک ہے، اس کو پاک کرنے کے لئے پانی سے دھونا لازم ہے۔ اور دودھ پیتے بچہ کے پیشاب کے بارے میں فرمایا ہے: ”ينضح بول الغلام“ کہ دودھ پیتے بچہ کے پیشاب پر چھینٹے ماردئے جائیں، حضرات محدثین نے اس پر مختلف کلام کیا ہے۔ اور حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ دونوں ناپاک ہیں، دونوں سے طہارت کے لئے دھونا لازم ہے۔

وبول ما لا يؤكل لحمه كالآدمي ولو رضيعا، وتحته: لم يطعم سواء كان ذكرا أو أنثى. (حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الأنجاس والطهارة عنها، دارالكتاب ديوبند ص: ١٥٤)

وروى عن أبي حنيفة، وممن قال بوجوب غسلهما أبو حنيفة ومالک في المشهور عنهما، وأهل الكوفة. (بذل المجهود، سهارن پور ١/ ٢١٨، دارالبشائر الإسلامية) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۱۰/۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۴۴)

جانور کے پیشاب کی چھینٹوں کا حکم

سوال [۱۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: انسان کے پیشاب کی طرح اگر جانور کا پیشاب یا اس کی چھینٹیں لگ جائیں تو کیا غسل کرنا پڑے گا؟

المستفتی: محمد ابراہیم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب آدمی کے پیشاب کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ وہ نجاست خفیفہ ہے، ان کی چھینٹ اگر تھوڑی ہو جو چوتھائی کپڑے تک نہ پہنچے تو وہ معاف ہے؛ لیکن اس سے بھی احتیاط ضروری ہے۔

وعفی دون ربع ثوب من نجاسة مخففة. (در مختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس بحث في بول الفارة وبرها، زكريا ١/ ٥٢٦، كراچی ١/ ٣٢١، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الأنجاس والطهارة عنها، ص: ١٥٧، هندية، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الثاني، زكريا قديم ١/ ٤٦، جديد ١/ ١٠١)

نیز اس چھینٹ سے آدمی کو غسل کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ یہ موجبات غسل میں سے نہیں ہے؛ بلکہ جہاں جہاں چھینٹ پڑنے کا ظن غالب ہو وہاں سے دھو دینا کافی ہے۔

أسباب الغسل ثلاثة: الجنابة الخ. (قاضي خان، زكريا جديد ١/ ٢٩، وعلى هامش الهندية ١/ ٤٢، هندية، الباب الثاني في الغسل، زكريا قديم ١/ ١٤، جديد ١/ ٦٥، حلبي كبير، مطلب في طهارة الكبرىٰ، أشرفيه، ص: ٤٠، بدائع، كتاب الطهارة، باب صفة الغسل، زكريا ١/ ١٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۳۵)

نگلی ہوئی چھالی پیچھے کے راستہ سے نکل آئے

سوال [۱۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی بچہ اگر سالم چھالی نگل جائے اور وہ پائخانہ کے راستہ نکل آئے تو کیا دھونے سے پاک ہو جائے گی؟

المستفتی: انصار الدین سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ سالم چھالی نہ پھولی ہو اور نہ ہی دھونے کے بعد اس میں براز کا اثر باقی رہے، تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گی، ورنہ وہ ناپاک ہی رہے گی۔

إذا وجد الشعير في بعر الإبل والغنم يغسل، ويجفف ثلاثا، ويؤكل، وفي أخثاء البقر: لا يؤكل -إلى- أن الصحيح التفصيل بالانتفاخ وعدمه ويستوى فيه البعر والخثى أي إن انتفخ لا يؤكل فيهما وإلا أكل فيهما.

(شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب القول مرجح على الفعل، كوئٹه ١/ ٢٠٤، زكريا ١/ ٥٦٤، كراچى ١/ ٣٤٩، هندية، الباب السابع في النجاسة، وأحكامها، الفصل الثاني فى أعيان النجاسة، زكريا قديم ١/ ٤٨، جديد ١/ ١٠٣، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني في تطهير النجاسات، قديم ١/ ٣٢٢، زكريا ١/ ٤٦٧، رقم: ١٢٤٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۶۳)

تقاطر سے کیا مراد ہے؟

سوال [۱۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر دیدار نجاست اگر تخت، چٹائی پر لگ جائے، تو اس کی تطہیر میں یہ ہے کہ دھوکر چھوڑ دے، یہاں تک کہ پانی کا تقاطر ختم ہوجائے، اس تقاطر سے تو اتر مراد ہے یا تقاطر ورود مراد ہے؟ جو شکل ہو واضح کریں۔

المستفتی: جمیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقاطر تواتر مرادنہیں ہے؛ بلکہ ورود مراد ہے کہ چٹائی وغیرہ سے تقاطر بالکل ختم ہوجائے، تو اس کو دوبارہ دھولیا جائے،تو اس طرح تین مرتبہ دھونا لازم ہے۔

وقدر بتشليث جفاف، أي انقطاع تقاطر فی غیرہ، أي غير منعصر.

(الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في حكم الوشم، کراچی ۱/ ۳۳۲، زکریا ۱/ ۵٤۱)

وما لا ينعصر يطهر بالغسل ثلاث مرات، والتجفيف في كل مرة؛ لأن للتجفيف أثرا في استخراج النجاسة وحد التجفيف أن يخليه حتى ينقطع التقاطر، ولا يشترط فيه اليبس. (هندية، الباب السابع فی النجاسة وأحكامها، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ٤۲، جديد ۱/ ۹٦)

وإن كان الحصير من بردي وما أشبه ذلک يغسل ثلاثا، ويجفف في كل مرة بأن يترک حتى ينقطع التقاطر منه، فإنه يطهر عند أبي يوسف بناء على إمكان تطهير ما لا ينعصر عنده، وعليه الفتوى. (حلبي كبير، فصل في الآسار: الشرط الثاني، مكتبه أشرفيه ديو بند، ص: ۱۸٦، تبيين الحقائق، باب الأنجاس، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۷٦، زكريا ۱/ ۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/ رجب ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۷۰)

مرغ کو ذبح کرکے گرم پانی میں ڈال دیں تو کیا حکم؟

سوال [۱۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے ہوٹلوں میں مرغ ذبح کرنے میں یہ دستور ہے کہ ذبح کرکے گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں، اس کے بعد نکال کر چھیل کر اس کی بوٹیاں بناتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ گرم پانی میں ڈالنے کی وجہ سے اس کے پیٹ کے اندر کی نجاست کے آثار گوشت تک پہنچنے کا اندیشہ

ہے، تو مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ کس وقت اس میں کراہت آتی ہے اور کس وقت وہ جائز ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن مرغیوں کو ذبح کرکے کھولتے ہوئے پانی میں اتنی دیر کے لئے ڈال دیا جاتا ہے کہ اتنی دیر میں نجاست کا اثر گوشت تک پہنچ جاتا ہے، یعنی تین چار منٹ تک تو ان کا کھانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ ناپاک ہو چکی ہیں، ہاں البتہ جن ممالک میں قانونی پابندیاں ہیں، ان میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے کہ تین بار جوش دے کر پانی نچوڑ دیا جائے تو ان کے نزدیک پاک ہے۔ اور جن مرغیوں کو ڈالتے ہی فوراً نکال لیا جاتا ہے، یا بہت ہلکے گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے جس سے ان کے گوشت تک نجاست کا اثر نہیں پہنچتا، تو ان کا کھانا بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۸، احسن الفتاوی ۲/ ۹۶، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۸/ ۸۵)

لو ألقيت دجاجة حال غليان الماء قبل أن يشق بطنها لتنتف أو كرش، قيل: أن يغسل إن وصل الماء إلى حد الغليان، ومكثت فيه بعد ذلك زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم لا تطهر أبدا إلا عند أبي يوسف كما مر فى اللحم، وإن لم يصل الماء إلى حد الغليان أو لم تترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى سطح الجلد؛ لانحلال مسام السطح عن الريش والصوف تطهر بالغسل ثلاثا. (حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الأنجاس والطهارة عنها، دارالكتاب، ص: ١٦٠، أشرفيه/ ٦٠)

وعلى هذا الدجاج المغلى قبل إخراج إمعائها، وأما وضعها بقدر انحلال المسام لنتف ريشها، فتطهر بالغسل. (مراقى الفلاح، باب الأنجاس والطهارة عنها، ص: ١٦٠، فتح القدير، باب الأنجاس وتطهيرها مكتبه زكريا ١/ ٢١١، كوئٹه ١/ ١٨٦، شامي، باب الأنجاس، مطلب في تطهير الدهن والعسل، كراچی ١/

۳۳٤، شامي زكريا ١/ ٥٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ رجسٹر خاص)

مذبوحہ مرغی کو آگ پر تپانا

سوال (الف) [۱۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ نے اپنی کتاب ''ایضاح المسائل'' میں مرغی مذبوح کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس کو کھولتے ہوئے پانی میں دو چار منٹ تک کے لئے ڈالے رکھا جائے تو گوشت میں نجاست کے سرایت کرنے کی وجہ سے اس کا کھانا ناجائز ہے، اس کے ضمن میں ایک بات یہ ہے کہ یہاں یہ طریقہ مروج ہے کہ لوگ مرغی ذبح کرکے اس کے بال وپر اکھاڑ دیتے ہیں، پھر اس کو مسلم یعنی بغیر شکم چاک کئے اس کو آگ پر تپاتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے جسم پر جو معمولی قسم کے بال رہ جاتے ہیں وہ جل کر ختم ہوجائیں، تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: آفتاب عالم ٹینٹ ہاؤس، قصبہ لہرپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تپاتے ہوئے اندر کی غلاظت کا اثر گوشت تک سرایت نہیں کرتا ہے، تو گوشت حلال اور پاک ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس قدر آگ میں تپانے میں غلاظت کا اثر سرایت نہیں کرتا ہے؛ اس لئے گوشت حلال پاک ہی رہے گا، اس کا کھانا جائز اور درست ہے۔

وعلى هذا الدجاج المغلى قبل إخراج إمعائها، وأما وضعها بقدر انحلال المسام لنتف ريشها، فتطهر بالغسل. (مراقي الفلاح مع حاشية

الطحطاوي، باب الأنجاس والطهارة عنها، مكتبه دارالكتاب ديو بند، ص: ١٦٠، شامي، باب الأنجاس، مطلب في تطهير الدهن والعسل، زكريا ١/ ٥٤٤، كراچی ١/ ٣٣٤، فتح القدير، باب الأنجاس وتطهيرها، زكريا ١/ ٢١١، كوئٹه ١/ ١٨٦)

لو ألقيت دجاجة حال غليان الماء قبل أن يشق بطنها لتنتف أو كرش، قيل: أن يغسل إن وصل الماء إلى حد الغليان، ومكثت فيه بعد ذلك زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم لاتطهر أبدا إلا عند أبي يوسف كما مر في اللحم، وإن لم يصل الماء إلى حد الغليان أو لم تترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى سطح الجلد لانحلال مسام السطح عن الريش والصوف تطهر بالغسل ثلاثا. (حاشية الطحطاوي، باب الأنجاس والطهارة عنها، دارالكتاب، ص: ١٦٠، فتح القدير، قبيل فصل في الأنجاس، مكتبه زكريا ١/ ٢١١، كوئٹه ١/ ١٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۴۴)

ناپاک گرم پانی میں ڈالنے کی وجہ سے ذبح شدہ مرغ پاک رہے گا یا ناپاک

سوال (ب) [۱۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں مرغ کا گوشت بیچنے والے مرغ کو ذبح کر کے گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں، پھر اس سے نکال کر پنکھ وغیرہ صاف کر دیتے ہیں، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ جب مرغ کو گرم پانی میں ڈالتے ہیں، تو اس کی گردن میں خون اور کبھی بدن پر نجاست بھی لگی ہوتی ہے، تو کیا اس کو پانی میں ڈالنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر ناپاک ہو جائے تو کیا تین مرتبہ دھونے سے گوشت پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ نیز دوکاندار پورے دن اسی ایک پانی

میں مرغ ڈالتے رہتے ہیں، تو ایسے مرغ کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ علاقہ کے ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ یہ گوشت کھانا مکروہ ہے، کون سی بات صحیح ہے؟ **مدلل جواب مرحمت فرمائیں- بینوا توجروا-**

المستفتی: محمد اشراق کشی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آسانی کے ساتھ کھال اتارنے کے لئے ناپاک گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے، پھر کھال اتاردی جاتی ہے تو گوشت پاک رہے گا؛ کیوں کہ ناپاکی صرف کھال میں لگی ہے اور وہ اتارکر الگ کردی گئی ہے؛ اس لئے بغیر دھوئے گوشت پاک ہے اور اس کو مکروہ کہنا درست نہیں۔ اور اگر کھال نہیں اتاری جاتی ہے؛ بلکہ صرف پر اتارتے ہیں تو ایسی صورت میں کھال میں ناپاک پانی لگ جانے کی وجہ سے کھال ناپاک ہوچکی ہوتی ہے، اس کا دھونا لازم ہوگا دھوئے بغیر کھانا مکروہ ہوگا، عالم صاحب کی بات اس صورت میں درست ہے۔

والنجاسة متناهية؛ لأنها مركبة من جواهر متناهية لما عرف في موضعه، فإذا انتهت أجزاءها بقي المحل طاهرا لعدم المجاورة. (تبيين الحقائق، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۹۳، وهكذا في الهداية ۱/ ۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۲۷ھ

کتے اور خنزیر کا بدن پاک ہے یا ناپاک؟

سوال [۱۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتا اور خنزیر اگر ان کا جسم سوکھا ہو کوئی ناپاکی ظاہراً نہ لگی ہو، تو کیا ان کا جسم آدمی کے بدن سے لگنے سے آدمی کا بدن ناپاک ہوجائے گا؟ اگر کتے اور خنزیر کے سوکھے جسم پر پاک صاف

پانی ڈال دیا، پھر وہ جسم کسی انسان کے بدن سے لگ جائے تو کیا ایسی صورت میں بدن ناپاک ہوجائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اصغر، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک درندہ ہے، اس کا پسینہ اور لعاب ناپاک ہے، لہٰذا اگر کسی نالی یا گڈھے میں کتا پانی میں ڈوبا ہوا ہو، پھر اس سے تر ہوکر باہر نکلے تو اس کے پسینہ سے پانی ملوث ہوجاتا ہے؛ اس لئے اس کا پورا بدن ناپاک سمجھا جاتا ہے؛ لیکن اگر بالکل سوکھا کتا ہے اور اوپر سے پانی بہا دیا گیا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے، پھر اس کا بدن کسی انسان سے لگ جائے تو اس کا بدن ناپاک نہیں ہوگا۔ اور خنزیر نجس العین ہے، اس کا بدن وبال پیشاب و پاخانہ کی طرح ناپاک ہے؛ لہٰذا اس کے سوکھے بدن پر بھی اگر پانی ڈال دیا جائے، پھر اس کا بدن کسی انسان یا اس کے کپڑے سے لگ جائے تو جہاں لگے گا وہاں ناپاک ہوجائے گا اور اس کا دھونا واجب ہوجائے گا۔

وإذا نام الكلب على حصير المسجد إن كان يابسا لا يتنجس، وإن كان رطبا ولم يظهر أثر النجاسة، فكذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كوئٹه ١/ ٢٩٦، جديد ١/ ٤٣٩، رقم: ١١١٤، عالمگيرى زكريا قديم ١/ ٤٨، جديد ١/ ١٠٣)

الكلب إذا دخل الماء ثم خرج وانتفض، فأصاب ثوب إنسان أفسده ولو أصابه ماء المطر وباقى المسئلة بحالها لم يفسده؛ لأن في الوجه الأول الماء أصاب جلده وجلده نجس، وفي الوجه الثاني: أصاب شعره وشعره ليس بنجس. (تاتارخانية، كوئٹه ١/ ١٨٨، جديد ١/ ٣١٩، رقم: ٥٦٩، المحيط البرهاني، كتاب الطهارات، الفصل الرابع في المياه، المجلس العلمي ١/ ٢٥٧، رقم: ٣٨٣)

أما النجاسة الغليظة -إلى قوله- ولحم الخنزير وسائر أجزائه هذه الأشياء نجاستها معلومة في الدين بالضرورة، لا خلاف فيها إلا شعر

الخنزير؛ لأنه نجس العين. (كبيرى، فصل في الأنجاس، أشرفيه ديو بند، ص: ١٤٦)

بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين. (هدايه، قبيل فصل في البئر، مكتبه أشرفي ديوبند ١/ ٤١)

فأما الخنزير فهو نجس العين، عظمه وعصبه في النجاسة كلحمه. (المبسوط، باب الحدث في الصلاة، مكتبه دارالكتب العلمية ١/ ٢٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۲۸ھ

دھوبی کے یہاں دھلے کپڑوں کا حکم

سوال [۱۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل بہت کم دھوبی دریا کے گھاٹ پر کپڑے دھوتے ہیں، عام دستور یہ ہوگیا کہ دھوبیوں نے اپنے گھروں پر حوض بنا لئے ہیں اور وہ واٹر ورکس کے پانی سے کپڑے دھوکر لاتے ہیں، کیا حوض میں واٹر ورکس کی ٹنکی کے پانی سے دھلے ہوئے کپڑوں سے نماز پڑھنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ حوض میں ٹنکی کا پانی مسلسل داخل ہوتا رہے اور دوسری طرف سے نکلتا رہے، تو وہ جاری پانی کے حکم میں ہے، اگر اس میں نجاست وگندگی کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو تو اس کا پانی پاک ہوگا اور ناپاک کپڑے بھی پاک ہوجائیں گے۔ اور اگر کوئی اثر ظاہر ہوجائے تو ناپاک ہوگا، نیز اگر پانی کے داخل ہونے اور نکلنے کا سلسلہ جاری نہیں ہے؛ بلکہ ایک دفعہ حوض بھر دیا ہے اور اسی میں پاک ناپاک کپڑے سب ڈال دئے ہیں، تو اس سے ناپاک کپڑے پاک نہیں ہوں گے اور جو کپڑے پاک ہیں شرعی طور پر ان کا

حکم یہی ہے کہ وہ پاک ہوں گے، حاصل یہ ہوا کہ ناپاک کپڑے ناپاک اور پاک کپڑے پاک رہیں گے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/۸۳)

وألحقوا بالجاري حوض الحمام لو الماء نازلا والغرف متدارك كحوض صغير يدخله الماء من جانب ويخرج من آخر، يجوز التوضي من كل الجوانب مطلقا، به يفتي. (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب المياه، زكريا ۱/ ۳۳۷، ۳۳۸، كراچی ۱/ ۱۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۵۲)

دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے کا حکم

سوال [۱۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دھوبی کے یہاں سے دھلا ہوا کپڑا پاک ہوتا ہے یا ناپاک، ان کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ اس لئے کہ دھوبی پاک اور ناپاک کپڑے سب کو ایک ساتھ ملا کر دھوتے ہیں جو سب کو معلوم ہے اور دھوبی کے یہاں پاک کپڑے بھی ہوتے ہیں اور ناپاک کپڑے بھی ہوتے ہیں، سب کو ایک ساتھ ملا دیتے اور ملا کر دھوتے ہیں، یعنی پاک اور ناپاک مخلوط کپڑوں کو اسی طرح اختلاط کے ساتھ دھوتے ہیں، تو ہمارا سوال یہ ہے کہ جب دھوبی نے پاک پانی میں ناپاک کپڑا ڈال دیا تو سارا پانی ناپاک ہوگیا اور جب اس میں پاک کپڑے ڈالیں گے تو وہ کپڑے بھی ناپاک ہوجانے چاہئیں؛ اس لئے مفتی صاحب سے سوال ہے کہ دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے کپڑے پاک شمار کئے جائیں گے یا ناپاک؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد اصغر، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے کپڑوں کے بارے میں

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر دھوبی چلتی نہر یا دریا یا بڑے تالاب میں کپڑے ڈھلتے ہیں، تو کوئی اشکال نہیں ہے، پاک کپڑے تو پاک ہی ہوں گے اور ناپاک کپڑے بھی یقینی طور پر پاک ہی شمار ہوں گے اور ایسے دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے کپڑوں کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا، ہاں البتہ وہ دھوبی جو چلتی نہر یا بڑے تالاب وغیرہ میں کپڑے نہیں دھوتے ہیں؛ بلکہ شہر کی آبادی میں بڑے بڑے ٹبوں اور بالٹیوں میں دھلتے ہیں، ان کے کے بارے میں سوال نامہ میں ذکر کردہ اشکال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ماءِ قلیل میں نجاست گرنے سے وہ پانی ناپاک ہوجاتا ہے؛ لہٰذا پاک اور ناپاک کپڑے ایک ساتھ ٹب میں ڈال دئے جائیں یا بالٹی میں ڈال دئے جائیں تو وہ اشکال پیش آسکتا ہے جو سوال نامہ میں پیش کیا گیا ہے، تو اس بارے میں شرعی اصول سے کام لینا ضروری ہے، اصول شرع یہی ہے: ''**الیقین لا یزول بالشک**'' اس اصول مسلمہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو کپڑا دھوبی کے یہاں یقیناً پاک گیا ہے اس کے پاک ہونے کے بارے میں پہلے سے یقین ہے اور بعد میں شک پیدا ہوا ہے کہ ناپاک کپڑے میں مخلوط ہوجانے کی وجہ سے ناپاک ہوگا یا نہیں؟ تو مذکورہ اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو کپڑا یقیناً دھوبی کے یہاں پاک جاتا ہے تو وہاں سے آئے گا تو پاک ہی آئے گا اور اس کپڑے میں نماز پڑھنا بلا شبہ جائز ہوگا، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

إذا صار مشكوكاً في نجاسته جازت الصلاة معه، قوله: اليقين لا يرتفع بالشک معنى فإنه حينئذ لا يتصور أن يثبت الشک في محل ثبوت اليقين ليتصور ثبوت شک فيه لا يرتفع به ذلک اليقين. (الأشباه والنظائر قديم ١٠١، جديد ١٨٥)

اور جو کپڑا دھوبی کے یہاں ناپاک جاتا ہے، اس کا ناپاک ہونا پہلے سے معلوم ہے اور دھوبی کے یہاں سے پاک ہوکر آنے میں شک ہے؛ اس لئے اس کو ناپاک ہی شمار کیا جائے گا، اس میں نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

إن ثبت الشک في طهارة الباقی ونجاسته لکن لا یرتفع حکم ذلک الیقین السابق بنجاسته، وهو عدم جواز الصلاة. الخ (الأشباه والنظائر قدیم ۱۰۱، جدید ۱۸۶)

لہٰذا حاصل یہ نکلا کہ ماءقلیل میں پاک یا ناپاک کپڑوں کو ایک ساتھ دھلنے والے دھوبی کے یہاں سے پاک کپڑا پاک آئے گا اور ناپاک کپڑا ناپاک ہی آئے گا؛ لہٰذا جو کپڑا ناپاک گیا ہے، اس کو دوبارہ پاک کرنے کی ضرورت ہے اور جو کپڑا پاک گیا ہے اس کو دوبارہ پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۳ھ

ڈرائی کلین سے دھلے ہوئے ناپاک کپڑے کا حکم

سوال [۱۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑے پاک ہوں گے یا ناپاک؟ سوال اس لئے کرنا پڑا کہ ڈرائی کلین میں پاک اور ناپاک دونوں طرح کے کپڑے ایک ساتھ ڈال کر دھوئے جاتے ہیں اور ڈرائی کلین میں پٹرول یا مٹی کے تیل سے کپڑوں کی دھلائی ہوتی ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جس پٹرول میں کپڑے ڈالے جاتے ہیں وہ کپڑے دھلنے کے بعد ان کی گندگیاں پٹرول کے اندر چلی جاتی ہیں، اس طریقہ سے ڈرائی کلین مشین میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں، اب مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس طرح کی ڈرائی کلین مشین میں جو ایک ساتھ کپڑے دھلے جاتے ہیں وہ پاک شمار ہوں گے یا ناپاک؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد شعیب میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرات فقہاء کے زمانہ میں ڈرائی کلین کا تصور نہیں تھا؛

اس لئے خاص طور پر ڈرائی کلین سے متعلق صراحت کے ساتھ جزئیہ نہ مل سکا اور بعد کے اکابر اہل فتاوی کی طرف سے ڈرائی کلین سے دھلے ہوئے کپڑوں کے بارے میں دوطرح کی رائے سامنے آتی ہیں:

(۱) حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ اس کا حکم وہی ہے جو دھوبی کے یہاں سے دھلے ہوئے کپڑوں کا ہے، یعنی جو کپڑے ڈرائی کلین میں دھلنے کے لئے پاک دئے گئے ہیں وہ پاک ہی رہیں گے اور جو کپڑے ناپاک دئے گئے ہیں وہ کپڑے ڈرائی کلین سے دھلنے کے بعد بھی ناپاک رہیں گے۔ اور یہ حضرات اس طرح کے اصول سے استدلال کرتے ہیں: ”**الیقین لا یزول بالشک**“ کہ جس کپڑے کا پہلے ہی سے پاک ہونا یقینی ہو وہ شک کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوگا؛ بلکہ پاک ہی رہے گا، اسی طرح کا اصول ہے:

ما ثبت بیقین لا یترفع إلا بیقین. (الأشباہ والنظائر قدیم ۱۰۶، جدید ۱۹۳)

کہ جو چیز پہلے سے یقین سے ثابت ہے وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی؛ بلکہ یقین ہی سے زائل ہوگی؛ لہٰذا جو کپڑے یقینی طور پر پہلے ہی سے پاک ہوں اور ناپاک کپڑوں کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے ان کی طہارت میں شک پیدا ہوگیا ہو، تو کپڑے بدستور پاک ہی رہیں گے؛ لہٰذا جو کپڑے ڈرائی کلین میں ناپاک گئے ہیں وہاں سے دھل کر آنے کے بعد بھی ناپاک ہی رہیں گے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/۸۳)

اس کے برخلاف حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے کافی دلائل سے اس بات کو ثابت فرمایا ہے کہ ڈرائی کلین میں پٹرول سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں اور پٹرول پانی کے مقابلہ میں بہت زیادہ قاطع نجاست ہے اور ایسے داغ دھبے جو صابن صرف سے کافی کوشش کے باوجود دھلنے سے صاف نہیں ہوتے ہیں، وہ پٹرول کے ذریعہ سے بہت آسانی سے صاف ہوجاتے ہیں؛ اس لئے ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے سارے کپڑے پاک ہوجاتے ہیں، وہ پاک ہوں یا ناپاک، یہی رائے حضرت الاستاذ فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی بھی ہے۔ اور حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ

کے فتاوی پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے بھی دستخط ہیں، نیز حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ کے دو فتاوی: فتاوی محمودیہ میں چھپے ہوئے ہیں، جن میں پٹرول سے دھلے ہوئے ناپاک کپڑوں پر بھی پاک ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، ان دونوں حضرات کی رائے دلائل کی روشنی میں زیادہ قوی ہے، کیوں کہ پاکی کا سارا مدار ازالہ نجاست پر ہے، اور پٹرول کے ذریعہ بدرجۂ اتم نجاست کا ازالہ ہوجاتا ہے؛ اس لئے ڈرائی کلین سے دھلے ہوئے سارے کپڑے پاک ہی شمار ہوں گے، یہ بات الگ ہے کہ کوئی شخص احتیاطاً ناپاک کپڑے کو دھو ڈالے تو اس کو فتوی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کے مفصل فتوی کا مختصر ٹکڑا یہ ہے ملاحظہ فرمائیے:

”یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ جب پٹرول میں کپڑوں کی گردش کرانے اور جھنجھوڑنے سے کپڑوں کے داغ دھبے خواہ ناپاکی ہی کے داغ دھبے ہوں زائل ہوجاتے ہیں اور کپڑا صاف ستھرا ہوجاتا ہے، تو جب کپڑے میں جذب نہ ہوکر اڑ جاتا ہے اور اس کے اڑ جانے کے بعد بھی اثر نجاست (رنگ، بو، مزہ وغیرہ) باقی نہیں رہتا ہے؛ بلکہ زائل ہوجاتا ہے، تو کہنا پڑے گا کہ پٹرول ہی سے ازالہ ہوا ہے، اور تطہیر نام ہے اسی ازالۂ نجاست کا، خواہ تبدیل ماہیت کی وجہ سے ہو جیسے شراب کا سرکہ بن جانا اور سرکہ کا پاک شمار کیا جانا یا محض ناپاکی کے اثرات اڑ جانے سے ہو جیسے روٹی کے اوپر گوبر کے اوپلے کے ناپاک ذرات جو لگے ہوئے ہیں اس کے ڈھنکنے سے روٹی کا پاک ہوجانا یا غسل بالماء کے ذریعہ سے ہو یا کسی بھی سیال طاہر شئ سے غسل کے ذریعہ سے ہو اور یہ صورت یہاں بھی حاصل ہے؛ لہٰذا اس بنا پر بھی دوبارہ تطہیر کا حکم دینے کی ضرورت نہ ہوگی؛ البتہ جن لوگوں کو اپنے کپڑوں کی ناپاکی کا یقین ہو، مثلاً نجاست لگتے ہوئے یا لگی ہوئی خود دیکھی ہے تو ان کو پٹرول میں دھونے کے لئے دینے سے قبل خود پاک کرلینا چاہئے یا پھر دھل کر آنے کے بعد احتیاطاً خود پاک کرلینا افضل ہوگا، اسی طرح یہ بات بھی الگ ہوگی کہ از روئے تقوی ایسے دھلے ہوئے کپڑوں کی تطہیر بقاعدہ شرع خود کرلی جائے، مگر اس کو فتوی نہیں قرار دیا جاسکتا“۔ (منتخب نظام الفتاوی ۱/۱۳۵-۱۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: الاحقر نظام الدین غفرلہ
دارالعلوم دیوبند
۱۳۹۲/۱/۷ھ

الجواب صحیح:
محمود غفرلہ
۱۳۹۲/۲/۷ھ

اور ’’فتاوی محمودیہ‘‘ کی عبارت یہ ہے کہ سائل سوال کررہا ہے:

(۱) پاک ناپاک ہر قسم کے کپڑے کونڈی میں ڈالے جانے کا امکان ہے، اس بنا پر کوئی کپڑا اس سے دھلایا جائے تو کیا وہ ناپاک قرار دیا جائے گا؟

(۲) جو کپڑا یقیناً ناپاک تھا اس کو اس طرح دھلانے سے وہ پاک ہوجائے گا یا اسے پاک کرنے کے لئے پانی کا استعمال ضروری ہوگا؟ بالترتیب دونوں سوالوں کا جواب اس طرح ہے:

(۱) وہ ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا؛ الا یہ کہ اس میں ناپاکی کا اثر ظاہر ہوجائے۔

(۲) ناپاکی کا اثر اس میں باقی نہیں رہا، تو اس کو پاک کہا جائے گا؛ کیوں کہ پٹرول زیادہ قاطع نجاست ہے پانی سے۔ (فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۲۴۷، میرٹھ ۸/ ۲۸۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ڈرائی کلین سے دھلے ہوئے سارے کپڑے پاک ہی شمار ہوں گے، اگر کوئی شخص اپنے طور پر ناپاک گیا ہوا کپڑا دوبارہ دھولے تو اس کی طرف سے تقویٰ کی بات ہوگی، اس کو فتویٰ نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۵ھ

ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑے کا حکم

سوال [۱۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ڈرائی کلین سے صاف شدہ کپڑے پاک سمجھنے چاہئے یا نہیں؟ کیا ان کپڑوں سے نماز ہوسکتی، جب کہ پاک ناپاک سارے کپڑے یکجا کرکے مٹی کے تیل یا پٹرول وغیرہ سے صاف کئے جاتے ہیں، اگر ناپاک ہیں تو شیروانی یا کوٹ ڈرائی کلین پر صاف کراکر پہننا اور

مسجد میں پسینہ آمیز اندر پہنا ہوا بنیان یا کرتہ وغیرہ تر ہونے پر پاک رہے گا یا ناپاک؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن بازار شاہی مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ڈرائی کلین میں کپڑا دھلوانے سے متعلق حضرات فقہاء متقدمین ومتأخرین سے کوئی صاف جزئیہ منقول نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس زمانہ میں ڈرائی کلین کا کوئی تصور نہیں تھا، سو، پچاس سال کے اندر ڈرائی کلین کا سلسلہ جاری ہوا ہے اور ہمارے بڑوں میں سے حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں: کہ اصول مسلمہ یہ ہے کہ "**الیقین لا یزول بالشک**" (الأشباہ، قدیم، ص: ۱۰۰، جدید زکریا ۱/ ۱۸۳) شک کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے، اس اصول کے مطابق جو کپڑا پاک بھیجا جاتا ہے وہ ڈرائی کلین میں دھلنے کے بعد پاک سمجھا جائے گا؛ اس لئے کہ اس کا پاک ہونا پہلے سے یقینی ہے اور جو کپڑا ناپاک جاتا ہے اس کو ناپاک ہی سمجھا جائے گا؛ اس لئے کہ اس کا ناپاک ہونا یقینی ہے۔ (احسن الفتاوی، زکریا ۲/ ۸۳)

اس کے برخلاف حضرت الاستاذ فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ڈرائی کلین میں جو پاک کپڑا جاتا ہے وہ تو پاک ہی ہوگا ساتھ میں یہ بات بھی ہے کہ جو کپڑا ناپاک جاتا ہے، وہ بھی ڈرائی کلین میں دھونے کے بعد پاک ہی ہوکر آئے گا، چاہے ڈرائی کلین میں پاک ناپاک کپڑے ایک ساتھ ڈالے جاتے ہوں، بہرحال وہ پاک ہوکر آئے گا؛ اس لئے کہ پٹرول پانی کے مقابلہ میں زیادہ قاطع نجاست ہے؛ لہٰذا اس کے پاک ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی ضرورت نہیں، یہ مسئلہ حضرت الاستاذ کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے اور یہی حضرت الاستاذ مفتی نظام الدین صاحب رحمہ اللہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی رائے تھی۔ اور یہ مسئلہ حضرت نے "منتخب نظام الفتاوی" میں تفصیلی دلائل کے ساتھ لکھا ہے؛ البتہ حضرت نے ایک قید یہ بھی لگائی ہے کہ ناپاک کپڑے کو احتیاطاً دوبارہ

دھولیا جائے یہ محض تقویٰ کی بات ہے۔اور فتویٰ پاک ہونے کا ہے۔(منتخب نظام الفتاوی ۱/۱۳۳-۱۳۵)

احقر نے یہ فتویٰ اس زمانہ میں لکھا تھا، جب ''فتاوی محمودیہ'' مکمل مرتب ہوکر نہیں آئی تھی اوراب ''فتاوی محمودیہ'' مکمل مرتب ہوکر آچکی ہے، اس میں حضرت کے دوفتوے ہیں ہیں، دونوں میں حضرت نے ڈرائی کلین میں دیئے گئے ناپاک کپڑے کے بارے میں وہاں سے دھلنے کے بعد پاک ہونے کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ،ڈابھیل ترتیب جامعہ فاروقیہ کراچی ۵/ ۲۴۷-۲۴۸،فتاوی محمودیہ میرٹھ ۸/ ۲۸۶-۲۸۸)

اور دلائل کی روشنی میں یہی بات زیادہ راجح ہے کہ ڈرائی کلین میں دیئے گئے ناپاک کپڑے پاک ہی ہوکر آتے ہیں؛ اس لئے کہ پٹرول سے دھونے میں کپڑوں سے ہر قسم کی نجاست اور دھبے وغیرہ ختم ہوجاتے ہیں، مثلاً کپڑے میں ایسے داغ دھبے لگ جائیں جو صابن،صرف اور آلہ وغیرہ سے صاف نہ ہو، وہ پٹرول اور مٹی کے تیل سے آسانی سے صاف ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا ڈرائی کلین میں پٹرول سے دھوئے گئے ہر کپڑے پر پاکی کا حکم لگ جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۱۴)

نومولود بچہ کی رطوبت اور سر کے بال پاک ہیں یا ناپاک؟

سوال [۱۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب بچہ کی ولادت ہوتی ہے تو ماں کے پیٹ سے نکلتے وقت بچہ کے بدن پر جو ماں کے پیٹ کی رطوبت ہوتی ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟ نیز نومولود بچہ کے سر کے بال پاک ہیں یا ناپاک؟ کیوں کہ بچہ کے سر پر بھی ماں کے پیٹ کی رطوبت ہوتی ہے۔

المستفتی: ابوالکلام گڈا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نومولود بچہ کے بدن پر ولادت کے وقت ماں کے پیٹ کی جو رطوبت لگی رہتی ہے وہ پاک ہوتی ہے؛ لہٰذا بچہ غسل دینے سے پہلے بھی پاک ہی ہوتا ہے، اسی طرح اس کے سر کے بال بھی پاک ہی ہوتے ہیں، بشرطیکہ اس کے بدن کے کسی حصہ پر خون وغیرہ نہ لگا ہوا ہو۔ اور حضرت امام صاحب کے اس قول کو قول مختار اور مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے؛ البتہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ماں کے پیٹ کی رطوبت ناپاک ہوتی ہے۔ اور صاحبینؒ کے قول میں احتیاط کا پہلو ہے۔

نقل في التاتارخانية: أن رطوبة الولد عند الولادة طاهرة، وكذا السخلة إذا خرجت من أمها، وكذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء إذا وقعت فيه، وهو المختار، وعندهما يتنجس، وهو الاحتياط قلت: وهذا إذا لم يكن معه دم، ولم يخالطه رطوبة الفرج. (شامي، الطهارة، باب الأنجاس، زكريا ١/ ٥٦٤، كراچی ١/ ٣٤٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢/ ٢٦٠)

في الحجة: الرطوبة التي على الولد عند الولادة طاهرة ...... السخلة إذا خرجت من أمها، فتلك والرطوبات طاهرة لا يتنجس بها الثوب ولا الماء، وفي الفتاوى العتابية: هو المختار، وعندهما يتنجس وهو الاحتياط.

(الفتاوى التاتارخانية، الطهارة، الفصل السابع، معرفة النجاسات وأحكامها، زكريا ١/ ٤٤٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۹۱۸)	۱۴۱۵/۳/۱۳ھ

۸/ باب أحكام المعذورين

معذورشرعی کون؟

سوال [۱۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک نابینا شخص ہوں، مجھے قطرہ اور ریاح کی بھی شکایت ہے، فرض نماز ادا کرنے کے لئے جماعت سے کتنے وقت پہلے وضو کیا کریں؟

المستفتی: نور محمد، محلّہ بارہ دری، لہر پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے جو قطرۂ پیشاب اور ریاح کا عذر ذکر کیا ہے، اس صورت میں آپ اس وقت معذور مانے جائیں گے، جب کہ آپ کو قطرۂ پیشاب نکلنے اور خروج ریاح سے اتنا وقت نہ ملے کہ اس میں صحیح سے نماز پڑھ سکیں اور یہ عذر پورے وقت رہے، تو آپ شرعاً معذور ہیں، عذر کی یہ شرط ابتداءً ہے، پھر بعد میں دیگر نمازوں میں ایک آدھ مرتبہ عذر پایا جانا کافی ہوگا؛ لہٰذا ہر نماز کے وقت میں وضو کریں اور اس سے چاہے جتنے فرائض ونوافل پڑھ سکتے ہیں اور نماز کا وقت نکلتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا، پھر دوسرے وقت کی نماز پڑھنے کے لئے دوسرا وضو کرنا پڑے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۲۰۴/۱۴،۴۸ /۲،۴۷/ ۷،۲،۲۶/۲،۲۳، جدید ڈابھیل ۵/ ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۱، ۶/ ۲۸۵، بہشتی زیور ا/ ۵۴، احسن الفتاوی زکریا ۲/ ۷۴، ۷۵)

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه أو استطلاق بطن أو إنفلات ريح...... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة، بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خاليا عن الحدث –إلى قوله– فإذا خرج الوقت بطل. (درمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور، زكريا

١/ ٥٠٤، ٥٠٥، كراچی ١/ ٣٠٥، كبيرى، قديم: ١٣١، حلبي كبير، فصل في نواقض الوضوء، أشرفيه/ ١٣٣، صغيري، مكتبه مجتبائي دهلى ٧٤، ٧٥، البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، كوئٹه ١/ ٢١٧، زكريا ١/ ٣٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۳۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۷ھ

عذر شرعی کا تحقق کب ہوتا ہے؟

سوال [۱۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بالغہ لڑکی ہے، جس کو خون برابر آتا ہے، صرف ایک دو گھنٹہ کے لئے رکتا ہے، تو نماز اور تلاوت قرآن اور ذکر واذکار کی کیا صورت ہونی چاہئے؟

المستفتی: محمد عارف دھنورہ منڈی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس عورت کو اکثر اوقات میں خون آتا ہے، مگر پورا وقت نہیں گھیرتا تو ایسی عورت معذور نہیں؛ بلکہ خون بند ہونے کا انتظار کرے اور جب خون بند ہوجائے تو وضو کر کے نماز پڑھے اور تلاوت قرآن کرے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۴/ ۲۷۳)

ولا يصير معذورا حتى يستوعبه العذر وقتا كاملا ليس فيه انقطاع بقدر الوضوء والصلاة، وهذا شرط ثبوته. (نور الإيضاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ٥١)

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه ...... بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خاليا عن الحدث . (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام المعذور، زكريا ١/ ٥٠٤، ٥٠٥، كراچی ١/ ٣٠٥)

ولا تسرى عليه أحكام المعذورين، حتى يستوعبه العذر وقتا كاملا

لصلاة مفروضة ولو حكما، وليس فيه انقطاع في جميع ذلك الوقت، زمنا بقدر الطهارة والصلاة، وهذا شرط متفق عليه بين الفقهاء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳/ ۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۷/۱۴۱۶ھ

قطرات کے مریض کی طہارت کا طریقہ

سوال [۱۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر پیشاب کے قطرات کا مریض ہے، پیشاب سے فراغت کے بعد دبانے کھڑے ہونے یا چلنے سے آدھ پون گھنٹہ کے اندر قطرات آتے رہتے ہیں، پھر بند ہو جاتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ واضح فرمائیں کہ بندہ کس طرح نماز ادا کرے اور بندہ ایک مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے، امامت کی کیا شکل ہوگی؟ جو بھی آسان شکل شریعت میں بہتر ہو وہ واضح فرمائیں۔

المستفتی: العبد عبد الودود

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آدھا پون گھنٹہ میں جا کر قطرات کا سلسلہ بند ہوتا ہے، تو آپ کو نماز سے ایک پون گھنٹہ پہلے پیشاب سے فارغ ہو جانا لازم ہے۔ اور پیشاب کے بعد اندر کوئی کپڑا یا روئی وغیرہ لگا لینا ضروری ہے اور جب آدھا پون گھنٹہ کے بعد اطمینان ہو جائے تو اندر کا کپڑا نکال کر وضو کر کے نماز ادا کرنا اور امامت کرنا بھی جائز ہوگا؛ لیکن اس اہتمام کے ساتھ امامت کا فریضہ انجام دینا انتہائی مشکل کام ہے؛ اس لئے آپ اپنے کو فریضہ امامت سے سبکدوش کر لیں، نیز آپ کو ایسا کرنا چاہئے کہ نماز کے لئے الگ سے پاک

کپڑا استعمال کریں اور استنجاء کے وقت الگ سے دوسرا کپڑا لنگی وغیرہ استعمال کریں، جس کو نماز کے وقت اتار دیا کریں۔

نواقض الوضوء منها ما يخرج من السبيلين من البول، والغائط، والريح الخارجة من الدبر، والودي، والمذي، والمني، والدودة، والحصاة. (هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، زكريا قديم ۱/ ۹، جديد ۱/ ٦٠، كبير، فصل في نواقض الوضوء، ص: ۱۲٤)

إذا خاف الرجل خروج البول فحشا إحليله بقطنة، ولو لا القطنة يخرج منه البول فلا بأس به، ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنة. (هندية، الباب الأول، زكريا قديم ۱/ ۱۰، جديد ۱/ ٦٠)

وإذا احتشى إحليله بقطنة خوفا من خروج البول، ولو لا القطنة لخرج منه البول فلا بأس به، ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنة، ويخرج منه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، مايوجب الوضوء ۱/ ۲۳۹، رقم: ۱۷٥، كبيري، مكتبه مجتبائي دهلى ۱۲٦، شامي، باب الحيض، زكريا ۱/ ٥٥٨، كراچى ۱/ ۳٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۱۶ھ

سلسل البول کے وضو ونماز کا حکم

سوال [۱۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا پیشاب مسلسل ٹپکتا رہتا ہے، اتنا وقت نہیں ملتا جس میں وضو کر کے وقتیہ نماز سے فارغ ہوسکتا ہو، اس کی نماز طہارت کے ساتھ کس طرح درست ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس کا پیشاب مسلسل ٹپکتا رہتا ہے، وہ معذور ہے، ایسا شخص ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گا اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے نماز پڑھ سکتا ہے، وقت نکلنے سے اس کا وضو ختم ہوجائے گا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۵۶۹، کتاب الفتاوی ۲/ ۴۶۶)

المستحاضة ومن به سلس البول ...... يتوضئون لوقت كل صلاة، فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ما شاء وا من الفرائض والنوافل، وإذا خرج الوقت بطل وضوئهم. (فتح القدير، كتاب الطهارة، دارالفكر ۱/ ۱۷۹، زكريا ۱/ ۱۸۱)

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكن إمساكه ...... بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خاليا عن الحدث ...... حكمه: الوضوء لا غسل ثوبه لكل فرض اللام للوقت، ثم يصلي به فيه فرضا ونفلا. (شامي، مطلب في أحكام المعذور، كراچى ۱/ ۳۰۵، زكريا ۱/ ۵۰۴، ۵۰۵، هندية، الباب السابع في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زكريا قديم ۱/ ۴۱، جديد ۱/ ۹۵، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۴۹)

ومن به سلس بول ...... يتوضئون لوقت كل صلاة، ويصلون به في الوقت ماشاؤوا من فرض ونفل. (مجمع الأنهر، فصل في المستحاضة، ومن به سلس البول، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۸۴، مصري قديم ۱/ ۵۶)

تتوضأ المستحاضة ومن به سلس البول لوقت كل فرض. (تبيين الحقائق، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، مكتبه زكريا ۱/ ۱۸۰، إمداديه ملتان ۱/ ۶۴، البحر الرائق، كوئٹه ۱/ ۲۱۲، زكريا ۱/ ۳۷۲، الفقه الإسلامي وأدلته ۱/ ۳۸۰، مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، قديم ص: ۶۰، دارالكتاب ديوبند:

۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
۹؍نومبر ۲۰۱۳ء یوم السبت

قطرہ آنے کا شبہ ہونے کے بعد نماز کس طرح پڑھے؟

سوال [۷۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پیشاب کا قطرہ کبھی کبھی استنجاء کرنے کے بعد آجاتا ہے، اکثر قطرہ نہیں آتا، شبہ ہوجانے کے بعد کپڑا بدل کر نماز پڑھے یا اسی حالت میں نماز پڑھے؟

المستفتی: حفیظ اللہ مدرسہ اصلاح المسلمین، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا شخص معذورین میں داخل نہیں؛ اس لئے ہر نماز کے لئے کپڑا بدل کر وضو کرکے نماز پڑھ لیا کرے، وضو کے بعد قطرہ نکلے تو دوبارہ وضو کرلے۔

المستحاضة ومن به سلس البول ...... يتوضئون لوقت كل صلاة، فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ما شاء وا من الفرائض والنوافل، وإذا خرج الوقت بطل وضوئهم. (فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في المستحاضة، دارالفكر ۱/ ۱۷۹، زكريا ۱/ ۱۸۱)

وصاحب عذر من به سلس البول لا يمكن إمساكه ...... بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ فيه ويصلي خاليا عن الحدث ...... حكمه: الوضوء لا غسل ثوبه لكل فرض اللام للوقت، ثم يصلي به فرضا ونفلا. (شامي، مطلب في أحكام المعذور، كراچی ۱/ ۳۰۵، زكريا ۱/ ۵۰۴، ۵۰۵، هندية، الباب السابع في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زكريا قديم ۱/ ۴۱، جديد ۱/ ۹۵، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس

والاستحاضة، مكتبه دارالكتاب ديو بند، ص: ١٤٩، مجمع الأنهر، فصل في المستحاضة ومن به سلس البول، مكتبه دارالكتب العلمية ١/ ٨٤، مصري قديم ١/ ٥٦)

ولا يصير معذورا حتى يستوعبه العذر وقتا كاملا، ليس فيه انقطاع بقدر الوضوء، والصلاة، وهذا شرط ثبوته. (نور الإيضاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۱ھ

قطرہ آنے والے مریض کی نماز

سوال [۱۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قطرہ کے نکلنے سے نماز سے دل اچاٹ رہتا ہے، قطرہ کسی وقت بھی اچانک نکل جاتا ہے۔

المستفتی: جاوید اختر ولد محمد ابراہیم محلہ سیدھی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قطرہ اتنی جلدی جلدی آتا ہے کہ بآسانی وضو کرکے نماز ادا کرنے کو وقت نہیں ملتا ہے، تو شرعاً معذور ہیں، ایسی حالت میں ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرکے نماز ادا کرلیا کریں اور اگر درمیان میں اتنا وقت مل جاتا ہے کہ وضو کرکے نماز پڑھ لی جاسکے تو قطرہ کے ساتھ نماز ادا نہ ہوگی؛ بلکہ دوبارہ وضو کرکے نماز لوٹا لیا کریں۔
(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱/ ۴۹۵، احسن الفتاوی ۲/ ۷۶)

نیز نماز ہر حال میں پڑھنا لازم ہے، معاف نہیں ہے۔

المستحاضة ومن به سلسل بول، أو استطلاق بطن، أو انفلات ريح، أو رعاف دائم، أو جرح لا يرقأ يتوضؤن لوقت كل صلاة، ويصلون به في

الوقت ماشاؤا من فرض ونفل، ويبطل بخروجه فقط...... والمعذور من لا يمضي عليه وقت صلاة إلا والذي ابتلى به يوجد فيه. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، فصل في المستحاضة ومن به سلس البول، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۸٤، مصري قديم ۱/ ٥٦، شامي، مطلب في أحكام المعذور، کراچی ۱/ ۳۰۵، زکریا ۱/ ٥٠٤، هندية، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، زكريا قديم ۱/ ٤٠، جديد ۱/ ۹٥)

ولا يصير معذورا حتى يستوعبه العذر وقتا كاملا ليس فيه انقطاع بقدر الوضوء والصلاة، وهذا شرط ثبوته. (نور الإيضاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۷۲)

کیا فالج زدہ شخص کو تیمّم کرنے کی اجازت ہے؟

سوال [۱۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فالج زدہ آدمی جو بذات خود وضو نہ کرسکتا ہو اور دوسرا کوئی بار بار وضو کرانے میں بار محسوس کرتا ہو، علاوہ ازیں وضو کرانے میں بدن، کپڑے بھیگ جاتے ہوں، جس سے سردی کا ڈر ہو، تو ایسی صورت میں اگر وہ خود تیمّم کرے، یا دوسرا کوئی تیمّم کرادے تو اس تیمّم سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد مصدق حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فالج زدہ آدمی کو جب تک کوئی وضو کرانے والا موجود ہو اس وقت تک اس کے لئے تیمّم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس تیمّم کے ذریعہ ادا کی

جانے والی نماز بھی صحیح نہ ہوگی، نیز اگر ٹھنڈا پانی نقصان دہ ہے اور گرم پانی کا انتظام ہو تو بھی تیمّم کی اجازت نہیں ہے۔

أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة ظن، أو قول حاذق مسلم، ولو بتحرك ولم يجد من توضئه، فإن وجد ولو بأجرة مثل وله ذلك لايتيمم في ظاهر المذهب كما في البحر. (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ١/ ٣٩٧، كراچی ١/ ٢٣٣، شرح النقايه، باب التيمم، اعزازيه ديو بند ص: ٢٤، هندية، الباب الرابع في التيمم، الفصل الأول، زكريا قديم ١/ ٢٨، جديد ١/ ٨١، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه دارالكتاب، ص: ١١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۱ھ

کیا نابینا شخص ناپاکی کی حالت میں نماز اور قرآن پڑھ سکتا ہے؟

سوال [۱۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ نابینا ہے، احتلام وجریان کا مریض ہے، پانی کتنی دور تک ہمارے لئے تلاش کرنا ضروری ہے، باربار قطرے بھی آتے ہیں، کپڑے دھونے والا بھی کوئی نہیں ہے، ایسی صورت میں کیا وہی کپڑے پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نماز مسجد میں پڑھیں یا گھر میں، جب کہ کپڑے بھی ناپاک ہیں اور بدن بھی ناپاک ہے؟ مسجد میں جانے کی ممانعت تو نہیں ہے؟ بندہ حافظ قرآن ہے، اس ناپاکی کی حالت میں قرآن کیسے پڑھے، اگر نہ پڑھے تو بھول جانے کا خطرہ ہے، کیا کرے؟

المستفتی: حافظ نور محمد امّی، لہرپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ نابینا ہیں، مسجد تک کوئی پہنچانے والا نہیں ہے، تو اپنی قیام گاہ میں نماز ادا کر سکتے ہیں ۔ اور اگر بار بار جریان احتلام کی شکایت ہے، تو ایک ہی کپڑے میں سویا کریں اور قطرہ سے بچنے کے لئے ایک انڈر ویئر اندر پہننے کے لئے خاص کرلیں، جب نماز کا وقت آئے تو وضو کر کے اس انڈر ویئر کو اتار کر پاک کپڑے میں نماز پڑھ لیں اور نماز سے فراغت کے بعد پھر وہی انڈر ویئر پہن لیں، جو بھی قطرہ آئے گا اسی میں لگے گا، آج کل کے زمانہ میں یہ سوال بیجا ہے کہ پانی تلاش کرنے کے لئے کتنی دور جانا چاہئے، اس لئے کہ آج کل کے زمانہ میں پانی شہر، دیہات ہر جگہ میسر ہوتا ہے، آپ اگر حافظ قرآن ہیں، تو پاکی کی حالت میں رہنے کے لئے جو شکل پیش کی گئی ہے وہی شکل اختیار کریں اور اسی میں قرآن کی تلاوت بھی کریں ۔

وتسقط الجماعة بالأعذار حتى لا تجب على المريض –إلى– والأعمى عند أبي حنيفة. (هندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، زكريا قديم ١/ ٨٣، جديد ١/ ١٤٠، شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرىٰ، كراچی ١/ ٥٥٢، زكريا ٢/ ٢٩٢، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ١/ ٦٠٥، كوئٹه ١/ ٣٤٦)

ومن كان بطئ الاستبراء، فليفتل نحو ورقة مثل الشعيرة ويحتشي بها في الإحليل، فإنها تتشرب ما بقي من أثر الرطوبة التي يخاف خروجها. (شامي، كتاب الطهارة، بال الأنجاس، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء، زكريا ١/ ٥٥٨، كراچی ١/ ٣٤٥، هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، زكريا قديم ١/ ١٠، جديد ١/ ٦٠، تاتار خانية، الفصل الثاني ما يوجب الوضوء ١/ ٢٣٩، رقم: ١٧٥، كبيري، فصل في نواقض الوضوء، اشرفيه ديو بند ص: ١٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/ ۱۱۱۵۰)

نابینا جنابت کی حالت میں نماز، روزہ اور تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید ایک نابینا ہے، اس کے کپڑے روزانہ احتلام کی وجہ سے ناپاک ہو جاتے ہیں، اس کے پاس دوسرے کپڑے بھی نہیں ہیں؛ لہٰذا اگر وہ ان کپڑوں کو دھولے تو سردی کی وجہ سے سوکھتے نہیں ہیں، اگر بھیگے پہنتا ہے تو نقصان پہنچتا ہے، یعنی بیماری کا ڈر ہے اور پاک کپڑے کا انتظام بھی نہیں ہے، تو کیا انہیں ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھ لیا ہے تو دوبارہ پاک کپڑے ملنے پر اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا شخص قرآن پاک کی تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے، تو کتنی دیر کر سکتا ہے؟

(۳) مذکورہ بالا شخص کے روزے ایسی حالت میں ہو جائیں گے یا ان کی قضا لازم ہے؟ اگر روزے ہو بھی گئے تو مکروہ ہوں گے یا صحیح ہوں گے؟

المستفتی: حافظ نور محمد بارہ دری، لہرپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) محض بیمار ہونے کے خوف سے ناپاک کپڑوں میں نماز درست نہ ہوگی، جو نمازیں ناپاک کپڑوں میں پڑھی گئی ہیں ان کو دہرانا ضروری ہے؛ اس لئے کہ نماز کے لئے کپڑے کی پاکی فرض ہے؛ لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ نماز کے لئے ایک پاک کپڑا رکھے اور آج کل کے زمانہ میں پھٹے پرانے کپڑے کسی سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں، یہ اتنا بڑا عذر نہیں ہے کہ ناپاک کپڑوں میں نماز کی اجازت دی جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. [المائدة: ٦]

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. [المدثر: ٤]

ومن شروط الصلاة هي طهارة بدنه من حدث وخبث، وثوبه

ومكانه. (كنز مع البحر الرائق كوئٹه ١/ ٢٦٦، زكريا ١/ ٤٦٢، درمختار مع الشامي، زكريا ٢/ ٧٣، كراچی ١/ ٤٠٢)

(۲) مذکورہ شخص غسل کرنے کے بعد جتنی دیر چاہے قرآن مجید کی تلاوت کرسکتا ہے، جنابت کی حالت میں جائز نہیں۔

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن. (سنن ابن ماجة، باب ماجاء في قراء ة القرآن على غير طهارة، النسخة الهندية ١/ ٤٤، دارالسلام، رقم: ٥٩٦، ٥٩٥، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٢/ ٢١٩، رقم: ٥٩٢٥، ترمذی شريف، باب ماجاء في الجنب والحائض أنها لا تقرأ القرآن، مع العرف الشذي، النسخة الهندية ١/ ٣٤، دارالسلام، رقم: ١٣١)

(۳) مذکورہ بالا شخص اس حالت میں روزہ رکھ سکتا ہے۔ اور روزہ مکروہ بھی نہ ہوگا۔

وعن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كان رسول الله ﷺ يدركه الفجر في رمضان وهو جنب من غير حلم، فيغتسل ويصوم. (مسلم شريف، باب صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، النسخة الهندية ١/ ٣٥٤، دارالسلام، رقم: ١١٠٩، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٨/ ١٤٣، بيت الأفكار، رقم: ١٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۷۶)

والدہ کا اپنے مست لڑکے کو نہلانے کا شرعی حکم

سوال [۱۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک لڑکا بالکل مدہوش ہے، جس کو لوگ مست کہتے ہیں، نہ وہ بول سکتا ہے نہ اشارے سے کچھ بتا سکتا ہے، اس کو اچھائی، برائی، صفائی ستھرائی کا کچھ بھی پتہ نہیں، اس کی عمر تقریباً بیس سال ہوگئی

ہے، اس کے والد کا انتقال ہوگیا، جب تک وہ زندہ تھے تو اس کو ہفتہ دو ہفتہ میں نہلاتے دھلاتے تھے، اب ان کے بعد اس کی صفائی وغیرہ کا خیال کر کے ہفتہ دو ہفتہ میں نہلا دھلا دیتی ہوں، محلّہ کی عورتیں مجھے کہتی ہیں کہ تم اس کو نہلا کر گناہ کیوں کمارہی ہو، تو کیا شریعت میں اس طرح کا کوئی مسئلہ ہے کہ جب کوئی دوسرا اس کی یہ خدمت انجام دینے والا نہیں ہے اور کسی دوسرے اجنبی کے ہاتھ وہ آتا نہیں، تو میں اس کو کر سکتی ہوں، شریعت کا جو حکم ہو بیان کریں؟

المستفتية: رفیقہ خاتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں جب آپ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کی صفائی ستھرائی کا کام انجام نہیں دے سکتا ہے، تو آپ کے لئے بدرجۂ مجبوری ستر اور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے مدہوش مست بیٹے کو نہلانے دھلانے کی اجازت ہے۔ اور محلّہ کی عورتوں کا اس عمل کے ذریعہ سے گناہ کمانے کی بات کہنا غلط ہے۔

فمن ذلك عدم تكليف الصبي، والمجنون، ففوض أمر أموالهما إلى الولي وتربيته وحضانته إلى النساء رحمة عليه. (الأشباه والنظائر، قديم: ١٣٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۷ھ

مریضہ عورت کا شوہر نہ ہو تو استنجاء معاف

سوال [۱۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جو شدید مرض کی حالت میں ہے، یہاں تک کہ وہ استنجاء پر بھی قادر نہیں ہے، تو ایسی صورت میں کیا اسے کوئی اور استنجاء کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرا سکتا ہے تو کون کرا سکتا ہے؟ جب کہ اس عورت کے شوہر اور تین اولادیں ہیں، جن میں سے دو لڑکیاں شادی شدہ

ہیں اور اپنے گھروں میں مصروف ہیں اور ایک بیٹا ہے جو حتی الامکان اپنے والدین کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور وہ بھی شادی شدہ ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اسے استنجاء کون کرائے اور کس طرح کرائے؟ حائل یا بلا حائل؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ارباب شمسی، محلہ طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ عورت کا شوہر موجود ہے، تو شوہر اس کو استنجاء کرا سکتا ہے۔ اور ایسی معذور عورت کے لئے پانی سے استنجاء کے بجائے آج کل کے زمانہ میں ٹیشو پیپر جو آرہا ہے، اس کے ذریعہ استنجاء کرانا جائز ہے۔ اور اگر شوہر موقع پر موجود نہ رہ سکے تو ایسی صورت میں شریعت نے اس کے اوپر سے استنجاء کو معاف کردیا ہے۔

المرأة المريضة إذا لم يكن لها زوج، وهي لا تقدر على الوضوء، ولها بنت، وفي الخانية: أو أخت، قال: توضأها البنت بالماء الطهور، ويسقط عنها الاستنجاء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء، زكريا ١/ ٢١٨، رقم: ٨٤)

المرأة المريضة إذا لم يكن لها زوج، وعجزت عن الوضوء ولها ابنة أو أخت توضئها، ويسقط عنها الاستنجاء. (هندية، الباب السابع في أحكام النجاسات، الفصل الثالث في الاستنجاء، زكريا قديم ١/ ٥٠، جديد ١/ ١٠٥، قاضيخان، زكريا جديد ١/ ٢٣، حلبي كبير، قبيل الطهارة الكبرى، اشرفيه ديو بند، ص: ٤٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

پائیریا کا مریض کس طرح وضو کرے؟

سوال [۱۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید کی دوحالتیں رہتی ہیں، کبھی کبھی غیر متعین اوقات میں خون اتنا بند ہوجاتا ہے کہ اس میں وضو کرکے اچھی طریقہ سے نماز ادا کرسکتا ہے؛ لیکن خون نکلتا ہے، تو کسی طرح سے بند نہیں ہوتا، اکثر نمازوں کے اوقات میں خون بند نہ ہوتو کیا کرے؟ جب کہ زید طالب علم ہے، اس کے اوپر مدرسہ کی طرف سے نماز باجماعت اورنمازوں میں حاضری کی بھی پابندی ہے اورعشاء وفجر کے وقت میں اندھیرے کی وجہ سے خون اور تھوک کے درمیان تمیز نہ کرپاتا ہوتو کیا کرے؟ زید مذکورہ بیماری کی وجہ سے عبادات میں بیحد پریشان ہے؛ لہٰذا اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: سلیم اللہ منی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب خون بند ہوجاتا ہے اوراچھی طرح وضو کرکے نماز ادا کرسکتا ہے، تو ایسی صورت میں جن اوقات میں خون بند ہوجائے، ان میں وضو کرکے بہت جلد خون نکلنے سے پہلے فرض نماز ادا کرلی جائے اور جن اوقات میں تسلسل کے ساتھ خون جاری ہوجاتا ہے، تو ان اوقات میں سلس بول کے درجہ میں قرار دیا جائے گا اوراسی حالت میں وضو کرکے نماز ادا کرے، چاہے نماز ادا کرنے کے دوران بھی خون نکلتا ہو، تو ایسی صورت میں نماز اور وضو فاسد نہیں ہوگا اور نمازِ فرض ادا کرلیا کرے اورنوافل چھوڑ دیا کرے۔

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه ...... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة، بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام المعذور، کراچی ۱/ ۳۰۵، زکریا۱/ ۵۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

۹/ باب الحیض

لڑکی کب بالغ ہوتی ہے؟

سوال [۱۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسلام میں لڑکی بالغ کب ہوتی ہے، جس سے اس کی شادی کردی جائے، کوئی عمر کا حساب ہے یا پہلے حیض کے بعد لڑکی بالغ ہوجاتی ہے؟

المستفتی: محمد شمیم پسر صوفی عزیز احمد، سرائے گلزاری مل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے حیض کے ساتھ لڑکی بالغ ہوجاتی ہے اور اسی وقت سے شریعت کے تمام احکام اس کے اوپر لاگو ہوجاتے ہیں۔ اور اگر پندرہ سال سے پہلے حیض نہیں آیا ہے تو پندرہ سال پورے ہوتے ہی بالغ شمار کی جاتی ہے؛ لہٰذا پہلے حیض کے بعد جب بالغ ہوجاتی ہے تو شادی کر کے رخصت کردینا بھی شرعاً جائز ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبی صلی الله علیه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنین، وأدخلت علیه، وهي بنت تسع ومکثت عنده تسعا.

(بخاري شريف، باب النكاح الرجل ولده الصغار، النسخة الهندية ٢/ ٧٧١، رقم: ٤٩٤٠، ف: ٥١٣٣، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢٣/ ٢١، رقم: ٤٩)

بلوغ الغلام بالاحتلام ...... والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي.

(شامي على الدر المختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، زكريا ٩/ ٢٢٥، كراچی ٦/ ١٥٣، الموسوعة الفقهية ٨/ ١٩٢-١٩٠، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل يسن الاغتسال لأربعة أشياء، مكتبه دارالكتاب ديوبند،

۱۰۸، المبسوط، باب العدة وخروج المرأة من بيتها، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ۶/ ۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/ ۱۱۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱ھ

لڑکی کے بلوغ کی عمر اور علامت

سوال [۱۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی شرع شریف میں کب بالغ سمجھی جائے گی؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: بشیر احمد محلہ شیدی سرائے، مراد آباد

جواب دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پندرہ سال کے بعد شرعاً بالغ مان لی جائے گی۔ درمختار میں: حتى يتم لكل واحد منهما خمس عشرة. واللہ تعالیٰ أعلم

کتبه الفقير: محمد ايوب النعيمى غفرله
دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مراد آباد
مورخہ ۷/ شعبان ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۶/ مارچ ۱۹۸۸ء

جواب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

الجواب وباللہ التوفیق: اگر لڑکی میں احتلام اور حیض اور حمل میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال پورا ہونے پر شرعاً بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اگر مذکورہ علامات ظاہر ہو جائیں تو پندرہ سال کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ جب بھی کوئی علامت ظاہر ہو گی بالغ ہونے کا حکم لگ جائے گا۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبی صلی الله علیه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين، وأدخلت عليه، وهي بنت تسع ومكثت عنده تسعا.
(بخاري شريف، باب النكاح الرجل ولده الصغار، النسخة الهندية ۲/ ۷۷۱، رقم: ۴۹۴۰، ف: ۵۱۳۳، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۳/ ۲۱، رقم: ۴۹)

والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (شامي على الدر المختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، زكريا ۹/ ۲۲۵، کراچی ۶/ ۱۵۳، الموسوعة الفقهية ۸/ ۱۹۲– ۱۹۰، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل يسن الاغتسال لأربعة أشياء، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ۱/ ۱۰۸، المبسوط، باب العدة وخروج المرأة من بيتها، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ۶/ ۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۴۴)

شریعت اسلامیہ کی نظر میں لڑکی کب بالغ ہوتی ہے؟

سوال [۱۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام میں لڑکی کتنے دن میں بالغ ہوتی ہے؟ اس پر غور فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد آفاق کنور صاحب والی گلی، بروالان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرہ سال سے پہلے لڑکے کو مونچھ، زیر ناف اور بغل کے بال وغیرہ نکل آئیں یا احتلام ہوجائے تو بالغ شمار کیا جائے گا۔ اور لڑکی کو پندرہ سال سے پہلے جب بھی حیض آجائے اسے بالغ شمار کیا جائے گا، یہ علامتیں ظاہر نہ ہونے کی صورت میں جب پندرہ سال عمر پوری ہوجائے تو بالغ ہونے کا حکم لاگو ہوجاتا ہے۔

عن عائشة -رضي الله عنها- أن النبى صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين، وأدخلت عليه، وهي بنت تسع ومكثت عنده تسعا.

(بخاري شريف، باب النكاح الرجل ولده الصغار، النسخة الهندية ۲/ ۷۷۱، رقم: ۴۹۴۰، ف: ۵۱۳۳، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۳/ ۲۱، رقم: ۴۹)

وسن البلوغ على المفتى به خمس عشرة سنة في الجارية والغلام.

(شامي، كتاب الطهارة، مطلب في رطوبة الفرج، زكريا ۱/ ۳۰۸، کراچی ۱/ ۱۶۸)

والبلوغ بالسن عند عدم وجود علامة من علامات البلوغ قبل ذلك -إلى قوله- يكون بتمام خمس عشرة سنة قمرية للذكر والأنثى.

(الموسوعة الفقهية ۸/ ۱۹۲)

للبلوغ علامات طبيعية ظاهرة منها الاحتلام، أي خروج المني من الرجل أو المرأة في يقظة أو منام لوقت إمكانه، ومنها: الانبات، ظهور شعر العانة، وهو الذي يحتاج في إزالته إلى نحو حلق ...... والحمل علامة على بلوغ الأنثى، فإذا وجد واحد من العلامات السابقة حكم بالبلوغ على الوجه المتقدم، وإن لم يوجد كان البلوغ بالسن. (الموسوعة الفقهية ۸/ ۱۹۰)

لمن بلغ بالسن وهو خمس عشرة سنة على المفتى به في الغلام، والجارية وهو قولهما: ورواية عن الإمام، إذا العلامة تظهر في هذه المدة غالبا، فجعلوا المدة علامة في حق من لم تظهر له العلامة. الخ (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، فصل يسن الاغتسال لأربعة أشياء، دارالكتاب ديوبند ص: ۱۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۲/۱۲/۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۶۶)

جس کو تین دن سے کم خون آئے وہ حائضہ ہوگی یا نہیں؟

سوال [۱۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت کو ہر ماہ حیض کا خون تین دن آتا تھا، اب کئی ماہ سے تین دن سے کم آتا ہے اور دو یا تین دن سے پس وپیش بھی ہوجاتا ہے اور بعض مرتبہ ایک ہی یوم ولیلہ پر ہی رک جاتا ہے، آیا یہ عورت حائضہ شمار ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ایوب امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفی مسلک کے مطابق حیض کی مدت کم سے کم تین دن ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کم سے کم مدت لگ بھگ ڈھائی دن ہے۔ اور حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کم سے کم مدت ایک دن ایک رات ہے۔ اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق بارہ گھنٹے کی بھی ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک اقل مدت کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔ اور دلائل وروایات سب کے پاس موجود ہیں۔ اور آج کل کے زمانہ میں قوتیں کمزور ہوگئی ہیں اور بہت سی عورتوں کی طرف سے یہ اطلاع آرہی ہے کہ ایک دن یا ڈیڑھ دن خون آکر بند ہوجاتا ہے، پھر اگلے مہینہ میں عادت کے مطابق اسی طرح ایک دن یا ڈیڑھ دن خون آکر بند ہوجاتا ہے، تو ایسی عورتوں کے لئے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے قول کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا ۲۴/ گھنٹے یا اس سے زیادہ بھی حیض کی مدت میں شمار کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ حیض بند ہوجانے کے بعد تین دن تک میں دوبارہ خون نہ آیا ہو، لیکن اگر تین دن تک میں دوبارہ خون آیا ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق تین دن حیض کے ایام میں شمار ہوں گے؛ لیکن سوال نامہ میں عورت کی جس حالت کا ذکر ہے اس میں ایک دن ڈیڑھ دن خون آکر بند ہونے کا سلسلہ نہیں ہے؛ بلکہ کبھی تین دن، کبھی دو دن اور کبھی ایک دن، تو ایسی صورت میں اس عورت کو حنفی مسلک

کے مطابق کم سے کم حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرنا لازم ہے کہ دو دن مکمل اور تیسرے دن کا اکثر حصہ حیض میں شمار کرے، اس کے بعد اپنے آپ کو پاک سمجھے، اس کے بعد غسل کر کے نماز روزہ شروع کردے۔

عن أنس قال: أدنى الحيض ثلاثة، وأقصاه عشرة. (السنن الدار قطني، الحيض، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۱٦، رقم: ۷۹۷، ۱/ ۲۱۷، رقم: ۷۹۹، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۸/ ۱۲۹، برقم: ۷۵۸٦، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۱۸۲، برقم: ۵۹۹)

فذكر في ظاهر الرواية: إن أقل الحيض ثلاثة أيام ولياليها، وحكى عن أبي يوسف في النوادر: يومان وأكثر اليوم الثالث ...... وقال الشافعي: يوم وليلة في قول، وفي قول يوم بلا ليلة، واحتج بما احتج به مالك -إلى قوله- قال مالك: أنه غير مقدر، وليس لأقله حد ولا لأكثره غاية، واحتج بقوله تعالىٰ: ﴿ويسئلونك عن المحيض قل هو اذى﴾ جعل الحيض أذى من غير تقدير. الخ (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ۱/ ۱۵۵، كراچی ۱/ ٤۰)

ذهب الحنفية إلى أن أقل مدة الحيض ثلاثة أيام بلياليها، وذهب المالكية إلى أنه لا حد لأقله بالزمان، وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أقل الحيض يوم وليلة لقول علي: أقل الحيض يوم وليلة. الخ

(الموسوعة الفقهية، الكويتية ۱۸/ ۲۹۹، الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ۱/ ۱۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/ ۱۱۱۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۲۳ھ

کیا حالت حیض میں بیوی سے مکمل علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے؟

سوال [۱۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں مکمل علیحدگی اختیار کر لیتا ہے، یعنی نہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتا ہے اور نہ پانی پیتا ہے، یعنی ہر اعتبار سے اس کو اچھوت بنا دیتا ہے۔ اور بعد حیض گھر کو دھوتا ہے اور صاف کرتا ہے، کیا اس کے لئے یہ سب کام جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی: سید شہاب الدین، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیض ونفاس کی وجہ سے بیوی کے بستر کو الگ کر دینا، اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھانا، اس کو بالکل اچھوت بنا دینا، اغیار کا طریقہ ہے جو کہ اسلام میں جائز نہیں؛ بلکہ آپس میں اس کے ساتھ کھانا پینا، رہن سہن بدستور جاری رکھنے کا حکم حدیث میں وارد ہوا ہے، صرف ہم بستری جائز نہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ. [سورة البقرة، آيت: ۲۲۲]

عن أنس قال: كانت المرأة من اليهود إذا حاضت لم يؤاكلوها ولم يشاربوها ولم يجامعوها في البيت، فأنزل الله عز وجل "وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى" إلى قوله: "حَتّٰى يَطْهُرْنَ" فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يؤاكلوهن وأن يشاربوهن وأن يجامعوهن في البيوت، ويفعلون ما شاء وا إلا الجماع. الحديث (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۰۰، رقم: ۲۱۶۵، بخاري شريف ۱/ ٤٤، رقم: ۳۰۱، ف: ۳۰۳)

ولا ينبغي أن يعزل عن فراشها؛ لأن ذلك يشبه فعل اليهود. (شامي،

كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ١/ ٤٨٦، كراچی ١/ ٢٩٢، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الحيض، دارالكتاب ديوبند، ص: ١٤٥، حاشية الطحطاوي على الدر، كوئٹه ١/ ١٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۷ھ

حالت حیض میں زینت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۱۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت کا حالت حیض ونفاس میں مہندی لگانا اور سنگار کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد جنید لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت حیض میں زینت اختیار کرنا بلاشبہ جائز ہے، ہاں البتہ شوہر کے ساتھ ہم بستری جائز نہیں؛ لہٰذا مہندی لگانا اور سنگار کرنا جائز ہے۔

وفي الحديث: دليل أن خلاف النظافة، وحسن الهيئة في اللباس وغيره ليس من آداب الشريعة. (أوجز المسالك ١/ ١٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۳۳)

حائضہ عورت کا غسل اور اس سے صحبت کا حکم

سوال [۱۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حائضہ عورت کب غسل کرے گی اور اس سے صحبت کب کی جا سکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورت کو ہر مہینہ متعین ایام میں خون آتا ہے، مثلاً ہر مہینہ میں ۵/دن یا ۶/دن خون آتا ہے، اس کے بعد پاک ہوجاتی ہے، تو اسی عادت کے مطابق ۵/ یا ۶/ دن پورے ہونے کے بعد جب خون آنا بند ہوجائے تو فوراً غسل کرے اور غسل کے بعد نماز، روزہ اور شوہر کے ساتھ ہم بستری سب کچھ کرسکتی ہے؛ البتہ اگر خون آنے کا سلسلہ لمبا ہوجائے تو شرعی طور پر دس دن سے زائد حیض شمار نہیں ہوگا؛ بلکہ دس دن پر غسل کرکے سارا کام کرسکتی ہے، آپ کے سوال میں کسی چیز کی وضاحت نہیں ہے کہ آپ کون سی شکل پوچھنا چاہتے ہیں، اگر یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ۵/دن یا ۶/دن میں عادت ومعمول کے مطابق خون آنا بند ہوجائے اور غسل نہ کرے تو حکم شرعی یہ ہے کہ فوری طور پر غسل کرلینا چاہئے۔ اور اگر غسل میں سستی کرتی ہے اور خون بند ہونے کے بعد اتنا وقت گذر جائے کہ اطمینان سے غسل کرسکتی ہے، تو اس کے ساتھ ہم بستری جائز ہے، پھر غسل جنابت اور غسل حیض ایک ساتھ کرسکتی ہے؛ لیکن یہ بہتر نہیں ہے؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ پہلے غسل حیض سے فارغ ہوجائے پھر ہم بستری کرے۔

وإذا انقطع دم الحيض لأقل من عشرة أيام لم تحل وطؤها حتى تغتسل، ولو لم تغتسل ومضى عليها أدنى وقت الصلوة بقدر أن تقدر على الاغتسال والتحريمة حل وطؤها، ولو كان انقطع الدم دون عادتها فوق الثلاث لم يقربها حتى تمضي عادتها وإن اغتسلت، وإن انقطع الدم بعشرة أيام حل وطؤها قبل الغسل؛ لأن الحيض لا مزيد له على العشرة إلا أنه لا يستحب قبل الاغتسال للنهي. (هداية، باب الحيض والاستحاضة، أشرفی دیوبند ۱/ ٦٥، فتح القدير، باب الحيض والاستحاضة، زکریا ۱/ ۱۷۳، کوئٹہ ۱/ ۱۵۱، عناية مع فتح القدير، باب الحيض والاستحاضة، زکریا ۱/ ۱۷٤، کوئٹہ ۱/ ۱۵۱-۱۵۲، شامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، زکریا ۱/ ٤۹۱، کراچی ۱/ ۲۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۵)

حالت حیض میں قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۱۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ نسواں میں بالغ لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، نصاب میں مفتاح القرآن، قرآن شریف، ناظرہ حفظ، ترجمہ، تجوید ومشق سب شامل ہیں، طالبات ایام ماہواری میں یہ چیزیں پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھ سکتی ہیں تو پیش آمدہ دشواریوں کا حل کیا ہوسکتا ہے؟ تجوید، مشق وحفظ وغیرہ کا بہت نقصان ہوتا ہے، کلاس میں پیچھے رہ جاتی ہے، ساتھیوں کے مطابق نہیں چل سکتی اور کلاس کے الگ سے خارجی اوقات میں پڑھانے وغیرہ کی بھی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح امتحان میں موصوفہ کے لئے مفتاح القرآن وقرآن، تجوید، مشق وحفظ وغیرہ کے لکھنے وسنانے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟ نیز موصوفہ کے لئے ان ایام میں مفتاح القرآن یا قرآن کا ترجمہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت حیض میں بالغہ لڑکیوں اور عورتوں کے لئے قرآن کریم کا پکڑنا اور تلاوت کرنا اور تجوید وحفظ پڑھنا سب ممنوع اور ناجائز ہے، یہ سب کام حالت طہارت ہی میں کرنا واجب ہے، اس کا کیا حل ہے؟ ذمہ داران خود اپنے نظام کے تحت نکالیں۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن. (ترمذي، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دارالسلام، رقم: ۱۳۱، ومثله في مسند الدارمي، دارالمغني ۱/ ۶۷۹، رقم: ۱۰۳۱)

وقراءة قرآن بقصده ومسه ولو مكتوبا بالفارسية في الأصح إلا بغلافه المنفصل كما مر، وكذا يمنع حمله كلوح وورق فيه آية. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ۱/ ۴۸۸، كراچى ۱/ ۲۹۲، حلبي كبير،

فروع ان اجتنب المرأة، مكتبه أشرفيه ديوبند، ص: ٥٩، هندية، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زكريا قديم ١/ ٣٩، جديد ١/ ٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۴۱)

حائضہ عورت فضائل اعمال کو ہاتھ میں لے کر تعلیم کر سکتی ہے؟

سوال [۱۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حالت حیض میں عورت ''فضائل اعمال'' (جو مشہور ہے تبلیغی نصاب سے) کی تعلیم کتاب ہاتھ میں لے کر کر سکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ ''فضائل اعمال'' کے اندر عربی الفاظ میں احادیث بھی لکھی ہوئی ہیں اور بعض جگہ قرآن کی آیات بھی ہیں، مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مدلل تحریر فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: عبدالسلام پونوی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں حالت حیض میں عورتوں کے لئے ''فضائل اعمال'' کی کتاب پڑھنا جائز ہے، ہاں البتہ جہاں آیت قرآنی آجائے وہاں سے چھوڑ دیا کریں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۷۱، امداد الفتاوی ۱/ ۵۱)

عن ابن عمر – رضي الله عنه – عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن. (ترمذي، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ١/ ٣٤، دارالسلام، رقم: ١٣١، ومثله في مسند الدارمي، دارالمغني ١٢/ ٢١٩، رقم: ٥٩٢٥)

ولا بأس لحائض وجنب بقراء ة أدعية، ومسها وحملها. (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، كراچی ١/ ٢٩٣، زكريا ١/ ٤٨٨، حلبي كبير، فروع أن

اجنبت المرأة، مکتبه أشرفیه، ص: ۵۹، هندیة، الباب السادس، الفصل الرابع، زکریا قدیم ۱/ ۳۹، جدید ۱/ ۹۲-۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۱۲/ ۱۴۱۱ھ

کیا عادت مکمل ہونے کے بعد غسل سے قبل جماع کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حائضہ عورت سے بعد انقطاع خون عادت مستمرہ میں قبل از غسل جماع جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بعد از جماع بھی خون دیکھنے میں آگیا ہو، منفی صورت میں کنندہ پر کیا کفارہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: معتادہ کو جتنے دن کی عادت تھی اتنے ہی دن خون آیا، پھر بند ہوگیا تو جب تک غسل نہ کرے اس سے صحبت کرنا درست نہیں، اگر غسل نہ کرے تو جب ایک نماز کا وقت گذر کر قضا اس کے ذمہ واجب ہوجائے تب صحبت درست ہے، اس سے پہلے نہیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲/ ۶۱)

ولا يحل الوطء إن انقطع الحيض والنفاس عن المسلمة لدونه، أي دون الأكثر ولو لتمام عادتها إلا بأحد ثلاثة أشياء، إما أن تغتسل. (طحطاوي على مراقي الفلاح/ ۷۹، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱٤٦، البحرالرائق، باب الحيض، مكتبه رشيديه كوئٹه ۱/ ۲۰۳، زكريا ۱/ ۳۳۷، شامي زكريا ديوبند ۱/ ٤۹۱، كراچی ۱/ ۲۹٤)

اگر قبل الغسل جماع کرے تو اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور کچھ روپیہ پیسہ صدقہ کرنا بھی مستحب ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

من أتى حائضا أو امرأة في دبرها أو كاهنًا فقد كفر بما أنزل على محمد.
(ترمذي شريف، باب ماجاء في كراهية إتيان الحائض، النسخة الهندية ۱/ ۳۵، دارالسلام، رقم: ۱۳۵، مسند الدارمي، دارالمغني ۱/ ۷۳۲، رقم: ۱۱۷٦، سنن ابن ماجة، باب النهي عن إتيان الحائض، النسخة الهندية ۱/ ٤٧، دارالسلام، رقم: ٦۳۹، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱٦/ ۲۹٤، رقم: ۹٥۰۲)

عن ابن عباس عن النبي ﷺ في الرجل يقع على امرأته وهي حائض، قال: يتصدق بنصف دينار. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الكفارة في ذلك، النسخة الهندية ۱/ ۳۵، دارالسلام، رقم: ۱۳٦، مسند الدارمي، دارالمغني ۱/ ۷۲۱، رقم: ۱۱٤۹، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۱/ ٥٥، رقم: ٤٧٥۰، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱۱/ ٤۰۱، رقم: ۳۷٤٥)

فإذا جامعها وهو عالم بالتحريم، فليس عليه إلا التوبة والاستغفار، ويستحب أن يتصدق بدينار أو نصف دينار، كذا في محيط السرخسي.
(هندية، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، زكريا قديم ۱/ ۳۹، جديد ۱/ ۹۲، البحر الرائق، كوئٹه ۱/ ۱۹۷، زكريا ۱/ ۳٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۰۷)

حیض سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۱۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک عورت ہے، جس کو حیض کی مدت میں حیض شروع ہوا تھا یا نہیں، اس بارے میں یاد نہیں رہا؛ لیکن دم منقطع نہیں ہوا، تقریباً دو ماہ ہو چکے ہیں بیچ بیچ میں غسل بھی کیا تھا، ایک دن خون نہیں آیا، پھر دوسرے دن سے خون آنا شروع ہو گیا اور نہ ہی یہ یاد رہا کہ وہ کتنے دن میں

پاک ہوتی تھی اور پہلے اس کی کوئی عادت تھی یا نہیں؟ تو اب وہ اپنے حیض کے دن کس طرح شمار کرے گی، وہ ان دنوں میں کن ایام کو حیض کے لئے مقرر کرے اور کن ایام کو طہر کے لئے؟ خون شروع ہونے کے بعد سے اب تک کوئی نماز نہیں پڑھی تو کس اعتبار سے نمازوں کی قضا کرے؟ واضح رہے کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتی ہے، سب کچھ بھولی ہوئی ہے۔

(۲) ایک عورت ہے جس کو اپنے حیض کے ایام معلوم ہیں؛ لیکن مسلسل دو ماہ سے دم آرہا ہے، بیچ میں دم منقطع نہیں ہوا، تو پھر کس طرح وہ اپنے حیض اور استحاضہ کے دن شمار کرے؟

المستفتیہ: شیمی بھٹی محلّہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عورت کو حیض شروع ہونے اور ختم ہونے کی مدت یاد نہیں ہے اور نہ ہی وہ رنگوں کے ذریعہ سے دم حیض کو پہچاننے پر قادر ہے، تو ایسی عورت دل ودماغ پر خوب زور لگا کر غور کرے اور خوب سوچے اور اللہ سے دعا بھی کرے، پھر جن ایام کے متعلق اس کا دل گواہی دے کہ یہ ایام حیض کے ہیں، ان کو حیض کا زمانہ شمار کر کے ایک غسل کرے، اس کے بعد بقیہ سارے ایام کو پاکی کا زمانہ سمجھے اور ان ایام میں ہر نماز کے وقت کے لئے تازہ وضو کرتی رہے اور اس وضو سے فرض، واجب، سنت، نفل سب نمازیں پڑھ سکتی ہے اور تلاوت بھی کرسکتی ہے، قرآن پاک کو ہاتھ بھی لگا سکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/۲۱۱)

وتسمی المحیرة والمضلة وإضلالها، إما بعدد أو بمکان أو بهما کما بسط في البحر والحاوي: وحاصله أنها تتحری ومتی ترددت بین حیض ودخول فیه وطهر تتوضأ لکل صلاة. (شامي، کتاب الطهارة، باب الحیض، زکریا ۱/ ۴۸۰، کراچی ۱/ ۲۸۶، هندیة، الباب السادس، الفصل الرابع، زکریا قدیم ۱/ ۴۰، جدید ۱/ ۹۴)

(۲) جب عورت کو حیض کے ایام معلوم ہیں، تو ان ایام کو حیض میں شمار کرے گی، اور ان ایام کے ختم پر ایک غسل کرے گی، اس کے بعد دوبارہ حیض آنے کے زمانہ تک ہر نماز کے لئے نیا

وضو کرتی رہے گی اور جب دوبارہ حیض کا زمانہ آجائے گا تو نماز روزہ سب کچھ ترک کردے گی اور جتنے دن حیض کا زمانہ اس کی عادت میں شامل ہے اتنے دن گذرنے کے بعد پھر ایک غسل کرے گی، اس کے بعد ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتی رہے گی اور پاکی کے زمانے میں جتنا کام جائز ہے وہ سب کام کرسکتی ہے۔

حدثنا هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت: جاء ت فاطمة بنت أبي حبيش إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم إني امرأة استحاض فلا أطهر، أفأدع الصلاة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا إنما ذلك عرق وليس بحيض، فإذا أقبلت حيضتك فدعي الصلاة، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم، ثم صلى، قال: وقال أبي: ثم توضئ لكل صلاة حتى يجئ ذلك الوقت. (بخاري شريف، باب غسل الدم، النسخة الهندية ١/ ٣٦، رقم: ٢٢٨، صحيح مسلم، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، النسخة الهندية ١/ ١٥١، بيت الأفكار، رقم: ٣٣٣، مسند الدارمي، درالمغني ١/ ٥٩٧، رقم: ٨٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۰۳/۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۱۶ھ

رحم میں کوپر پٹی رکھنے کی حالت میں غسل حیض کا حکم

سوال [۱۵۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹرنی رحم کے منہ پر ایک کوپر پٹی رکھتی ہے جو کہ (T) کی شکل میں ہوتی ہے، اس میں ریشم کا تار لگا ہوا ہوتا ہے، جو کہ شرمگاہ سے باہر لٹکا رہتا ہے، اس کے رکھنے سے حمل قرار نہیں پاتا؛ لیکن حیض ہر ماہ برابر جاری رہتا ہے، تار کے لگتے رہنے کے سبب ہندہ حیض کے غسل سے پاک رہ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تارکا وہ حصہ جو شرمگاہ کے ظاہری حصہ پر لٹکا ہوا ہے، دھو لینا واجب ہے،اس کو خوب صاف کر لینے کے بعد پاک ہوجائے گی اور غسل شرعی بھی حاصل ہوجائے گا،اس کے بغیر پاک نہیں ہوگی۔

ويجب أي يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج (وقوله): وفرج خارج؛ لأنه كالفم لا داخل؛ لأنه باطن، ولا تدخل إصبعه في قبلها، وبه يفتي. (الدرالمختار، باب الغسل، كراچی ۱/ ۱۵۲، زكريا ۱/ ۲۸۵، هكذا مراقي الفلاح: ۵۵، زيلعي، إمداديه ملتان ۱/ ۱٤، زكريا ۱/ ۶۰-۶۱)

ويجب على المرأة غسل فرجها الخارج في الجنابة والحيض والنفاس. (فتاوى عالمگیری، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۱٤، جديد ۱/ ۶۵)

البتہ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ بلاضرورت مانع حمل ترکیب اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۴۸، امداد الفتاوی ۴/ ۲۰۲)

ويكره أن تسقى لإسقاط حملها، وجاز لعذر حيث لا يتصور، وتحت قوله: ويكره أي مطلقا قبل التصور، وبعده على ما اختاره في الخانية، وقال: إلا أنها لا تأثم إثم القتل. (شامي، باب الاستبراء، كراچی ۶/ ٤۲۹، زكريا ۹/ ۶۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ررجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۱۲)

طہر متخلل سے متعلق تفصیلی فتویٰ

سوال [۱۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ''قدوری'' ص:۱۴/ پر یہ عبارت ہے کہ ''والطهر إذا تخلل بين الدمين في مدة الحيض فهو كالدم الجاري'' اس کے متعلق یہ معلوم کرنا ہے کہ طہر ناقص کے بارے میں امام صاحب سے پانچ روایتیں ہیں، مذکورہ عبارت میں کون سی روایت بیان کی گئی ہے؟ ''ہدایہ'' اور اس کی شرح ''بنایہ'' اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو انہوں نے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے، جب کہ ''الجوہرۃ النیرۃ'' میں اس کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کہا ہے، صحیح کیا ہے؟ کیا صاحب ''جوہرۃ'' سے تسامح ہوگیا ہے؟ اگر تسامح ہوگیا ہے، تو کیا کسی نے اس تسامح کو ذکر فرمایا ہے؟ اگر مذکورہ عبارت کی کچھ توضیح فرمادیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''طہر متخلل'' کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے ان کے پانچ شاگردوں نے پانچ روایتیں نقل کی ہیں، ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) امام ابوحنیفہؒ سے امام ابو یوسفؒ کی روایت جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دوخون کے درمیان کی پاکی اگر پندرہ دن مکمل یا اس سے زائد ہے، تو پاکی کے ان ایام کو حیض میں شمار نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ وہ پاکی کا زمانہ مانا جائے گا؛ لیکن اگر دوخون کے درمیان کی پاکی پندرہ دن سے کم، مثلاً ۱۳/دن یا ۱۴/دن ہو تو ایسے وقت مبتدیہ عورت کے لئے ابتداء خون کے دن سے دس دن حیض اور باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے۔ اور اگر عورت معتادہ ہو تو اس کی عادت کے ایام مثلاً ۵/دن ۶/دن یا سات دن حیض کے شمار ہوں گے اور باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے۔

إعلم أن خمسة من أصحاب أبي حنيفة: وهم أبو يوسف، ومحمد، وزفر، والحسن بن زياد، وابن المبارك روى كل منهم عنه في هذه المسألة رواية إلا محمدا، فإنه روى عنه روايتين، وأخذ بأحدهما، فالأصل عند أبي يوسف أن الطهر المتخلل بين الدمين إذا كان أقل من خمسة عشر يوما لا يصير فاصلا، بل يجعل كالدم المتوالي؛ لأنه لا يصلح للفصل بين

الحيضتين، فلا يصلح للفصل بين الدمين، وإن كان خمسة عشر يوماً فصاعدا يكون فاصلا.

(۲) امام ابوحنیفہؒ سے امام محمدؒ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حیض کے اکثر ایام یعنی دس دن کے شروع دن اور اخیر دن میں خون آیا اور درمیان میں پاک رہی، تو اس پورے دس دن کو حیض کا ہی مانا جائے گا؛ لیکن اگر دس دن کے دونوں طرف یعنی شروع اور اخیر دن میں خون نہیں آیا، تو شروع اور اخیر کے دونوں خونوں میں سے تسلسل کے ساتھ جس طرف تین دن یا اس سے زیادہ خون آیا ہو تو وہ حیض میں شمار ہوگا، بقیہ طہر میں شمار ہوگا۔ اور اگر ۱۱/ یا ۱۲/ دن پاک رہی اور جانبین میں خون ہے، تو اس کی چار شکلیں ہیں:

شکل ۱: شروع میں جو خون آیا ہے وہ تین دن مکمل ہے اور اخیر میں جو خون آیا ہے وہ تین دن سے کم ہے، تو شروع کے تین دن کو حیض میں شمار کیا جائے گا اور بقیہ ایام کو طہر میں شمار کیا جائے گا اور اخیر کے خون کا زمانہ بھی طہر کا ہوگا۔

شکل ۲: شروع کے خون کا زمانہ تین دن مکمل ہے اور اخیر کے خون کا زمانہ بھی تین دن یا اس سے زیادہ ہے، تب بھی شروع کے ایام کو حیض میں شمار کیا جائے گا اور بعد کے ایام کو طہر میں شمار کیا جائے گا۔

شکل ۳: شروع کے خون کا زمانہ تین دن سے کم ہے؛ لیکن اخیر کے خون کا زمانہ تین دن یا اس سے زیادہ ہے، تو اخیر کے ایام کو حیض میں شمار کیا جائے گا۔ اور شروع کے ایام کو طہر میں شمار کیا جائے گا۔

شکل ۴: شروع کے خون کے ایام بھی تین دن سے کم ہیں، پھر ۱۱/ اور ۱۲/ دن پاکی کا زمانہ گذرنے کے بعد جو خون آیا ہے، وہ بھی تین دن سے کم ہے، تو دونوں طرف کے خون کا زمانہ اور بیچ کے طہر کا زمانہ سب کو طہر میں شمار کیا جائے گا اور جانبین میں جو خون آیا ہے، وہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا۔ امام محمدؒ کی اس روایت کا خلاصہ حسب ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

روى محمد عن أبي حنيفة أن الدم إذا كان في طرفي العشرة،

فالطهر المتخلل بينهما لا يكون فاصلا، ويجعل كله كدم متوال، وإن لم يكن الدم في طرفي العشرة كان الطهر فاصلا بين الدمين، ثم بعد ذلك إن أمكن أن يجعل أحد الدمين حيض يجعل ذلك حيضا، وإن أمكن أن يجعل كل واحد منهما حيضا يجعل أسرعهما حيضا، وهو أولهما، وإن لم يكن جعل أحدهما حيضا لا يجعل شيء من ذلك حيضا.

(۳) امام ابوحنیفہؒ سے حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام زفرؒ کی روایت کا خلاصہ ہے کہ اگر دس دن کے شروع اور اخیر دونوں طرف خون ہو اور وہ خون ایک حیض یعنی کم از کم تین دن خون کے برابر ہو، تو اس پورے دس دن کو حیض شمار کیا جائے گا۔ اور اگر دونوں طرف کے خون کی مقدار ملا کر تین دن کے خون کے برابر نہیں ہے، تو اس دس دن کو حیض شمار نہیں کیا جائے گا۔

روى عبدالله بن المبارك عن أبي حنيفة أن الدم إذا كان فى طرفي العشرة وكان بحال لوجمعت الدماء المتفرقة تبلغ حيضا لا يصير الطهر فاصلا بين الدمين، ويكون كله حيضا، وإن كان بحال لو جمع لا يبلغ حيضا يصير فاصلا بين الدمين.

(۴) امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کی پاکی اگر تین دن سے کم ہے، تو اس کو حیض ہی شمار کیا جائے گا، ہاں اگر وہ پاکی تین دن مکمل یا اس سے زائد ہو تو پھر وہ پاکی کا زمانہ شمار کیا جائے۔

وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة إن نقص الطهر عن ثلاثة لم يفصل، وإن كان ثلاثة فصل كيف كان.

(۵) امام محمدؒ کا اختیار کردہ مذہب یہ ہے کہ دونوں طرف خون اور بیچ میں پاکی ہو اور وہ پاکی تین دن سے کم ہو تو وہ حیض ہی شمار ہوگا، پھر اگر بیچ کی پاکی کا زمانہ تین دن مکمل یا اس سے زائد ہو تو اگر دونوں طرف کے خون کا زمانہ بھی اتنا ہی ہے، جتنا پاکی کا زمانہ ہے، یا خون کا زمانہ زیادہ ہے، تو بھی اس پاکی کو حیض ہی شمار کیا جائے گا، ہاں اگر پاکی کا زمانہ دونوں طرف کے خون کے زمانہ سے زیادہ ہے، تو پھر وہ حیض شمار نہیں ہوگا۔

وقال محمد: الطهر المتخلل إن نقص عن ثلاثة أيام ولو بساعة لا يفصل اعتبارا بالحيض، فإن كان ثلاثة فصاعدا، فإن كان مثل الدمين أو أقل فكذلک تغليبا للمحرمات، وإن كان أكثر فصل، ثم ينظر إن كان فی أحد الجانبين مما يمكن أن يجعل حيضا فهو حيض، والآخر استحاضة، وإن لم يكن فالكل استحاضة. (البحر الرائق، باب الحيض، مكتبه رشيديه كوئٹه ۱/ ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، زكريا ۱/ ۳۵٦، ۳۵۷، بدائع الصنائع، باب النفاس والاستحاضة، زكريا ۱/ ۱٦۲)

مذکورہ پانچوں اقوال میں سے سب سے پہلا یعنی امام ابو یوسفؒ کا قول مفتی بہ ہے۔

والأخذ بهذا القول، أي قول أبی یوسف أيسر، يعنی للمفتی والمستفتي. (عناية مع فتح القدير، دارالفكر ۱/ ۱۷۳، زكريا ۱/ ۱۷٦، كوئٹه ۱/ ۱۵۳، فتح القدير، دارالفكر ۱/ ۱۷۲، شامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ۱/ ٤۸٤، الجوهرة النيرة ملتان ۱/ ۳۷، مبسوط، بيروت ۲/ ۱٤۰)

''الجوہرۃ'' میں: ''**الطهر إذا تخلل بين الدمين فهو كالدم الجاري**'' کے سلسلہ میں ''**هذا قول أبي يوسف**'' کہنا سیاق وسباق اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کی غلطی ہے؛ کیوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ مسئلہ اور مثال بیان کرنے کے بعد آگے صاحب ''جوہرۃ'' کہتے ہیں کہ ''**والأصل عند محمد**'' اگر مذکورہ مسئلہ امام ابو یوسف کا ہوتا تو یہاں ''**والأصل عند أبی يوسف**'' کہتے؛ کیوں کہ اسی اصول پر مذکورہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آگے خود صاحب جوہرۃ فرماتے ہیں کہ: ''**والأخذ بقول أبی يوسف أيسر**'' یہی عبارت ''ہدایہ'' میں بھی ہے، اگر مذکورہ عبارت والا مسئلہ امام ابو یوسف کا مان لیں تو اس مسئلہ کو تو کوئی بھی ''ایسر'' نہیں کہتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اخیر میں خود صاحب جوہرۃ امام ابو یوسف کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ''**إذا كان عادتها عشرة من أول كل شهر، فرأت قبل عشرتها يوما دما وطهرت عشرتها كلها، ثم رأت بعدها يوما دما، فأيامها العشرة حيض كلها**'' تو اگر مذکورہ عبارت

والا مسئلہ امام ابو یوسف کا ہوتا تو اس مثال کو امام ابو یوسف کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ مذکورہ عبارت میں حیض کے ایام کے شروع اور اخیر دن حیض آنا ضروری ہے، تب ہی درمیان کی پاکی کو طہر متخلل شمار کریں گے، جب کہ شرح میں بیان کی گئی مثال میں تو معتادہ کی عادت سے ایک دن پہلے خون آیا پھر دس دن طہارت کے رہے، پھر خون آیا تو درمیان کے دس دن حیض شمار ہوتے ہیں، یہاں دس دن کے اندر ابتداء اور انتہا میں خون آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۳/۱۴۲۳ھ

حائضہ ونفساء کے لئے قرآن کی تلاوت کا حکم

سوال [۱۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حائضہ اور نفساء کا قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حائضہ اور نفساء کے لئے تلاوت قرآن جائز نہیں۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ١/ ٣٤، دارالسلام، رقم: ١٣١، تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل، زكريا ١/ ٢٩٠، رقم: ٤٤٢)

لا تقرأ الحائض والنفساء والجنب شيئا من القرآن، والآية وما دونها سواء في التحريم على الأصح. (هندية، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زكريا قديم ١/ ٣٨، جديد ١/ ٩٢)

يمنع الحيض قراءة القرآن، و كذا الجنابة. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ۱/ ۳٤٥، كوئٹه ۱/ ۱۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

حیض ونفاس کی حالت میں تلاوت اور ذکر اللہ کی شرعی حیثیت

سوال [۱۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت حیض ونفاس کی حالت میں قرآن وحدیث اور ادعیہ وغیرہ نیز ذکر واذکار پڑھ سکتی ہے کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ جاوید، مفتی ٹولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حالت حیض ونفاس میں قرآن کریم کو تلاوت کی نیت سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور آیات اذکار اور آیات دعائیہ کو ذکر اور دعا کی نیت سے پڑھنا جائز ہے۔

عن ابن عمر – رضي الله عنه – عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ۱/ ۳٤، دارالسلام، رقم: ۱۳۱)

إن القرآن يخرج عن كونه قرآنا بالقصد، فجوزوا للجنب والحائض قراءة ما فيه من الأذكار بقصد الذكر والأدعية بقصد الدعاء. (الأشباه والنظائر/ ٤۹، درمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، كراچی ۱/ ۲۹۳، زكريا ۱/ ٤۸۸، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثالث في الغسل ۱/ ۲۹۰، رقم: ٤٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ شعبان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۹۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۸/۱۴ھ

حائضہ نفساء کا قرآن شریف، درود شریف وغیرہ کا پڑھنا

سوال [۱۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حیض ونفاس کی حالت میں قرآن پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲) درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۳) دین کی کوئی کتاب چھو سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) قرآن کی آیت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۵) ذکر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: کمال احمد مفتی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حیض ونفاس کی حالت میں قرآن کو تلاوت کی حیثیت سے پڑھنا جائز نہیں ہے، نیز قرآن کریم کو چھونا بھی جائز نہیں؛ البتہ دعا اور ذکر کی آیتوں کو بطور ذکر و دعا کے پڑھنا جائز ہے۔

(۲) حیض ونفاس میں درود شریف پڑھنا جائز اور درست ہے۔ (۳) دین کی کتابوں کا چھونا اور پکڑ کر پڑھنا جائز اور درست ہے؛ البتہ وضو کر لینا صرف مستحب و افضل ہے۔

ولا بأس لحائض وجنب بقراءة أدعية، ومسها وحملها، وذكر الله تعالىٰ وتسبيح، وتحته في الشامية: (لا بأس) يشير إلى أن وضوء الجنب لهذه الأشياء مستحب كوضوء المحدث. (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، كراچی ۱/ ۲۹۳، زكريا ۱/ ۴۸۸)

(۴) قرآن کی آیتوں کو بطور تلاوت نہیں پڑھ سکتے اور بطور ذکر و دعا زبانی پڑھ سکتے ہیں۔

(۵) ذکر کر سکتے ہیں۔

وأما قراءة القرآن قالوا: إن القرآن يخرج عن كونه قرآنا بالقصد، فجوزوا للجنب والحائض قراءة ما فيه من الأذكار بقصد الذكر والأدعية بقصد الدعاء. (الأشباه والنظائر، قديم: ۴۹، درمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض،

کراچی ۱/ ۲۹۳، زکریا ۱/ ۴۸۸، حلبي كبير، فروع أن اجنبت المرأة، أشرفيه ديو بند ۵۹، هندية، الفصل الرابع في أحكام الحيض، زكريا قديم ۱/ ۳۹، جديد ۱/ ۹۳، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثالث في الغسل ۱/ ۲۹۰، رقم: ۴۴۲)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض و لا الجنب شيئا من القرآن. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دارالسلام، رقم: ۱۳۱) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۹/۱ھ

پندرہ دن میں نفاس ختم ہو گیا تو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۱۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت نے بچے کی پیدائش کے پندرہ دن بعد نفاس ختم ہونے پر غسل کرلیا تو نماز پڑھ سکتی ہے اور صحبت بھی کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عتیق احمد محلہ کٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں نماز پڑھ سکتی ہے، روزہ رکھ سکتی ہے اور شوہر کے ساتھ ہم بستری بھی جائز ہے۔

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وقت للنفساء أربعون ليلة إلا أن ترى الطهر قبل ذلك. (السنن الكبرى للبيهقي، الحيض، باب النفاس، دارالفكر ۲/ ۵۳، رقم: ۱۶۶۵)

عن أنس –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

وقت للنفساء أربعين يوما، إلا أن ترى الطهر قبل ذلك. (سنن ابن ماجة، باب النفساء كم تجلس، النسخة الهندية ١/ ٤٧، دارالسلام، رقم: ٦٤٩)

وأقل النفاس لا حد له. (الجوهرة، إمداديه ملتان ١/ ٤٠، دارالكتاب ديوبند ١/ مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الحيض والنفسا والاستحاضة، مكتبه دارالكتاب، ص: ١٤٠، هندية، الباب السادس، الفصل الثاني في النفاس، زكريا قديم ١/ ٣٧، جديد ١/ ٩١، الفتاوى التاتارخانية ١/ ٥٣٨، رقم: ١٤٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۷۳)

اسقاط حمل کے بعد خون جاری رہتے ہوئے نماز و جماع کا حکم

سوال [۱۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس عورت کا تقریباً تین ماہ کا حمل گر گیا ہو، یا ایسا حمل گرا ہو جس کا کوئی عضو بن گیا ہے، تو ایسی عورت نماز ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور شوہر سے جماع بھی کر سکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ نفاس جاری ہے، اگر نفاس بیس یوم کے اندر بند ہو گیا تو اس کے بعد کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولوی مقصود احمد قاسمی، موضع رام نگر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حمل گر جانے کے بعد جو خون جاری ہوتا ہے وہ شرعاً نفاس کا خون ہے، اس کا حکم یہی ہے کہ چالیس دن کے اندر اندر جتنے دن خون جاری رہے گا نماز، روزہ، جماع وغیرہ جائز نہیں ہے۔ اور چالیس دن کے اندر جس روز خون بند ہو جائے اس کے بعد نماز، روزہ، جماع وغیرہ جائز ہے۔

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: وقت للنفساء أربعون

ليلة إلا أن ترى الطهر قبل ذلك. (السنن الكبرى للبيهقي، الحيض، باب النفاس، دارالفكر ۲/ ۵۳، رقم: ۱٦٦٥)

وأقل النفاس لا حد له. (الجوهرة، إمداديه ملتان ۱/ ٤۰، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الحيض والنفسا والاستحاضة، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ۱٤۰، هندية، الباب السادس، الفصل الثاني في النفاس، زكريا قديم ۱/ ۳۷، جديد ۱/ ۹۱، الفتاوى التاتارخانية ۱/ ۵۳۸، رقم: ۱٤٦۰)

المرأة إذا أسقطت سقطا، فإن استبان شيء من خلقه، فهي نفساء فيما رأت الدم. (تاتارخانية، زكريا ۱/ ۵٤۲، رقم: ۱٤۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۸)

مستحاضہ عورت کا مسئلہ

سوال [۱۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جس کے حیض کی مدت متعین نہیں ہے، کبھی چار مہینہ میں آتا ہے اور کبھی تین مہینے میں اور کبھی ایک ہی مہینہ میں آجاتا ہے، اس مرتبہ ایسا ہوا کہ ۲۲/ دن کے بعد خون آیا، ۷/ دن تک پھر ختم ہوگیا، نماز وغیرہ پڑھنے لگی، ۷/ دن کے بعد پھر خون آنا شروع ہوگیا، تو اب یہ حیض شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ نمازیں ادا کرے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اس وقت اس طرح کی بیماریوں کا علاج ہو رہا ہے، نمازوں وغیرہ کے سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب سات دن تک خون بند رہا، دوبارہ سلسلہ سات دن

کے بعد اگر مزید تین دن گذرنے کے بعد شروع ہوا ہے، تو وہ حیض نہیں ہے؛ بلکہ وہ استحاضہ ہے۔ اور اگر تین دن گذرنے سے پہلے دوبارہ خون نکلنا شروع ہوا ہے، تو سات دن کے ساتھ مزید تین دن ملا کر کل دس دن حیض شمار ہوں گے، ان دنوں میں نماز نہ پڑھے، بقیہ استحاضہ ہے، ان دنوں میں نماز پڑھے؛ البتہ ہر نماز کے لئے الگ غسل کرنا بہتر ہے، اگر غسل نہ کر سکے تو ہر نماز کے لئے الگ سے وضو کرلیا کرے۔ اور ناپاکی کو بھی ساتھ ساتھ دھولیا کرے۔

وروی أبو یوسف عن أبي حنیفة: أن الطهر المتخلل بین الدمین إذا کان أقل من خمسة عشر یوما لم یفصل، وکثیر من المتأخرین أفتو بهذه الروایة؛ لأنها أسهل علی المفتي والمستفتي، والأخذ بهذا أیسر، فإن لم یجاوز العشرة، فالطهر والدم کلاهما حیض، سواء کانت مبتدأة أو معتادة، وإن جاوز العشر ففي المبتدأة حیضها عشرة أیام، وفي المعتادة معروفتها في الحیض حیض، والطهر طهر. (عالمگیری، فصل في الحیض، زکریا قدیم ۱/ ۳۶، جدید ۱/ ۹۱، شرح النقایة، باب الحیض، اعزازیه دیوبند ۱/ ۳۵، شرح الوقایة، باب الحیض، یاسر ندیم کمپنی دیوبند ۱/ ۱۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۲/ ۱۴۲۰ھ

۹/ کتاب الصلوۃ

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

فرائض پنج گانہ ادا کرنے کی فضیلت

سوال [۱۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص پابندی سے پانچوں وقت کی نماز پڑھے، تو اللہ کے یہاں اس کا کیا مقام ہوگا؟ اس کے کے لئے کیا کیا فضیلتیں وارد ہوئی ہیں؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کتب حدیث میں پابندی سے پانچوں وقت کی نماز ادا کرنے والے کے متعلق مختلف قسم کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اس بات کی میں نے ذمہ داری لی ہے کہ جو شخص (میرے پاس) اس حال میں آئے گا کہ وہ ان پانچوں نمازوں کو ان کے وقت میں ادا کرنے کا اہتمام کیا ہوگا، تو اس کو جنت میں داخل کردوں گا۔ اور جس شخص نے نمازوں کا اہتمام نہیں کیا ہوگا، تو مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (چاہے معاف کردوں یا سزا دوں) اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے درخت سے گر رہے تھے، تو

آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی اس کے پتے اور بھی گرنے لگے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! مسلمان بندہ جب اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے، تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گرتے ہیں، جیسے یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازہ پر ایک نہر جاری ہو، جس میں وہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: کہ یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ان کے گناہوں کو زائل کر دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک دن نبی کریم علیہ السلام نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کا اہتمام کرے تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی، اس (کے کامل مومن ہونے) کی دلیل ہوگی۔ اور قیامت کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہوگی۔ اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرتا ہو، تو اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ (اس کے کامل مومن ہونے کی) دلیل ہوگی اور نہ عذاب سے بچنے کا کوئی ذریعہ ہوگا۔ اور وہ قیامت کے دن فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي قتادة بن ربعي -رضي الله عنهما- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : قال الله عز وجل: إني فرضت على أمتك خمس صلوات، وعهدت عندي عهدا أنه من جاء يحافظ عليهن لوقتهن أدخلته الجنة، ومن لم يحافظ عليهن فلا عهد له عندي. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلوات، النسخة الهندية ١/ ٦١، دارالسلام، رقم: ٤٣٠)

عن أبي ذر -رضي الله عنه- أن النبي صلى الله عليه وسلم خرج في الشتاء والورق يتهافت، فأخذ بغصن من شجرة، قال: فجعل ذلك الورق يتهافت، فقال: يا أباذر! قلت: لبيك يا رسول الله، قال: إن العبد المسلم ليصلى الصلوة

یرید بها وجه الله، فتهافت عنه ذنوبه كما يتهافت هذا الورق عن هذه الشجرة. (مسند أحمد ٥/ ١٧٩، رقم: ٢١٨٨٩)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أرأيتم لو أن نهرا بباب أحدكم يغتسل فيه كل يوم خمس مرات، هل بقي من درنه شيء؟ قالوا: لا يبقى من درنه شيء، قال: فكذلك مثل الصلوات الخمس يمحو الله بهن الخطايا. (الصحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب الصلاة، النسخة الهندية ١/ ٧٦، رقم: ٥٢٢، ف: ٥٢٨، صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب فضل الجلوس فى مصلاة بعد الصبح، وفضل المساجد، النسخة الهندية ١/ ٢٣٥، بيت الأفكار، رقم: ٦٦٧)

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– عن النبى ﷺ أنه ذكر الصلاة يوما فقال: من حافظ عليها كانت له نورا وبرهانا، ونجاة يوم القيامة، ومن لم يحافظ عليها لم يكن له نور ولا برهان، ولا نجاة، وكان يوم القيامة مع فرعون وهامان وأبي بن خلف. (مسند أحمد ٢/ ١٦٩، رقم: ٦٥٧٦)

دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہمیں اور آپ کو پابندی سے پانچوں وقت کی نمازیں ان کے وقت پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۵۸

نماز ہجرت سے قبل فرض ہوئی یا بعد میں؟

سوال [۱۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق کب نازل ہوا، ہجرت سے پہلے نازل ہوا یا ہجرت کے بعد نازل ہوا؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی فرضیت کا حکم شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر مرحمت فرمائی، یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں پیش آیا، جس کی تاریخ میں مختلف اقوال ہیں؛ البتہ شارح مسلم علامہ نوویؒ نے بعثت کے پانچویں سال ہجرت سے آٹھ سال قبل ہونے والے قول کو راجح قرار دیا ہے، اس سلسلے میں حدیث اور نووی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: فرضت على النبي ﷺ ليلة أسري به الصلوات خمسين، ثم نقصت حتى جعلت خمساً، ثم نودي يا محمد! إنه لايبدل القول لدي، وإن لك بهذه الخمس خمسين. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء كم فرض الله على عباده من الصلوات؟ النسخة الهندية ١/ ٥١، دارالسلام، رقم: ٢١٣)

یہ لمبی اور مفصل روایت کا ٹکڑا ہے، مفصل روایت بخاری شریف کتاب الصلوۃ کی پہلی حدیث ۱/۵۰، رقم: ۳۴۷، ف: ۳۴۹ رمیں موجود ہے، وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

إن العلماء مجمعون على أن فرض الصلاة كان ليلة الإسراء، قال الزهري: كان ذلك بعد مبعثه ﷺ بخمس سنين، وقال ابن إسحاق: أسري به ﷺ، وقد فشا الإسلام بمكة والقبائل، وأشبه هذه الأقوال قول الزهري، وابن إسحاق. (شرح النووي على هامش المسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات ١/ ٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/۱۱۸۴۵)

نماز پڑھنے کا مقصد

سوال [۱۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اللہ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہم نماز پڑھتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ یہ فرض ہے، کسی نے کہا کہ قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، کسی نے کہا کہ جنت حاصل کرنے کے لئے اور جہنم سے پناہ کے لئے نماز پڑھتے ہیں، کسی نے کہا کہ محشر کے دن سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں باز پرس ہوگی، غرض کہ جتنے لوگوں سے پوچھا اتنے قسم کے جواب ملے، اس کا صحیح جواب کیا ہے؟

المستفتی: شفیع احمد بحرین، ۱۸؍ستمبر ۸۷ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز پڑھنے کا مقصد اللہ رب العزت کے جلال وعظمت کے حضور میں قلب کو خشوع اور خضوع کے ساتھ جھکا دینا، زبان سے اظہار عظمت، جوارح واعضاء سے عاجزی کی حالت میں خشوع وخضوع کے ساتھ آداب بجالانا، ظاہری وباطنی اعمال کی درستگی اور رب کریم سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ’’قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ.

[سورۃ المؤمنون، آیت: ۱ ۲]

وأخرج ابن جرير وابن أبي حاتم عن الحسن في قوله: ’’الذين هم فی صلاتهم خشعون‘‘ قال: كان خشوعهم في قلوبهم، فغضوا بذلک أبصارهم، وخفضوا لذلک الجناح. (الدر المنثور، تحت سورۃ المؤمنون، مکتبہ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، جدید ۵/ ۵، مختصر تفسیر ابن کثیر، مکتبہ دارالقرآن الکریم ۲/ ۵۵۹)

وأصل الصلوة ثلاثة أشياء: أن يخضع القلب عند ملاحظة جلال الله وعظمته، ويعبر اللسان عن تلك العظمة، وذلک الخضوع أفصح

عبارة، وأن يؤدب الجوارح حسب ذلک الخضوع. (حجة الله البالغة، باب اسراء الصلوة ۱/ ۷۲)

إن الغرض الحقيقي من الصلوة إنما هو إشعار القلب بعظمة الإله الخالق حتى يكون منه على وجل فيأتمر بأمره (وقوله): إنما هو تعظيم الإله: فاطر السموات والأرض بالخشوع له والخضوع لعظمته الخالدة، وعزته الأبدية (وقوله): وتصلح أعماله الظاهرة والباطنة، وتقوى علاقته بربه. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلوة، دارالفكر ۱/ ۱۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ۹/ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۰۷)

نماز پڑھنے کا فائدہ

سوال [۱۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی موجودگی میں کسی فرد سے نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے، تو زید فوراً بول اٹھتا ہے کہ اس نماز میں کیا فائدہ کہ نماز بھی پڑھے اور دنیا کے تمام غلط کام بھی کرے؟ کیا اس کا کہنا درست ہے؟

المستفتی: احمد بازار فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کی فرضیت الگ چیز ہے اور دوسرے غلط کام کرنے کا گناہ الگ حکم رکھتا ہے؛ لہٰذا غلط کام صادر ہونے کی وجہ سے نماز کا ترک کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور غلط کام سے توبہ کرنا بھی اپنی جگہ واجب ہے؛ اس لئے زید کا قول صحیح نہیں ہے۔ حدیث پاک میں نماز کو دخول جنت کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن أعرابيا جاء إلى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله! دلني على عمل إذا عملته دخلت الجنة، قال: تعبد الله لا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة المكتوبة. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الصلوات التي هي أحد أركان الإسلام، النسخة الهندية ١/ ٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٤، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٤/ ١٣٩، رقم: ٣٩٣٦، مشكوة شريف ١/ ١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۷ھ

غاصب وظالم کی نماز کا حکم

سوال [۱۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید وبکر دونوں حقیقی چچا بھتیجے ہیں، بکر نے اپنے چچا زید کے مکان کی دیوار توڑ کر اس پر قبضہ کرلیا، بنا بریں رنجیدہ خاطر زید نے بکر سے قطع کلام کرلیا، کئی سال بعد بکر کا لڑکا جو مولوی ہے اپنے حج کے جانے کے موقع پر زید سے ملا اور کہا کہ قطع کلامی کی وجہ سے تمہاری نماز نہیں ہوتی، جواباً زید نے کہا کہ تم نے میرا دل دکھایا ہے، میرے مکان پر جبراً قبضہ کیا ہے، نفرت کے محرک تم ہو؛ لہٰذا میری نماز تو ہوتی ہے، تمہاری نہیں ہوتی؛ کیوں کہ تم ظالم ہو غاصب ہو مفسد ہو، اس کے بعد اس ضمن میں ایک دوسرے عالم دین نے بتایا کہ نماز تو ہوتی ہے، مگر جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہورہی ہے، اب یہ معلوم کرنا ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں خاطی کون ہے، غاصب مغصوب کے فعل میں کیا تفریق ہے؟ اور نماز کون سے فریق کی ہوتی ہے اور کس کی نہیں ہوتی ہے؟

المستفتی: عبدالوہاب متولی جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس شخص نے کسی دوسرے

شخص کی ایک بالشت زمین دبائی ہوتو قیامت کے دن اس کے گلے میں ساتوں زمین کا طوق ڈالا جائے گا؛ لہٰذا ظالم وہی ہوگا جس نے زمین دبا کر قبضہ کرلیا ہے اور اس زمین کے دبانے میں جو لوگ محرک بنے ہیں وہ بھی گنہگار رہوں گے، اب رہی نماز کی بات تو جو لوگ غاصب اور ظالم بنے ہیں وہ لوگ شریعت کی نگاہ میں فاسق ہیں اور فاسق کی نماز تو صحیح ہوجاتی ہے، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں؛ لیکن جیسے دوسرے عالم نے فرمایا کہ جیسی ہونی چاہئے ویسی نہیں ہوتی، یہ بات صحیح ہے، اسی وجہ سے فاسق کی امامت بھی مکروہ ہوتی ہے۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل، أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما، طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الأفكار، رقم: ١٦١٠، صحيح البخاري، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ١/ ٣٣٢، رقم: ٢٣٨٨، ف: ٢٤٥٢)

وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه، بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً. (شامي، كتاب الصلوة، باب الإمامة، قبيل مطلب البدعة خمسة أقسام، زكريا ٢/ ٢٩٩، كراچی ١/ ٥٦٠)

فنقول: تقديم الفاسق للإمامة جائز عندنا، ويكره . (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب افتتاح الصلوة، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٤٠، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، مكتبه أشرفيه ديوبند، ص: ٥١٣، هدايه، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مكتبه أشرفي ديوبند ١/ ١٢٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ٢١١، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ١/ ٦١٠، كوئٹه ١/ ٣٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۱۳ھ

شرابی کی نماز کا حکم

سوال [۱۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مقتدی نمازی ہے اور حاجی بھی ہے اور تبلیغی جماعت کا رکن ہے، اس نے ایک شرابی کو جوشراب پیئے ہوئے ظاہر ہورہا تھا، اس کو وضو کرا کر نماز ادا کرائی، اس طرح سے کہ مقتدی یعنی وضو کرانے والا خود الفاظ نماز کہتا گیا اور وضو کر کے نماز کو کھڑا ہوا شرابی الفاظ نماز دوہرا کر نماز پڑھتا رہا، تو شرابی کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ ثواب ملا یا عذاب؟ اور نماز پڑھوانے والے کو کتنا ثواب ملے گا؟

المستفتی: محمد حسیب ساکن سوتھا گلی مراشیان، بدایوں شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے سب لوگ باقاعدہ عالم نہیں ہوتے ہیں، ان میں مسائل سے ناواقف لوگ بھی بہت ہوتے ہیں؛ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ تبلیغی جماعت والے سب مسائل سے بھی پوری طرح واقف ہیں؛ صرف حاجی متقی ہونے سے بھی مسائل سے واقف ہونا ضروری نہیں؛ لہٰذا اگر شرابی کو باقاعدہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھایا ہے، تو نماز شرعی طور پر صحیح نہیں ہوئی۔ اور اگر نشہ ختم ہوجانے کے بعد نماز پڑھایا ہے تو نماز صحیح ہوگئی ہے اور ثواب بھی ملے گا، اللہ تعالیٰ نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلَاةَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی. [سورة النساء: ٤٣]

إن السكر يبطل الوضوء والصلوة محمول على أنه شرب المسكر، فقام إلى الصلوة قبل أن يصير إلى هذه الحالة، ثم صار في أثنائها إلى حالة لو مشى فيها يتحرك. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، كوئٹه ١/ ٤٠، زكريا ١/ ٧٧)

وكذا السكر ينقض الوضوء أيضا في الأحوال كلها في الصلوة

وغیرها. (الجوهرة النيرة كتاب الطهارة، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۱، إمداديه، ملتان ۱/ ۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۱۸ھ

نمازی کی پیشانی پر سیاہ نشان کی شرعی حیثیت

سوال [۱۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر نمازی حضرات کو دیکھا جاتا ہے کہ ماتھے پر سیاہ ایک جگہ بن جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے ماتھے پر جو سیاہ داغ ہوتا ہے وہ نماز کی وجہ سے پڑ گیا ہو، اس سیاہ پڑے ہوئے نشان کے لئے حدیث پاک میں کوئی وضاحت بیان کی گئی ہے یا قرآن پاک میں بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد خداوندی ہے؟ اگر ہے تو مع حوالہ جات کے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد حسین رحمت نگر سوسائٹی سنبھل روڈ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کوئی حدیث شریف یا آیت کریمہ نظر سے نہیں گذری جو مذکورہ نشان کے فضائل اور اجر وثواب کے سلسلہ میں ہو؛ بلکہ محدث سعید بن منصور نے اس کے متعلق تفسیر کے امام مجاہد سے دریافت کیا کہ قرآن کریم کی آیت "**سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ**" سے کیا وہ نشان مراد ہے، جو کثرت سجدہ کی وجہ سے پیشانی پر پڑ جاتا ہے؟ تو آپ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اس سے مراد خشوع وخضوع ہے، اسی طرح حدیث شریف میں اس بات کی بھی وضاحت آئی ہے کہ اس آیت سے مراد مذکورہ نشان نہیں؛ بلکہ اس سے مراد مؤمنین عابدین کے چہروں پر کثرت عبادت اور شب بیداری کی وجہ سے قیامت کے دن نور اور چمک ہوگی۔ (معارف القرآن، سورۃ الفتح: ۲۹، مطبوعہ ربانی بکڈپو اشرفی دیوبند ۸/۱۰۳)

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن منصور قال: قلت لمجاهد: ’’سِيمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ‘‘ أهو أثر السجود في وجه الإنسان؟ فقال: لا، إن أحدهم يكون بين عينيه مثل ركبة العنز، وهو كما شاء الله يعني من الشر لكنه الخشوع.
(السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب سيماهم فى وجوههم من أثر السجود، دارالفكر ٣/ ١٩٩، ٢٠٠، رقم: ٣٦٥٢)

عن أبي بن كعب قال: قال رسول الله ﷺ: سيماهم فى وجوههم من أثر السجود، قال: النور يوم القيامة. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٣/ ٢٤١، رقم: ٤٤٦٤، المعجم الصغير ١/ ٣٧٠، رقم: ٦١٩)

عن عكرمة: سيماهم في وجوههم، قال: السهر. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزهد، كلام عكرمه، مؤسسة علوم القرآن ١٩/ ٤٣٦، رقم: ٣٥٦٤، جديد ٣٦٦١٣)

وقال منصور: سألت مجاهدا أهذه السيما هي الأثر يكون بين عيني الرجل؟ قال: لا، وقيل: هي صفرة الوجه من سهر الليل، وروى ذلک عن عكرمة والضحاک، وروى السلمى عن عبدالعزيز المكي ليس ذلک هو النحول والصفرة، ولكنه نور يظهر على وجوه العابدين يبدو من باطنهم على ظاهرهم يتبين ذلک للمؤمنين، ولو كان في زنجي أو حبشي (إلى قوله) ولا يبعد أن يكون النور علامة في وجوههم فى الدنيا والآخر. (تفسير روح المعاني، الجزء السادس والعشرون، سورة الفتح: ٢٩، زكريا ديوبند ١/ ١٤، رقم: ١٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۹۱)

۱/ باب أوقات الصلوة

مساجد کے متعینہ اوقات کی شرعی حیثیت

سوال [۱۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں جماعت کا وقت جو متعین ہے، اسی متعینہ وقت پر نماز ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ دیہات میں ہمارے یہاں بعض لوگ متعینہ وقت ہوجانے کے بعد بھی کبھی کبھی کہتے ہیں رکے رہو اور مؤذن متعین نہیں ہے، اگر اذان میں کچھ دیر ہوجائے تو نماز بھی دیر سے پڑھی جائے یا وقت متعینہ پر ہی پڑھ لی جائے، شرعی حکم کیا ہے؟ اگر وہ لوگ نہ مانیں تو امام کو استعفیٰ دینا چاہئے ورنہ امام کی بے عزتی کا خطرہ ہے؛ لیکن اگر امام مسجد چھوڑ دے تو اور کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ہے اور مسجد کا نظام بھی خراب ہونے کا خطرہ ہے، ایسے میں کیا کرے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، لالپور ڈام مرزعہ رور پور، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد میں اذان اور جماعت کے درمیان جو وقت متعین کا فاصلہ رکھا جاتا ہے، اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ جماعت کے پابند ہیں وہ حاضر ہوجائیں؛ لہٰذا جب متعین وقت پر جماعت کے پابند اکثر حضرات حاضر ہوجائیں اور کچھ لوگ نہ آئیں تو امام کو انتظار کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ انتظار سے نظام کی خرابی کی کراہت لازم آئے گی، لیکن جن لوگوں سے شر اور فتنہ کا خوف ہو تو دفع فتنہ کی غرض سے ان کا انتظار کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ وقت میں بھی گنجائش ہو، اسی طرح جب اذان اپنے وقت مقررہ سے مؤخر ہوجائے تو مصلیوں کی رعایت کرتے ہوئے وقت میں گنجائش کی صورت میں مزید انتظار کرنا چاہئے، تاکہ لوگ جماعت کے ساتھ شریک ہوجائیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۷/۱۱۳، جدید ڈابھیل ۶/۴۵۵)

عن جابر –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال لبلال: يا بلال! إذا أذنت فترسل في أذانک، وإذا أقمت فأحدر، واجعل بين أذانک وإقامتک قدر ما يفرغ الآکل من أکله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتى تروني. (سنن الترمذي، کتاب الصلوة، باب ماجاء في الترسل في الأذان، النسخة الهندية ١/ ٤٨، دارالسلام، رقم: ١٩٥، المعجم الأوسط، دارالفکر ١/ ٥٢٩، رقم: ١٩٥٢، المستدرك، قديم ١/ ٣٢٠، مکتبه نزار مصطفى الباز، جديد ١/ ٣٠٤، رقم: ٧٣٢)

ينبغي أن يؤذن في أول الوقت ويقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضي من وضوئه، والمصلي من صلوته، والمعتصر من قضاء حاجته، والظاهر أنه أراد أول الوقت المستحب. (شامي، کتاب الصلاة، باب الأذان کراچی ١/ ٣٨٤، زکريا ٢/ ٤٩)

رئيس المحلة لا ينتظر ما لم يکن شريرا، والوقت متّسع. (درمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الأذان کراچی ١/ ٤٠٠، زکريا ٢/ ٧١، هکذا في الهندية، کتاب الصلاة، الباب الثاني، الفصل الأول، زکريا قديم ١/ ٥٧، جديد ١/ ١١١، الفتاوى التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في الأذان ٢/ ١٣٨، رقم: ١٩٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۳)

نماز کے اوقات گھٹانے بڑھانے کا حقدار کون؟

سوال [۱۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے کہ نماز کے اوقات کی تبدیلی کا ذمہ دار امام نہیں ہے، یعنی نماز کے اوقات کو گھٹانے بڑھانے کا حق امام کو نہیں ہے؛ بلکہ متولی اس کام کا حقدار ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح

ہے، جب کہ حدیث پاک میں آتا ہے: ’’الإمام ضامن‘‘ امام نماز کا ضامن ہے، تو کیا اوقات نماز کی تبدیلی کا حق امام کو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد عرفان امروہہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا قول صحیح ہے؛ لیکن اگر امام کو مقتدیوں اور متولی کی طرف سے اختیار ملا ہوا ہے، تو بلا مشورہ بھی اوقات کی تبدیلی کا اعلان کرسکتا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور حدیث: ’’الإمام ضامن‘‘ سے تبدیلی اوقات مراد نہیں ہے؛ بلکہ نماز کی صحت وفساد کی ذمہ داری مراد ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۵/ ۱۷۱، جدید میرٹھ ۲۱/ ۱۶۰)

ولاية الأذان والإقامة لباني المسجد مطلقا. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۷۱، كراچی ۱/ ۴۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ۵/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۵/ ۱۴۱۵ھ

اختلاف مطالع کی وجہ سے ایک ہی نماز کے مکرر فرض ہونے کی صورت

سوال [۱۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی مغرب کی نماز پڑھ کر ہندوستان سے روانہ ہوا، جب وہ چار گھنٹے کے بعد سعودیہ یا کسی اور ملک میں پہنچا تو وہاں سورج غروب نہیں ہوا تھا، تو وہ مغرب دوبارہ پڑھے گا یا نہیں؟ مع دلائل بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید پالن پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی، پہلی نماز معتبر نہ ہوگی۔

قلت: ويلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها، وبطلان صلاته المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للكل والله تعالىٰ أعلم.
(شامي، كتاب الصلوة، قبيل مطلب الصلاة الوسطى، كراچى ۱/ ۳٦۱، زكريا ۲/ ۱۷)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۱۱)

۱۵؍ڈگری پر صبح صادق ہوتی ہے یا ۱۸؍ڈگری پر؟

سوال [۱۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے حضرت والا کی خدمت میں یہ عریضہ پیش کر رہا ہوں جو مسئلہ فی الحال بنگلہ دیش میں معرکۃ الآراء بحث بن چکا ہے، وہ مسئلہ ہے کہ سحری وافطار کے بارے میں پرانے جتنے کیلنڈر رہیں، صبح صادق کے بارے میں سب کی بنیاد ۱۸؍ڈگری پر ہے، یعنی آفتاب مطلع سے جب ۱۸؍ڈگری نیچے رہتا ہے اسی وقت صبح صادق ہوتی ہے، حالانکہ ہیئت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸؍ڈگری صبح کاذب کا وقت ہے اور صبح صادق اس کے تین ڈگری کے بعد یعنی ۱۵؍ڈگری کے وقت ہو رہا ہے، شاذ ونادر ایک دو قول اس کے خلاف بھی ہیں۔ ''فتاوی شامی'' کی عبارت سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵؍ڈگری پر صبح صادق ہوتی ہے اور دونوں صبح کے دمیان فرق ۳؍ڈگری ہے، بندہ نے بذات خود مشاہدہ کی کوشش کی ہے، ڈھاکہ شہر سے تقریباً ۳۰؍میل دور ایک گاؤں میں جا کر مشاہد کیا، تو پرانے کیلنڈر کے مطابق جو صبح صادق کا وقت ہے اس وقت ایسی کوئی روشنی نظر نہیں آئی جس پر صبح صادق کی تعریف صادق آتی ہو، تو حضرت والا ہم جیسے عاجز وناا ہل کی رہنمائی فرمائیں کہ ہم مذکورہ صورت حال میں کیا کریں؟ ۱۸؍ڈگری والے پرانے کیلنڈر پر

عمل جاری رکھیں اور کتب ہیئت وفتاوی کو چھوڑ دیں یا مذکورہ کتابوں پر عمل کرتے ہوئے پرانے کیلنڈروں کو چھوڑ دیں۔

المستفتی: منصور الحق، خادم التدریس والافتاء بالجامعۃ الرحمانیہ، ڈھاکہ بنگلہ دیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۸رڈگری پر صبح صادق نہیں ہوتی؛ بلکہ ۱۵رڈگری پر صبح صادق ہوتی ہے، پرانے نقشے سب قرآن، حدیث، فقہ اور اجماعِ امت کے خلاف ہیں؛ اس لئے ان کا ترک لازم ہے۔ کتاب وسنت کی منشا اور ان کی تعلیمات کے مطابق ۱۵رڈگری سے قبل صبح صادق تسلیم نہ کی جائے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات زیادہ اچھی ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا۲/۱۵۹) کا مطالعہ کیا جائے۔

إذا صارت الشمس قريبة من الأفق بقدر ثمانية عشر جزءا -إلى- يرى البياض الطويل في جانب المشرق، هو يسمى بالصبح الكاذب، كأن كون الأفق بعده مظلما يكذب كونه نور الشمس والمنتشر في الأفق بعده بزمان يسمى بالصبح الصادق، لكونه ظهورا من الأول، قيل: ابتدائه حين انحطاط الشمس "خمسة عشر جزءا". (تحفة أولى الألباب شرح بست باب للعلامة عبدالباقي الكتوازي بحواله أحسن الفتاوى، زكريا ٢/ ١٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۰۴)

فجر کی نماز کا افضل وقت

سوال [۱۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا افضل ہے یا غلس میں؟ عندالاحناف افضل کیا ہے؟ ہمارے

شہر گودھرا میں چار مساجد: مسجد بسم اللہ، صوفی، دارالسلام، کوثر ان چار میں روزانہ عادت بنا کر اسفار کے بجائے غلس میں اور وہ بھی صبح صادق ہونے کے بعد دس پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر نماز فجر سے کوئی شرعی عذر کے بغیر فراغت ہوجاتی ہے، بہت سے لوگ مذکورہ بالا جگہوں پر نماز فجر ادا کرتے ہیں، کیا اس صورت حال میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ومذہب ترک کرنا لازم نہیں آتا ہے؟ اور ان ائمہ کرام کا یہ عمل اور عوام کا وہاں نماز پڑھنا دائماً، استمراراً ایک معمول بنا کر کیسا ہے؟

المستفتی: احقر محمد قاسم گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ظاہر الروایۃ کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فجر کی نماز اسفار میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک غلس میں شروع کر کے غلس میں ختم کرنا افضل ہے۔ اور حضرت امام طحاویؒ کے نزدیک غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل ہے، ان تینوں اقوال میں سے دلائل کی روشنی میں حضرت امام طحاویؒ کا قول زیادہ بہتر اور راجح معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کہ حدیث پاک میں صاف لفظوں میں آیا ہے کہ فجر کی نماز میں پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اطمینان سے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اکثر وبیشتر سورۂ یوسف پڑھنا بھی ثابت ہے، یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کیا جائے اور ساتھ میں یہ حکم ہے کہ سورج نکلنے سے اتنی دیر پہلے نماز ختم کرنا مسنون ہے کہ اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے تو مسنون طریقہ سے اعادہ کیا جاسکے، یہاں تک عمومی مسئلہ شرعی کا حکم آیا ہے؛ لیکن بعض دفعہ خصوصی مسائل بھی سامنے آتے ہیں، جیسا کہ رمضان المبارک میں دنیا بھر کی حنفی مسلک کی مسجدوں میں فجر کی نماز غلس میں شروع کر کے غلس میں ختم کی جاتی ہے اور مغرب کی نماز عام دنوں میں اذان کے فوراً بعد شروع کی جاتی ہے؛ لیکن رمضان میں دس پندرہ منٹ تاخیر کی جاتی ہے، یہ بلا

کراہت جائز بلکہ افضل ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ تکثیر جماعت اصل مقصد ہے، کہ جس شکل میں مسجد کے اندر نمازیوں کی تعداد بڑھ جائے اسی شکل کو اختیار کرنا افضل ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے عام لوگوں کے حالات کو پیش نظر رکھ کر اسفار میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل اس لئے فرمایا ہے کہ اسفار کی شکل میں تکثیر جماعت کی زیادہ امید ہے؛ لہٰذا جن مسجدوں میں پورے سال اول وقت میں پڑھنے کی صورت میں نمازیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور نمازیوں میں کمی نہیں آتی ہے، ان میں اول وقت اور غلس میں نماز پڑھنا حضرت امام صاحب کے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔ اور سنت کے خلاف بھی نہیں ہے، ہمارے اتر دیش میں بہت سارے شہروں میں دو چار مسجدیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں اول وقت میں فجر کی نماز ہوتی ہے اور ان میں دیگر مسجدوں کے مقابلے میں نمازی زیادہ ہوتے ہیں، کم نہیں ہوتے ہیں، اگر آپ کے گودھرا کی مسجدوں کا حال یہی ہے کہ دیگر مسجدوں کے مقابلے میں نمازیوں کی تعداد ان میں کم نہیں ہوتی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور سنت کے خلاف نہیں ہے؛ لہٰذا ان مسجدوں کو انہیں حالات پر رہنے دیں، ان پر نکیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فهذا سباع بن عرفطة قد كان في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم باستخلاف رسول الله صلى الله عليه وسلم إياه يصلي بالناس صلاة الصبح هكذا، يطيل فيها القراءة، حتى يصيب فيها التغليس والإسفار جميعا. (شرح معاني الآثار، كتاب الصلوة، باب الوقت الذى يصلي فيه الفجر، أي وقت هو؟، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٣٦، رقم: ١٠٦٢)

عن رافع بن خديج قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر، النسخة الهندية ١/ ٤٠، دارالسلام، رقم: ١٥٤)

ويستحب للفجر البداية مسفرا يقال أسفر الصبح إذا أضاء، ومنه

قوله تعالى: ”والصبح إذا اسفر“ وأسفر الصلوة، أي صلاها في وقت الإسفار، قال الطحاوي: يستحب البداية مغلسا والختم مسفرا. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه إعزازيه، ديو بند/ ٥٤)

وفي التأخير تكثير الجماعة ...... ووجه التعجيل ...... فيؤخر ليكون فيه تكثير الجماعة. (مبسوط سرخسي، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ١٤٨)

ولأن في التغليس تقليل الجماعة لكونه وقت نوم وغفلة، وفي الإسفار تكثيرها، فكان أفضل. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب الأوقات المستحبة، مكتبه زكريا ١/ ٣٢٣، كراچى ١/ ١٢٥)

أداء الصلوة في أول الوقت أفضل، إلا إذا تضمن التأخير فضيلة لاتحصل بدونه كتكثير الجماعة. (شامي كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، زكريا ٢/ ٢٥، كراچى ١/ ٢٤٩)

وقيل: يؤخر جدا؛ لأن في الإسفار تكثير الجماعة، وتوسيع الحال على النائم والضعيف في إدراك فضل الجماعة. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلوة، كوئٹه ١/ ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ / ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۴ھ

نمازِ فجر غلس میں پڑھنے کا حکم

سوال [۱۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز فجر محلّہ کی مسجد میں روزانہ کی عادت بنا کر غلس میں پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی جماعت میں تکثیر جماعت اہم مقصد میں سے ہے، جس وقت نماز پڑھنے میں نمازیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہو اس وقت نماز پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے، جیسا کہ رمضان میں غلس میں نماز پڑھنے کی صورت میں تکثیر جماعت ہوتی ہے؛ لہٰذا جس مسجد کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، اگر اس مسجد میں غلس میں نماز پڑھنے سے نمازیوں کی کثرت ہوتی ہے، تو غلس میں نماز پڑھنا افضل ہوگا۔ اور جن مساجد میں غلس میں نماز پڑھنے سے نمازیوں کی تعداد گھٹ جاتی ہو، وہاں اسفار میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہوگا، عام مساجد میں غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کیا جائے تو یہ افضل ہے، تاکہ نماز فجر میں دور نبوت اور دور صحابہ کی طرح لمبی قراءت کے ساتھ نماز پڑھی جا سکے، امام طحاویؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، بشرطیکہ ضعیف کمزور اور معذور لوگ نمازیوں میں نہ ہوں، اگر ضعیف کمزور اور معذور لوگ بھی شامل ہوں تو مختصر قراءت کرنے کا حکم ہے اور ایسی صورت میں حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق اسفار میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل ہے۔

عن رافع بن خديج قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر، النسخة الهندية ١/ ٤٠، دارالسلام، رقم: ١٥٤)

فالذي ينبغي الدخول في الفجر في وقت التغليس والخروج منها في وقت الإسفار على موافقة ما روينا عن رسول الله ﷺ وأصحابه وهو قول أبي حنيفة، وأبي يوسف، ومحمد بن الحسنؒ (طحاوي، كتاب الصلوة، باب الوقت الذى يصلي فيه الفجر، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ١٣٦)

فلو اجتمع الناس اليوم أيضا في التغليس لقنا به أيضا كما فى المبسوط السرخسي في باب التيمم أنه يستحب التغليس في الفجر ...... إذا اجتمع الناس.

(فيض الباري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر، مكتبه رشيديه كوئٹه ٢/ ١٣٦)

والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار، والختم به هو المختار. (درمختار مع الشامي، کتاب الصلوة، مطلب فی طلوع الشمس من مغربها، زکریا ۲/ ٢٤، کراچی ١/ ٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۱ھ

رمضان میں نماز فجر اول وقت میں پڑھنا

سوال [۷۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان شریف میں فجر کی نماز کا سب سے افضل وقت عندالاحناف سحری کے بعد متصلاً ہے یا اخیر وقت جب کہ سحری کھا کر سستی آتی ہے، نماز میں خشوع وخضوع نہیں رہتا، اگر رہے گا تو سب کو نہیں، جماعت کس وقت کی جائے، سحری کے بعد کی جائے یا اخیر وقت میں کی جائے؟

المستفتی: مصلیان مسجد بنجاران ساہن پور، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں اگر سحری کھا کر آرام کیا جائے تو عام لوگوں کی جماعت ترک ہو جاتی ہے؛ اس لئے عندالاحناف بھی اول وقت میں فجر کی نماز پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۱۶۲، جدید ڈابھیل ۵/ ۳۳۰، فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/ ۱۳۲، جدید زکریا ۴/ ۷۵)

عن أنس بن مالک -رضي اللّٰہ عنه- أن نبي اللّٰہ ﷺ وزید بن ثابت تسحرا، فلما فرغا من سحورهما، قام نبي اللّٰہ ﷺ إلی الصلاۃ فصلی، قلنا لأنس: کم کان بین فراغهما من سحورهما ودخولهما في الصلوۃ؟ قال: قدر ما یقرأ الرجل خمسین آیة. (صحیح البخاري، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب وقت الفجر، النسخة الهندیة ١/ ٨٢، ف: ٥٧٦، رقم: ٥٦٨)

ودل على تغليسه صلى الله عليه وسلم بالفجر في شهر رمضان، وعليه تعامل أهل العلم من مشايخنا بديوبند. (معارف السنن، أبواب الصوم، باب ماجاء في تاخير السحور ۵/ ۳۶۲، مطبع المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۴/ ۱۴۱۳ھ

رمضان میں نماز فجر غلس میں پڑھیں یا اسفار میں؟

سوال [۱۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک میں فجر کی نماز میں عموماً لوگ خاص کر دیہاتوں میں سحری کھانے کے بعد سستی کر جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ان کی نماز فجر قضا ہو جاتی ہے، زید کہتا ہے کہ سحری کھا کر آپ حضرات فوراً مسجد آجائیں، تاکہ وقت ہوتے ہی ابتدائے وقت میں نماز فجر ادا کر کے پھر لوگ جا کر آرام کریں، حالانکہ احناف کے یہاں اسفار کر کے نماز پڑھنا افضل ہے، تو کیا رمضان میں غیر اسفار میں فجر کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، افضل کیا ہے؟ اور اگر اکثر لوگ غلس میں آجائیں اور ان کی رائے غلس میں نماز پڑھنے پر متفق ہو جائے تو امام غلس میں نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض مقتدیوں کی رائے حالت مستمرہ کی بنا پر اسفار میں پڑھنے کی ہے۔

المستفتی: محمد قیام الدین اشرف العلوم مٹوابازار، بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فجر کو تاریکی میں پڑھنے کے بجائے روشنی پھیلنے پر پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور فرمایا: "**أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر**" اس لئے احناف کے نزدیک فجر کو اسفار کے وقت پڑھنا ہی افضل ہے؛ لیکن رمضان میں فجر کی نماز صبح صادق کے بعد فوراً ادا کرلینا بہتر ہے، تاکہ اکثر لوگ

باجماعت نماز پڑھ سکیں؛ کیوں کہ شریعت میں کثرت جماعت بھی مقصود ہے، اس کے برخلاف اسفار میں پڑھنے کی صورت میں اکثر حضرات کی جماعت کا فوت ہوجانا یاقضا ہوجانا عموماً دیکھا جاتا ہے؛ اس لئے وقت ہونے پر غلس میں نماز فجر پڑھیں اور امام صاحب کو غلس میں نماز پڑھانے کا حق ہے۔ اور اگر رمضان میں فجر کو اول وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ حنفیہ کے مسلک کے خلاف بھی نہیں ہے اور جہاں حنفیہ کے نزدیک اسفار میں پڑھنے کا حکم ہے وہ عام حالات میں ہے، اس میں کثرت جماعت بھی مقصود ہے؛ اس لئے کہ عام حالات میں دیر سے نماز پڑھنے کی صورت میں کثرت جماعت ہوتی ہے۔ اور رمضان المبارک میں اول وقت میں پڑھنے میں کثرت جماعت ہوتی ہے اور یہی اکابر دیوبند کا مسلک بھی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/۱۳۳، جدید ڈابھیل ۵/ ۳۲۵ ،فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/۱۳۲، جدید زکریا ۴/ ۷۵)

عن زيد بن ثابت –رضي الله عنه– تسحرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم قمنا إلى الصلوة، قال: قلت: كم كان قدر ذلک؟ قال: قدر خمسين آية.

(ترمذي شريف، أبواب الصوم، باب ماجاء في تاخير السحور، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، دارالسلام، رقم: ۷۰۳، سنن ابن ماجة، أبواب ما جاء في الصيام، باب ما جاء في تاخير السحور، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۱، دارالسلام، رقم: ۱۶۹۴، سنن النسائي، أبواب الصيام، باب قدر ما بين السحور وبين صلاة الصبح، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۴، دارالسلام، رقم: ۵۷، مسند الدارمي، دارالمغني ۲/ ۱۰۵۵، رقم: ۷۳۷)

وقال العلامة أنور شاه الكشميري في العرف الشذي: دل الحديث على تغليسه عليه السلام في رمضان، وهو عمل قطان ديوبند. (العرف الشذي على الترمذي ۱/ ۱۵۱، هكذا في معارف السنن، أبواب الصوم، باب ماجاء في تاخير السحور، مكتبه أشرفيه ديوبند ۵/ ۳۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۱ھ

رمضان میں فجر کی نماز کس وقت ادا کی جائے؟

سوال [۱۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں رمضان کے اندر فجر کے سلسلہ میں دو جماعتیں ہوجاتی ہیں، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ فجر کی نماز سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد فوراً پڑھ لی جائے، تاکہ جماعت میں لوگوں کی تعداد زیادہ رہے، دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اگر فجر کی نماز شروع وقت میں پڑھی جائے گی، تو نماز کے بعد لوگ سو جائیں گے اور کھیت جانے میں تاخیر ہوجائے گی؛ اس لئے ہم کاشتکاروں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نماز فجر آخری وقت میں پڑھیں، تاکہ نماز کے بعد لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں، اور تاخیر سے نماز پڑھنے والی جماعت کی رائے کے موافق لوگوں کی تعداد بمقابلہ جماعت اول کے زیادہ ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت کی رائے صحیح اور مناسب ہے؟ اور کیا ایک مسجد میں دومرتبہ جماعت کرنا درست ہے؟ اور اگر درست نہیں ہے، تو جماعت ثانیہ سے نماز پڑھنے والوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی لوگ جماعت ثانیہ کرتے ہیں، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ہاشم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان المبارک میں سحری کے بعد فجر کی جماعت میں تاخیر کرنے سے لوگ سوجاتے ہیں اور نماز قضا ہوجاتی ہے، تو نمازیوں کے جمع ہونے کی سہولت کے خاطر اور ان کی نماز کو فوت ہونے سے بچانے کے لئے اول وقت میں فجر کی نماز پڑھ لینا بہتر ہے، رمضان میں کثرت جماعت اسی میں ہوتی ہے اور یہ کہنا کہ سحری کھا کر سب لوگ سوجائیں گے اور تاخیر سے نماز پڑھنے میں سب لوگ نماز میں شریک ہوجائیں گے، یہ صرف کہنے کی بات ہے، اس کثرت کے ساتھ اس وقت جماعت میں شریک نہیں ہوسکتے جو

اول وقت کے اندر شریک ہو سکتے ہیں؛ بلکہ صرف دیہات کے لوگ سحری کھا کر کے سوتے رہیں گے۔ اور فجر کی نماز اکثر لوگوں کے ہاتھوں سے نکل جائے گی؛ اس لئے بہتر ہے کہ اول وقت میں نماز ہو جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۱۳۳، جدید ڈابھیل ۵/ ۳۲۵، فتاوی رحیمیہ ۱/ ۱۳۲، جدید زکریا ۴/ ۷۵، دارالعلوم ۲/ ۴۵، ایضاح المسائل/ ۸۳)

عن أبي حازم أنه سمع سهل بن سعد يقول: كنت أتسحر في أهلي، ثم تكون سرعة بي أن أدرك صلاة الفجر مع رسول الله صلى الله عليه. (بخاري شريف، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر، النسخة الهندية ١/ ٨٢، رقم: ٥٦٩، ف: ٥٧٧)

عن زيد بن ثابت -رضي الله عنه- تسحرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم قمنا إلى الصلوة، قلت: كم كان قدر ما بينهما؟ قال: خمسين آية. (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل السحور، وتاكيد استحبابه، طبع هندي ١/ ٣٥٠، بيت الأفكار، رقم: ١٠٩٧، صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر، طبع هندي ١/ ٨٢، رقم: ٥٦٧، ف: ٥٧٥)

ولعل هذا التغليس كان في رمضان خاصة، وهكذا ينبغي عندنا إذا اجتمع الناس، وعليه العمل في دار العلوم بديوبند من عهد الأكابر. (فيض الباري، كتاب الصلوة، باب وقت الفجر، مكتبه رشيديه كوئٹه ٢/ ١٣٦)

ایسی مسجد میں جو مخصوص محلّہ سے متعلق ہو اور اس کے امام اور مؤذن بھی متعین ہوں، تو اس میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ اور اگر ایسی مسجد ہے جس میں امام ومؤذن متعین نہیں ہیں، یا مسافروں کی گذرگاہ کی مسجد ہے، تو اس میں گذرنے والے مسافروں کے لئے جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے، اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی لوگ جماعت ثانیہ کریں، تو مکروہ تحریمی کے مرتکب ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا دیوبند ۱/ ۳۶۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۱۱۹، جدید ڈابھیل ۶/ ۴۳۵)

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة، وفي الشامية: يكره تحريما ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعاً كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، كراچی ۱/ ۵۵۲، زكريا ۲/ ۲۸۸)

ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون، فتكثر الجماعة، وإذا علمو أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق؛ لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدي إلى تقليل الجماعات، وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله؛ لأنه لا يؤدي إلى تقليل الجماعة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، قديم كراچی ۱/ ۱۵۳، كتاب الصلوة، تكرار الجماعة ، جديد زكريا ۱/ ۳۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۲۳ھ

نماز فجر طلوع شمس سے کتنی دیر پہلے پڑھی جائے؟

سوال [۱۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حنفی عقیدہ کے مطابق نماز فجر کی جماعت کس وقت قائم کرنا بہتر ہے؟

(۲) اگر امام مسجد فجر کی نماز اس وقت ادا کرے کہ دعا مانگنے کے بعد طلوع آفتاب میں صرف تین منٹ باقی ہوں، تو کیا حنفی عقیدہ میں امام صاحب کا یہ عمل روا ہے؟

(۳) کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کو اجالا پھیل جانے کے بعد ادا کیا کرتے تھے؟

المستفتی: ابرار حسین کاتب قانون گویا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نماز فجر کی جماعت سورج طلوع ہونے سے اتنی دیر قبل شروع کرنا مسنون ہے کہ قراءت مسنون کے ساتھ نماز ادا کر کے پھر فساد کی صورت میں دوبارہ جماعت قراءت مسنون کے ساتھ لوٹائی جاسکے، تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ طلوع آفتاب سے آدھا گھنٹہ قبل شروع کرنے سے سنت طریقہ حاصل ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند۲/۳۱، احسن الفتاوی، مکتبہ زکریا ص: ۱۴۱، فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/۲۸۲، جدید زکریا ۴/۸۰)

والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار، والختم به، هو المختار بحيث ...... أربعين آية، ثم يعيده بطهارة لو فسد. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، زكريا ٢/ ٣٤، كراچی ١/ ٣٦٦، وبألفاظ مختلفة، الجوهرة، كتاب الصلوة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ١/ ٥٠، إمداديه ملتان، ملتقى الأبحر شرح الدر المنتقى، كتاب الصلوة، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ١٠٧)

(۲) مذکورہ دلائل سے ظاہر ہوا کہ امام صاحب کو اتنی تاخیر بھی نہ کرنی چاہئے کہ جس سے فساد صلوۃ کی صورت میں اعادہ وقت کے اندر نہ ہوسکے؛ لہٰذا امام صاحب کا یہ طریقہ مستحب طریقہ کے خلاف ہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بار بار نماز فجر اجالا پھیل جانے پر پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

عن رافع بن خديج قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر، طبع هندي ١/ ٤٠، دارالسلام، رقم: ١٥٤، بألفاظ مختلفة، نسائي شريف، كتاب المواقيت، باب الإسفار، النسخة الهندية ١/ ٦٥، دارالسلام، رقم: ٥٤٠، مسلم شريف، كتاب المساجد، باب أوقات الصلواة الخمس، النسخة الهندية ١/ ٢٢٣، ابن ماجة شريف، أبواب مواقيت الصلوة، وقت صلوة الفجر، النسخة الهندية ١/ ٤٩،

دارالسلام، رقم: ٦٧٢، طحاوي شريف، كتاب الصلوة، باب التاذين للفجر، مكتبه أشرفيه ١/ ١٦، رقم: ١٠٦٨، مصنف ابن أبي شيبة، رقم: ٣٢٦١، مؤسسة علوم القرآن ١٣/ ١٢٧، مسند أبي داؤد الطيالسي دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥١١، رقم: ١٠٠١، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٧٧٨، رقم: ١٢٥٣، ١٢٥٤، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٤/ ١٩٦، رقم: ١٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۴۸۲)

طلوع شمس سے پندرہ منٹ قبل نماز فجر پڑھنا

سوال [۱۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں نماز فجر کے لئے سورج طلوع ہونے سے تقریباً ۱۵ر منٹ قبل کھڑے ہوتے ہیں، جب نماز کا سلام پھیرتے ہیں تو سورج طلوع ہونے میں کبھی ۲ر کبھی ۳ر منٹ باقی رہ جاتے ہیں اور کبھی سورج طلوع ہونے کے قریب ہوجاتا ہے اور کبھی اتنی تاخیر ہوجاتی ہے کہ مؤذن صاحب کو نماز فجر قصار مفصل سے پڑھانی پڑجاتی ہے، جس سے مقتدی حضرات کو نماز میں شبہ ہونے لگتا ہے، جس کی وجہ سے کئی مقتدی نماز فجر دوسری مسجد میں پڑھنے جاتے ہیں، یہ روزانہ کا معمول بنا ہوا ہے، کیا اس سے نماز میں کوئی فرق آجاتا ہے یا نماز بلا کراہت صحیح ہوجاتی ہے؟ نیز امام صاحب ہر نماز میں ۲ر یا ۳ر منٹ تاخیر سے آتے ہیں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد جمال، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی جماعت میں اتنی تاخیر کی گنجائش ہے کہ مسنون قراء

ت کے ساتھ نماز پڑھی جائے، پھر فاسد ہونے کی صورت میں سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اسی طرح مسنون قراءت کے ساتھ نماز کا اعادہ کر سکے؛ لہٰذا اس سے زیادہ اتنی تاخیر کرنا کہ اگر نماز فاسد ہوجائے تو مسنون طریقہ سے اعادہ کرنے کے لئے وقت باقی نہ رہے، خلاف اولی اور قابل ترک ہے۔ اور سوال نامہ میں جس قدر تاخیر کا ذکر ہے وہ انتہائی غیر مناسب ہے کہ اگر نماز فاسد ہوجائے تو اتنے تنگ وقت میں سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اعادہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی ہے؛ اس لئے مسجد کمیٹی اور امام صاحب کے مشترکہ مشورہ سے نماز کی جماعت کھڑی ہونے کے لئے وقت متعین کرلینا چاہئے اور امام صاحب کو حتی الامکان اس وقت کی پابندی کرنی چاہئے۔

عن رافع بن خديج قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر، طبع هندي ١/ ٤٠، رقم: ١٥٤)

يستحب تأخير الفجر، ولا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس، بل يسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة. (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ٨٢، زكريا ١/ ٢٢١، هندية، كتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات، مكتبه زكريا قديم ١/ ٥٢، ٥٣، جديد ١/ ١٠٨)

ويستحب للفجر البداية مسفرا، بحيث يمكنه ترتيل أربعين آية، ثم الإعادة، أي ويمكنه إعادة الصلوة بقراءة المستحبة قبل طلوع الشمس إن ظهر فساد وضوءه، أي في آخر أجزاء صلوته. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه أعزازيه ديو بند ١/ ٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/ ۶/ ۱۴۳۱ھ

تین منٹ قبل نماز فجر شروع کرنا

سوال [۱۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص نماز فجر کے لئے مسجد ایسے وقت آتا ہے کہ ابھی سورج طلوع ہونے میں ۲-۳/منٹ باقی ہے، اتنے میں دو رکعت فرض پڑھی جاسکتی ہے، پڑھ لی جائے یا مکروہ وقت نکلنے کے بعد قضا پڑھے؟ میرے یہاں مذکورہ وقت کے اندر اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو ایک صاحب اس کی نیت توڑوا دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: ۲-۳/منٹ قبل ہی نماز پڑھنی بند کر دیں، حدیث کے حوالہ سے جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) اگر کوئی شخص ایسے وقت میں نماز پڑھتا ہے کہ سورج نکلنے والا ہے، اور جب نماز ختم کرتا ہے تو سورج طلوع ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کی نماز ادا ہو جائے گی یا بعد میں اعادہ ضروری ہوگا؟ جب کہ فجر کی نماز کامل واجب ہوئی ہے اور اس کی ادائے گی ناقص وقت میں ہو رہی ہے؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اسرار الحق وامیر احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سورج نکلنے میں ۲-۳/منٹ باقی ہے اور اتنی دیر میں سنت طریقہ سے دو رکعت سورج نکلنا شروع ہونے سے پہلے پڑھ کر فارغ ہو جانا ممکن ہے، تو پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر سورج نکلنا شروع ہونے سے قبل فراغت ممکن نہیں ہے، تو ایسے وقت میں نماز شروع کرنا ممنوع ہے۔

ولا تجوز الصلوة عند طلوع الشمس. (هدايه، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي ديوبند ١/ ٨٤)

نیز حدیث میں بھی یہی حکم آیا ہے جو اوپر لکھا جاچکا ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

ينهانا أن نصلي فيهن، وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة، حتى ترتفع. (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة، فيها، النسخة الهندية ١/ ٢٧٦، بيت الأفكار، رقم: ٨٣١)

(۲) ایسی صورت میں اس کی نماز ادا نہ ہوگی، بعد میں اعادہ واجب ہے۔

وكذا لا يتصور أداء الفجر مع طلوع الشمس عندنا حتى لو طلعت الشمس، وهو فى خلال الصلاة تفسد صلوته عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب بيان الوقت المكروه، زكريا ١/ ٣٢٩، كراچى ١/ ١٢٧)

ولو طلعت الشمس في خلال الفجر تفسد فجره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ٢/ ١٩/ رقم: ١٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۶۸)	۱۴۱۴/۳/۱۹ھ

فجر کا وقت تنگ ہونے کی صورت میں پہلے فرض پڑھیں یا سنت؟

سوال [۱۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی نماز کے لئے ہم کھڑے ہوئے، وقت بہت کم ہے، بس صرف اتنا وقت ہے کہ مشکل سے دو رکعت فرض کی ادائے گی ہو سکتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا کریں، فرض پڑھیں یا سنت؟ اگر پہلے فرض پڑھیں تو سنت کو کب پڑھیں؟ لیکن کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں کہ فجر کی سنت جب تک نہ پڑھیں تو فرض بھی نہیں پڑھ سکتے، کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد دانش محلّہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف اتنا وقت باقی ہے کہ بمشکل دو رکعت فرض

پڑھنے کی امید ہے، تو ایسی صورت میں فجر کی سنت ترک کر کے فرض پڑھنے کا حکم ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ سنت کے بغیر فرض فجر نہیں پڑھ سکتے۔

وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل (تحته في الشامية) : وإذا ترك لخوف فوت الجماعة، فالأولى أن تترك لخوف خروج الوقت. (شامي، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الاساءة دون الكراهة، زكريا ۲/ ۵۱۰، كراچی ۲/ ۵۶)

فإن خاف أن تفوته الفجر تركهما. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل وأما بيان ما يكره فيها، كراچی ۱/ ۲۸۶، زكريا ۱/) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱/ ۱۴۲۵ھ

طلوع شمس کے وقت پڑھی گئی نماز کا حکم

سوال [۱۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مسجد میں پہنچا فجر کی نماز ہو چکی تھی، اس نے وقت دیکھا نہیں اور فجر کی نماز پڑھ لی، بعد میں معلوم ہوا کہ زید نے جس وقت فجر کی نماز پڑھی ہے اس وقت سورج نکل رہا تھا، معلوم یہ کرنا ہے کیا کوئی قول فقہاء کا ایسا ملتا ہے کہ زید کی نماز اس حال میں پڑھی ہوئی ادا ہوگئی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کو یقین سے معلوم ہوا ہے کہ سورج نکلنے کے وقت فجر کی نماز پڑھی گئی ہے، تو اس کا اعادہ کرنا اس کے اوپر واجب ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني قال: ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن، وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة، حتى

ترتفع. (سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية الصلوة على الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها، طبع هندي ۱/ ۲۰۰، دارالسلام، رقم: ۱۰۳۰، سنن أبي داؤد، باب الدفن عند طلوع الشمس وعند غروبها، طبع هندي ۲/ ٤٥٤، دارالسلام، رقم: ۳۱۹۳، سنن النسائي، الصلوة، باب الساعات التي نهى عن الصلاة فيها، طبع هندى ۱/ ٦٥، دارالسلام، رقم: ٥٦٠، ٥٦٥، ٢٠١٣)

وكذا لا يتصور أداء الفجر مع طلوع الشمس عندنا حتى لو طلعت الشمس، وهو فى خلال الصلاة تفسد صلوته عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب بيان الوقت المكروه، زكريا ۱/ ۳۲۹، كراچى ۱/ ۱۲۷)

الأوقات المكروهة نوعان: الأول: الشروق، والاستواء، والغروب إلى قوله: فالنوع الأول: لا ينعقد فيه شيء من الصلوات التي ذكرناها إذا شرع بها فيه، وتبطل إن طرأ عليها. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچى ۱/ ۳۷۳، زكريا ديوبند ۲/ ۳٤)

ولا يجوز أي لا يصح صلوة، أي فرض ...... عند طلوعها، أي مع طلوع الشمس. (شرح النقاية، كتاب الصلوة مكتبه إعزازيه ديوبند ۱/ ٥٥، ٥٦)

ولا يجوز الفرض عند طلوع الشمس. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول فى المواقيت، زكريا ۲/ ۱٤، رقم: ۱٥۱۷)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۳/۳/۲۴)	۱۴۲۹/۱۱/۱ھ

نماز فجر میں آفتاب نکل آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۴/ محرم الحرام مطابق ۱۹/ اپریل بروز پیر امام صاحب نے فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں

سورۂ ''عم'' اور دوسری رکعت میں سورۂ ''طارق'' پڑھی، ابھی دوسری رکعت کے رکوع ہی میں تھے کہ اچانک اعلان کی آواز سنائی دی کہ نماز کا وقت ختم ہوگیا، آیا اس صورت میں نماز درست ہوئی یا نہیں؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شاہنواز، ساکن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعتاً دوران نماز فجر کا وقت ختم ہو چکا ہے جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے، تو یہ نماز فاسد ہوگئی، اس کا اعادہ لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم زکریا ۴/ ۴۷)

عن عقبة بن عامر الجهني يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة، حتى ترتفع. (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة، فيها، النسخة الهندية ١/ ٢٧٦، بيت الأفكار، رقم: ٨٣١، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٨٩٨، رقم: ١٤٧٢، سنن ابن ماجة، الصلوة، باب ماجاء فى الأوقات التي لا يصلي فيها على الميت ولا يدفن، النسخة الهندية ١/ ١٠٩، دارالسلام، رقم: ١٥١٩)

بخلاف الفجر (تحته في الشامية:) فإنه لا يؤدى فجر يومه وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل، فوجبت كاملة، فتبطل بطروّ الطلوع، الذي هو وقت فساد. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ٢/ ٣٣، كراچی ١/ ٣٧٣)

وفجر اليوم حيث لا يجوز عند الطلوع. (شرح النقاية، كتاب الصلوة مكتبه اعزازيه ١/ ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱/۱۴۲۲ھ

صبح صادق کے بعد سنت فجر کے علاوہ دوسری نفل نماز پڑھنا

سوال [۱۶۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی اذان کے بعد گھر سے وضو کرکے مسجد جا کر کیا تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل مسجد میں بیٹھنے سے پہلے فجر کی دو سنتوں سے قبل پڑھی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ کیا نماز فجر کے فرضوں سے پہلے کی دو سنتیں گھر سے پڑھ کر مسجد جا کر وہاں تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل پڑھی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: احقر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صبح صادق سے فجر کے فرض پڑھنے کے درمیان فجر کی دو سنت مؤکدہ کے علاوہ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو یا اور کوئی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا اگر فجر کی سنتیں گھر پر پڑھ لی ہیں تو مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۶۱)

عن حفصة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله ﷺ إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين. (مسلم، باب استحباب ركعتي سنة الفجر ...... النسخة الهندية ۱/ ۲۵۰، بيت الأفكار، رقم: ۷۲۳)

وركعتان أو أربع وهي أفضل لتحية المسجد إلا إذا دخل فيه بعد الفجر أو العصر. (شامي، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد، كراچی ۲/ ۱۸، زكريا ۲/ ۴۵۸)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلوة بعد الفجر إلا سجدتين. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين، طبع هندي ۱/ ۹۶، دارالسلام، رقم: ۴۱۹)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳، رقم: ۴۷۵۶، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۶۶، رقم: ۱۸۱، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۱۲/ ۳۴۱، رقم: ۱۳۲۹۱، ۱۳/ ۳۰، رقم: ۶۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۳۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۴ھ

نماز فجر کے بعد سنت فجر، نیز عصر وفجر کے بعد ’’تحیۃ الوضو‘‘ پڑھنے کا حکم

سوال [۱۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر نماز فجر کی جماعت اول وقت میں ہورہی ہے، جیسے کہ رمضان المبارک میں ہوتی ہے، ایک شخص پہنچا اور دیکھا کہ جماعت چھوٹ جائے گی، تو وہ جماعت میں شریک ہوگیا اور نماز فجر کی سنت کو چھوڑ دیا اور جماعت ختم ہونے کے بعد ایک گھنٹہ سے زائد جو نماز فجر کا وقت باقی ہے، تو کیا وہ شخص اس بچے ہوئے وقت میں اسی فجر کی سنت کو جو چھوڑ دیا تھا ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کیا فجر اور عصر کے وقت میں آدمی تحیۃ الوضو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی چھوٹی ہوئی سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے، چاہے جماعت ختم ہونے کے بعد وقت میں ایک آدھ گھنٹہ کی گنجائش ہی کیوں نہ ہو، نیز طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ تحیۃ الوضو یا دیگر نفل نمازیں پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح عصر کی جماعت کے بعد غروب تک کسی قسم کی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص فجر کی سنت پڑھتے ہوئے تحیۃ الوضو کی بھی

نیت کرلے تو اسے تحیۃ الوضو کا بھی ثواب حاصل ہو جائے گا اور عصر کی نماز سے پہلے تحیۃ الوضو پڑھنا جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

عن ابن عمر -رَضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلوة بعد الفجر إلا سجدتين. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين، طبع هندي ١/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤١٩)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين. (مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٣، رقم: ٤٧٥٦، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٦٦، رقم: ١٨١، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ١٢/ ٣٤١، رقم: ١٣٢٩١، ١٣/ ٣٠، رقم: ٦٤)

وأما إذا فاتت وحدها، فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح. (شامي، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش، كراچی ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١٢)

ويكره أن يتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتي الفجر؛ لأنه عليه السلام لم يزد عليهما مع حرصه على الصلوة. (هداية، كتاب الصلاة، أشرفی ديوبند ١/ ٧٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۵)

فجر کے وقت میں سنت وفرض کے علاوہ دیگر نماز پڑھنا

سوال [۱۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کے وقت میں سنت اور فرض کے علاوہ یعنی سنت اور فرض کے درمیان یا سنتوں سے قبل کوئی اور نماز پڑھ سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صبح صادق کے بعد سورج طلوع ہونے تک فجر کی سنت کے علاوہ دیگر نوافل نہ پڑھنے چاہئیں، سنت فجر سے پہلے یا سنت کے بعد فرض سے پہلے یا فرض کے بعد، سورج نکلنے سے پہلے، تمام شکلوں میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے؛ البتہ اگر ذمہ میں قضا نماز ہو تو پڑھ سکتے ہیں۔

عن حفصة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله ﷺ إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين. (نسائي شريف، الصلاة، بعد طلوع الفجر، النسخة الهندية ١/ ٢٥٤، دارالسلام، رقم: ٥٨٣)

عن ابن عمر –رَضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلوة بعد الفجر إلا سجدتين. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين، طبع هندي ١/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤١٩)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين. (مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٣، رقم: ٤٧٥٦، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٦٦، رقم: ١٨١، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ١٢/ ٣٤١، رقم: ١٣٢٩١، ١٣/ ٣٠، رقم: ٦٤)

وكذا الحكم من كراهة نفل، وواجب لغيره لا فرض، وواجب لعينه بعد طلوع فجر سوى سنته. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ١/ ٣٧٥، زكريا ٢/ ٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۸/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۱۹ھ

طلوع شمس اور نماز فجر کے درمیان سنن ونوافل پڑھنا

سوال [۱۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”ندائے شاہی“ کے توسط سے آپ کے شذرات قلم اور شاہکار تحریریں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے دین کی خدمات کا عظیم کام لے رہا ہے، ”اللہ کرے زور قلم اور زیادہ“۔

آپ کی خدمت میں کچھ سوالات لے کر حاضر ہوا ہوں، امید ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب باصواب عنایت فرمائیں گے۔

(۱) احناف کے مسلک کے مطابق یہ مسئلہ ہے کہ جس شخص کی فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو وہ انہیں طلوع آفتاب کے بعد ادا کرے اور اسی پر ہمارا عمل ہے، مگر ہوتا یہ ہے کہ کاروبار اور دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب کا انتظار کرنا گراں ہوتا ہے اور لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوجاتے ہیں، جس کی وجہ سے فجر کی چھوٹی ہوئی سنتوں کو ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا اور یہ سنتیں رہ جاتی ہیں، اس اندیشہ سے بچنے کے لئے اگر کوئی شخص فجر کی نماز کے بعد متصلاً ان سنتوں کو ادا کرے، تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ فجر کی نماز کے بعد نفل نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، مگر یہ تو سنت نماز ہے اور وہ بھی سنت مؤکدہ۔

المستفتی: شفیق احمد، گوگاوان، ضلع کھرگون، مدھیہ پردیش
مطابق ۵رمئی ۲۰۰۵ء بروز جمعرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی نماز اور طلوع شمس کے درمیان چھوٹی ہوئی سنتوں کا پڑھنا یا کسی طرح کی دیگر سنن ونوافل کا پڑھنا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، تجارت اور دنیاوی مشاغل کی ضروریات کی وجہ سے ان اوقات میں پڑھنے کی گنجائش نہیں ہوگی؛ بلکہ جو سنتیں پڑھنا چاہیں وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ سکتے ہیں، اگر کوئی شخص نہ پڑھ سکے تو اس پر گناہ بھی

نہیں ہے؛ اس لئے کہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھنے کی صورت میں علماء نے کہا ہے کہ سنت کے بجائے نفل میں تبدیل ہوجائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ سنتیں فرض کے تابع ہوا کرتی ہیں، جب فرض کی قضاء نہیں ہوئی تو وقت نکلنے کے بعد سنت کی قضاء ساقط ہوجاتی ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ١/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤٢٣)

وأما إذا فاتت وحدها لا تقضى عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: تقضى إذا ارتفعت الشمس قبل الزوال. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، السنن هل تقضى أم لا؟، مطبوعه زكريا ديوبند ١/ ٦٤٣، كراچی ١/ ٢٨٧، تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، ملتان ١/ ١٨٣، زكريا ١/ ٤٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۲۶ھ

فجر کی سنتوں کا وقت کب تک رہتا ہے؟

سوال [۱۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی سنتوں کا وقت کب تک رہتا ہے؟ کوئی ۱۰/بجے اور کوئی گیارہ بجے تک وقت بتاتا ہے، صحیح کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد احمد شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی سنت چھوٹ جانے پر ان کی قضاء نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص چاہے تو بطور نفل سنت کی نیت سے طلوع آفتاب کے بعد سے لے کر زوال سے پہلے پہلے پڑھ سکتا ہے۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ١/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤٢٣، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٣/ ٣٢١، رقم: ٢٤٦٩، المستدرك، كتاب التطوع، قديم ١/ ٤٠٨، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٢/ ٤٤٦، رقم: ١١٥٣)

لا يقضيها إلا بطريق التبعية. (درمختار) **تحته في الشامية: أما إذا فاتت وحدها، فلا تقضي قبل طلوع الشمس بالإجماع -إلى- وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها إلى الزوال قيل هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله أحب إلي دليل على أنه لو لم يفعل لا لوم عليه، وقالا: لا يقضي، وإن قضى فلا بأس به، وكان نفلا.** (شامي، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة، زكريا ٢/ ٥١٢، كراچی ٢/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

وقت زوال کی تحقیق

سوال [۱۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) وقت زوال ضحوۂ کبریٰ ہے یا نصف النہار؟
(۲) وقت زوال کتنی دیر رہتا ہے؟
(۳) وقت زوال سے کتنی دیر پہلے نماز پڑھے، کتنی دیر بعد؟

المستفتی: مستری رفیع الدین شمسی، آر ایس ریپرنگ شاپ بجنور روڈ کوتوالی دیہات، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نصف النہار کی دو قسمیں ہیں: (۱) نصف النہار شرعی، اس کو ضحوۂ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے، جو زوال سے کچھ پہلے ہوتا ہے۔

(۲) نصف النہار عرفی: جس میں ہر چیز کا سایۂ اصلی اس کے بالکل نیچے اور برابر میں ہوتا ہے، جس میں ایک انچ نہ مشرق کی طرف ہوتا ہے اور نہ مغرب کی طرف، یہی وہ وقت ہے جس میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور اسی وقت کو ہمارے عوام کے عرف میں زوال کا وقت بھی کہا جاتا ہے، جس میں نماز جائز نہیں۔

المراد بالنهار الشرعي، وهو من أول طلوع الصبح إلى غروب الشمس، وعلى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به ...... وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي، وهو الضحوة الكبرى إلى الزوال. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ۲/ ۳۱، كراچی ۱/ ۳۷۱)

فإذا وقف لا يزداد ولا ينتقص، فهو وقت الزوال. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، بيان وقت الفجر والظهر، زكريا ۱/ ۳۱۷، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۵، رقم: ۱۴۹۲)

(۲-۳) وقت زوال کی مقدار اس قدر نہیں ہوتی کہ اس میں کوئی نماز ادا کی جا سکے؛ بلکہ یہ رائج الوقت گھڑی کے اعتبار سے ایک دو منٹ بھی مشکل سے ہوتی ہے؛ لیکن احتیاطاً پانچ منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد میں کل تقریباً دس منٹ تک نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۱۳۸، فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۲۸۴، جدید زکریا ۴/ ۸۶، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۲۳۷، جدید ڈابھیل ۵/ ۳۶۲)

ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلوة فيه، فلعل المراد أنه لا تجوز

الصلوة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ۲/ ۳۱، کراچی ۱/ ۳۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۲۴/۳۵)

استواء شمس کی مقدار

سوال [۱۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استواء شمس جس کو بعض حضرات وقت زوال کہتے ہیں، جس میں نماز پڑھنا منع ہے، کتنے منٹ کا ہوتا ہے؟ اس مسئلہ کو وضاحت سے لکھ دیں کہ کتنے وقت تک نماز سے رکے رہیں۔

المستفتی: مولانا عبد الباسط مظاہری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نصف النہار کا وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے؛ لیکن علماء نے اس کے لئے تقریباً دس منٹ کا وقت مقرر کیا ہے، پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد میں ہو اور احتیاط اسی میں ہے کہ دس منٹ قبل اور پانچ سات منٹ بعد میں کل پندرہ سولہ منٹ کا وقفہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۲۸۴، جدید زکریا ۴/ ۸۶)

واستواء التعبير به أولى من التعبير بوقت الزوال –إلى– وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلوة فيه –إلى– وعلى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ۲/ ۳۱، کراچی ۱/ ۳۱۷)

فإذا وقف لا يزداد ولا ينتقص، فهو وقت الزوال. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، بيان وقت الفجر والظهر، زكريا ١/ ٣١٧، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ٢/ ٥، رقم: ١٤٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۳/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۳/۱۴۱۵ھ

زوال کی ابتدا وانتہا

سوال [۱۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زوال کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ زوال کا وقت بیس منٹ تک رہتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ زوال کا وقت صرف ایک منٹ تک رہتا ہے؛ لہٰذا ہمیں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

المستفتی: شہادت حسین مدرسہ سلیمانیہ شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نصف النہار کا اصل وقت صرف ایک ڈیڑھ منٹ کا ہوتا ہے، اس کو وقت زوال بھی کہا جاتا ہے، اس ایک ڈیڑھ منٹ کے بعد سورج کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن احتیاط کے طور پر دو تین منٹ اس سے پہلے، دو تین منٹ اس کے بعد نماز نہ پڑھی جائے، تاکہ شکوک وشبہات باقی نہ رہیں، یہ کل ملا کر سات، آٹھ منٹ کا وقت ہوتا ہے، جس میں نماز نہ پڑھنی چاہئے، اس سے پہلے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ زوال کا وقت صرف ایک منٹ تک رہتا ہے، یہ معنی حقیقی کے اعتبار سے صحیح ہے۔

وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب

انتصاف النهار بلا فصل. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ٢/ ٣١، كراچی ١/ ٣٧١، شامي نعمانيه ١/ ٢٤٨)

وأصح ما قيل في معرفة الزوال قول محمد بن شجاع البلخي: أنه يغرز عودا مستويا في أرض مستوية، ويجعل على مبلغ الظل منه علامة، فما دام الظل ينتقص من الخط فهو قبل الزوال، فإذا وقف لا يزداد ولا ينتقص فهو وقت الزوال، وإذا أخذ الظل في الزيادة فالشمس قد زالت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، بيان وقت الفجر والظهر، زكريا ١/ ٣١٧، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ٢/ ٥، رقم: ١٤٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۲/۱۴۲۶ھ

نصف النہار، وقت زوال اور ضحوۃ الکبریٰ کی تشریح

سوال [۱۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک جنتری بہت سی جگہ دیکھنے میں آرہی ہے، جس میں زوال سے تقریباً پون گھنٹے پہلے ضحوۃ الکبریٰ کا ذکر ہے، بعض مسجدوں میں اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اب نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ حالانکہ نصف النہار جس کو وقت زوال کہا جاتا ہے اس میں ابھی تقریباً پون گھنٹہ باقی ہے، تو مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ کیا وقت زوال سے پون گھنٹہ پہلے کوئی بھی نماز پڑھنا ممنوع ہوجاتا ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمایئے کہ نصف النہار، وقت زوال اور ضحوۃ الکبریٰ تینوں ایک ہی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟ اور شریعت میں جس وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے وہ وقت کون سا ہے؟ متعین فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل جواب لکھنے سے پہلے یہ بات واضح کردینا مناسب

ہے کہ نصف النہار کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں فقہاء نے واضح فرمایا ہے کہ نصف النہار دو طرح سے ہوتا ہے: نصف النہار شرعی، نصف النہار عرفی۔

(۱) نصف النہار شرعی: اس کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب کے درمیان کا وقت نصف النہار شرعی ہے اور صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ یعنی ۹۰ منٹ کا وقت ہوتا ہے، یہ وقت بھی نہار شرعی کے اندر داخل ہوتا ہے، مثلاً آج پونے پانچ بجے صبح صادق ہوتی ہے اور طلوع شمس چھ بج کر پندرہ منٹ پر ہوا ہے اور غروب آفتاب چھ بج کر ۳۵ منٹ پر ہوا ہے، تو آج کا پورا یوم شرعی ۱۳ گھنٹہ ۵۰ منٹ کا ہے، تو اس کا آدھا نصف النہار شرعی کہلائے گا، اور آدھے میں چھ گھنٹہ ۵۵ منٹ ہوئے تو اس حساب سے پونے بارہ بجے نصف النہار شرعی واقع ہوا ہے اور اسی کو ''ضحوۃ الکبریٰ'' بھی کہا جاتا ہے، اس کے تقریباً ۴۰-۴۵ منٹ کے بعد وقت زوال ہوگا، مثلاً ۱۲ بج کر ۲۵ منٹ پر وقت زوال ہے، تو معلوم ہوا کہ آج کے یوم کے اعتبار سے نصف النہار شرعی پونے بارہ بجے ہے اور اسی کو ''ضحوۃ الکبریٰ'' بھی کہا جاتا ہے اور اس ضحوۃ الکبریٰ سے پہلے پہلے روزہ کی نیت کرنا صحیح ہے اور اس وقت کے شروع ہونے کے بعد روزہ کی نیت کرنا درست نہیں، مگر کوئی بھی نماز پڑھنا نصف النہار شرعی کے بعد بھی جائز ہے۔

فيصح أداء صوم رمضان، والنذر المعين، والنفل بنية من الليل إلى الضحوة الكبرى لا بعدها ولا عندها اعتبار الأكثر اليوم. (وتحته في الشامية) المراد بها النصف النهار الشرعي، والنهار الشرعي من استطارة الضوء في أفق المشرق إلى غروب الشمس –إلى قوله– لأن الزوال نصف النهار من طلوع الشمس ووقت الصوم من طلوع الفجر كما في البحر عن المبسوط، قال في الهادية، وفي الجامع الصغير: قبل نصف النهار وهو الأصح؛ لأنه لا بد من وجود النية في أكثر النهار، ونصفه من وقت طلوع الفجر إلى وقت الضحوة الكبرىٰ، لا وقت الزوال، فتشترط النية قبلها

لتتحقق في الأكثر –إلى قوله– قد علمت أن النهار الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب، واعلم أن كل قطر نصف نهاره قبل زواله بنصف حصة فجره، فمتى كان الباقي للزوال أكثر من هذا النصف صح، وإلا فلا تصح النية –وقوله– وإذا نوى الصوم من النهار ينوى أنه صائم من أوله حتى لو نوى قبل الزوال أنه صائم من حين نوى لا من أوله لا يصير صائماً.

(الدرالمختار مع الشامي زكريا ۳/ ۳۳۸-۳٤١، کراچی ۱/ ۳۷۷)

(۲) نصف النہار عرفی اور نصف النہار شمسی: اس کا مطلب یہ ہے کہ طلوع شمس سے لے کر غروب آفتاب کے درمیان کا وقت جس میں ہر چیز کا سایۂ اصلی اس چیز کے ٹھیک برابر نیچے ہوتا ہے اور ذرا سا بھی ڈھل جائے تو اسے زوال کا وقت کہا جاتا ہے؛ لہٰذا آج سوا چھ بجے سورج طلوع ہوا اور چھ بج کر ۳۴ رمنٹ پر غروب ہوا ہے، تو آج کا پورا یوم عرفی ۱۲ رگھنٹہ ۲۰ ر منٹ کا ہوا، تو اس کا نصف النہار ٹھیک بارہ بج کر ۳۵ رمنٹ ہے؛ لہٰذا بارہ بج کر ۳۵ رمنٹ پر وقت زوال ہے؛ اس لئے یہی نصف النہار عرفی ہوا، اس وقت کوئی بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، اس کو اصطلاح میں ''نصف النہار'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور وقت زوال، استواء الشّمس اور فئ الزوال بھی کہا جاتا ہے، یہ صرف ایک ڈیڑھ منٹ کا وقت ہوتا ہے، جس میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا اور احتیاطاً ۲ رمنٹ پہلے اور ۲ رمنٹ بعد کا ۵-۶ رمنٹ کا وقت ایسا ہوتا ہے جس میں نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس وقت سے پہلے پہلے کوئی بھی نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ ضحوۃ الکبریٰ جس کو نصف النہار شرعی کہا جاتا ہے ایک مستقل وقت ہوتا ہے، اس سے ہٹ کر وقت زوال جس کو فئ الزوال اور نصف النہار عرفی بھی کہا جاتا ہے، بالکل الگ دوسرا وقت ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان تقریباً ۴۵ رمنٹ کا فاصلہ ہوتا ہے اور نصف النہار شرعی جس کو ضحوۃ الکبریٰ کہا گیا ہے، اس وقت کے شروع ہوجانے کے بعد نفل روزہ، نذر معین اور رمضان کے روزوں کی نیت درست نہیں ہوتی، مگر کوئی بھی نماز پڑھنا بلا شبہ جائز ہوتا ہے۔ اور نصف النہار عرفی جس کو وقت زوال کہا جاتا ہے،

اس سے پہلے کوئی بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور بعض جنتریوں میں مجمل بات لکھنے کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ضحوۃ الکبریٰ شروع ہونے کے بعد نماز بھی جائز نہیں ہے، یہ راجح اور مفتی بہ قول کے خلاف ہے۔ اب حاصل یہ نکلا کہ ضحوۃ الکبریٰ سے پہلے پہلے روزہ کی نیت درست ہے اور اس کے شروع ہونے کے بعد روزہ کی نیت درست نہیں، مگر اس کے بعد کوئی بھی نماز وقت زوال سے پہلے پہلے تک پڑھنا جائز ہے۔

"واستواء" التعبير به أولى من التعبير بوقت الزوال –إلى قوله– وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هذا القدر من الزمن لا يمكن أداء صلاة فيه، فلعل المراد أنه لاتجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان –إلى قوله– في القهستاني: القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ماوراء النهر.

(شامي زكريا ۲/ ۳۱، كراچی ۱/ ۳۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۸۷)	۱۴۳۶/۶/۱۱ھ

ظہر کی نماز کس وقت پڑھی جائے؟

سوال [۱۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں ہمیشہ بارہ مہینہ ظہر کی نماز دو بجے ہوتی چلی آئی ہے؛ لیکن اب سے قریب دو سال پہلے کچھ نمازیوں کا ارادہ ایک بجے نماز پڑھنے کا ہوا اور کچھ کا خیال یہ تھا کہ جیسے پہلے سے دو بجے ہوتی چلی آئی ہے اسی طرح دو بجے ہی ہوتی رہے، دونوں نمازیوں نے ایک شخص کے اوپر بات رکھ دی کہ جو یہ طے کردیں گے وہ سب کو منظور ہوگا، چنانچہ مقرر کردہ شخص

نے ڈیڑھ بجے کے لئے ظہر کی نماز کا وقت مقرر کر دیا تھا اور جب سے ڈیڑھ بجے ہی نماز ظہر ہوتی چلی آئی ہے؛ لیکن اب وہ لوگ ایک بجے کا ٹائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اور دوسری طرف کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو ٹائم مقرر ہو گیا تھا اسی ٹائم پر نماز ہوتی رہے، آیا ایسی شکل میں ایک بجے ظہر کی نماز پڑھنا افضل ہے یا ڈیڑھ بجے؟ یا ان دونوں ٹائموں سے ہٹ کر کوئی اور ٹائم افضل ہے؟ اس مذکورہ مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

المستفتی: شفیق احمد، مجاہد اعظم، محمد یوسف، محمد صدیق، عبداللطیف، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں آتا ہے کہ سردیوں میں ظہر میں تعجیل افضل ہے اور گرمیوں میں تاخیر افضل ہے؛ لہٰذا گرمیوں میں ڈیڑھ بجے پڑھنے پر اصرار کرنے والوں کی بات مانی جائے اور سردیوں میں ایک بجے پر اصرار کرنے والوں کی بات مانی جائے۔

حدثنا أبو خلدة، هو خالد بن دينار، قال: سمعت أنس بن مالك يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا اشتد البرد بكر بالصلوة، وإذا اشتد الحر أبرد بالصلوة. (بخاري، كتاب الجمعة، باب إذا اشتد الحر يوم الجمعة، طبع هندي ١/ ١٢٤، رقم: ٨٩٦، ف: ٩٠٦، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٨٩٠، رقم: ١٨٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۷/ ۱۴۱۸ھ

جمعہ کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

سوال [۱۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جمعہ کی نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ خطبہ کی اذان سے پہلے یا خطبہ کی اذان کے بعد سے؟

المستفتی: غیاث الرحمٰن ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ ظہر کا وقت رہتا ہے۔ اور اس کے بعد ختم ہوجاتا ہے اور جمعہ کی اذان وقت کے شروع ہوجانے کے بعد ہوتی ہے اور نماز اس وقت پڑھی جائے گی، جب کہ اذان ثانی کے بعد خطبہ ہوجائے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عيه وسلم كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس، طبع هندي ١/ ١٢٣، رقم: ٨٩٤، ف: ٩٠٤)

عن إياس بن سلمة بن الأكوع، عن أبيه قال: كنا نجمع مع رسول الله ﷺ إذا زالت الشمس، ثم نرجع نتتبع الفيء. (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، طبع هندي ١/ ٢٨٣، بيت الأفكار، رقم: ٨٦٠)

ومن شرائطها: الوقت، فتصح في وقت الظهر، ولا تصح بعده، لقوله عليه السلام: إذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة، ومنها: الخطبة، وهي قبل الصلوة بعد الزوال. (هداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، جيسوري ١/ ١٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۱۴ھ

نصف النہار کے وقت تلاوت قرآن، نماز جنازہ اور نکاح پڑھانے کا حکم

سوال [۱۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بارہ بجے قرآن شریف وجنازہ ونکاح پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھا سکتے ہیں، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: بابو خاں، محلّہ مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ۱۲؍ بجے سے مراد نصف النہار کا وقت ہے، تو اس وقت میں عقد نکاح کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممنوع نہیں ہے، ہاں البتہ نماز جنازہ پڑھنا اور آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔

ولا تجوز الصلوة عند طلوع الشمس، ولا عند قيامها في الظهيرة: (إلى قوله) ولا صلوة جنازة لما روينا، ولا سجدة تلاوة. (هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي ديو بند ١/ ٨٤)

ولا يجوز صلوة وسجدة تلاوة، وصلوة جنازة عند طلوعها وقيامها، أي حال استوائها. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه إعزازيه ١/ ٥٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۱۳ھ

مثل اول معلوم کرنے کا طریقہ

سوال [۱۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ عصر کی نماز عموماً مثلین کے بعد پڑھتے ہیں اور نقشہ اوقات نماز میں شروع وقت عصر لکھا ہوتا ہے؛ لیکن اگر ہم کو سفر کی مجبوری کی وجہ سے کبھی نماز عصر مثل اول کے بعد پڑھنی پڑے جیسا کہ مفتیان کرام نے اجازت دی ہے، تو مثل اول کے ختم کی تعیین کس طرح کریں؟ شروع وقت ظہر سے کتنے گھنٹے کے بعد مثل اول ختم ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں اگر دارالافتاء تعیین کردے تو ہم لوگوں کو بڑی سہولت ہوجائے گی۔

المستفتی: عبدالسلام، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفر کی مجبوری کی وجہ سے عصر کی نماز مثل اول کے ختم ہونے کے بعد مثل ثانی کے شروع میں پڑھنے کی شرعاً اجازت ہے اور مثل اول کے معلوم کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جس وقت سورج بالکل سر پر پہنچ جائے اس وقت اس زمین میں ایک لکڑی گاڑ دی جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ اس کا کتنا سایہ ہے، پھر جب اس لکڑی کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ ایک مثل ہو جائے تو یہ مثل اول ہے اور دو مثل ہو جائے تو مثلین ہے، سفر کی ضرورت کی وجہ سے صاحبین کے قول کی وجہ سے مثل اول پر عصر کی نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۱۵۳، مطبع زکریا)

ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه السلام، كراچی ۱/ ۳۵۹، زكريا ۲/ ۱۴، هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، مكتبه أشرفيه ديو بند ۱/ ۸۱، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، مكتبه أشرفيه ديو بند، ص: ۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ / ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۳۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۱ھ

عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

سوال [۱۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید، بکر، خالد وغیرہ عصر کی نماز چار بجے ادا کرتے ہیں؛ لیکن عمر کہتا ہے کہ آپ کی نماز چار بجے نہیں ہوگی؛ لہٰذا قرآن وحدیث سے دلیل دے کر فیصلہ فرمائیں کہ چار بجے عصر کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ نیز عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

المستفتی: محمد رضوان، محلّہ پرانا بازار، ٹانڈہ، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر کے وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں، فقہاء نے دونوں قولوں کو صحیح اور مفتی بہ کہا ہے:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ عصر کا وقت دو مثل مکمل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اور دو مثل سے پہلے عصر کا وقت نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس قول کے مطابق دو مثل مکمل ہونے سے پہلے عصر کی نماز نہیں پڑھنی چاہئے اور اس قول کو امام ابوحنیفہؒ کا صحیح اور راجح قول قرار دیا گیا ہے اور یہی ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ اور ہمارے برصغیر میں اسی قول پر عمل ہوتا ہے اور عوام اسی کو جانتے ہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول جمہور کے قول کے مطابق ہے کہ عصر کا وقت ہر چیز کا سایۂ اصلی ایک مثل مکمل ہونے کے بعد شروع ہو جاتا ہے؛ لہٰذا اس قول کے مطابق دو مثل سے پہلے ایک مثل مکمل ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور یہی حضرت امام مالک، امام شافعی امام احمد بن حنبل اور حنفیہ میں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام طحاوی رحمہم اللہ وغیرہ کا قول ہے، ان سب کے نزدیک ایک مثل مکمل ہو جانے کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور عصر کی نماز شروع ہونے کے لئے دو مثل کی تکمیل کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کو بعض کتب فقہ میں مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا اس قول ثانی کے اعتبار سے زید، بکر اور خالد وغیرہ کی عصر کی نماز چار بجے صحیح اور درست ہے۔ اور عمر کا قول امام صاحبؒ کے قول اول کے مطابق ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے قول اول میں احتیاط زیادہ ہے۔ اور ہمارے ہندوستان میں عوام الناس کے درمیان یہی قول رائج اور مشہور ہے؛ اس لئے اس قول کے خلاف دو مثل سے پہلے برصغیر میں عصر کی نماز پڑھنا احتیاط کے خلاف ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک، ص: ۱۷۲، فتاوی رشیدیہ قدیم ۲۹۶-۲۹۹، جدید زکریا ۲۷۸-۲۸۱، امداد الفتاوی، زکریا ۱/۱۵۳)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: أمني جبرئيل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس، وكانت قدر الشراك، وصلى بي العصر حين كان ظله مثله ...... فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله، وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (أبو داؤد، كتاب الصلوة، باب في المواقيت، مطبع هندي ١/ ٥٦، دارالسلام، رقم: ٣٩٣)

عن عبدالله بن رافع مولى أم سلمة زوج النبي ﷺ أنه سأل أبا هريرة عن وقت الصلوة، فقال: أنا أخبرك صل الظهر إذا كان ظلك مثلك، والعصر إذا كان ظلك مثليك. (المؤطا للإمام مالك، باب وقوت الصلوة، اشرفي ديوبند، ص: ٣، رقم: ٩، مؤطا إمام محمد، باب وقوت الصلوة، مطبع ديوبند ١/ ٤١، رقم: ١، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٥٤٠، رقم: ٢٠٤١)

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، لبيان جبرئيل، وهو نص في الباب، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي (الدر المختار) قوله: إلى بلوغ الظل مثليه: هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح، بدائع ومحيط، وينابيع، وهو المختار غياثية -إلى- قوله: وعليه عمل الناس اليوم، أي فى كثير من البلاد، والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين، ليكون مؤديا للصلاتين في وقتهما بالإجماع. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه السلام، كراچی ١/ ٣٥٩، زكريا ٢/ ١٥، ومثله الفقه الإسلامي وأدلته، أوقات الصلوة، وقت الظهر، مطبوعه ديوبند ١/ ٥٧٠، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه

دیو بند، ص: ۲۲۷، معارف السنن، باب ماجاء في مواقيت الصلوة، أشرفي ديو بند ۲/ ۱۱)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۰۹)

حنفیہ کے نزدیک بھی ایک مثل پر عصر پڑھنا جائز ہے؟

سوال [۱۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے شہر میل وشارم میں مسلک اہل حدیث (غیر مقلدین) کی ایک مسجد ہے، اس کے امام ومؤذن اور اکثر مصلی حنفی ہیں اور اس مسجد میں سال بھر نماز عصر ساڑھے چار بجے پڑھی جاتی ہے، تو کیا ان لوگوں کی نماز ہو جائے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ذمہ داران مسجد میل وشارم، تامل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر کے ابتدائی وقت سے متعلق حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں: (۱) قول نمبر ایک یہ ہے: کہ دو مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس قول میں احتیاط کا پہلو غالب ہے۔ اور یہی حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایۃ ہے۔ اور اس کو قول صحیح بھی قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے اکثر متأخرین احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے ہندوستان میں بھی اسی قول پر عمل جاری ہے؛ لہٰذا حنفی مقتدیوں کو حنفی لوگوں کی مسجد ہی کو ترجیح دینی چاہئے اور انہیں کے ساتھ نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ البتہ اگر آس پاس میں حنفی مسجد نہ ہو تو غیر مقلدین کی مسجد میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول نمبر ۲ یہ ہے: کہ ایک مثل کے بعد سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، یہی حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام طحاوی رحمہم اللہ کا قول

ہے۔ اور حضرات ائمۂ ثلاثہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور بہت سے متاخرین احناف نے اسی قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ نے ”فتاوی رشیدیہ ص: ۲۹۶، ۲۹۹“ میں اسی قول کو زیادہ راجح اور قوی قرار دیا ہے، ہاں البتہ قول اول میں احتیاط کا پہلو غالب ہے؛ لہٰذا اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہونے کا جو قول ہے وہ صرف ائمۂ ثلاثہ کا نہیں ہے؛ بلکہ یہ حنفیہ کا بھی ایک مضبوط ترین اور مدلل قول ہے؛ اس لئے اگر حنفی امام مجبوری میں پورے سال مثل اول کے بعد عصر کی نماز پڑھاتا ہے، تو اس کی گنجائش ہوگی؛ البتہ دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھانے میں زیادہ احتیاط ہے؛ لہٰذا یہ اختلاف صرف احتیاط کا ہے، جائز وناجائز کا نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشدیہ قدیم ۲۹۶، ۲۹۹، جدید زکریا ۲۷۸، ۲۸۱، ایضاح المسالک، ۱۷۲)

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، لبيان جبرئيل، وهو نص في الباب، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي (الدر المختار) قوله: إلى بلوغ الظل مثليه: هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح، بدائع ومحيط، وينابيع، وهو المختار غياثية -إلى- قوله: وعليه عمل الناس اليوم، أي في كثير من البلاد، والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين، ليكون مؤديا للصلاتين في وقتهما بالإجماع. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه السلام، كراچی ۱/ ۳۵۹، زكريا ۲/ ۱۵، ومثله الفقه الإسلامي وأدلته، أوقات الصلوة، وقت الظهر، مطبوعه ديوبند ۱/ ۵۷۰، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۲۷، معارف السنن، باب ماجاء فی مواقيت الصلوة، أشرفی ديوبند ۲/ ۱۱)

وقت الظهر من زوال الشمس إلى مصير ظل كل شيء مثله، وهذا رأى الصاحبين المفتى به عند الحنفية والأئمة الثلاثة، وظاهر الرواية، وهي رأي أبي حنيفة أن آخر وقت الظهر أن يصير ظل كل شيء مثليه، إلا أن هذا الوقت هو وقت العصر بالاتفاق، فتقدم الصلاة عن هذا الوقت؛ لأن الأخذ بالاحتياط في باب العبادات أولى. (الفقه الإسلامي وأدلته، اوقات الصلوة، ، وقت الظهر، مطبوعه ديوبند ۱/ ۵۷۰، هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفى ديوبند ۱/ ۸۱، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۲۷، البحر الرائق، كتاب الصلوة، زكريا ۱/ ۴۲۵، كوئٹه ۱/ ۲۴۵، معارف السنن، باب ماجاء في مواقيت الصلوة، أشرفي ديوبند ۲/ ۱۱، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه السلام، كراچى ۱/ ۳۵۹، زكريا ۱/ ۲/ ۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۳۵ھ

حجاز مقدس میں عصر کی نماز مثل اول پر پڑھیں یا مثلین پر؟

سوال [۱۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پوری دنیا سے ہر سال لاکھوں حنفی افراد حج کرنے کے لئے جاتے ہیں اور احناف کے یہاں عصر کا وقت مثلین پر شروع ہوتا ہے، جب کہ حجاز مقدس میں خصوصاً مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً ہر مسجد میں عصر کی نماز مثل اول پر ہی ہوتی ہے، ایسی صورت میں احناف کیا کریں؟ مثل اول پر ہی باجماعت نماز ادا کریں یا مثلین پر اپنی الگ نماز پڑھیں؟ اور جن لوگوں نے حجاز مقدس میں مثل اول پر ہی عصر کی نماز باجماعت پڑھی ہے، تو کیا ان پر عصر کی نمازوں کا اعادہ کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: مفتی نعمت اللہ صاحب عباسی، جنرل اسٹور چوک گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حجاز مقدس میں حرمین شریفین اور دیگر مساجد میں مثل اول کے ختم پر نماز ادا کی جاتی ہے، حنفی مسلک کے لوگوں کے لئے حرمین شریفین کے ائمہ اور دیگر مساجد کے اماموں کے پیچھے عصر کی نماز ان ہی کے ساتھ ادا کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں: ایک قول وہی ہے جس پر برصغیر میں عمل ہوتا ہے، یعنی دو مثل کے بعد عصر کے وقت کا شروع ہونا اور یہی برصغیر میں مشہور اور معمول بہ ہے۔ اور امام صاحب کا دوسرا قول ائمۂ ثلاثہ اور جمہور کے قول کے مطابق ہے، یعنی ایک مثل کے بعد عصر کے وقت کا شروع ہوجانا اور یہی امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام طحاوی رحمہم اللہ کا قول بھی ہے؛ اس لئے حرمین شریفین میں مثلین کا انتظار کرکے وہاں کی جماعت کو ترک نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ وہاں کے ائمہ کے ساتھ بڑی جماعت میں شامل ہوکر عصر کی نماز ادا کرنا زیادہ بہتر ہوگا، ہمارے اکابر میں سے حضرت گنگوہیؒ نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۲۹۶-۲۹۹، جدید زکریا ۲۸۷-۲۸۱، امداد الفتاوی زکریا ۱/۱۵۳)

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، لبيان جبرئيل، وهو نص في الباب، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي (الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام، كراچی ۱/ ۳۵۹، زكريا ۲/ ۱۵)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمني جبرئيل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس، وكانت قدر الشراك، وصلى بي العصر حين كان ظله مثله ...... فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله، وصلى بي العصر حين كان ظله

مثلیه. (أبوداؤد، کتاب الصلوة، باب في المواقیت، طبع هندي ۱/ ۵٦، دارالسلام، رقم: ۳۹۳، سنن الترمذي، کتاب الصلوة، باب ماجاء في مواقیت الصلاة، طبع هندي ۱/ ۳۸، دارالسلام، رقم: ۱٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۴۱)

حرم میں حنفی شخص کے عصر میں اقتدا پر شبہ کا جواب

سوال [۱۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حرم پاک میں ائمہ حرمین غیر حنفی مقلد یا غیر مقلد ہیں، حنفی اور سلفی مسلک کے مطابق نمازوں کے اوقات میں خصوصاً نماز عصر کے وقت میں کافی فرق ہے، سلفی اور شافعی حضرات کے یہاں جب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، حنفی مسلک میں وہ وقت ابھی ظہر ہی کا ہوتا ہے، جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ حرمین میں امام کی اقتدا کی وجہ سے نماز عصر احناف کی بھی شافعی المسلک کے مطابق اسی وقت میں ادا ہو جاتی ہے، کیا کسی بھی نماز کو قبل از وقت ادا کیا جا سکتا ہے، جب کہ ابھی سایہ مثلین نہیں ہوا اور ابھی ظہر کا وقت ہے؟ اس مسئلہ میں تفصیلی روشنی ڈال کر جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: تسلیم احمد مولانا والی مسجد تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حجاز مقدس میں نماز عصر کا مسئلہ زیادہ اہم اور شک میں مبتلا کرنے والا نہیں ہے؛ اس لئے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام طحاویؒ وغیرہ مسلک حنفی کے اہم ترین ستون ہیں، ان کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کی طرح ایک مثل پر عصر کا وقت ہو جاتا ہے، ہاں البتہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دو قول ہیں: ایک قول حضرات صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے مطابق، ایک مثل پر عصر کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا قول دو مثل پر عصر کا

وقت ہوتا ہے اور دومثل والے قول کو ظاہر الروایۃ قرار دیا گیا ہے۔ اور متاخرین نے اس قول کو احتیاط کی بنا پر زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے؛ اس لئے حنفیہ اسی قول پر فتویٰ دیتے ہیں، ورنہ امام صاحب کا وہ قول جس میں ایک مثل پر عصر کا وقت ہونے کا ہے اور وہی حضرات صاحبین اور جمہور کا قول ہے۔ علامہ شامیؒ نے ''غرر الاذکار'' اور ''برہان'' اور ''فیض'' کے حوالہ سے مفتی بہ نقل کیا ہے؛ اس لئے ہندوستان میں تو ظاہر الروایہ پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ ہورہا ہے، مگر حجاز مقدس میں امام صاحبؒ کے قول اول اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے قول کے مطابق حرمین شریفین کے ائمہ کے ساتھ ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہوگا۔ اور حضرت گنگوہیؒ نے غیر حجاز میں بھی ایک مثل کے قول کو ترجیح دی ہے؛ اس لئے حجاز مقدس میں بلاتردد وہاں کے اماموں کے پیچھے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہئے، جزئیات ملاحظہ فرمائیے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک/۱۷۲، احسن الفتاوی ۲/ ۱۴۵، فتاوی رشیدیہ قدیم ۲۹۹، جدید زکریا ۲۷۸، ۲۸۱، انوار مناسک ۳۸۸)

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي، و في الشامية: وقوله: إلى بلوغ الظل مثليه: هذا ظاهر الرواية عن الإمام وهو الصحيح.

(شامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام، كراچی ١/ ٣٥٩، زكريا ٢/ ١٥، ومثله الفقه الإسلامي وأدلته، أوقات الصلوة، وقت الظهر، مطبوعه ديوبند ١/ ٥٧٠، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ٢٢٧، معارف السنن، باب ماجاء فی مواقيت الصلوة، أشرفی ديوبند ٢/ ١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۷۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

شافعی وقت میں نماز پڑھنا

سوال [۱۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر شافعی کی نماز کا وقت ہوا، اگر کسی حنفی کو ضرورت ہو یا کسی کام سے جانا ہو، تو کیا حنفی تنہا نماز شافعی وقت میں یعنی اول وقت میں پڑھ سکتا ہے، جب کہ جماعت سے نماز پڑھنے سے اس کی نماز ہو جاتی ہو؟

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل محلّہ جعفر بلڈنگ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شافعی وقت سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے سائل کی مراد ظہر یا عشاء کا وقت ہے، تو ایک مثل پر جو شافعی وقت کہلاتا ہے، اسی طرح شفق احمر کے غائب ہونے پر جو شافعی وقت کہلاتا ہے، اس کے مطابق امام ابو یوسف، امام محمد اور اکثر مشائخ رحمہم اللہ کا قول بھی ہے؛ اس لئے بوقت ضرورت نماز پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم زکریا ص: ۴۳، کفایت المفتی قدیم ۳/۲۴، جدید زکریا ۳/۶۴)

عن ابن عباس- رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: أمني جبرئيل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس، وكانت قدر الشراک، وصلى بي العصر حين كان ظله مثله ...... فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله، وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (أبو داؤد، كتاب الصلوة، باب في المواقيت، طبع هندي ١/ ٥٦، دارالسلام، رقم: ٣٩٣)

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الطحاوي: وبه نأخذ. (الدرالختار، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده، كراچی ١/ ٣٥٩، زكريا ٢/ ١٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۱۳)

عصر کی نماز سے فراغت کے بعد سورج غروب ہوگیا

سوال [۱۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر کی نماز اس قدر تاخیر سے پڑھی کہ نماز سے فارغ ہونے پر مغرب کی اذان ہوگئی، کیا اتنی تاخیر درست ہے؟

المستفتی: محی الدین، سہسپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر کی نماز مغرب سے اتنی دیر پہلے شروع کرنے کے بعد کہ نماز سے فارغ ہونے پر مغرب کی اذان ہوجائے تو نماز ہوجائے گی؛ اس لئے کہ جس وقت نماز شروع کی تھی وہ وقت ناقص تھا اور جب ختم ہوئی تب بھی ناقص ہی تھا۔

وغروب إلا عصر يومه، فلا يكره فعله لأدائه، كما وجب. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كوئٹه ١/ ٢٧٤، كراچی ١/ ٣٧٢، زكريا ٢/ ٣٢)

وعند غروبها إلا عصر يومه. (كبيري، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ٢٣٦، شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه إعزازيه ديوبند ١/ ٥٦، هدايه، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفى ١/ ٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴؍صفر ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۰/۲۳)

غروب آفتاب اور مغرب کا وقت ایک ہے یا الگ الگ؟

سوال [۱۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غروب آفتاب اور وقت مغرب میں کچھ فرق ہے یا دونوں باتیں ایک ہی ہیں، ایک عمل

ہے جوکہ سورج غروب ہوتے وقت کرنے کا ہے؛ اس لئے زحمت دے رہا ہوں، جواب عنایت کریں۔

المستفتی: شمس الرحمٰن بازار چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آفتاب غروب ہونے کے ساتھ ہی مغرب کا وقت شروع ہوجاتا ہے؛ لہٰذا غروب آفتاب اور مغرب کا اول وقت دونوں ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن للصلوة أولا وآخرا -إلى- وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس. (سنن الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء في مواقيت الصلوة، مطبع هندي ١/ ٣٩، دارالسلام، رقم: ١٥١)

وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس. (هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي ديو بند ١/ ٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۲۳)

مغرب کی اذان ونماز کے درمیان فاصلہ کی مقدار

سوال [۱۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ کی ایک مسجد کے ذمہ داروں کا یہ کہنا ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد کم ازکم پانچ منٹ کا وقفہ ضرور ملنا چاہئے؛ کیوں کہ اذان لوگوں کو مسجد میں آنے کی دعوت ہے: اس لئے اذان کے بعد نماز میں شرکت کے لئے پانچ منٹ کم ازکم دینا چاہئے۔ اور جو لوگ پہلے آئے ہیں وہ اس پانچ منٹ کے وقفہ میں ۲/ نفل پڑھ لیں، ہم اس سلسلہ میں دارالافتاء سے

وضاحت چاہتے ہیں، کیا مغرب میں واقعی اذان اور نماز کے درمیان کا فاصلہ اتنا کر سکتے ہیں، کوئی حرج تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان دو یا تین منٹ کا فاصلہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اور رمضان کے علاوہ دیگر ایام میں اس سے زیادہ فاصلہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے؛ اس لئے کہ عام دنوں میں نماز مغرب میں تعجیل کا حکم ہے۔

عن مرثد بن عبداللّٰہ قال: قدم علینا أبو أیوب غازیا، وعقبة بن عامر یومئذ علی مصر، فأخر المغرب، فقام إلیه أبو أیوب، فقال: ما هذه الصلوة یا عقبة؟ قال: شغلنا، قال: أما سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: لا تزال أمتي بخیر –أو قال: علی الفطرة– مالم یؤخروا المغرب إلی أن تشتبک النجوم. (سنن أبي داؤد، کتاب الصلوة، باب وقت المغرب، طبع هندي ١/ ٦٠، دارالسلام، رقم: ٤١٨، صحیح ابن خزیمة، المکتب الإسلامي ١/ ٢٠٦، رقم: ٣٣٩، المعجم الکبیر للطبراني، داراحیاء التراث العربي ٤/ ١٨٣، رقم: ٤٠٨٣)

عن العباس بن عبدالمطلب قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تزال أمتي علی الفطرة ما لم یؤخروا المغرب حتی تشتبک النجوم. (سنن ابن ماجة، کتاب الصلوة، باب وقت المغرب، النسخة الهندیة ١/ ٥٠، دارالسلام، رقم: ٦٨٩، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ٤/ ١٣٢، رقم: ١٣٠٦، المعجم الأوسط، دارالفکر ١/ ٤٧٩، رقم: ١٧٧٠)

ویجلس بینهما بقدر ما یحضر الملازمون مراعیا لوقت الندب إلا في المغرب، فیسکت قائما قدر ثلاث آیات قصار، ویکره الوصل إجماعا، وفی الشامیة: هذا عنده، وعندهما یفصل بجلسة کجلسة الخطیب، والخلاف فی الأفضلیة، فلو جلس لا یکره عنده. (الدرالختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في أول من بنی المنائر للأذان، زکریا ٢/ ٥٦، کراچی ١/ ٣٨٩)

والمغرب إلی اشتباک النجوم، أي کثرتها کره أي التأخیر …… تحریما إلا بعذر، کسفر وکونه علی أکل، وفي الشامي: أي لکراهة الصلوة مع حضور طعام تمیل إلیه نفسه. (درمختار مع الشامي، کتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، زکریا ۲/ ۲۷، کراچی ۱/ ۳٦۸)

وأما المغرب فیکره تأخیرها إذا غربت الشمس. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقیت، زکریا ۲/ ۱۱، رقم: ۱۵۱۰)

ویستحب تعجیل المغرب في کل زمان. (هندیة، کتاب الصلوة، الباب الأول في المواقیت، زکریا قدیم ۱/ ۵۲، جدید ۱/ ۱۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ صفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰٦۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۳/۱۲ھ

مغرب کی اذان واقامت کے درمیان کا فصل

سوال [۱٦۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حنفی مسلک کے اعتبار سے نماز مغرب میں کتنی عجلت کا حکم ہے؟ دیکھا جارہا ہے کہ مؤذن اذان دے کر صف میں شریک ہو بھی نہیں پاتا کہ تکبیر شروع کردی جاتی ہے، کبھی پانی کی قلت کی وجہ سے وضو کرنے والوں کی ایک بھیڑ وضو کے انتظار میں نمبر سے کھڑی رہتی ہے اور وضو کرنے تک ایک یا دو رکعتیں چلی جاتی ہیں، جب کہ مقتدی مؤذن کی اذان سنتے ہی اپنے گھر یا دوکان سے مسجد کی طرف چل دیتے ہیں؛ لیکن یہ عجلت رمضان شریف میں نہیں اپنائی جاتی ہے اور نماز میں اکثر پانچ سات منٹ کی تاخیر سے جماعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، کیا مسئلہ رمضان یا دیگر مہینوں کے لئے الگ الگ ہے؟

المستفتی: عبدالحق صدیقی لائن ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: رمضان المبارک میں افطار کی وجہ سے تکبیر میں آٹھ دس منٹ تاخیر کرنا مستحب ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۸۳، فتاوی دارالعلوم ۲/۵۴)

مگر غیر رمضان المبارک میں اتنی تاخیر کرنا ممنوع ومکروہ ہے بلکہ اذان واقامت کے درمیان دو تین منٹ سے زائد تاخیر نہ کرنی چاہئے اور اتنی عجلت بھی نہ کرنی چاہئے کہ مؤذن اذان دے کر مسجد میں اطمینان سے داخل ہوکر صفوں میں کھڑے ہونے سے قبل دوسرا کوئی اقامت شروع کردے۔

عن السائب بن يزيد أن رسول الله ﷺ قال: لاتزال أمتى على الفطرة ما صلوا المغرب قبل طلوع النجوم. (مسند أحمد:۳/۴۴۹ رقم: ۱۵۸۰۸، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۷/۱۵۴، رقم: ۶۶۷۱)

عن مرثد بن عبدالله قال: قدم علينا أبو أيوب غازيا، وعقبة بن عامر يومئذ على مصر، فأخر المغرب، فقام إليه أبو أيوب، فقال: ما هذه الصلوة يا عقبة؟ قال: شغلنا، قال: أما سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تزال أمتي بخير -أو قال: على الفطرة- مالم يؤخروا المغرب إلى أن تشتبك النجوم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب وقت المغرب، طبع هندي ۱/ ۶۰، دارالسلام، رقم: ۴۱۸، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۲۰۶، رقم: ۳۳۹، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۴/ ۱۸۳، رقم: ۴۰۸۳)

يكره تاخير المغرب عند محمد. (غنية المستملى، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديو بند، ص: ۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۴/۱۴۱۴ھ

رمضان میں مغرب میں اذان اور جماعت میں دس منٹ کا وقفہ کرنا

سوال [۱۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک میں مغرب کی اذان کے کتنی دیر بعد جماعت کھڑی ہونی چاہئے؟ کیوں کہ لوگ اکثر گھر سے افطار کر کے آتے ہیں، رمضان کے بعد عام دنوں میں بھی مغرب کی اذان کے کتنی دیر بعد نماز ہونی چاہئے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد صلاح الدین پیرغیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام ایام میں مغرب کی اذان ونماز کے درمیان دو رکعت مختصر سورتوں سے پڑھنے کی مقدار تاخیر کریں اور رمضان المبارک میں کھانے پینے کی غرض سے دس پندرہ منٹ تاخیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، تاکہ اطمینان سے نماز ادا کی جاسکے؛ بلکہ اس طرح تاخیر ہی افضل ہے۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا ۲/ ۴۵، احسن الفتاوی زکریا ۲/ ۱۳۸)

عن جابر –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لبلال: يا بلال! إذا أنت فترسل في أذانك، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانك قدر ما يفرغ الآكل من أكله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتى تروني. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الترسل في الأذان، النسخة الهندية ١/ ٤٨، دارالسلام، رقم: ١٩٥، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٥٢٩، رقم: ١٩٥٢، المستدرك، كتاب الصلاة، قديم ١/ ٣٢٠، جديد ١/ ٣٠٤، رقم: ٧٣٢)

والأصح أنه يكره إلا من عذر كالسفر والكون على الأكل ونحوها.

(غنية المستملى، كتاب الصلاة، الشرط الخامس: هو الوقت، ص: ٢٣٣، صغيري، ص: ١٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۵/۲۴)

عصر وفجر کے ممنوع اوقات کی انتہا

سوال [۱۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصراور فجر کے ممنوعہ اوقات کی انتہا گھڑی کی رو سے کیا ہے؟

المستفتی: محی الدین قصبہ سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے، ممنوع ومکروہ وقت بوقت اصفرار شمس سے شروع ہوکر غروب پر منتہی ہوتا ہے۔ اور فجر کا ممنوع وقت بوقت طلوع آفتاب ہے اور مکمل آفتاب طلوع ہوجانے کے بعد احتیاطاً تھوڑی دیر توقف کرکے نماز پڑھی جائے، گھڑی کے لحاظ سے ابتداءً انتہاءً صحیح دائمی جنتریوں سے خود دیکھ لیجئے، گھڑی کے حساب سے احقر کو زیادہ تجربہ نہیں ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إذا بدا حاجب الشمس، فأخروا الصلاة حتى تبرز، وإذا غاب حاجب الشمس فأخروا الصلاة حتى تغيب. (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، طبع هندي ١/ ٢٧٥، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٩)

وآخر وقت الفجر حين تطلع الشمس، فإذا طلعت الشمس خرج وقت الفجر –إلى– وآخر وقت العصر وقت غروب الشمس –إلى– وأما العصر فتاخيرها أفضل في الأزمان كلها ما لم تتغير الشمس، ولكن يكره تأخير إلى أن تتغير الشمس. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت ٢/ ٤ تا ١٠، رقم: ١٤٩١، ١٤٩٥، ١٥٠٨، شرح النقاية، مكتب إعزازيه ١/ ٥٠-٥٢، هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت أشرفی ديوبند ١/ ٨٠-٨٣،

المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت المجلس العلمي ۲/ ۵-۸)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۰/۲۳)

غروب پر عصر جائز اور طلوع پر فجر ناجائز کیوں؟

سوال [۱۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غروب آفتاب کے وقت اگر اسی دن کی نماز عصر جائز ہے، تو بوقت طلوع آفتاب اسی دن کی نماز فجر کیوں جائز نہیں ہے؟

المستفتی: غلام محمد غفرلہ، ضلع سابر کانٹھا گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس مسئلہ میں ہمارا عمل وفتویٰ حضرت امام صاحب کے قول پر ہے، اس کے لئے حنفیہ کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک وقت کامل ہے اور طلوع آفتاب سے وقت ناقص شروع ہوجاتا ہے۔ اور نماز عصر کے بعد تغیر شمس سے وقت ناقص شروع ہوجاتا ہے اور تغیر شمس سے غروب ہو چکنے تک وقت ناقص کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ وقت کامل میں شروع کرکے ناقص میں لے جاکر مکمل کرنا ناجائز اور مفسد صلوۃ ہے اور وقت ناقص میں شروع کرکے وقت ناقص میں ختم کرنا مفسد صلوۃ نہیں ہے۔ اور فجر میں کامل میں شروع کرکے ناقص میں ختم کرنا لازم آتا ہے؛ اس لئے ناجائز اور مفسد صلاۃ ہے۔ اور عصر میں ناقص میں شروع کرے ناقص میں ختم کرنا پایا جاتا ہے؛ اس لئے ناجائز اور مفسد صلوۃ نہیں ہے۔

والفرق بينهما أن السبب في العصر آخر الوقت، وهو وقت التغير وهو ناقص، فإذا أداها فيه أداها كما وجبت، ووقت الفجر كله كامل،

فوجبت كاملة، فتبطل بطرو الطلوع الذى هو وقت فساد. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، زكريا ١/ ٤٣٦، كوئٹه ١/ ٢٥١، الدر المنتقى، كتاب الصلوة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١١٠، شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ٢/ ٣٣، كراچى ١/ ٣٧٣)

والفرق بين عصر اليوم حيث يجوز عند الغروب، وفجر اليوم حيث لا يجوز عند الطلوع، أن سبب الصلوة جزء من وقتها ملاق لأدائها، وآخر وقت العصر وهو وقت التغير ناقص؛ لأنه وقت كراهة، وإذا شرع فيه فقد وجبت ناقصة، فلا تفسد بطرو الغروب الذي هو وقت الفساد للملائمة بينهما في النقصان، وأما الفجر فإن جميع وقتها كامل، فإذا شرع فيها فقد وجبت كاملة، فتفسد بطرؤه الطلوع الذي هو وقت الفساد لعدم الملائمة بينهما.

(شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه إعزازيه ديو بند ١/ ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۷/۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۸۶)

نورالایضاح کی عبارت کا صحیح محمل

سوال [۱۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر کے بعد نماز جنازہ، نفل اور قضا وغیرہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اور اگر مکروہ نہیں ہوگی تو اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟: **ويصح أداء ما وجب فيها مع الكراهة، كجنازة حضرت، وسجدة آية تليت فيها، كما صح عصر اليوم عند الغروب مع الكراهية، والأوقات الثلاثة يكره فيها النافلة كراهة تحريم.** (نور الإيضاح، إمداديه ص: ٥٩)

المستفتی: سجاد حسین، زیارت والی مسجد، پیرغیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عصر کے بعد نفل نماز مکروہ ہے۔ اور ''نورالایضاح'' کی جو عبارت سوال نامہ میں درج ہے وہ عصر اور مغرب کے درمیانی وقت سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ طلوع شمس نصف النہار، غروب شمس سے متعلق ہے۔ اور عصر کے بعد کے حکم سے متعلق اس سے نیچے کی عبارت ہے۔

ويكره التنفل ...... وبعد صلاة العصر، وقبل صلاة المغرب.

(نور الإيضاح، ص: ۵۷)

اور نماز عصر کے بعد قضا نماز بلاکراہت جائز اور درست ہے۔

ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب لما روى أنه عليه السلام نهى عن ذلك، ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت. (هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي ديوبند ۱/ ۸۵)

ووقتان آخران: يكره فيهما التطوع، وهما: بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس، إلا ركعتي الفجر، وما بعد صلاة العصر إلى وقت غروب الشمس، لايكره فيهما الفرائض، ولا صلوة الجنازة، ولا يجوز أداء المنذورة في هذين الوقتين. (المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، المجلس العلمي، بيروت ۲/ ۱۰، رقم: ۱۰۷۸، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵/ رقم: ۱۵۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۲/ ۱۴۱۵ھ

اوقات مکروہہ میں فرض نماز پڑھنا

سوال [۱۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اوقات مکروہہ طلوع آفتاب، زوال شمس ان اوقات میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکروہ اوقات میں فرض اور واجب نمازیں پڑھنا درست نہیں، ہاں اگر اسی دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت پڑھتا ہے، تو اس دن کی عصر کی نماز ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۲۳۷، جدید ڈابھیل ۵/ ۳۶۲)

عن عقبة بن عامر الجهني يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهير حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۶، بيت الأفكار، رقم: ۸۳۱، سنن الدارمي، دارالمغني ۲/ ۸۹۸، رقم: ۱۴۷۲)

ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة، وصلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ۱/ ۲۴۹، زكريا ۱/ ۴۳۲، شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه إعزازيه ۱/ ۶۵، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۳-۱۴، رقم: ۱۵۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۶/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۸۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۶/۱۴۲۳ھ

عصر اور فجر کے بعد قضا نماز پڑھنا

سوال [۱۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ طلوع صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان اور عصر کے بعد سے غروب کے درمیان قضا نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ دونوں اوقات میں قضا نمازیں پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۳۸۱، میرٹھ ۹/ ۵۸۵، فتاوی دار العلوم ۴/ ۳۸۵، کتاب المسائل ۲/ ۸۷، اہم مسائل ۲/ ۸۷)

عن أم سلمة –رضي الله عنها– صلى النبي صلى الله عليه وسلم بعد العصر الركعتين. (بخاري، باب ما يصلى بعد العصر من الفوائت ۱/ ۸۳)

وكذلك كانت الصلاة بعد العصر قبل تغير الشمس، وبعد الصبح قبل طلوع الشمس مباحة على الجنائز ومباحة في قضاء الصلاة الفائتة.

(طحاوي شريف، باب الصلاة للطواف بعد الصبح وبعد العصر ۱/ ۴۲۲)

فجوزنا الفوائت بعد العصر وما دامت الشمس نقية ولما لم يفرق أحمد الجمهور بين ما بعد العصر وما بعد الفجر حكمنا لهذا الجواز في كلا الوقتين. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الأوقات المكروهة، بيروت ۲/ ۵۵، كراچی ۲/ ۴۴۵)

وأما الوقتان الآخران من الخمسة، فإنه يكره فيهما التطوع فقط، ولا يكره فيهما الفرض –يعني الفوائت–. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فروع في شرح الطحاوي، أشرفيه ۲۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

طلوع شمس سے قبل فجر کی سنت کی قضاء

سوال [۱۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: طلوع صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان نفل نماز مکروہ کیوں ہے؟ اسی طرح عصر کی فرض نماز کے بعد غروب تک نفل نماز پڑھنا مکروہ کیوں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل علت اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں نوافل پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور طلوع صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان نفل نماز نہ پڑھنے کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تشبہ بالمجوس قرار دی ہے۔

عن حفصة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين. (مسلم شريف، الصلاة، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليها الخ ١/ ٢٥٠، بيت الأفكار، رقم:)

قد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم نهيا عاما عن الصلاة عند طلوع الشمس، وعند غروبها، ونصف النهار، وبعد الصبح حتى تطلع الشمس. (طحاوي شريف، باب الصلاة للطواف بعد الصبح وبعد العصر ١/ ٤٢١)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وعن الصلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس. (بخاري شريف، المواقيت، الصلاة قبل غروب الشمس ١/ ٨٢، رقم: ٥٨٠، ف: ٥٨٨، مسلم، كتاب الصلاة، الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ١/ ٢٧٥، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٥)

وروى أربع قبل العصر وست بعد الفجر، ولم يسن بعد الفجر؛ لأن السنة فيها الجلوس في موضع الصلاة الاشراق، فحصل المقصود؛ ولأن الصلاة بعده تفتح باب المشابهة بالمجوس، ولا بعد العصر للمشابهة المذكورة. (حجة الله البالغة ٢/ ٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

طلوع شمس سے قبل فجر کی سنت کی قضاء

سوال [۱۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید فجر کی نماز میں اس وقت شامل ہوا کہ امام آخری رکعت کے رکوع میں تھا، زید نے سنت نہیں پڑھی اور امام کے ساتھ شامل ہوگیا، اب اپنی فرض نماز پوری کرکے سنت پڑھ سکتا ہے یا سورج نکلنے کے بعد پڑھے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورج نکلنے سے قبل سنت پڑھنا جائز نہیں ہے، بعد میں پڑھ سکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی زکریا ۳/ ۴۷۶)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، طبع هندي ۱/ ۹۶، دارالسلام، رقم: ۴۲۳)

وإن انفردت بالفوات لم تقض عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ؛ لأن موضعها بين الأذان والإقامة، وقد فات ذلك بالفراغ من الفرض، وعند محمد رحمه الله تعالىٰ يقضيها إذا ارتفعت الشمس قبل الزوال. (المبسوط، باب مواقيت الصلوة، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۱۶۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۴/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ...../ ۳۹۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۵ھ

بعد نماز عصر نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کرنا

سوال [۱۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: نماز عصر کے بعد نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام محمد غفرلہ الصمد، موڈاسا، ضلع سابرکانٹھا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز عصر کے بعد غروب شمس سے پہلے پہلے نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۱/ ۱۴۸، فتاوی دارالعلوم زکریا ۵/ ۳۳۵)

بعد صلوة الفجر، وصلوة العصر ...... لا يكره قضاء فائتة ولو وترا أو سجدة تلاوة، وصلوة جنازة. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ۲/ ۳۷، كراچی ۱/ ۳۷۵، هكذا هدايه، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي ديوبند ۱/ ۸٦، البحر الرائق، كتاب الصلوة، زكريا ۱/ ٤۳۷، كوئٹه ۱/ ۲٥۱، قاضيخان، كتاب الصلوة، باب الأذان، مكتبه زكريا جديد ۱/ ٤۹، وعلى هامش الهندية ۱/ ۷٤، كبيري، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۳٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۷/۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/ ۲۲۸٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۱۱ھ

نماز فجر وعصر کے بعد قضاء عمری پڑھنا

سوال [۱٦۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر اور عصر کی جماعت کی نماز پڑھنے کے بعد قضاء عمری پڑھنا اور اس کو معمول بنالینا کیسا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر اور عصر کی جماعت کی نماز کے بعد قضاء عمری پڑھنا مطلقاً جائز ہے، چاہے کبھی کبھی پڑھتا ہو، یا مسلسل پڑھتا ہو، ہاں البتہ نفلیں پڑھنا ممنوع اور مکروہ ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: شهد عندي رجال مرضيون وأرضاهم عندي عمر، أن النبي ﷺ نهى عن الصلوة بعد الصبح حتى تشرق الشمس، وبعد العصر حتى تغرب. (صحيح البخاري، باب الصلوة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، طبع هندي ١/ ٨٢، رقم: ٥٧٣، ف: ٥٨١)

عن ابي هريرة– رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وعن الصلوة بعد الصبح حتى تطلع الشمس. (صحيح مسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلوة فيها، طبع هندي ١/ ٢٧٥، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٥)

وبعد صلوة فجر وصلوة عصر لا يكره قضاء فائتة ولو وترا. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ١/ ٣٧٥، زكريا ٢/ ٣٧)

ووقتان آخران يكره فيهما التطوع، وهما بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس إلا ركعتي الفجر، وما بعد صلاة العصر إلى وقت غروب الشمس، ولا يكره فيهما الفرائض. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت ٢/ ١٥، رقم: ١٥١٩، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، المجلس العلمي ٢/ ١٠، رقم: ١٠٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

بعد نماز عصر سنن کی قضاء کا حکم

سوال [۱۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز عصر کے بعد سنن کی قضاء کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: غلام محمد موڈ اسا، ضلع سابر کانٹھا گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر کے بعد سنتوں کی قضا مکروہ ہوتی ہے؛ اس لئے کہ سنتوں کی قضاء وقت کے اندر اندر مشروع ہوتی ہے اور وقت نکلنے کے بعد نفل ہوجاتی ہے۔ اورعصر کے بعد نفل نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۱/ ۱۴۸)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: شهد عندي رجال مرضيون وأرضاهم عندي عمر، أن النبي ﷺ نهى عن الصلوة بعد الصبح حتى تشرق الشمس، وبعد العصر حتى تغرب. (صحيح البخاري، باب الصلوة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، طبع هندي ۱/ ۸۲، رقم: ۵۷۳، ف: ۵۸۱)

عن ابي هريرة– رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وعن الصلوة بعد الصبح حتى تطلع الشمس. (صحيح مسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلوة فيها، طبع هندي ۱/ ۲۷۵، بيت الأفكار، رقم: ۸۲۵)

قد علم حكم سنة الفجر والظهر والجمعة ولم يبق من النوافل القبلية إلا سنة العصر، ومن المعلوم أنها لا تقضى لكراهة التنفل بعد صلوة العصر، وكذا سنة العشاء لكن لا تقضي؛ لأنها مندوبة. (شامي، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة، أو افحش؟ زكريا ۲/ ۵۱۴، كراچی ۲/ ۵۹، أوجز المسالك، العمل في جامع الصلوة، قضاء الرواتب، دارالقلم قديم ۲/ ۱۷۶،

حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند قديم ٢٤٦، جديد دار الكتاب ٤٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۷/۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۸۶)

طلوع شمس کے وقت اعلان کا التزام

سوال [۱۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعد نماز فجر بعض لوگ مسجد میں اور بعض عورتیں اور آدمی گھر میں وقت طلوع شمس نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور وقت معلوم نہیں کرتے، ان تمام کی سہولت اور آسانی کے لئے مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ان تمام کو مطلع کرنے کے لئے یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اب آپ حضرات نماز نہ پڑھیں، بعد طلوع شمس نماز قضا کر لیں، شریعت کی رو سے یہ اعلان جائز ہے یا نہیں؟ واضح طور پر مطلع فرمائیں، بینوا توجروا

المستفتی: محمد اسحاق متولی مسجد عزیزہ والی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح اعلانات فی نفسہ ''الأمور بمقاصدہا'' کے تحت جائز ہیں؛ لیکن پابندی اور لازم سمجھ لینا اور کر لینا غلط ہے، خیر القرون اور اس کے بعد عرب وعجم میں بہت سے جہلا اور نومسلم موجود تھے، مگر ایسے اعلانات ثابت نہیں، اگر ہوتے تو فقہاء ضرور اس کی تصریح کرتے، بلاضرورت یہ طریقہ جاری رکھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ یہ طریقہ کسی زمانہ میں سنت یا واجب سمجھا جانے لگے؛ اس لئے ترک ہی اولیٰ ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/۲۴۵، جدید زکریا ۵/۱۹۹)

وفي الفتاوى العتابية: سئل شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم

لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت ٢/ ١٥، رقم: ١٥١٨)

ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل، فيبطل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمنعون من ذلك؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مكتبه الهدى انٹر نیشنل دیوبند ١/ ٥٨١، ٥٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۳۱)

فجر کے بعد طلوع آفتاب کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کے بعد طلوع آفتاب کے وقت یہ اعلان کرنا کہ نماز کا وقت ختم ہوگیا ہے، اب نماز پڑھنے سے رک جاؤ، ۲۰ رمنٹ بعد قضا نماز ادا کریں، یہ اعلان شریعت کے مطابق کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احقر محمد علیم الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آفتاب طلوع ہوتے وقت، اس طرح اعلان کرنا کہ اب نماز کا ادا وقت ختم ہوگیا، ۲۰ رمنٹ بعد قضا نماز ادا کریں، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی ایسا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوسکتا ہے۔ فقہی جزئیات سے اس طرح کے اعلانات کی ممانعت ثابت ہے؛ لہٰذا اس کا ترک کرنا لازم اور ضروری ہے۔

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر

عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلا.

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ۱/ ۲۵۱، زكريا ۱/ ٤٣٧)

وكره تحريما أصلا مطلقا مع شروق إلا العوام فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك كما في القنية.

(الدرالمختار مع الرد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب تشترط العلم بدخول الوقت كراچی ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰-۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۳/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۰۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۲۳ھ

طلوع شمس کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلوع شمس کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: اسرار احمد نجیب آباد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلوع شمس کا اعلان دور نبوت، دور صحابہ اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، جب کہ اس زمانہ میں گھڑی وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ ضرورت تھی اور اس زمانہ میں گھر گھر گھڑیاں موجود ہیں، نیز دوسرے آلات بھی کثرت سے ہیں، اس کے باوجود دور اول کے مقابلہ میں اب کے زمانہ میں ضرورت زیادہ ہو یہ بات نہایت غیر معقول ہے۔

وفي الفتاوى العتابية: سئل شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلک؟ قال: لا، لأنهم

لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸)

وكره تحريما أصلا مطلقا ...... مع شروق إلا العوام، فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك كما في القنية. (الدرالمختار مع الرد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب تشترط العلم بدخول الوقت كراچی ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰-۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۴ھ

نماز فجر کی قضا اور طلوع شمس کا اعلان

سوال [۱۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صبح کو فجر کی نماز کے قضا کا اعلان اور سورج طلوع ہونے کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد نبی قاسمی امام مسجد پکھا والا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دور نبوت، دور صحابہ اور ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کا یہ دستور نہیں رہا کہ سورج طلوع ہونے کا اور فجر کی نماز کے قضا کا اعلان کیا جائے۔ اور اس زمانہ میں گھڑی کا وجود بھی نہیں تھا؛ اس لئے آج کے دور کے مقابلہ میں اس زمانہ میں اعلان کی زیادہ ضرورت تھی، اس کے باوجود اعلان نہیں ہوتا تھا۔ اور آج کے زمانہ میں جو اعلان ہوتا ہے وہ حدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ سورج نکلتے وقت کسی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جائے تو اس کو توجہ دلانے کی گنجائش ہے، مگر عام اعلان ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۲۲۱، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۱)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لاينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلا.

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ١/ ٢٥١، زكريا ١/ ٤٣٧)

ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل، فيبطل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مطبوعه ديوبند ١/ ٥٨١، ٥٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۸/۳ھ

مسجد کے مائک سے نماز فجر کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے نماز فجر کا وقت ختم ہونے کا اعلان کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اعلان نہ ہونے کی صورت میں دیکھنے میں آتا ہے کہ ختم ہونے کے باوجود معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اکثر عورتیں ممنوع وقت میں نماز پڑھتی رہتی ہیں۔

المستفتی: عبد الوحید مؤذن مسجد بنجاران قصبہ ساہن پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورج نکلنے کے وقت لاؤڈ اسپیکر وغیرہ میں اس طرح کے اعلان کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے کہ اس وقت سورج نکل رہا ہے، اس وقت نماز نہ پڑھی جائے، اتنی دیر کے بعد نماز پڑھی جائے، اس طرح کا اعلان شریعت سے ثابت نہیں۔ اور دور

اول میں گھر گھر میں گھڑیاں نہیں تھیں، اس زمانہ میں لوگوں کو وقت کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اور آج کے دور میں گھر گھر میں گھڑی ہونے کے ساتھ اکثر افراد کے ہاتھوں میں بھی گھڑی ہے اور کیلنڈروں اور جنتریوں کا بھی عام رواج ہے۔ اور دور اول میں اس طرح کے وسائل نہیں تھے، اس کے باوجود اعلان کا سلسلہ جاری نہیں رہا ہے، پھر آج کے دور میں وسائل کے باوجود اس طرح کے اعلان کی بات مقتضائے شریعت کے خلاف ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے صراحت کے ساتھ اس طرح کے اعلانات سے منع فرمایا ہے، فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

سئل عن شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ٢/ ١٥، رقم: ١٥١٨)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لاينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ١/ ٢٥١، زكريا ١/ ٤٣٧، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ١/ ٣٧١، زكريا ٢/ ٣٠، ٣١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۸/۳/۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۴۰)

مسجد میں طلوع شمس کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کیا مسجدوں میں یہ اعلان درست ہے کہ فجر کی نماز کا وقت ختم ہو چکا ہے، اب سے بیس منٹ بعد نماز پڑھیں، عام طور پر فجر کے بعد یہ اعلان مسجدوں میں ہوتا ہے۔

المستفتی: عبدالسلام سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجدوں میں فجر کی نماز کے بعد نماز کے وقت کے ختم ہونے کا اعلان کرنا نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین سے اس کا ثبوت ملتا ہے، نیز دور اول میں وقت معلوم کرنے کے لئے ذرائع نہیں تھے، اس کے باوجود دور اول میں اعلان نہیں کیا جاتا تھا اور آج کے دور میں گھر گھر میں گھڑی اور وقت معلوم کرنے کے ذرائع موجود ہیں؛ اس لئے اس دور میں اس اعلان کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

وكره تحريما أصلا مطلقا مع شروق إلا العوام فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب تشترط العلم بدخول الوقت كراچی ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰-۳۱)

ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل، فيبطل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمنعون من ذلك؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مكتبه الهدى انٹر نيشنل ديوبند ۱/ ۵۸۱، ۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۲/۱ھ

کیا طلوع آفتاب کا اعلان کرنا کارِثواب ہے؟

سوال [۱۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں نماز فجر کے بعد جب نماز کا وقت ختم ہوجاتا ہے، تو ایک صاحب مسجد کے مائک سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ”محترم حضرات! آفتاب طلوع ہورہا ہے، نماز فجر کا اداوقت ختم ہوا، اب سے بیس منٹ کے بعد قضاء نماز ادا کریں“۔ اور جو شخص اعلان کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں لوگوں کو نماز کے وقت سے آگاہ کررہا ہوں اور یہ ثواب کا کام ہے۔

(۱) کیا یہ اعلان کرنا درست ہے؟ (۲) اعلان کیا جائے یا نہیں؟ (۳) اعلان کرنے والا شخص ثواب کا مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد، دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آفتاب طلوع ہوتے وقت اس طرح اعلان کرنا کہ ”اب نماز کا اداوقت ختم ہوا، ۲۰ منٹ کے بعد قضا نماز ادا کریں“ شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی ایسا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوسکتا ہے۔ فقہی جزئیات سے اسی طرح کے اعلانات کی ممانعت ثابت ہے؛ لہٰذا اس کا ترک کرنا لازم اور ضروری ہے۔

سئل عن شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لاينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (البحر

الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ١ / ٢٥١، زكريا ١/ ٤٣٧، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچى ١/ ٣٧١، زكريا ٢/ ٣٠، ٣١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۱۶/۳۶)

مساجد میں فجر کی نماز کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عام طور پر یہ رواج ہے کہ فجر کی نماز کے بعد نماز کا ٹائم ختم ہونے کا مساجد میں اعلان کیا جاتا ہے، یہ اعلان کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر ٹائم ختم ہوجائے اور کوئی نماز میں مشغول ہو، تو کیا اس کو نماز سے درمیان نماز ہی روک دینا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: محمد زاہد قاسمی، امام مسجد فردوس ابوالفضل اوکھلا، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورج نکلنے اور وقت ختم ہونے کا اعلان دورِ صحابہ سے لے کر سیکڑوں سال تک سلف اور خلف سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ اس زمانہ میں گھڑی نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت زیادہ تھی۔ اور آج کل کے زمانہ میں گھر گھر گھڑی ہے، پھر اس اعلان کی پابندی کرنا شریعت کے مقتضاء کے خلاف ہے؛ اس لئے فقہاء امت نے اس کو مشروع نہیں سمجھا؛ لہٰذا اس عمل کو ترک کر دینا چاہئے، اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے، اثناء صلاۃ اعلان ہوجائے تو نماز نہ توڑے؛ بلکہ پوری کرکے سلام پھیر دے۔

سئل عن شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم لو منعوا لا

يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لاينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلا.

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ۱/ ۲۵۱، زكريا ۱/ ۴۳۷، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچى ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰،۳۱)

وكره تحريما أصلا مطلقا مع شروق إلا العوام فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الدرالمختار مع الرد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب تشترط العلم بدخول الوقت كراچى ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰-۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۶ھ

طلوع آفتاب کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طلوع آفتاب کے وقت بعض لوگ اعلان کرتے ہیں کہ نماز کا وقت ختم ہوگیا، اب بیس منٹ بعد نماز پڑھیں، کیا سلف صالحین میں اس کا دستور تھا؟ اور کیا آج کل اس طرح اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد الطاف الرحمٰن، شریف نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلوع آفتاب کے وقت کا یہ اعلان سلف سے ثابت نہیں

ہے؛ لہٰذا اس کو ترک کرنا چاہئے، نیز یہ بات کتب فقہ میں موجود ہے کہ عامی آدمی اگر طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھتا ہے، تو اس کو نہ روکا جائے۔

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لاينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك اصلا.

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ۱/ ۲۵۱، زكريا ۱/ ۴۳۷، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچى ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰،۳۱، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مطبوعه ديوبند ۱/ ۵۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۹۱)

طلوع شمس کا مائک سے اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صبح کو فجر کے وقت کے ختم پر اور وقت مکروہ کے ختم پر اعلان کرنا اور سارن بجا کر لوگوں کو نماز کے وقت کے ختم کی اطلاع کرنا کیسا ہے؟ اگر درست ہے، تو فجر ہی کے وقت میں کیا خصوصیت ہے؟ اور اگر درست نہیں ہے، تو اس کے بعد بھی اعلان یا سارن بجایا جائے تو بجانے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ذمہ داران مسجد چاند والی گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلوع آفتاب کے وقت فجر کا وقت ختم ہونے پر اعلان کرنا سلف سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا اس طرح اعلان اور سارن نہ بجایا جائے، نیز کتب فقہ میں یہ بات موجود ہے کہ اگر عامی آدمی طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھیں تو ان کو نماز سے نہ روکا جائے؛ اس لئے کہ اگر ایسے لوگوں کو منع کیا جائے گا تو وہ سرے سے نماز ہی چھوڑ دیں گے۔

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لاينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلا.
(البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ١/ ٢٥١، زكريا ١/ ٤٣٧، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ١/ ٣٧١، زكريا ٢/ ٣٠، ٣١، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مطبوعه ديوبند ١/ ٥٨١)

ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل، فيبطل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمنعون من ذلک؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مكتبه الهدى انٹر نيشنل ديوبند ١/ ٥٨١، ٥٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

طلوع شمس کا مائک سے اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلوع شمس کے وقت ایک مسجد سے اعلان کیا جاتا ہے کہ سورج نکلنا شروع ہوگیا ہے؛ لہٰذا کوئی صاحب بھی نماز پڑھنے کی کوشش نہ کریں، طلوع شمس کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اس طرح کا اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عقیل ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلوع آفتاب کے وقت، اس طرح اعلان کرنا شرعاً

ثابت نہیں ہے؛ بلکہ عبارات فقہیہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعلان کرنا ہی نہیں چاہئے؛ اس لئے کہ اگر اس وقت کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوگا، تو اس اعلان کی وجہ سے وہ اپنی نماز توڑ دے گا اور یہ بھی اندیشہ لگا رہتا ہے کہ بعد میں وہ کبھی قضا بھی نہیں کرے گا، جب کہ ایسی صورت میں طلوع شمس کے وقت نماز کو مکمل کر لینا نہ پڑھنے سے بہر حال بہتر ہے، نیز اس طرح کے اعلان سے اس بدظنی کا اظہار بھی ہوگا کہ سارا معاشرہ قضائے صلوۃ کا عادی ہے۔ اور اس طرح کا معمول بنا لینا التزام مالا یلزم کی رو سے بھی غلط ہے۔

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لاينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك اصلا.

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئٹه ۱/ ۲۵۱، زكريا ۱/ ۴۳۷، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰، ۳۱، الفقه الإسلامي و أدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مطبوعه ديوبند ۱/ ۵۸۱)

ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل، فيبطل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمنعون من ذلک؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترک. (الفقه الإسلامي و أدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مكتبه الهدى انٹر نيشنل ديو بند ۱/ ۵۸۱، ۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ رجب ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۱۷ھ

اختتام فجر کے وقت طلوع شمس کے اعلان کا التزام

سوال [۱۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

کہ اختتام فجر کے بعد تقریباً ۲۰/ منٹ جو وقت مکروہ ہے، اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن اختتام وقت فجر کے بعد بعض مساجد میں دستور ہے کہ باضابطہ اعلان کیا جاتا ہے، فجر کا وقت ختم ہوچکا ہے، اب سے ۲۰/ منٹ کے بعد نماز پڑھی جائے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمایئے؛ چونکہ مستورات نماز کا اہتمام کرتی ہیں، انہیں وقت فجر کے ختم کا علم ہوجاتا ہے اور بعض ان پڑھ قسم کے لوگ سادہ لوح شخص نماز فجر ادا کرنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ وقت فجر ختم ہوچکا ہوتا ہے، انہیں بھی علم ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ عام مصلی کو نماز اشراق قضا نماز پڑھنے میں سہولت ہوجاتی ہے، کیا جواز میں یہ جملہ امور صحیح ہیں؟ بینوا توجروا۔ والسلام

المستفتی: حافظ حکمت اللہ سرائے شیخ محمود، مرادآباد

مورخہ ۲۷/ اگست ۱۹۸۷ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح اعلانات فی نفسہٖ **"الأمور بمقاصدها"** کے تحت جائز ہیں؛ لیکن پابندی اور ضروری سمجھنا غلط ہے، خیر القرون اور اس کے بعد عرب وعجم میں بہت سے جہلا اور نو مسلم موجود تھے، مگر ایسے اعلانات ثابت نہیں، اگر ہوتے تو فقہاء اس کی تصریح ضرور کرتے، بلاضرورت یہ طریقہ جاری رکھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ یہ طریقہ کسی زمانہ میں سنت یا واجب سمجھا جانے لگے؛ اس لئے ترک ہی اولیٰ ہے؟

وفي الفتاوى العتابية: سئل شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸، وهكذا في شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچى ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰- ۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۳۳۳)

۲/ باب الأذان

اذان دینے کی فضیلت

سوال [۱۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان دینے والے مؤذن کی فضیلت کیا ہے؟ قیامت کے دن اللہ کے یہاں اس کا کیا مقام ہوگا؟ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی ارشاد ہوتو کتابوں کے حوالہ سے جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث میں مؤذن کی فضیلت کے سلسلے میں بہت ساری روایتیں وارد ہیں، چنانچہ صحیح سند کے ساتھ روایت میں ہے کہ جہاں تک مؤذن کی اذان کی آواز پہنچتی ہے، وہاں تک کی وہ تمام چیزیں جو اس کی اذان سنتی ہیں سب اس کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ثواب کی امید رکھتے ہوئے سات سال تک اذان دے تو اس کے لئے جہنم سے خلاصی لکھ دی جاتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ٹیلے پر ہوں گے، جسے دیکھ کر تمام اولین وآخرین رشک کریں گے، ایک ایسا غلام جو اللہ اور اپنے آقا کے حقوق ادا کرتا ہو، دوسرے وہ امام جس سے ان کے مقتدی راضی ہوں، تیسرے وہ مؤذن جو پانچوں وقت کی اذان دیتا ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤذن کی گردن کو تمام مخلوق سے بلند فرمادیں گے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤذن کو قیامت کے دن بہت اونچا مقام عطا کریں گے۔ اور ایک روایت میں حضور ﷺ نے خاص طور پر مؤذن کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔ روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن عبداللہ بن عمر –رضي اللہ عنہ– قال: قال رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم: المؤذن يغفر له مد صوته، ويستغفر له كل رطب ويابس.
(المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲/ ۳۰٤، رقم: ۱۳٦۹)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من أذن محتسبا سبع سنين كتبت له براء ة من النار. (ترمذي شريف، الصلاة، باب ماجاء في فضل الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۰٦)

عن عبدالله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: ثلاثة على كثبان المسک يوم القيامة رجل أم قوما وهم به راضون، ورجل يؤذن في كل يوم وليلة خمس صلوات. الخ (مسند أحمد ۲/ ۲٦، رقم: ٤۷۹۹)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن الإمان ضامن والمؤذن مؤتمن، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۰۷)

عن معاوية –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقا يوم القيامة. (مسلم شريف، الصلاة، باب فضل الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۱٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۳۸)

اذان کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟

سوال [۱۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان کی ابتداء کیسے ہوئی اور کس سنہ میں اذان کا سلسلہ شروع ہوا؟ حدیث اور روایت کے حوالہ سے جواب تحریر فرمائیے۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہجرت کے پہلے سال حضور ﷺ کو اجتماعیت کے ساتھ نماز کی ادائے گی کی فکر ہوئی، تو حضور ﷺ نے اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا تو کسی نے یہ رائے دی کہ اس کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے، کسی نے آگ روشن کرنے اور کسی نے ناقوس بجانے کی رائے دی، تو آپ ﷺ نے ان تمام آراء کو یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ اس میں غیروں کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ مسئلہ حل نہ ہوسکا، آپ ﷺ اور سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے گھر چلے گئے، تو ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں ایک فرشتے کے ذریعہ اذان کے کلمات سکھلائے گئے، جب صبح ہوئی تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رویاء حق ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا: کہ تمہاری آواز پست ہے بلال کی آواز بلند ہے؛ اس لئے بلال کو یہ الفاظ سکھاؤ۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن محمد بن عبداللّٰه بن زيد عن أبيه قال: لما أصبحنا أتينا رسول اللّٰه ﷺ، فأخبرته بالرؤيا، فقال: إن هذه لرؤيا حق، فقم مع بلال؛ فإنه أندى وأمد صوتا منك، فألق عليه ما قيل لك، وليناد بذلك قال: فلما سمع عمر بن الخطاب نداء بلال بالصلوة خرج إلى رسول اللّٰه ﷺ وهو يجر إزاره، وهويقول: يا رسول اللّٰه ! والذي بعثك بالحق، لقد رأيت مثل الذي قال، فقال رسول اللّٰه ﷺ: فللّٰه الحمد فذلك أثبت. (ترمذی شریف، کتاب الصلوة، باب ماجاء في بدء الأذان، النسخة الهندية ۱ / ۴۸، دارالسلام، رقم: ۱۸۹)

عن أبي عمير بن أنس، عن عمومة له من الأنصار، قال: اهتم النبي ﷺ للصلاة كيف يجمع الناس لها؟ فقيل له: انصب راية عند حضور الصلاة، فإذا رأوها أذن بعضهم بعضا، فلم يعجبه ذلك، قال: فذكر له القنع -يعني الشبور، وقال زياد: شبور اليهود- فلم يعجبه ذلك، وقال:

هو من أمر اليهود، قال: فذكر له الناقوس، فقال: هو من أمر النصارى، فانصرف عبدالله بن زيد بن عبد ربه، وهو مهتم لهم رسول الله ﷺ، فأرى الأذان في منامه، قال فغدا على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبره، فقال له: يا رسول الله! إني لبين نائم ويقظان، إذ أتاني آت، فأراني الأذان، قال: وكان عمر بن الخطاب قد رآه قبل ذلك، فكتمه عشرين يوما، قال: ثم أخبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال له: ما منعك أن تخبرني؟ فقال: سبقني عبدالله بن زيد، فاستحييت، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا بلال! قم فانظر ما يأمرك به عبدالله بن زيد، فافعله، فأذن بلال. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلوة، باب بدء الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، دارالسلام، رقم: ۴۹۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۸۴۳)

کیا حضور ﷺ نے اذان دی ہے؟

سوال [۱۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اذان دی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کوئی نص موجود ہو تو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: مفتی ابوبکر قاسمی جوگیشوری، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث سے اس بات کی وضاحت ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے بنفس نفیس اپنی زندگی میں خود اذان بھی دی ہے اور خود تکبیر بھی کہی ہے، جیسا کہ صحیح اور مرفوع اور عالی سند کے ساتھ یہ روایت حدیث کی کتاب میں موجود ہے کہ عقبہ بن عامر رضی

اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں موجود تھے، طلوع صبح صادق کے بعد حضور ﷺ نے اذان دی، پھر خود اقامت بھی کہی، پھر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو نماز میں اپنے دائیں جانب کھڑا کر کے معوذتین پڑھیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عقبة بن عامر الجهني –رضى الله عنه– قال: كنت مع النبي في سفر، فلما طلع الفجر أذن وأقام ثم أقامني عن يمينه، ثم قرأ بالمعوذتين، فلما انصرف، قال: كيف رأيت؟ قلت: قد رأيت يا رسول الله! قال: فاقرأ بهما كلما نمت وكلما قمت. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، باب من كان يخفف القراءة في السفر، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۲۵۴، رقم: ۳۷۰۸، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب فضائل اقرآن في المعوذتين، مؤسسة علوم القرآن ۱۵/ ۵۳۷، رقم: ۳۰۸۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۱۷ھ

اذان کے بعد دعا کی فضیلت

سوال [۱۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا حدیث شریف میں اذان کے بعد دعا کی فضیلت ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے، تو کس طرح کی فضیلت ہے؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: نسیم مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث کی کتابوں میں اذان کے بعد دعا کی فضیلت ثابت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اذان کے بعد: ''**اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة آت محمدن الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمود**

الذي وعدته" یہ دعا پڑھے گا تو قیامت کے دن اس کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت واجب ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اذان کے بعد یہ کلمات کہے: "**أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک لـه، وأن محمدا عبده ورسوله، رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد رسولا**" تو اس کے سارے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من قال حين يسمع النداء: "اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلوة القائمة، آت محمد الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته" إلا حلت له الشفاعة يوم القيامة. (ترمذي، كتاب الصلوة، باب مايقول إذا أذن المؤذن من الدعاء؟ النسخة الهندية ١/ ٥١، دارالسلام، رقم: ٢١١، أبو داؤد، الصلاة، باب الدعاء عند الأذان، النسخة الهندية ١/ ٧٨، دارالسلام، رقم: ٥٢٩، نسائي شريف، الصلاة، الدعاء عند الأذان، النسخة الهندية ١/ ٧٩، دارالسلام، رقم: ٦٨٠، مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمع، ثم يصل على النبي ﷺ، ثم يسأل له الوسيلة، النسخة الهندية ١/ ١٦٦، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٤، صحيح البخاري، باب الدعاء عند النداء، النسخة الهندية ١/ ٨٦، رقم: ٦٠٦، ف: ٦١٤)

عن سعد بن أبي وقاص –رضي الله عنه– عن رسول الله ﷺ قال: من قال حين يسمع المؤذن: "وأنا أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له، وأن محمدا عبده ورسوله، رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد رسولا" غفر الله له ذنوبه. (ترمذي، الصلاة، باب ما يقول إذا أذن المؤذن من الدعاء؟ النسخة الهندية ١/ ٥١، دارالسلام، رقم: ٢١٠، مسلم شريف، الصلاة، استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمع، ثم يصل على النبي ﷺ، ثم يسأل له الوسيلة، النسخة الهندية ١/ ١٦٧، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٦، نسائي شريف، الصلاة، الدعاء عند الأذان، النسخة

الهندية ۱/ ۷۹، دارالسلام، رقم: ۶۷۹، أبو داؤد، الصلاة، باب الدعاء عند الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۷۸، دارالسلام، رقم: ۵۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۴۲/۴۱)

کیا شہر کی ایک مسجد کی اذان کی آواز ریڈیو کے ذریعہ دوسری مسجدوں کے لئے کافی ہے؟

سوال [۱۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابوظہبی وغیرہ شہروں میں یہ معمول ہوگیا ہے کہ شہر کی بڑی مسجد میں اذان دی جاتی ہے اور شہر کی دیگر تمام مسجدوں میں بیک وقت ریڈیوں کے ذریعہ اس اذان کی آواز مائک کے ہارنوں سے اسی طرح سنائی دیتی ہے، جس طرح مؤذن کے اذان دینے سے سنائی دیتی ہے، تو کیا اس طرح مؤذن ایک مسجد میں اذان دے اور دوسری مسجدوں کے مائکوں سے بذریعہ ریڈیوں اذان کی آواز سنائی دے، تو دوسری مسجدوں سے اذان کی ذمہ داری ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟ کیوں کہ ان ممالک کے پورے شہر میں بیک وقت نماز ہوتی ہے۔

المستفتی: مفتی محمد ارباب شمسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح شہر کی ایک مسجد کے مؤذن کی اذان کی آواز دوسری مسجدوں کے مائکوں میں بذریعہ ریڈیو بیک وقت پہنچ جاتی ہے۔ اور اس سے ایسا لگتا ہے کہ ہر مسجد میں اذان ہورہی ہے، تو اس سے بعض فقہاء کی جزئیات سے پوری آبادی پر سے سنت مؤکدہ علی الکفایہ کی ذمہ داری ساقط ہوجانے کی بات سمجھ میں آتی ہے، مگر یہ متوارث اور مستحب طریقہ کے خلاف ہے، متوارث ومستحب اور افضل طریقہ یہی ہے کہ ہر مسجد کے لئے الگ الگ مؤذن کے ذریعہ مستقل طور پر اذان دی جائے۔ اور ''بدائع'' میں

اس بات کی صراحت موجود ہے کہ محلّہ کی اذان محلّہ میں جوتنہا تنہا نماز پڑھنے والے ہیں، ان کے لئے کافی ہوجائے گی؛ لیکن جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کے لئے کافی نہیں ہوگی؛ بلکہ ان کے لئے الگ اذان دینا مسنون ہے۔

روی أبو مالک عن أبي یوسف، عن أبي حنیفةؒ في قوم صلوا في المصر في منزل، أو في مسجد منزل، فأخبروا بأذان الناس، وإقامتهم أجزأهم، وقد أساؤوا بترکهما فقد فرق بین الجماعة والواحد؛ لأن أذان الحي یکون أذانا للأفراد، ولا یکون أذانا للجماعة. (بدائع، الصلاة، بیان محل وجوب الأذان، زکریا ۱/ ۳۷۸)

الأذان والإقامة عند الجمهور غیر الحنابلة، ومنهم الخرقي الحنبلي سنة مؤکدة للرجال جماعة في کل مسجد للصلوات الخمس والجمعة، دون غیرها. (الفقه الإسلامي وأدلته، الصلاة، حکم الأذان، هدی انٹرنیشنل دیوبند ۱/ ۵۹۴)

وفي البدائع: وعامة مشایخنا قالوا: الأذان والإقامة سنتان مؤکدتان لما روی أبو یوسف عن أبی حنیفة أنه قال في قوم صلوا في المصر جماعة بغیر أذان وإقامة: أنهم أخطأوا السنة، وسماه سنة، والقولان متقاربان؛ لأن السنة المؤکدة بمنزلة الواجب في الإثم، وإنما یقاتل علی ترکه؛ لأنه من شعائر الإسلام وخصائص الدین، قال قاضی خان: من سنن الصلاة بالجماعة، وإنهما من الشعائر حتی لو اجتمع أهل مصر أو قریة، أو محلة علی ترکهما أخبرهم الإمام، فإن لم یفعلوا قاتلهم، ولم یحک خلافا.

(البنایة، الصلاة، باب الأذاان، مکتبه أشرفیه ۲/ ۷۷)

وإذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فیه حائطا، ولکل منهم إمام علی حدة، ومؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولیٰ أن یکون لکل طائفة مؤذن کما یجوز لأهل المحلة أن یجعلوا المسجد الواحد مسجدین، فلهم أن

یجعلوا المسجدین واحدا لإقامة الجماعات. (البحر الرائق، الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ؟ زکریا ۲/ ۶۲، کوئٹہ ۲/ ۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۳/ ۱۴۲۶ھ

مؤذن متبع شریعت ہو

سوال [۱۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اذان دینے سے متعلق مساجدوں میں جو نمازی ہیں، ان میں دو قسم کے احباب ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جو متبع سنت ہیں، یعنی چہرہ پر داڑھی ہے، سر پر بال سنت کے مطابق اور لباس بھی سنت کے مطابق، ایک قسم وہ ہے کہ جن کے چہرہ پر داڑھی نہیں، سر پر بال انگریزی لباس ان کا کبھی شلوار قمیص، کبھی پتلون پینٹ ٹخنے ہر وقت ڈھکے ہوئے، اب دوسری قسم کے احباب میں سے بعض ساتھی اذان دینے کے شوقین ہیں، اب زید کا کہنا ہے کہ جب اذان دینے کے وقت متبع سنت لوگ مسجد میں موجود ہیں تو یہ غیر متبع سنت لوگ اذان کیوں دیں؟ اذان کوئی شوق کی چیز نہیں ہے، اذان دعوت نامہ ہے؛ اس لئے یہ غیر متبع سنت لوگ اذان نہ دیں؛ بلکہ متبع سنت حضرات میں سے کوئی دے تو اس سے متعلق مسئلہ دریافت طلب ہے کہ آیا زید کا کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ اور شرعی فیصلہ اس میں علماء کرام کا کیا ہے؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسحاق جے پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان واقامت کی خدمت انجام دینے والا باشرع، متبع سنت ہونا چاہئے؛ لہٰذا باشرع آدمی ہوتے ہوئے داڑھی منڈے شخص کا اذان دینا تکبیر کہنا مکروہ ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم أقرأكم. (سنن ابن ماجة، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين، النسخة الهندية، ص: ٥٣، دارالسلام، رقم: ٧٢٦، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١١/ ٢٣٧، رقم: ١١٦٠٣، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٤٨٧، رقم: ١٨٧٢، ٢/ ٣٩٨، رقم: ٣٨٤٧)

ومنها: أن يكون عالما بالسنة، لقوله صلى الله عليه وسلم: يؤمكم أقرؤكم، ويؤذن لكم خياركم، وخيار الناس العلماء. (بدائع الصنائع، فصل في ما يرجع إلى صفات المؤذن، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٤٤، زكريا ١/ ٣٧٣، كراچی ١/ ١٥٠)

ويكره إقامة المحدث وأذانه (إلى قوله) وأذان فاسق؛ لأن خبره لا يقبل في الديانات، وهو الخارج عن أمر الشرع بارتكاب كبيرة. (حاشية الطحطاوي على المراقي قديم/ ١٠٨، دارالكتاب ديوبند ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۲۷)

مؤذن کسے بنایا جائے؟

سوال [۱۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو شخص حرام کاری کرواتا ہو، جھوٹ بولتا ہو، غیبت کرتا ہو اور غسل اور وضو کے آداب نہ جانتا ہو، جو نماز پڑھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتا ہو، کیا ایسا شخص جس کے اندر اتنی خامیاں ہوں، مؤذن بننے کے لائق ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مرغوب احمد سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: متقی، پرہیزگار آدمی کو مؤذن بنانا زیادہ بہتر ہوتا ہے، مسجد

کی انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ اچھے آدمی کو مؤذن رکھے۔ حدیث شریف میں مؤذن کی بہت فضیلت آئی ہے، مگر اس سے ایسا مؤذن مراد ہے جو گناہ کبیرہ اور برائیوں سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہو۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم أقرأكم. (سنن ابن ماجة، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين، النسخة الهندية، ص: ٥٣، دارالسلام، رقم: ٧٢٦، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١١/ ٢٣٧، رقم: ١١٦٠٣، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٤٨٧، رقم: ١٨٧٢، ٢/ ٣٩٨، رقم: ٣٨٤٧)

قال معاوية –رضي الله عنه–: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقا يوم القيامة. (صحيح مسلم، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، النسخة الهندية ١/ ١٦٧، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٧، سنن ابن ماجة، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين، النسخة الهندية/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٧٢٥، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٤٨٣، رقم: ١٨٦١)

وروى عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو أقسمت لبررت، إن أحب عباد الله إلى الله لرعاة الشمس والقمر، يعني: المؤذنين، وإنهم ليعرفون يوم القيامة بطول أعناقهم. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٣/ ٣٤٨، رقم: ٤٨٠٨، الترغيب والترهيب ١/ ٥٦، رقم: ٣٦٩، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١١١، رقم: ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۴/۱۴۳۴ھ

اذان دینے کا مستحق کون؟

سوال [۱۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ خلاف شرع مثلاً: داڑھی نہ رکھنے والے کا اذان وتکبیر پڑھنا کیسا ہے؟ ایک آدمی باشرع ہے اورنماز کا پابند ہے؛ لیکن حروف کی ادائے گی صحیح نہیں۔ اورایک شخص کی حروف کی ادائے گی تو صحیح ہے؛ لیکن باشرع نہیں ہے،توان کا تکبیر واذان پڑھنا کیسا ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: سعیداحمدسیوانی، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی کٹانے والے کا اذان واقامت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، نیز جوشخص صحیح طور پر حروف کی ادائے گی نہ کرسکے،توانہیں بگڑے الفاظ کے ساتھ اس کا اذان یاتکبیر کہنا بھی درست نہیں؛ بلکہ جوشخص باشرع ہواور حروف کی ادائے گی صحیح طور پر کرسکتا ہو،اسی کو اذان واقامت کہنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم زکریا۲/ ۱۰۰، احسن الفتاوی زکریا۲/ ۲۸۷)

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لیؤذن لکم خیارکم، ولیؤمکم أقرأکم. (أبو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من أحق بالإمامة، طبع هندي ۱/ ۸۷، دارالسلام، رقم: ۵۹۰)

وإنما یستحق ثواب المؤذنین إذا کان عالما بالسنة، أي سنة الأذان. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا کان غیر محتسب في أذانه زکریا ۲/ ۵۹، کراچی ۱/ ۳۹۲)

وظهر من هذا أن التلحین إخراج الحروف عما یجوز له في الأداء. (کبیري، باب الأذان، أشرفیه دیوبند/ ۳۷۴، البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الأذان زکریا ۱/ ۴۴۶، کوئٹه ۱/ ۲۵۶)

وینبغي أن یکون المؤذن: رجلا، عاقلا، صالحا، تقیا، عالما بالسنة، مواظباً علی ذلک. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلوۃ، الفصل الثاني، جدید زکریا ۲/ ۱۴۴، رقم: ۱۹۷۹) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللّٰہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۴۵)

کیا بے وقت اذان دینے والے ضعیف مؤذن کو معزول کر سکتے ہیں؟

سوال [۱۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن صاحب ضعیف ہیں، اذان واقامت میں حروف وقواعد کی صحیح ادائے گی نہیں ہوتی، تجوید تو ہے ہی نہیں اور بسا اوقات بے وقت اذان بھی دے دیا کرتے ہیں، بعض حضرات کمیٹی مسجد ہذا سے یہ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ مؤذن صاحب کے بجائے ایک اچھے حافظ صاحب کو رکھ لو جو تجوید سے اذان واقامت بھی دے سکتا ہو، جسے موٹے موٹے مسائل بھی معلوم رہتے ہوں، وقت کا صحیح علم بھی رہتا ہو اور امام صاحب کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھا سکتا ہو، اگر کمیٹی والے اس مؤذن کو نہیں بدلتے ہیں، تو اذان واقامت کے غلط ہونے کی وجہ سے سارے محلّہ والے بالخصوص احباب کمیٹی گنہگار ہو رہے ہیں، تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن موجودہ کو ہٹا کر ایک مجود حافظ کو رکھ لینا چاہئے یا نہیں؟ نیز اس طرح بغیر تجوید کے اذان واقامت ہوتی رہی تو اہل محلّہ اور کمیٹی والے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ نیز شرعی مؤذن کیسا ہونا چاہئے؟

المستفتی: عبدالرشید خان، مزمل عادل آباد، آندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مؤذن صاحب ایسے ضعیف ہو چکے ہیں کہ بسا اوقات بے وقت اذان دیا کرتے ہیں، جس سے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے، تو مسجد کمیٹی اپنے مشورہ سے دوسرا مؤذن منتخب کر سکتی ہے، اس کا اختیار کمیٹی والوں کو حاصل ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم: لا ضرر ولا ضرار. (مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۱۳، رقم: ۲۸۶۷، سنن ابن ماجة، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ۲/ ۱۶۹، دارالسلام، رقم: ۲۳۴۰، ۲۳۴۱، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۳۰۷، رقم: ۱۰۳۳، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء

التراث العربي ۲/ ٨٦، رقم: ١٣٨٧، المستدرك قديم ۲/ ٦٦، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٣/ ٨٨٣، رقم: ٣٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۲۶ھ

فرد واحد کا اذان واقامت اور نماز پڑھانا

سوال [۱۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں نینی تال میں ایک ہی فرد اذان دیتے ہیں، وہی نماز پڑھاتے ہیں، وہی تکبیر کہتے ہیں، یہ فعل مذہب کی رو سے کیسا ہے؟

المستفتی: نصر توحید تلی تال، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام صاحب کا خود اذان اور تکبیر کہہ دینا اور خود ہی نماز پڑھا دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے، شرعی طور پر اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔
(مستفاد: فتاوی دار العلوم، زکریا ۳/ ۱۱۰)

عن عقبة بن عامر الجهني -رضی الله عنه- قال: كنت مع النبي ﷺ في سفر، فلما طلع الفجر أذن وأقام ثم أقامني عن يمينه، ثم قرأ بالمعوذتين، فلما انصرف، قال: كيف رأيت؟ قلت: قد رأيت يا رسول الله! قال: فاقرأ بهما كلما نمت وكلما قمت. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، باب من كان يخفف القرأة فی السفر، مؤسسة علوم القرآن ٣/ ٢٥٤، رقم: ٣٧٠٨)

الأفضل كون الإمام هو المؤذن. (درمختار، باب الأذان، مطلب هل يباشر النبي ﷺ الأذان بنفسه؟ زكريا ٢/ ٧١، كراچى ١/ ٤٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۵۹)

کیا مؤذن کو اذان سن کر نماز پڑھنے والوں کے بقدر ثواب ملتا ہے؟

سوال [۱۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن کے لئے اذان کا کتنا ثواب ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ جتنا ثواب اس کی اذان سن کر نماز پڑھنے والوں کو ملتا ہے، تنہا اتنا ثواب مؤذن کو ہوتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: عبداللطیف، عبدالملک، نز د ریلوے اسٹیشن، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ترمذی شریف اور صحیح بن حبان میں یہ حدیث شریف موجود ہے، ابن حبان نے عنوان: ''**ذكر الخير الدال على أن المؤذن يكون له كأجر من صلى بأذانه**'' کے تحت یہ حدیث شریف نقل کی ہے کہ:

عن أبي مسعود الأنصاري، قال: أتى النبي ﷺ رجل، فقال: يا رسول الله! إني أبدع بي، فاحملني؟ فقال رسول الله ﷺ: ليس عندي، فقال رجل: أنا أدلّه على من يحمله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دل على خير فله مثل أجر فاعله. (صحيح ابن حبان، دارالفكر ۳/ ٦٨، رقم: ١٦٦٥، ترمذي شريف، أبواب العلم، باب ماجاء أن الدال على الخير كفاعله، النسخة الهندية ٢/ ٩٥، دارالسلام، رقم: ٢٦٧٠)

لہٰذا ان صاحب کی بات درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۶۱/۳۶)

کیا اذان کے لئے مسجد ہونا شرط ہے؟

سوال [۱۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ قصبہ نور پور میں ایک مدرسہ ہے، جو ایسے محلّہ میں واقع ہے جہاں کئی مسجدیں ہیں؛ البتہ مدرسہ کے پورب بالکل قریب میں ایک مسجد ہے، نیز مسجد کے پچھّم صرف ایک یا دو گھر مسجد و مدرسہ کے درمیان واقع ہیں اور راستہ مدرسہ سے نکل کر سیدھا مسجد تک ہے، ابھی کچھ دنوں پہلے طلباء مدرسہ، مسجدوں میں ہی نماز پڑھا کرتے تھے؛ لیکن کچھ مصلحت کے تحت مدرسہ میں ہی اب طلباء کی جماعت ہونے لگی ہے، جماعت میں بالغ و نابالغ ہر طرح کے طالب علم اور ساتھ میں حضرات اساتذہ کرام بھی شریک رہتے ہیں، تو کیا مدرسہ میں نماز کے لئے و جماعت کے لئے اذان پڑھنا ضروری ہوگا یا مساجد کی اذان کافی ہے؟ جب کہ محلّہ کی مساجد کی اذان کی آواز کبھی آجاتی ہے، کبھی بالکل نہیں آتی، قرآن و شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد ظفر الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے لئے مسجد شرط نہیں، جہاں بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے اس کے لئے اذان دینا مسنون ہے؛ لیکن مسجد کی فضیلت مسجد میں ہی پڑھنے سے حاصل ہوگی۔

الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة، كذا فى فتاوى قاضى خان، وقيل: إنه واجب، والصحيح أنه سنة مؤكدة. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثانى في الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٣، جديد ١/ ١١٠)

الأذان من سنن الصلوة، وبعض المتأخرين من مشايخنا رحمهم الله قالوا: إنه واجب، والصحيح أنه سنة، وعليه عامة المشايخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٣٥، رقم: ١٩٥٨)

وعامة مشايخنا قالوا: إنهما سنتان مؤكدتان. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، زكريا ١/ ٣٦٤، كراچى ١/ ١٤٧)

سنة للفرائض فقط. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ۱/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۴/ ۱۴۲۰ھ

کیا اذان کے بغیر نماز صحیح ہوجائے گی؟

سوال [۱۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مسجد میں اتفاق سے کسی وقت کی اذان نہ ہوتو کیا مسجد میں اس وقت کی نماز باجماعت پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان مسنون ہے، فرض یا واجب نہیں ہے، بغیر اذان کے مسجد میں نماز کی جماعت صحیح ہوجاتی ہے، مگر مسنون اذان نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگی۔ اورترک اذان کی عادت ہوجائے، تو ترک واجب کی طرح گناہ ہوگا؛ لیکن جماعت بہر صورت صحیح ہوجاتی ہے۔

وهو سنة للرجال في مكان عال مؤكدة هي كالواجب في لحوق الإثم للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاء؛ لأنه سنة للصلوة. (درمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۴۸، كراچی ۱/ ۳۸۴)

الأذان من سنن الصلوة ...... والصحيح أنه سنة، وعليه عامة المشايخ إلا أنه سنة مؤكدة ثبت ذلك بفعل النبي عليه السلام، وإجماع الصحابة رضى الله عنهم، ومن بعدهم عليه، وروى أبي حنيفة في قوم صلوا في مسجد بغير أذان ولا إقامة، أنهم أخطؤا السنة، وفي الولوالجية: أنهم أساؤا، وروى عن محمد رحمه الله أنه قال: إذا اجتمع أهل البلدة على ترك

الأذان قاتلنا هم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان زكريا ۲/ ۱۳۵، رقم: ۱۹۵۸، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۱/ ٤٤٤، كوئٹه ۱/ ۲۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۲۵)

بغیر اذان وتکبیر کے تنہا تنہا نماز ادا کرنا

سوال [۱۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے، اس میں ۱۹۸۶ء سے ہم لوگ نماز باجماعت ادا کرر ہے تھے؛ لیکن ۱۲؍مارچ ۲۰۰۴ء کو اس میں اذان اور نماز باجماعت ادا کرنے سے کوتوال اور گاؤں کے غیر مسلموں نے روک دیا ہے اور تنہا تنہا نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا بغیر اذان وتکبیر تنہا تنہا نماز پڑھی جائے یا اذان وتکبیر اور باجماعت نماز پڑھی جائے؟ شریعت اسلامیہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسنون طریقہ کیا ہے، تحریر فرمائیں؟

المستفتی: اہالیان منیم پور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت اسلامیہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسنون طریقہ نماز ادا کرنے کا یہی ہے کہ باقاعدہ اذان ہو اور پھر اقامت کے بعد باجماعت نماز پڑھی جائے، یہ ہم مسلمانوں کا پرسنل لاء اور مذہبی معاملہ ہے، اس میں حکومت کے کسی ذمہ دار، کوتوال یا کسی غیر مسلم کو دخل دینے کا ہمارے ہندوستانی قانون کے اعتبار سے بھی کوئی حق نہیں، اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں: کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر صرف دو آدمی بھی ہوں تو اذان واقامت کے بعد جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کریں۔

عن مالک بن الحويرث، قال: قدمت على رسول الله ﷺ أنا وابن عم لي، فقال لنا: إذا سافرتما فأذنا وأقيما، وليؤمكما أكبركما. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الأذان في السفر، النسخة الهندية ١/ ٥٠، دارالسلام، رقم: ٢٠٥)

عن مالک بن الحويرث، قال: انصرفت من عند النبي ﷺ، فقال لنا: أنا وصاحب لي: أذنا، وأقيما، وليؤمكما أكبركما. (صحيح البخاري، باب سفر الإثنين، النسخة الهندية ١/ ٣٩٩، رقم: ٢٧٦٣، ف: ٢٨٤٨)

عن مالک بن الحويرث، قال: أتيت النبي ﷺ، أنا وصاحب لي: فلما أردنا الإقفال من عنده، قال لنا: إذا حضرت الصلاة، فأذنا، ثم أقيما، وليؤمكما أكبركما. (صحيح مسلم، الصلوة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، بيت الأفكار، رقم: ٦٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۵۵)

اذان پنجگانہ اندرون مسجد دی جائے یا باہر؟

سوال [۱۶۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کے اندرونی حصہ میں اذان دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیا خارج مسجد اذان دینا ضروری ہے؟ مذکورہ مسئلہ کے بارے میں مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نظام الدین گورکھپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد خطیب کے سامنے دینا

مسنون اور افضل ہے، اس کے علاوہ دوسری اذانیں بلا عذر اندرون مسجد ممنوع ہیں، یہی حدیث وفقہ اور دور صحابہ سے اب تک تواتر وتوارث سے ثابت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا۴/ ۱۲۶، إمداد الفتاوی، زکریا۱/ ۷۰۵)

من حديث السائب بن يزيد قال: كان يؤذن بين يدى رسول الله ﷺ إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد، وأبي بكر وعمر. (معارف السنن، باب في أذان الجمعة، بيان كون الأذان الثاني عند الخطبة، قديم أشرفي ديوبند ٤ / ٤٠٢، بناية عيني شرح هدايه، كتاب الصلوة، باب الجمعة، أشرفيه ديوبند ١ / ١٠١٤)

إذا صعد الإمام المنبر وجلس وأذن المؤذنون بين يدى المنبر بذلك جرى التوارث. (هداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، أشرفى ديوبند ١ / ١٧١)

فإذا جلس الإمام على المنبر أذن بين يديه قائما. (ملتقى، كتاب الصلوة، باب الجمعة دارالكتب العلمية بيروت ١ / ٢٥٣، الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، كراچى ٢/ ١٦١، زكريا ٣/ ٣٨، مصري ١/ ٦٠٧، عالمگيرى، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، زكريا قديم ١/ ١٤٩، جديد ١ / ٢١٠، صغيري قديم، ص: ٢٨١، كبيري، باب صلوة الجمعة، أشرفيه ديو بند، ص: ٥٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۴ ۷۹)

حدود مسجد میں اذان دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۶۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدود مسجد یعنی جس جگہ نماز اور خطبہ ہوتا ہے اس جگہ پنج وقت نماز کی اذان دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نماز کی جگہ سے علیحدہ جگہ (جو مسجد میں ہی ہے) دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عظیم عرشی صابری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خطبۂ جمعہ کی اذان کے علاوہ باقی نماز پنجگانہ کی اذان خارج مسجد بلند جگہ پر دینا مستحب ومسنون ہے۔ اور جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے سامنے دینا مسنون ہے؛ البتہ کسی عارض کی بنا پر برعکس بھی جائز ہے، مثلاً بہت بڑی مسجد میں منبر کے سامنے اذان دینے میں باہر کے لوگوں کو سنائی نہ دے، تو امام کی سیدھ میں باہر خطبہ کی اذان دینا خلاف سنت نہ ہوگا، اسی طرح نماز پنجگانہ کی اذان کے لئے بھی مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو یا بارش ہو رہی ہو یا اور کوئی معقول عذر ہو تو اندرون مسجد دینے میں خلاف سنت نہیں ہوگا، اسی طرح مائک کے ذریعہ مسجد کے اندر اذان دینا بھی خلاف مسنون نہیں؛ کیوں کہ مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کی علت آواز کا لوگوں تک نہ پہنچنا اور اذان کا مقصد اعلان غائبین کا اس میں فوت ہوجانا ہے؛ لیکن مائک کے ذریعہ اذان دینے کی صورت میں آواز غائبین تک پہنچ جاتی ہے؛ اس لئے مائک سے مسجد کے اندر بھی اذان دینا مکروہ اور خلاف سنت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم قدیم ۲/ ۱۰۰)

وينبغي أن يؤذن على المئذنة، أو خارج المسجد، ولا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته. (عالمگیری، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ۱/ ۵۵، جديد ۱/ ۱۱۲، قاضيخان، باب الأذان، مسائل الأذان، زكريا جديد ۱/ ۵۱، وعلى هامش الهندية ۱/ ۷۸)

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة كراچی ۸/ ۶۹، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۸۷)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به...... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران

كالمئذنة ونحوها ...... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأذان، بيروت ١/ ٦٤٢، زكريا ١/ ٣٦٩، كراچی ١/ ١٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۷۵)

مسجد کے اندر محراب کے پاس اذان دینا

سوال [۱٦٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان مسجد کے اندر دینا محراب کے پاس کیسا ہے؟ مسنون طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد ممتاز عالم، مسجد سلطان مدینہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات فقہاء نے مسجد کے اندر اذان دینے کی جو ممانعت فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان کا مقصد اعلان غائبین ہے، تو مسجد کے اندر اذان دینے کی صورت میں غائبین کو اذان کی آواز نہیں پہنچے گی، اس سے اذان کا مقصد حاصل نہیں ہوگا؛ اس لئے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے؛ لیکن آج کے زمانہ میں مائک پر اذان دی جاتی ہے، حدود مسجد میں محراب کے پاس ہو یا کسی اور جگہ مائک میں اذان دینے کی صورت میں دور تک آواز پہنچ جاتی ہے؛ لہٰذا دونوں باتوں میں اب کوئی تعارض نہیں رہا ہے؛ اس لئے حدود مسجد میں مائک میں اذان دینے کی گنجائش ہے اور بلا کراہت جائز ہے۔

والأذان إعلام الغائبين. (السعاية ٢/ ٣٣)

الأذان هو لغة الإعلام وشرعا إعلام مخصوص. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان كراچی ١/ ٣٨٤، زكريا ٢/ ٤٧)

منها أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، زكريا ١/ ٣٦٩، بيروت ١/ ٦٤٢، كراچی ١/ ١٤٩)

ومن السنة أن يأتي بالأذان والإقامة جهرا رافعا بهما صوته إلا أن الإقامة أخفض منه -إلى- والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته ولا يجهد نفسه. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٥، جديد ١/ ١١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۲ھ

مسجد کے اندر اذان دینا

سوال [۱٦٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں کوئی بھی اذان ہو پڑھنا کیسا ہے؟ اور جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہو یا باہر، اگر باہر ہو تو بیچ میں دیوار حائل ہو تو کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: ایم ایچ رضا بروالان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں مسجد کے اندر اذان دینے کی ممانعت ہے، وہاں یہ علت بیان کی جاتی ہے کہ اذان کا مقصد غائبین کو مطلع کرنا ہے اور مسجد کے اندر اذان دینے سے غائبین کو اطلاع نہیں ہو پاتی ہے، اذان کا مقصد پورا نہیں ہو پاتا؛ اس لئے منع کیا گیا۔ اور جمعہ کی اذان ثانی کا مقصد حاضرین کو متنبہ کرنا ہے، تاکہ سب خطبہ کی طرف متوجہ ہو جائیں؛ اس لئے مسجد کے اندر دینا زیادہ افضل ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ حدود

مسجد کے اندر مسجد کی چھت پر اذان دیتے تھے، جہاں سے لوگوں کو دور دور تک سنائی دیتی تھی، اگر مسجد کے اذان دینا مکروہ ہوتا تو چھت پر اذان نہ دیتے؛ کیوں کہ چھت بھی حدود مسجد کے اندر داخل ہوتی ہے، اب جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر اور باہر دونوں جائز ہے، مگر خطیب کے سامنے ہونی چاہئے۔ اور افضل یہی ہے کہ خطیب کے سامنے مسجد کے اندر منبر سے بالکل قریب ہو اور درمیان میں دیوار حائل ہو تو جائز تو ہے، مگر افضیلت کے خلاف ہے۔

فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجده فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد. (شامي، أبواب الأذان، مطلب في أول من بنى المنائر للأذان، زكريا ٢/ ٥٤، كراچی ١/ ٣٨٧)

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدى المنبر.

(هداية، كتاب الصلوة، باب الصلوة الجمعة، أشرفي ديوبند ١/ ١٧١)

عن السائب بن يزيد، قال: كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد، وأبي بكر وعمر. (سنن أبي داؤد، باب النداء يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٥٥، دارالسلام، رقم: ١٠٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۴ھ

مسجد کے اندر اذان دینا

سوال [۱۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے اندر سے اذان کہنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بہشتی زیور میں ہے کہ مسجد کے اندر سے اذان کہنا صحیح نہیں ہے، مسجد سے علیحدہ کسی اونچی جگہ سے اذان کہنا چاہئے؛ لیکن ہم میں سے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اذان کا مطلب ہے اعلان کرنا اور مسجد کے اندر سے بھی یہ مقصد

حاصل ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ لاؤڈ اسپیکر سے اذان ہورہی ہے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کی دیوار جو قبلہ کی طرف سے ہے، اسی دیوار سے لگا ہوا اندر کی جانب پیش امام ہے اور اسی سے ملا ہوا ممبر بھی ہے اور مقتدی کی چٹائی منبر سے ملی ہوتی ہے اور دیوار سے تقریباً دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہے، تو دیوار اور چٹائی کے درمیان جو جگہ ہے وہ داخل مسجد ہے یا خارج مسجد؟ لہٰذا اس کا مفصل ومدلل جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد یاسین، اسلام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد سے باہر اونچی جگہ اذان دینے کا مقصود اعلان ہے۔ اور لاؤڈ اسپیکر ہونے کی صورت میں یہ مقصود مسجد کے اندر اور دیگر مقامات پر اذان دینے سے حاصل ہوجاتا ہے؛ اس لئے لاؤڈ اسپیکر ہونے کی صورت میں مسجد کے اندر بھی اذان دینا جائز اور درست ہے، جب کہ مائک کے ہارن مسجد کے باہر ہوں، جس سے آواز دور تک پہنچ سکے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی زکریا ۲/ ۲۹۴، دار العلوم ۲/ ۱۰۰)

کما یفهم من هذه العبارة: کان بلالا یؤذن فوقه من أول ما أذن إلی أن بنی رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجده فکان بعد یؤذن علی ظهر المسجد، وقد رفع له شيء فوق ظهره. (شامي، باب الأذان، مطلب في أول من بنی المنائر للأذان، کراچی ۱/ ۳۸۷، زکریا ۲/ ۵٤)

واعلم أن الأذان في المسجد لا یکره مطلقا کما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهیة. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذین عند الخطبة، کراچی ۸/ ٦٩، دار الکتب العلمیة بیروت ۸/ ۸۷)

جو جگہ محراب اور صف اول کے درمیان خالی ہے، جس میں گرچہ نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن یہ جگہ بھی داخل مسجد ہے اور اس کا احترام بھی مسجد ہی کی طرح ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۵۵، جدید ڈابھیل ۵/۱۹۲)

احترام مسجد کے خلاف کوئی فعل وعمل اس حصہ پر جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۰/ ۲۰۴، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۲۴)

لأن تنظيف المسجد واجب. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، کراچی ۲/ ٤٤٥، زکریا۳/ ٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۱۱ھ

مسجد کے اندر اذان دینا

سوال [۱۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو علماء مکروہ لکھتے ہیں، تو کیا لاؤڈ اسپیکر میناروں پر رکھنا صحیح ہوگا، جب کہ مسجد کا حکم زمین سے آسمان تک ہے۔

المستفتی: نسیم احمد شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی علت یہی ہے کہ اس سے غائبین کو آواز نہیں پہنچ پاتی اور لاؤڈ اسپیکر کو میناروں پر ایسی جگہ رکھا جائے جہاں سے لوگوں کو آسانی سے آواز پہنچ جائے اور اس کے تار مسجد میں ہوں اور مسجد میں اذان دے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے آواز باہر پہنچے، تو ایسی صورت میں مسجد کے اندر اذان دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی زکریا ۲/۲۹۴)

وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، ويرفع صوته. (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۱/ ٤٤٤، کوئٹہ ۱/ ۲۵۵، شامي، کتاب الصلوة، باب الأذان، کراچی ۱/ ۳۸٤، زکریا ۲/ ٤٨)

المقصود منه الإعلام وهو أتم فيه، ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في

موضع يكون أسمع للجيران. (البناية، باب الأذان، أشرفيه ديوبند ۲/ ۹۵)

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، كراچی ۸/ ۶۹، دارالکتب العلمية بيروت ۸/ ۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۵ھ

مسجد میں اذان دینا

سوال [۱۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، کیا داہنے طرف سے مسجد کے اندر سے اذان دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مکروہ ہے یا نہیں؟ (۲) امام کے کمرہ کے سامنے مسجد ہے اور امام کے کمرہ اور مسجد کے درمیان ۱۰؍ ہاتھ کا فاصلہ ہے، یعنی راستہ حائل ہے، تو کیا امام کے کمرہ سے اذان دے سکتے ہیں مائک کے ذریعہ یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر مسجد کے اندر کا درحدود مسجد میں داخل ہے، تو اس میں اذان دینا مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور اگر حدود مسجد سے باہر ہے، تو بلا کراہت جائز ہوگا۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۲۹۴)

(۲) کمرہ چونکہ حدود مسجد سے باہر ہے؛ اس لئے اس میں اذان دینے میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہے، جب کہ مائک کے ذریعہ سے دور تک آواز پہنچ رہی ہو۔ (دارالعلوم، قدیم ۲/ ۱۰۰)

وينبغي أن يؤذن على المئذنة، أو خارج المسجد، ولا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته. (عالمگیری، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ۱/ ۵۵،

جديد ١/ ١١٢، قاضيخان، باب الأذان، مسائل الأذان، زكريا جديد ١/ ٥١، وعلى هامش الهندية ١/ ٧٨)

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذنين عند الخطبة كراچی ٨/ ٦٩، دارالكتب العلمية بيروت ٨/ ٨٧)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به...... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها ...... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأذان، بيروت ١/ ٦٤٢، زكريا ١/ ٣٦٩، كراچی ١/ ١٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۴/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۵ھ

مسجد کے اندر بغیر مائک کے اذان دینا

سوال [۱۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے اندر بغیر مائک کے اذان دینا کیسا ہے؟

المستفتی: مولانا خورشید انور صاحب، مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کا مقصد غائبین اور دور کے لوگوں کو جماعت کے وقت کی اطلاع دینا ہے اور مسجد کے اندر اذان دینے میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا؛ اس لئے حضرات فقہاء نے اندرون مسجد اذان دینے کو خلاف اولیٰ کہا ہے۔

وينبغي أن يؤذن على المئذنة، أو خارج المسجد، ولا يؤذن في

المسجد. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٥، جديد ١/ ١١٢)

ويكره أن يؤذن في المسجد. (حاشية الطحاوي على مراقى الفلاح، باب الأذان، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

مائک میں اذان کی شرعی حیثیت

سوال [۱۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مائک پر اذان دینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ کیوں کہ مائک سے اذان دینے میں مائک کا فائدہ نظر آرہا ہے، لوگ چوکنا ہوجاتے ہیں، مسجدوں میں نمازیوں کے بڑھنے کا ذریعہ ہے، اسے قائم رکھنے کے لئے ہمارے پاس کیا دلیل ہے؟

المستفتی: حاجی سردار خاں، سنکمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاؤڈ اسپیکر میں بعینہ متکلم کی آواز سنائی دیتی ہے، بس صرف اتنا ہے کہ متکلم کی آواز لاؤڈ اسپیکر میں کھل کر بلند ہوتی ہے؛ اس لئے لاؤڈ اسپیکر میں اذان دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، رسالہ آلات جدیدہ کے شرعی احکام، قدیم ۵/ ۳۴، جدید زکریا ۷/ ۲۹۶)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ١/ ٦٤٢، زكريا ٣٦٩، كراچى ١/ ١٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۶۹)

لاؤڈاسپیکر پراذان کا شرعی حکم

سوال [۱۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد پٹھانوں والی میں لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت ہے، مسجد خاص سڑک پر ہے، اس قدر ٹریفک ہے کہ کان پڑے آواز نہیں آتی، اس کے علاوہ کارخانہ آس پاس بہت ہونے کی وجہ سے بھی شور بہت رہتا ہے، ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر لگانا ٹھیک ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب احمد سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کا مقصد اپنے کاموں میں مشغول رہنے والے غائبین کو اطلاع کرنا ہے۔ اور مذکورہ حالات میں بغیر مائک کے اذان دینے میں چونکہ مقصد حاصل نہیں ہورہا ہے؛ اس لئے آواز بڑھانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر میں اذان جائز ہوگی۔

(مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/ ۱۳، جدید زکریا ۳/ ۵۲)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به...... ولهذ كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها ...... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأذان، بيروت ١/ ٦٤٢، زكريا ١/ ٣٦٩، كراچی ١/ ١٤٩)

ويؤذن المؤذن حيث يكون أسمع للجيران؛ لأن المقصود إعلامهم، ويرفع صوته؛ لأن الإعلام لا يحصل إلا به. (المبسوط للسرخسي، باب الأذان، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ١٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۲/ ۱۴۱۵ھ

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو مسجد میں اذان دی جاتی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارقم علی وام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان سے مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کا علم ہوجائے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ اور اذان سن کر لوگ کثرت کے ساتھ جماعت میں حاضر ہوجائیں، پہلے یہ مقصد اس وقت حاصل ہوتا تھا جب کہ مسجد کے باہر منارہ پر کھڑے ہوکر اذان کہی جاتی تھی؛ اس لئے فقہاء نے مسجد کے اندر اذان دینے کو خلاف اولیٰ قرار دیا تھا؛ لیکن لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینے کی صورت میں مسجد کے اندر رہتے ہوئے بھی یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے؛ لہٰذا مسجد کے اندر مائک کے ذریعہ سے اذان دینے میں کوئی کراہت معلوم نہیں ہوتی۔

وینبغي أن یؤذن علی المئذنة، أو خارج المسجد، ولا یؤذن في المسجد. (هندیة، کتاب الصلوة، الباب الثاني، الفصل الثاني في کلمات الأذان، زکریا قدیم ۱/ ۵۵، جدید ۱/ ۱۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ "**اذان علی المئذنة**" کی صورت میں خارج مسجد کی ضرورت نہیں، نیز جمعہ کی اذان ثانی بالاتفاق مسجد ہی میں مشروع ہے، اس سے بھی ثابت ہوا کہ دوسری اذانوں کے لئے خارج مسجد کا حکم محض لوگوں تک آواز پہنچانے کے لئے ہے؛ البتہ مسجد کے اندر جہر بالخصوص مسقّف حصے میں خلاف ادب معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے بہتر یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر مسجد سے باہر رکھا جائے اور باہر کوئی انتظام بسہولت نہ ہو سکے تو مسجد کے اندر بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية -إلى قوله- قال الشيخ: فقوله: في المسجد صريح فى عدم كراهة الأذان في داخل المسجد، وإنما هو خلاف الأولى إذا مست الحاجة إلى الإعلان البالغ، وهو المراد بالكراهة المنقولة. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذنين عند الخطبة كراچی ٨/ ٦٩، دارالكتب العلمية بيروت ٨/ ٨٧)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به...... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها ...... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأذان، بيروت ١/ ٦٤٢، ٦٤٣، زكريا ١/ ٣٦٩، كراچی ١/ ١٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۷ھ

مسجد کے اندر مائک میں اذان پنجگانہ دینا

سوال [۱۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اندرون مسجد اذان دی جاسکتی ہے یانہیں؟ امید کہ آپ ہماری اس تشویش کو مدلل واطمینان بخش جواب دے کر رفع کریں گے۔

نوٹ:- جس مائک میں اذان دی جاتی ہے، وہ امام کے مصلی کے قریب یعنی بائیں جانب ہے اور وہیں اذان دی جاتی ہے، بائیں جانب مسجد کے کونے میں۔

المستفتی: مولانا عبدالقدوس بربھنی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اندرون مسجد اذان دینا جائز ہے۔

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، كراچی ۸/ ۶۹، دارالکتب العلمیة بیروت ۸/ ۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۵/۱۴۱۹ھ

حیعلہ کہاں سے شروع کرے؟

سوال [۱۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان میں کلمات حیعلہ سامنے سے شروع کرے یا پہلے چہرہ پھیر لے دائیں اور بائیں جانب، پھر کلمات کہنے شروع کرے؟ فقہاء کی تشریح اور صریح عبارت کی رہنمائی فرمادیجئے۔

المستفتی: عبید الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب مؤذن کلمات حیعلتین پر پہنچے تو اولاً دائیں جانب چہرہ پھیر لے، پھر ''حی علی الصلوۃ'' دومرتبہ کہے، اسی طرح بائیں جانب چہرہ پھیر کر ''حی علی الفلاح'' دومرتبہ کہے، جیسا کہ درج ذیل فقہی جزئیہ اس پر مشیر ہے۔

فإذا انتهى إلى الصلوة والفلاح حوله وجهه يمينا وشمالا، وقدماه مكانهما (إلى قوله) فيستدير المؤذن في المئذنة عند الحيعلتين، ويخرج رأسه من الكوة اليمنى، ويقول: حي على الصلوة مرتين، ثم من الكوة

الیسری، فیقول: حی علی الفلاح مرتین. (عالمگیری، کتاب الصلوۃ، الباب الثاني فی الأذان، الفصل الثاني، زکریا قدیم ۱/ ۵٦، جدید ۱/ ۱۱۳، الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلوۃ، الفصل الثاني في الأذان ۲/ ۱۳۸، رقم: ۱۹٦۵)

ویحول، أي یدیر وجهه، أی لا قدمیه ولا صدره في الحیعلتین، أي عند قوله: حی علی الصلوۃ، وحی علی الفلاح، یمنة ویسرة. (شرح النقایة، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، إعزازیه دیوبند ۱/ ٦۰)

حدثنا عون بن أبي جحیفة، عن أبیه قال: أتیت النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم بمکة وهو بالأبطح –إلی– قال: فتوضأ وأذن بلال، قال: فجعلت أتتبع فاه هاهنا وهاهنا (یقول: یمینا وشمالا) یقول: حی علی الصلاۃ، حي علی الفلاح. (صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب سترۃ المصلی، النسخة الهندیة ۱/ ۱۹۵، بیت الأفکار، رقم: ۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۵/ ۱۴۲۵ھ

فجر کی اذان میں ”الصلوۃ خیر من النوم“ کا اضافہ کس نے کیا؟

سوال [۱٦۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی اذان میں ”**الصلوۃ خیر من النوم**“ جو کہا جاتا ہے، صاحب اذان نے جو خواب دیکھا تھا اوران سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ بلال کی آواز میں زیادہ زور اور کھچاؤ ہے؛ اس لئے بلال کو املاء کرادو، کہ وہ اذان دیں، تو اس میں ”**الصلوۃ خیر من النوم**“ شامل تھا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کو فرشتہ نے خواب میں

جو اذان سکھائی تھی، اس میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' نہیں تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اس کا اضافہ کرایا ہے۔

قال حفص : حدثني أهلي، أن بلالا أتى رسول الله ﷺ، يؤ ذنه لصلاة الفجر، فقالوا : إنه نائم، فنادى بلال بأعلى صوته: ''الصلوة خير من النوم'' فأقرت في أذان الفجر. (مسند الدارمي دار المغني ٢/ ٧٦٢، رقم: ١٢٢٨)

عن بلال، أنه أتى النبي ﷺ يؤذنه بصلاة الفجر، فقيل: هو نائم، فقال: ''الصلوة خير من النوم''، ''الصلوة خير من النوم'' فأقرت فى تأذين الفجر، فثبت الأمر على ذلک. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية، ١/ ٥٢، دارالسلام، رقم: ٧١٦)

عن محمد بن عبدالملک بن أبي محذورة، عن أبيه، عن جده قال: قلت : يا رسول الله! علمني سنة الأذان –إلى قوله– فإن كان صلاة الصبح قلت: ''الصلوة خير من النوم''، ''الصلوة خير من النوم''، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب كيف الأذان؟ النسخة الهندية، ١/ ٧٢، دارالسم، رقم: ٥٠٠-٥٠١)

عن بلال أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم يؤذنه بالصبح فوجده راقدا، فقال: ''الصلوة خير من النوم'' مرتين، قال النبي صلى الله عليه وسلم : ما أحسن هذا يا بلال! اجعله في أذانک. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١/ ٣٥٥، رقم: ١٠٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

کانوں میں انگلی ڈال کراذان دینا

سوال [۱۶۷۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کانوں میں انگلی ڈال کر یا ہاتھ کانوں پر رکھ کراذان دینا سنت ہے یا واجب؟ وضاحت فرمائیں، نیز ایک جگہ انگلی کانوں میں ڈالے اور ہاتھ کانوں پر رکھے بغیر ہاتھ چھوڑ کراذان دیتے ہیں، ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ اذان صحیح ہوئی یانہیں؟ اعادہ کی ضرورت ہے یانہیں؟

المستفتی: عبدالمعید، بجنوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے وقت کانوں میں انگلی ڈالنا سنت ہے اور بغیر انگلی ڈالے ہاتھ چھوڑ کر اذان دے دیگا تو اذان تو صحیح ہوجائے گی، مگر خلاف سنت ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حدثنا عبدالرحمن بن سعد بن عمار بن سعد، مؤذن رسول الله صلی الله علیہ وسلم، حدثني أبي، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلی الله علیہ وسلم أمر بلالا: أن يجعل إصبعيه في أذنيه، وقال: إنه أرفع لصوتک. (سنن ابن ماجة، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۲، دارالسلام، رقم: ۷۱۰)

عن بلال، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا أذنت فاجعل إصبعک في أذنيک؛ فإنه أرفع لصوتک. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱/ ۳۵۳، رقم: ۱۰۷۲)

ويذكر عن بلال، أنه جعل إصبعيه في أذنيه، وكان ابن عمر لا يجعل إصبعيه في أذنيه. (صحيح البخاري، الأذان تعليقا ۱/ ۸۸)

ويستحب أن يجعل إصبعيه في أذنيه لقوله صلى الله عليه وسلم لبلال رضي الله عنه: اجعل إصبعيک في أذنيک؛ فإنه أرفع لصوتک. (مراقي)

وهو ليس بسنة أصلية إذ لم يكن في أذان الملک النازل من السماء، ولم

يشرع لأصل الإعلام، بل للمبالغة فيه، وان جعل يديه على أذنيه فحسن.
(طحطحاوي على المراقي، باب الأذان،جديد، دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۹۷، قديم/ ۱۰۶)

ونبه على الحكمة، وهي المبالغة في تحصيل المقصود، وإن لم يفعل أجزأه لحصول أصل الإعلام بدونه. (بدائع، صفات الموذن، زكريا ۱/ ۳۷۳، كراچى ۱/ ۱۵۱، هداية وعنايه مع الفتح، باب الأذان، كوئٹه ۱/ ۲۱۳، زكريا ۱/ ۲٤۹، شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، كراچى ۱/ ۳۸۸، زكريا ۲/ ٥٤، البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ۱/ ٤٥۰، كوئٹه ۱/ ٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۴۷۶)	۱۴۲۱/۶/۱۷ھ

اذان میں ''مد'' کی مقدار

سوال [۱۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان میں ''اللہ'' کے ''لام'' میں اور ''حی علی الصلوۃ'' اور حی علی الفلاح'' کے ''لام'' میں اورنماز میں رکوع کی تکبیر میں اورسجدہ کی تکبیر میں ''مد'' کی مقدار کیا ہے؟ ایک الف یا دوالف یا تین الف؟ اگر ایک الف ہے اور تین الف مد کیا تو جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں: کہ اذان میں ۵/ الف سے ۷/ الف تک مد کرنا جائز ہے۔ اور بعض عالم فرماتے ہیں کہ ایک الف سے زیادہ مد کرنا جائز نہیں ہے۔

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان میں راگ اورگانے کی آواز سے احتراز لازم ہے اورساتھ ساتھ بمقتضی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''واندیٰ صوتا'' تحسین صوت اور رفع صوت بھی اصل مقصد ہے، نیز شریعت میں افراط وتفریط جائز نہیں، اعتدال مقصود ہے؛ لہٰذا

اگر راگ سے احتراز کر کے بغرض رفع صوت ایک الف سے زائد دو الف تک کھینچ دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں؛ اس لئے جو مؤذن راگ اور گانے کی آواز سے احتراز کر کے محض تحسین صوت اور رفع صوت کے لئے آواز کو ایک دو الف بڑھاتا ہے، تو اس پر شدت اور نکیر مناسب نہیں ہے؛ البتہ دو الف سے زائد نہ ہونا چاہئے اور جو مؤذن آواز میں راگ پیدا کرتا ہے، وہ قابل نکیر ہے۔ (مستفاد: مسائل اذان واقامت اور اس کے شرعی احکامات، مؤلفہ قاری ابوالحسن صاحب اعظمی)

ولا بأس بالتطريب في الأذان، وهو تحسين الصوت من غير أن يتغير، فإن تغير بلحن أو مد، أو ما أشبه ذلك كره، وقال شمس الأئمة الحلواني: إنما يكره ذلك فيما كان من الأذكار، أما في قوله: حي على الصلوة، حي على الفلاح، لا بأس فيه بإدخال مد ونحوه. (قاضيخان، كتاب الصلوة، مسائل الأذان، زكريا جديد ١/ ٥١، وعلى هامش الهندية ١/ ٧٨، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، اعزازيه ديوبند ١/ ٦٠)

اور نماز میں رکوع سجدہ کی تکبیر میں اللہ کے "مد" کی مقدار ایک الف ہے؛ کیوں کہ ان جگہوں میں جو مد ہے وہ مد اصلی ہے اور مد اصلی میں ایک الف سے زائد مد کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: جمال القرآن، ص:۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۶/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۱۵)

اذان میں آواز میں لچک پیدا کرنا

سوال [۱۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کلمات اذان میں جہاں مد کی گنجائش ہے، ان میں مد کرتے وقت بغیر کسی حرف کی تبدیلی اور زیادتی کے آواز میں زیر و بم اور لَے پیدا کرنا مکروہ، حرام یا مستحب وجائز ہے؟ "تمطیط"

کی حقیقت کیا ہے؟ کیا منع ہے؟

المستفتی: عبیدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ بلال کو کلمات اذان سکھلا دو؛ اس لئے کہ ان کی آواز میں زیادہ زور اور زیادہ کھنچاؤ ہے، اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حروف ''مد'' کی رعایت کرتے ہوئے ضرورت کے مطابق کھینچ کر بآواز بلند اذان دینا مستحب ہے، بشرطیکہ الفاظ میں کوئی تغیر وتبدیلی نہ ہو؛ البتہ آواز میں لہر پر لہر اور راگ وتغنی پیدا کرنا مکروہ ہے۔ اور سوال نامہ میں جو آواز میں لچک کی بات کہی گئی ہے، تو اگر معمولی لچک ہو تو خلاف اولیٰ ہے۔ اور اگر زیادہ تغنی ولچک ہو تو مکروہ ہے۔

عن محمد بن عبدالله بن زيد، عن أبيه، قال: لما أصبحنا أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبرته بالرؤيا، فقال: إن هذه لرؤيا حق، فقم مع بلال؛ فإنه أندى وأمد صوتا منك. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الأذان، النسخة الهندية ۱/ ٤٨، دارالسلام، رقم: ۱۸۹)

ولا لحن فيه، أي تغني بغير كلماته، أي بزيادة حركة أو حرف، أو مد، أو غيرها في الأوائل والآواخر، وبلا تغير حسن، أي والتغنى بلا تغيير حسن، فإن تحسين الصوت مطلوب. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۵۳، كراچی ۱/ ۳۸۷)

ولا يلحن أي يتغني فيها، بأن نقص من الحروف، أو من كيفياتها، وهى الحركات والسكنات، أو زاد في شيء منهما، وأما مجرد تحسين الصوت، فهو حسن روي أن رجلا جاء إلى ابن عمر، فقال: إني أحبك في الله، قال: إني أبغضك في الله، قال: لم؟ قال: بلغني أنك تغني فى أذانك. (شرح

النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديو بند ١/ ٦٠)

نیز''تمطیط'' کیا چیز ہے؟ یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا؛ اس لئے جواب لکھنے سے قاصر ہوں، یا آپ نے ''عطیط'' کو''تمطیط'' سمجھ لیا ہے، اس کو بھی واضح فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۳/ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۵/ ۱۴۲۵ھ

اذان میں راگ پیدا کرنا

سوال [۱۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہ مسجدوں میں جو مؤذن اذان پڑھتے ہیں، اس میں وہ گلے بازی دو سانسوں میں کررہے ہیں اور مسجد کے امام صاحب اور نمازی بھی سنتے ہیں اور خاموش ہیں، تو ایسی صورت میں مسئلہ بیان فرمائیں اور سننے والوں کے بارے میں بھی فرمائیں؟

المستفتی: راحت جان جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اذان میں راگ پیدا کرنا اور اس طرح کھینچ تان کر آواز کو بڑھاتے چلے جانا کہ ایک الف کی جگہ تین تین چار چار الف پیدا ہوجائیں، مکروہ ہے، اس سے باز آجانا چاہئے۔

إعلم أن المد إن كان في الله (إلى قوله) فإن بالغ حتى حدث ألف ثانية بين اللام والهاء كره. (شامي، آداب الصلوة، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها، كراچی ١/ ٤٨٠، زكريا ٢/ ١٧٩، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، مكتبه إعزازيه ديو بند ١/ ٦٠، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ١/ ٦٤٤، كراچی ١/ ١٥٠، زكريا ١/ ٣٧١، المبسوط للسرخسي، كتاب

الصلوة، باب الأذان، دارالکتب العلمية، بيروت ۱/ ۱۳۸)

عن يحيى البكاء، قال: كنت أخذا بيد ابن عمر وهو يطوف بالكعبة، فلقيه رجل من مؤذني الكعبة، فقال: إني لأحبك في الله، فقال ابن عمر: إني لأبغضك في الله، إنك تحسن صوتك لأخذ الدراهم.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الأذان، مؤسسة علوم القرآن، جديد ۲/ ۳۸۶، رقم: ۲۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۶۵)

اذان میں تجوید کی رعایت مقصود نہیں

سوال [۱۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن جب اذان کہے تو کلمات اذان کی ادائے گی میں تجوید وقراءت کے قاعدوں کا امتیاز کرتے ہوئے اذان کہے یا یوں ہی عربی لہجہ میں صرف اعلام پیش نظر رکھتے ہوئے اذان کہے؟ حضرات فقہاء کرام کی عبارات کے حوالہ سے جواب دیں۔

المستفتی: محمد سلمان، مدرسہ سیدنا عمر فاروق، گلوتکیہ چوک، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان میں اصل مقصد اعلام اور اعلان ہے؛ لیکن الفاظ کی ادائے گی میں الفاظ کے صحت کی ادائے گی بھی ضروری ہے، تلاوت قرآن کی تجوید کی رعایت اذان میں مقصود نہیں ہے؛ بلکہ اصل مقصد اعلام اور اعلان ہے۔

لأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت، وذا في الترسل أبلغ.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سنن الأذان، زكريا ۱/ ۳۶۹، كراچى ۱/ ۱۴۹،

المحيط البرهاني، قديم ١/ ٣٤٢، المجلس العلمي ٢/ ٩٠، رقم: ١٢٩٦)

ليس فيه تلحين (إلى قوله) أن التلحين هو إخراج الحرف عما يجوز له في الأداء من نقص من الحروف، أو من كيفياتها، وهي الحركات والسكنات، أو زيادة شيء فيها، وقيده بالتلحين؛ لأن التفخيم لا بأس به؛ لأنه أحد اللغتين. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، كوئٹه ١/ ٢٥٦، زكريا ١/ ٤٤٦)

ولا يلحن، أي لا يتغني فيها بأن نقص من الحروف، أو من كيفياتها، وهي الحركات والسكنات، أو زاد فيه شيء منهما، وأما مجرد تحسين الصوت فهو حسن. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ١/ ٦٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۶۷/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۳ھ

غلط خواں کی اذان

سوال [۱۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مؤذن اذان غلط پڑھتا ہو، مثلاً شہادتین میں بجائے ''اشہد'' کے ''اشدُ'' یا ''اشہدٗ'' اور حیعلتین میں ''صلوۃ'' اور ''فلاح'' کے بجائے ''صلا'' اور ''فلا'' پڑھتا ہو اور باوجود فہمائش وتنبیہ کے بھی تصحیح کلمات اذان کی کوشش نہ کرتا ہو، آیا ایسے مؤذن کی اذان باوجود اغلاط مندرجہ بالا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کو یا اس جیسے مؤذن کو کسی بھی مسجد کا مستقل مؤذن منتخب اور تجویز کرنا درست ہے، خصوصاً جب کہ وہ اوقات نماز سے بالکل غافل وجاہل ہو، حتی کہ نماز بھی صحیح یاد نہ ہو؟ ان تقصیرات واغلاط مندرجہ بالا کا حامل مؤذن جب کہ اس کے عزل پر قدرت تامہ حاصل ہو واجب العزل ہے یا نہیں؟ براہ کرم مدلل وبحوالہ جواب ارقام فرمائیں۔

المستفتی: رحمت اللہ مظاہری، تاج پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غلط اذان پڑھنے والے کی اذان مکروہ ہوتی ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم أقرأكم. (سنن ابن ماجة، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين، النسخة الهندية، ص: ۵۳، دارالسلام، رقم: ۱۷۲٦، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱۱/ ۲۳۷، رقم: ۱۱٦۰۳، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۱/ ٤۸۷، رقم: ۱۸۷۲، ۲/ ۳۹۸، رقم: ۳۸٤۷)

والأفضل أن يكون المؤذن عالماً بالسنة، وبمواقيت الصلاة. (حاشية چلپی على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، ملتان، قديم ۱/ ۸۹، زكريا ۱/ ۲۳۸)

ويكره التلحين، وهو التطريب، والخطأ في الإعراب. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي قديم، ص: ۱۰۷، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۹۹)

ولا يلحن أي يتغني فيها، بأن نقص من الحروف، أو من كيفياتها، وهى الحركات والسكنات، أو زاد في شيء منهما. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ۱/ ٦۰)

ومنها: أن يكون تقيا ...... ومنها: أن يكون عالما بالسنة ...... ومنها: أن يكون عالما بأوقات الصلوة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ٦٤٦، كراچی ۱/ ۱۵۰، زكريا ۱/ ۳۷۲)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۰۰)

لاعلمی میں پورب کی طرف رخ کرکے اذان دینا

سوال [۱۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنا رخ اذان میں پورب کی طرف کرلیا، اذان ہوئی یا نہیں؟ اس سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ فوراً جواب دیا کہ مجھے رخ کا پتہ نہیں چلا، معلوم ہونے کے بعد اذان کو لوٹانا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد انور، منڈاور ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان میں قبلہ کی طرف رخ کرنا مسنون ہے، اس کے برعکس خلاف سنت ہے؛ لہٰذا بے خیالی اور ناواقفیت میں دوسری طرف رخ کرکے جو اذان دی گئی ہے وہ صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، جیسا کہ انجان علاقہ میں دوسری طرف رخ کرکے نماز پڑھنے سے نماز بھی صحیح ہوجاتی ہے اور ناواقفیت کی وجہ سے اذان میں کراہت اور گناہ بھی نہیں ہے۔

ویتحری هو بذل المجهود لنيل المقصود عاجز عن معرفة القبلة بما مر، فإن ظهر خطؤه لم يعد لما مر. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب كرامات الأولياء ثابتة، زكريا ۲/ ۱۱۵، كراچى ۱/ ۴۳۳)

ومنها: أن يأتي بالأذان والإقامة مستقبل القبلة؛ لأن النازل من السماء هكذا فعل، وعليه إجماع الأمة، ولو ترك الاستقبال يجزيه؛ لحصول المقصود وهو الإعلام؛ لكنه يكره لتركه السنة المتواترة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ۱/ ۶۴۳، كراچى ۱/ ۱۴۹، زكريا ۱/ ۳۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۸ھ

اذان کے بعد مسجد سے نکل کر بلا عذر دوسری مسجد جانا

سوال [۱۶۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد میں اذان ہوگئی ہے، ایک شخص اس مسجد میں وضو کرنے کے بعد دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھتا ہے، تو یہ کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں اذان ہونے کے بعد وضو کرکے بغیر عذر کے مسجد سے نکلنا مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی عذر ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يسمع النداء في مسجدي هذا، ثم يخرج منه، إلا لحاجة، ثم لا يرجع إليه إلا منافق. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۳/ ۵۲، رقم: ۳۸۴۲، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵)

عن أبي الشعشاء، قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه بالعصر، فقال أبوهريرة: أما هذا فقد عصى أبا القاسم صلى الله عليه وسلم وعلى هذا العمل عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ومن بعدهم، أن لا يخرج أحد من المسجد بعد الأذان، إلا من عذر: أن يكون على غير وضوء، أو أمر لابد منه. (ترمذي، باب ماجاء في كراهية الخروج من المسجد بعد الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۲۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

اذان وتکبیر کہہ کر جماعت سے الگ ہوجانا

سوال [۱۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید اذان دیتا ہے اور تکبیر بھی کہتا ہے، جب کوئی نماز پڑھانے کھڑے ہوتے ہیں امام کے علاوہ تو زید الگ ہوجاتا ہے، تو زید کی اذان اور تکبیر سے جو باقی حضرات جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو باقی لوگوں کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: رستم علی مدرس مدرسہ انصار العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے اذان وتکبیر کہنے کے بعد جماعت سے علیحدہ ہوجانے سے بقیہ حضرات کی نماز درست ہے؛ البتہ زید کا ایسا عمل کرنا اس کے لئے گناہ کا باعث ہوگا۔ اور پھر ہر شخص کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے اگرچہ امام کا اعلم ومتقی ہونا بہتر ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: …… والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم، برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داؤد، الجهاد، باب الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية، ۲/ ۳٤۳، دار السلام، رقم: ۲۵۳۳)

وإن أذن وأقام، ولم يصل مع القوم يكره؛ لأنه إن كان صلى فهذا تنفل بالأذان، وإنه غير مشروع، وإن كان لم يصل فقد جمعهم على الخير وفارقهم فيكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، جديد زكريا ۲/ ۱٤٦، رقم: ۱۹۸۸، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ۲/ ۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۱/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۲۶ھ

ایک مسجد میں فرض پڑھ کر دوسری میں اذان واقامت کہنا

سوال [۱۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوسری مسجد میں اذان واقامت بھی کہتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، تو اس کی اذان واقامت اور نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالقدوس جگر کالونی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسجد میں نماز پڑھ کر دوسری مسجد کی جماعت کے ساتھ ظہر اور عشاء میں شرکت کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۳۹۱)

البتہ ایک مسجد میں فرض پڑھ کر دوسری مسجد میں اذان واقامت کہنا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ اذان واقامت اصلاً فرض پڑھنے والے کے لئے ہے اور یہ شخص متنفل ہے، اس نے اپنا فرض پڑھ لیا ہے؛ لہٰذا ایسا شخص اذان واقامت نہ کہے۔

ویکره أن یؤذن في مسجدین، ویصلي في أحدهما؛ لأنه إذا صلی في المسجد الأول یکون متنفلا بالأذان في المسجد الثاني، والنفل بالأذان غیر مشروع. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، صفات المؤذن، زکریا ۱/ ۳۷۵، کراچی ۱/ ۱۵۱، البنایة، کتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفیه دیوبند ۲/ ۹۷)

یکره له أن یؤذن فی مسجدین (وتحته في الشامیة:) لأنه إذا صلی في المسجد الأول یکون متنفلا بالأذان في المسجد الثاني، والتنفل بالأذان غیر مشروع، ولأن الأذان للمکتوبة وهو في المسجد الثاني یصلی النافلة، فلا ینبغي أن یدعو الناس إلی المکتوبة، وهو لا یساعدهم فیها.

(شامي، کتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في کراهة تکرار الجماعة في المسجد، زکریا ۲/ ۷۱، کراچی ۱/ ۴۰۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

کیا باوضو اذان دینا ضروری ہے؟

سوال [۱۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا مؤذن کو اذان پڑھتے وقت باوضو ہونا ضروری ہے، یعنی اذان بلا وضو کئے ہوئے پڑھی جاسکتی ہے؟

(۲) اگر اذان بلا وضو پڑھی جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ فقط والسلام

المستفتی: عزیز الرحمٰن خان، رحمٰن منزل، محلّہ قانون گویاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) راجح اور صحیح قول کے مطابق بغیر وضو اذان دینا بلا کراہت جائز ہے، اذان لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ باوضو اذان دیا کریں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: کہ باوضو شخص ہی اذان دیا کرے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يؤذن إلا متوضي.

(سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية الأذان بغير وضوء، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۲۰۰، السنن الكبرى للبيهقي، باب لا يؤذن إلا طاهر، دارالفكر ۲/ ۱۴۷، رقم: ۱۸۹۷)

ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية، هكذا في الكافي، وهو الصحيح.

(فتاوی عالمگیری، باب الأذان، الفصل الأول، زکریا قدیم ۱/ ۵۴، جدید ۱/ ۱۱۰، هکذا فی درالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إلا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۰، کراچی ۱/ ۳۹۲)

قال أصحابنا: إن أذن وهو على غير وضوء لم يعد، ويجزئه.

(مختر اختلاف العلماء، كتاب الصلوة، باب في الأذان على غير طهارة، بيروت ۱/ ۱۸۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۳۵)

بلاوضواذان دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعد آداب کے گزارش ہے کہ محلّہ کی مسجد میں ایک صاحب اذان دیتے ہیں اور وہ صاحب اکثر روزانہ کسی نہ کسی وقت کی اذان بنا وضو کے دیتے ہیں اور اس بات کو میں نے کئی مرتبہ دیکھا اور میں نے ان کو سمجھایا کہ اذان بنا وضو کے نہیں دینا چاہئے، مگر اس بات کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ لہٰذا آپ مہربانی فرما کر حدیث سے اس بات کو بتانے کی زحمت گوارہ کریں کہ بنا وضو کے اذان دینا درست ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جو بات ہو صاف صاف لکھنا، تاکہ میں اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کرا کر مسجد کے چاروں دروازوں پر لگادوں، آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی۔ فقط

المستفتی: محمد رئیس، ولد حافظ محمد شفیق قریشی، محلّہ فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر وضو کے بھی اذان دینا بلاکراہت صحیح اور درست ہے، مستحق ملامت نہیں ہے؛ البتہ باوضو مستحب اور اچھا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں اس بات کی تاکید آئی ہے کہ آدمی وضو کی حالت میں اذان دیا کرے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يؤذن إلا متوضئ. (سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية الأذان بغير وضوء، النسخة الهندية، ١/ ٥٠، دارالسلام، رقم: ٢٠٠، السنن الكبرى للبيهقي، باب لا يؤذن إلا طاهر، دارالفكر ٢/ ١٤٧، رقم: ١٨٩٧)

فإن أذن على غير وضوء جائز؛ لأن قراءة القرآن أفضل منه، وهي تجوز مع الحدث، فالأذان أولى لكن الوضوء فيه مستحب كما في القراءة.

(الجوهرة، باب الأذان، إمداديه ملتان ١/ ٥٣، جديد دارالكتاب ديوبند ١/ ٥٤)

لأن أذان المحدث لا يكره في ظاهر الرواية، وهو الصحيح. (البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ١/ ٤٥٨، كوئٹه ١/ ٢٦٣، فتاوى عالمگيری، باب الأذان، الفصل الأول، زكريا قديم ١/ ٥٤، جديد ١/ ١١٠، فتاوى الدرالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب كراچی ١/ ٣٩٢، ٢/ ٦٠، غنية المستملي، سنن الصلاة، أشرفيه ديوبند، ص: ٣٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۷۷)

بغیر وضو کے اذان دینے کا شرعی حکم

سوال [۱۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے آج فجر کی اذان وقت نہ ہونے کی وجہ سے بغیر وضو کے دے دی، تو اب وہ اذان ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو مکروہ ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: ہارون رشید مؤذن مسجد ٹال والی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اتفاقی طور پر بلا وضو اذان دی جائے تو بلا کراہت اذان صحیح ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں اذان مکروہ نہیں ہوئی۔

ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية. (عالمگيری، باب الأذان، الفصل الأول، زكريا قديم ١/ ٥٤، جديد ١/ ١١٠)

فإن ترك الوضوء في الأذان جاز، وهو الصحيح. (الجوهرة، باب الأذان، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ٥٣، جديد، دارالكتاب ديوبند ١/ ٥٤)

وجاز أذان المحدث لحصول المقصد، ولا يكره في الصحيح.

(مجمع الأنهر، باب الأذان، قديم ١/ ٧٧، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١١٧) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۴۹)

مؤذن کا دوسرے شخص کو اذان کی اجازت دینا

سوال [۱۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان دینے کے لئے کوئی نمازی اجازت طلب کرے تو مؤذن کے لئے ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز، برتن بازار، شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان دینا مؤذن کا حق ہے، اس کو اختیار ہے کہ دوسرے کو اجازت دے یا نہ دے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/ ۱۷، جدید زکریا ۳/ ۵۶، زکریا مطول ۳/ ۵۱۰)

أقام غير من أذن بغيبته، أي المؤذن لا يكره مطلقا، وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة، كما كره مشيه في إقامته. (درمختار مع الشامي، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه، زكريا ٢/ ٦٤، كراچى ١/ ٣٩٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۹۸)

مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کا اذان دینا

سوال [۱۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: یہ کہ مسجد میں مؤذن مقرر ہے، اس کی موجودگی میں کسی کو اذان دینا بغیر اجازت مؤذن جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اذان دینا بہتر اور مناسب نہیں؛ کیوں کہ مؤذن کا حق ہے؛ لیکن اذان ہر حال میں درست ہو جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/ ۱۷، جدید زکریا ۳/ ۵۶)

أقام غير من أذن بغيبته، أي المؤذن لا يكره مطلقا، وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة، كما كره مشيه في إقامته. (درمختار مع الشامي، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه، زكريا ٢/ ٦٤، كراچی ١/ ٣٩٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۹۸)

کیا دس سالہ بچہ اذان واقامت کہہ سکتا ہے؟

سوال [۱۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دس سال کا بے ریش لڑکا اذان واقامت پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور صرف اذان کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اور ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو جس وقت آپ ﷺ نے اذان کی تعلیم فرمائی تھی اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟

المستفتی: محمد جلال الدین پاکبڑہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دس سال کا لڑکا جب کہ سمجھ دار ہو اذان واقامت کہہ سکتا ہے۔

أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية. (عالمگيري، باب الأذان، الفصل الأول، قديم ١/ ٥٤، جديد ١/ ١١٠)

لیکن بالغ کا اذان دینا بچے کے مقابلہ میں بہتر اور افضل ہے۔

ولكن أذان البالغ أفضل. (عالمگيری ١/ ٥٤، جديد ١/ ١١٠)

وكذلك أذان الصبي العاقل، وإن كان جائزا حتى لا يعاد، ذكره في ظاهر الرواية لحصول المقصود وهو الإعلام، لكن أذان البالغ أفضل. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ١/ ٦٤٦، كراچی ١/ ١٥٠، زكريا ١/ ٣٧٢)

وأذان الصبي العاقل يجوز بلا كراهة في ظاهر الرواية، لكن أذان الرجل أفضل. (حاشية چلپی على تبيين الحقائق، ملتان ١/ ٩٤، زكريا ١/ ٢٤٩، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٤٥، رقم: ١٩٨٣)

اور ابو محذورہ کی عمر اس وقت تقریباً سولہ برس کی تھی (سیرت مصطفیٰ ۳/۳۲) فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۴/۳۴۷)

نابینا شخص کی اذان واقامت

سوال [۱۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک نابینا شخص ہوں اور حافظ بھی ہوں، اس صورت میں اذان اور تکبیر کہہ سکتا ہوں یا نہیں؟ اگر کہہ سکتا ہوں تو مستقل کہہ سکتا ہوں یا جب کوئی اور نہ ہو جب کہوں؟

المستفتی: نور محمد محلّہ بارہ دری، مہرپور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے اذان وتکبیر دونوں کہنا جائز ہے، کبھی کبھار

اور مستقل طور سے بھی کہنے کی گنجائش ہے، جب کہ دیگر نمازیوں کو آپ کی اذان وتکبیر سے ناگواری نہ ہو اور جب کہ آپ ٹھیک وقت پر اذان واقامت کہیں اور اس وقت آپ کو جماعت سے نماز پڑھنی ہوگی جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیا کرتے تھے اور جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان ابن أم مكتوم يؤذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم وهو أعمى. (مسلم، الصلاة، باب جواز أذان الأعمى إذا كان معه بصير، النسخة الهندية ١/ ١٦٥، بيت الأفكار رقم: ٣٨١، بخاري شريف، كتاب الأذان، باب أذان الأعمى إذا كان له من يخبره، النسخة الهندية ١/ ٨٦، رقم: ٦٠٩، ف: ٦١٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۳۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

عورتوں کی اذان واقامت

سوال [۱۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پنج وقتہ نمازوں کی اذان عورتوں کا دینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے لئے عورتوں کا اذان دینا مکروہ ہے؛ لہٰذا اگر عورتوں نے اذان پڑھ دی ہے، تو اعادہ مستحب ہے؛ اس لئے کہ ان کے لئے آواز ایسا بلند کرنا جو غیر محرم سن لیں جائز نہیں۔

وكره إقامته وأذان الجنب، ويعاد كأذان المرأة؛ لأن المرأة إن رفعت صوتها فقد باشرت منكرا؛ لأن صوتها عورة، وإن لم ترفع فقد أخلت بالإعلام، فيعاد أذانها ندبا. (مجمع الأنهر، باب الأذان، دارالكتب

العلمية بيروت ١/ ١١٨، مصري قديم ١/ ٧٨، تبيين الحقائق، باب الأذان، ملتان ١/ ٩٤، زكريا ١/ ٢٤٩، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الأذان، قديم ١٠٨، جديد دار الكتاب ديوبند ١٩٩)

والمرأة إذا أذنت يعاد أذانها، وإن لم يعيدوا جاز، وذكر في الأصل: ويكره أذان المرأة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٤٥، رقم: ١٩٨٢)

فيكره أذان المرأة باتفاق الروايات؛ لأنها إن رفعت صوتها فقد ارتكبت معصية، وإن خفضت فقد تركت سنة الجهر -إلى- ولو أذنت للقوم أجزأهم حتى لا تعاد؛ لحصول المقصود، وهو الإعلام. وروى عن أبي حنيفةؒ: أنه يستحب الإعادة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ١/ ٦٤٥، كراچی ١/ ١٥٠، زكريا ١/ ٣٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

بیٹھ کر اذان واقامت کہنا

سوال [۱۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص معذور ہے وہ بیٹھ کر اذان دیتا ہے، تو اس کا اذان دینا کیسا ہے؟ اگر اذان دے سکتا ہے تو تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیٹھ کر اذان واقامت پڑھنا مکروہ ہے؛ لہٰذا معذور آدمی اذان واقامت نہ پڑھے، جو آدمی سنت طریقہ پر اذان واقامت کہہ سکے اسی کو اس کا ذمہ دار بنایا جائے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم قدیم ۲/ ۱۰۴)

عن الحسن بن محمد قال: دخلت على أبي زيد الأنصاري، فأذن وأقام وهو جالس -إلى- عن عطاء بن أبي رباح أنه قال: يكره أن يؤذن قاعدا إلا من عذر. (السنن الكبرى للبيهقي دارالفكر ٢/ ١٤١، رقم: ١٨٨٣، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٢/ ٣٤١، رقم: قديم ٢٢١٨، جديد ٢٢٣٢)

عن الثوري، عن أبي إسحاق قال: يكره للمؤذن أن يؤذن وهو قاعد.

(مصنف عبدالرزاق، باب الأذان قاعدا وهل يؤذن الصبي؟ المجلس العلمي ١/ ٤٦٩، رقم: ١٨١٣)

ويكره أذان جنب وإقامة محدث لا أذانه، وأذان امرأة وفاسق وقاعد، إلا إذا أذن لنفسه. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ٢/ ٦٠، كراچی ١/ ٣٩٢)

والإقامة كالأذان. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب: في أول من بنى المنابر للأذان، زكريا ٢/ ٥٥، كراچی ١/ ٣٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۸/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۸/۱۴۱۹ھ

اذان میں صرف ''علی الصلوۃ'' یا ''الصلوۃ'' کہنا

سوال [۱۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی نے اذان میں ''حی علی الصلاۃ'' کے بجائے ''علی الصلوۃ یاالصلوۃ'' پڑھ دیا (علی کو حذف کر کے) تو اس کا کیا حکم ہے؟ اذان دہرانی پڑے گی یا نہیں؟ اور نماز میں کوئی کراہت آئے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد راغب محلہ شیخان سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کلمات اذان صحیح ادائیگی کے ساتھ کہنے چاہئے، اگر کوئی

قادر نہ ہوتو اس کو اذان نہیں دینی چاہئے؛ بلکہ دوسرا آدمی جو صحیح طریقہ سے اذان دے سکتا ہے وہی اذان دیا کرے؛ البتہ اعادہ واجب نہیں اور نماز میں بھی کوئی کراہت نہیں آئے گی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۳۶، جدید ڈابھیل ۵/ ۴۴۷)

ولا يلحن أي لا يتغنى فيها بأن نقص من الحروف أو من كيفياتها، وهي الحركات والسكنات، أو زاد في شيء منهما. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديو بند ۱/ ٦۰)

ولا غير الألثغ به: أي بالألثغ على الأصح كما في البحر عن المجتبى، وحرر الحلبي وابن الشحنة، أنه بعد بذل جهده دائما حتما كالأمي فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الإقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده، أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه، هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإقامة، كراچی ۱/ ۵۸۱، زكريا ۲/ ۳۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۱۳ھ

الفاظ چبانے والے کی اذان واقامت

سوال [۱۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مؤذن کی زبان سے قرآن حکیم کے الفاظ صحیح معنی میں نہیں نکلتے ہوں اور وہ الفاظوں کو چباتا ہو، جس سے معنی بدل جاتے ہوں اور اچھے مقتدیوں کے منع کرنے پر بھی وہ برابر تکبیر یا اذان کہے تو کیا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: گلفام بکر قصاب مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ شخص مسجد کمیٹی کی طرف سے مقرر کردہ مؤذن نہیں ہے اور اذان واقامت کے الفاظ صحیح طور پر ادا نہ کرسکتا ہو، تو اہل مسجد کو صحیح اذان کہنے والے با شرع شخص کو مؤذن بنانا چاہئے؛ لیکن اگر قرآن کریم کے الفاظ صحیح نہ نکلیں اور اذان واقامت کے الفاظ صحیح نکلتے ہوں، تو اس کا اذان یا تکبیر کہنا صحیح اور درست ہے، بہرحال ایسے حالات میں مسجد کی کمیٹی کے افراد کو چاہئے کہ کسی اچھے مؤذن کا انتخاب کرلیں، تاکہ مقتدیوں میں اختلاف پیدا نہ ہو۔

ويكره التلحين وهو التطريب، والخطأ في الإعراب. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الأذان، قديم ١٠٧، جديد دارالكتاب ديوبند ١٩٩)

والتلحين في الأذان مكروه. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ١٣٨)

ولا يلحن أي لايتغنى فيها بأن نقص من الحروف، أو من كيفياتها، وهي الحركات أو السكنات، أو زاد في شيء منهما. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ١/ ٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

تاش کھیلنے والے کی اذان واقامت

سوال [۱۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: داڑھی منڈانا اور تاش کھیلنا مکروہ تحریمی ہے، اگر داڑھی منڈانے والے یا تاش کھیلنے والے لوگ اذان واقامت کہیں تو اذان واقامت ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مزمل حق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانا اورتاش کھیلنا حرام ہے اوراس کا مرتکب فاسق ہے، اگر یہ لوگ اذان واقامت پڑھیں تو اذان واقامت کراہت کے ساتھ ادا ہوجائے گی۔

ویکره أذان جنب وإقامته (وکذا) أذان امرأة وخنثی وفاسق. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا کان غیر محتسب، نعمانیة ١/ ٢٦٣، زکریا ٢/ ٦٠، کراچی ١/ ٣٩٢)

یکره أذان الفاسق؛ لأنه أمانة شرعیة، فلا یؤتمن الفاسق علیه، ولا یعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (المحیط البرهاني، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ٢/ ٩٥ رقم: ١٣٠٣)

یکره أذان الفاسق. (هندیة، باب الأذان، الفصل الأول، زکریا قدیم ١/ ٥٤، جدید ١/ ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۷۴۹۵)

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے والے کی اذان واقامت

سوال [۱۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پائجامہ ٹخنوں سے نیچے پہنتا ہے اور داڑھی کٹواتا ہے، تو کیا ایسا فاسق شخص اذان واقامت کہہ سکتا ہے؟ کیا باشرع لوگوں کی موجودگی میں اس کی اذان واقامت میں کوئی کراہت تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: افتخار احمد قاسمی، خادم دار العلوم مقبرہ اول مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے والا اور ایک مشت سے کم کرنے والا اور ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا لنگی لٹکانے والا شریعت کی نظر میں فاسق ہے، اس کی اقامت کے

لوٹانے کا حکم نہیں ہے؛ لیکن اس کی اذان کا لوٹانا فقہاء نے مستحب اور افضل لکھا ہے: لہٰذا ایسے آدمی کو اذان واقامت کی ذمہ داری نہیں لینی چاہئے؛ بلکہ باشرع آدمی کو اذان واقامت کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۲/ ۲۸۷، رحیمیہ قدیم ۳/ ۱۴، جدید زکریا ۴/ ۹۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۶۶، جدید ڈابھیل ۵/ ۴۳۸)

ویکره أذان جنب وإقامته، وإقامة محدث لا أذانه وأذان امرأة وفاسق، وفي الشامية: وظاهره أن الكراهة تحريمية، ويعاد أذان جنب ندبا، لا إقامته، وفي الشامية: زاد القهستاني: والفاجر. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، كراچی ۱/ ۳۹۲، زکریا ۲/ ۶۰)

وقال الحنفية: يكره أذان الفاسق، ويستحب إعادته. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني الأذان والإقامة، شروط الأذان، مطبوعه ديوبند ۱/ ۶۰۰)

يكره أذان الفاسق، ولا يعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۱/ ۱۴۵، رقم: ۱۹۸۴)

وصرح بكراهة أذان الفاسق، ولا يعاد، فالإعادة فيه ليقع على وجه السنة. (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۱/ ۲۵۹، كوئٹه ۱/ ۲۲۰، دارالفكر ۱/ ۲۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

فاسق کی اذان

سوال [۱۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر شرعی داڑھی رکھنے والے کا اذان دینا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے، تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔

المستفتی: حکیم شاکر علی خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر شرعی داڑھی رکھنے والا شرعاً فاسق ہے، اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۲۵۷)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم قراؤكم. (سنن أبي داؤد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۱/ ۸۷، دارالسلام، رقم: ۵۹۰)

ويكره أذان جنب –إلى قوله– وفاسق ولو عالما، وفي الشامية: وظاهره أن الكراهة تحريمية. (الدرالمختار مع الشامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان، كراچی ۱/ ۳۹۲)

ومنها: أن يكون تقيا، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، والأمانة لا يؤديها إلا التقي، ومنها: أن يكون عالما بالسنة، لقوله صلى الله عليه وسلم: يؤمكم أقرؤكم، ويؤذن لكم خياركم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ٦٤٦، كراچی ۱/ ۱۵۰، زكريا ۱/ ۳۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر رمضان المبارک
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۶۸)

بغیر داڑھی والے کی اذان واقامت

سوال [۱۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بغیر داڑھی والے کی اذان واقامت کیا بلا کراہت جائز ہے؟ اگر بلا کراہت جائز ہے تو فبہا، اگر کچھ کراہت ہے تو اس کی دلیل مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد اقبال شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر داڑھی والے سے اگر داڑھی منڈانے والا مراد ہے، تو وہ شرعی طور پر فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی اذان واقامت مکروہ ہے۔

وكره أذان الجنب وإقامته -إلى قوله- وأذان المرأة والفاسق.

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ١/ ٤٥٨، كوئٹه ١/ ٢٦٣)

لیکن اگر بغیر داڑھی والے سے ایسا باشعور بالغ بچہ مراد ہے، جس کی داڑھی ابھی نہیں آئی ہے، تو ایسی صورت میں اس کی اذان واقامت بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

وصرح بكراهة أذان الفاسق ...... وروى مثله في الصبي العاقل أيضا، لكن في ظاهر الرواية في الصبي العاقل عدم الكراهة. (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ١/ ٢٥١، كوئٹه ١/ ٢١٦، دارالفكر ١/ ٢٤٧)

ويجوز بلا كراهة أذان صبى مراهق (تحته في الشامية:) المراد به العاقل: وإن لم يراهق كما هو ظاهر البحر وغيره، وقيل: يكره، لكنه خلاف ظاهر الرواية كما في الإمداد وغيره، وعلى هذا يصح تقريره في وظيفة الأذان. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق، زكريا ٢/ ٥٩، كراچی ١/ ٣٩١)

وفي السراجية: أذان الصبي المراهق لا يكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٤٥، رقم: ١٩٨٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۳۳)

داڑھی کٹانے والے کی اذان دینا

سوال [۱۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید ایک مسجد میں مستقل اذان دیتا ہے اور کبھی ناغہ بھی ہوجاتی ہے، زید داڑھی منڈاتا ہے اور پتلون شرٹ پہنتا ہے اور کوشش میں رہتا ہے کہ میں ہی اذان دوں، جب کہ مسجد میں باشرع لوگ بھی موجود ہوتے ہیں اور امام مسجد کا بھی یہی کہنا ہے کہ زید کو اذان پڑھنے دی جائے، کوئی حرج نہیں ہے، تو ایسی حالت میں اذان ہوجائے گی یا نہیں؟ اور امام کا زید کے لئے کہنا کیسا ہے؟ اور ایک امام کا یہ کہنا کہ بغیر داڑھی والے کی اذان ہوجائے گی، ایسی کوئی بات نہیں ہے، کیسا ہے؟۔

المستفتی: عبدالشکور قریشی چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مؤذن صالح دیندار ہونا چاہئے اور داڑھی منڈانے والا شرعاً فاسق ہوتا ہے؛ اس لئے ایسا شخص اذان کہنے کا مستحق نہیں ہے۔ اور اس کی اذان اگرچہ واجب الاعادہ نہیں ہے؛ لیکن مکروہ ضرور ہوتی ہے اس اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

ویستحب أن یکون المؤذن صالحا، أي متقیا؛ لأنہ أمین في الدین.

(طحطاوي علی المراقي، باب الأذان، قدیم ۱۰۶، جدید دارالکتاب دیو بند ۱۹۷)

اذان ہوجاتی ہے؛ لیکن خلاف سنت اور مکروہ ہوتی ہے۔ اور اذان کا لوٹانا مستحب ہے۔

ویکرہ أذان جنب وإقامتہ –إلی قولہ– وفاسق ولو عالما. (الدرالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا کان غیر محتسب، زکریا ۲/ ۶۰، کراچی ص: ۳۹۲)

ویستحب کون المؤذن عالما بالسنۃ والأوقات، وکرہ أذان الفاسق؛ لعدم الاعتماد؛ ولکن لا یعاد. (مجمع الأنہر، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۱۸، مصري قدیم ۱/ ۷۸)

وصرح بکراہۃ أذان الفاسق، ولا یعاد، فالإعادۃ فیہ؛ لیقع علی وجہ السنۃ. (فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب الأذان زکریا ۱/ ۲۵۹، کوئٹہ ۱/ ۲۲۰، دارالفکر ۱/ ۲۵۳)

وقال الحنفية: يكره أذان الفاسق، ويستحب إعادته. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني الأذان والإقامة، شروط الأذان، مطبوعه ديوبند ۱/ ۶۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۱۲/۲۶)

داڑھی منڈانے والے کی اذان واقامت

سوال [۱۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جناب خالد صاحب کسی مسجد کا مؤذن ہے اور ماشاء اللہ خالد صاحب کی آواز بھی بلند ہے؛ لیکن خالد صاحب اپنی داڑھی کو بالکل جڑ سے صاف کروا دیتے ہیں اور شریعت کے مطابق لباس بھی نہیں ہے۔

(۲) بوقت اذان یا تکبیر کہتے وقت شریعت کے مطابق لباس اور سنت کے مطابق داڑھی رکھنے والے موجود ہوں ایسے وقت میں خالد صاحب اذان یا تکبیر کہیں تو کیا خالد صاحب کی اذان یا تکبیر کا اعادہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) جناب خالد صاحب سے تاکید کی جاتی ہے کہ آپ شریعت کے مطابق لباس یا داڑھی رکھیں، تو خالد صاحب مسجد میں آنے سے یا نماز پڑھنے سے رک جاتے ہیں، تو کیا خالد صاحب کے نماز نہ پڑھنے کا گناہ کہنے والے کو ہوگا؟

المستفتی: شبیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانا اور جڑ سے صاف کروانا دونوں موجب فسق ہیں اور فاسق کی اذان واقامت مکروہ ہے؛ اس لئے اگر خالد صاحب کو اذان واقامت کا شوق ہے، تو بہت اچھا ہے، ہر مسلمان کو شوق ہونا چاہئے، مگر اس کے لئے پہلے اپنی داڑھی وغیرہ شرعی کر لے، ورنہ کسی باشرع آدمی کو اذان واقامت کے لئے مقرر کرلیا جائے۔

ویکره أذان جنب وإقامته –إلی قوله– وفاسق ولو عالما. (الدرالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ٦٠، كراچی ص: ۳۹۲)

وكره أذان الفاسق لعدم الاعتماد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۱۸، قديم ۱/ ۷۸)

ویکره أذان الفاسق. (البناية، باب الأذان، أشرفيه ديوبند ۲/ ۹۸)

اس کوشرعی داڑھی اورشرعی لباس کی ترغیب دینے کی وجہ سے اس کا نماز یا جماعت ترک کرنا اس کے لئے بڑا گناہ ہے، اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

داڑھی منڈے کی اذان

سوال [۱۷۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: داڑھی منڈوانے والے انسان سے اذان دلوائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: کاتب ابرار حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے والے کو مؤذن رکھنا ممنوع ہے، اس کی اذان واقامت بھی مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا کسی باشرع آدمی سے اذان واقامت کی خدمت لی جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۲۸۷)

ویکره أذان جنب وإقامته –إلی قوله– وفاسق ولو عالما. (الدرالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ٦٠، كراچی ص: ۳۹۲)

یکره أذان الفاسق، ولا يعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱٤٥، رقم: ۱۹۸٤)

ویکره أذان الفاسق. (البناية، باب الأذان، أشرفيه ديو بند ۲/ ۹۸) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۷/۲۴ھ

سوال [۱۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص جو داڑھی منڈاتا ہے، وہ اذان کہتا ہے، جب کہ داڑھی والے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں، تو داڑھی منڈانے والے کے لئے اذان دینا کیسا ہے؟ ایسے شخص کے لئے اذان دینے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی عبدالرحمٰن، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے والا شریعت کے نزدیک فاسق ہے، اس کی اذان مکروہ ہے؛ لہٰذا اگر کوئی داڑھی والا باشرع موجود ہو تو اسی سے اذان دلوانی چاہئے۔

ويكره أذان جنب وإقامته –إلى قوله– وفاسق ولو عالما. (الدر المختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۰، كراچی ص: ۳۹۲)

وكره أذان الفاسق لعدم الاعتماد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۱۸، قديم ۱/ ۷۸)

ويكره أذان الفاسق. (البناية، باب الأذان، أشرفيه ديو بند ۲/ ۹۸) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

سوال [۱۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: داڑھی منڈانا یا کتروانا ایک حکم میں ہے یا جداگانہ؟ اور یہ دونوں شخص فاسق معلن ہیں یانہیں؟ فاسق معلن کا اذان واقامت کہنا اور اس کومکبر بنانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ظہیر الحق، افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: داڑھی منڈانا اور کتروانا دونوں حرام ہے، مگر منڈانا کترانے سے زیادہ شدید ترین گناہ ہے، شرعاً دونوں فاسق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید سے داڑھی کو بڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔

عن ابن عمر، عن النبي ﷺ قال: احفوا الشوارب، واعفوا اللحى. (صحيح مسلم، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۹، بيت الأفكار، رقم: ۲۵۹، نسائي شريف، باب إحفاء الشارب وإعفاء اللحى، النسخة الهندية ۱/ ٤، دارالسلام، رقم: ۱۵)

ایسے شخص کا اذان واقامت کہنا اور اس کومکبر بنانا مکروہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۲۸۷)

يكره أذن الفاسق؛ لأنه أمانة شرعية، فلا يؤتمن الفاسق عليه، ولا يعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض ......، المجلس العلمي جديد ۲/ ۹۵، رقم: ۱۳۰۳)

وكره أذان الفاسق، لعدم الاعتماد، ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۱۸، مصري قديم ۱/ ۷۸) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۷۰)

سوال [۱۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: داڑھی منڈانے والا شخص اذان یا تکبیر پڑھے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ داڑھی والے موجود ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی منڈانے والا شرعاً فاسق ہے، اس کی اذان اور تکبیر مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی زکریا ۲/ ۲۸۷)

وصرح بكراهة أذان الفاسق. (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ١/ ٢٥٩، كوئٹه ١/ ٢٢٠، دارالفكر ١/ ٢٥٣، الدر المنتقى، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١١٨، مصري قديم ١/ ٧٨)

صرحوا بكراهة أذان الفاسق من غير تقييد. (البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ١/ ٤٤٢، كوئٹه ١/ ٢٥٤)

لہٰذا جو داڑھی والے پابند شرع حضرات موجود ہیں وہ اذان وتکبیر کہا کریں۔

ومنها: أن يكون تقيا؛ لقول النبي صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، والأمانة لا يؤديها إلا التقي، ومنها: أن يكون عالما بالسنة، لقوله صلى الله عليه وسلم: يؤمكم أقرؤكم، ويؤذن لكم خياركم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ١/ ٦٤٦، كراچی ١/ ١٥٠، زكريا ١/ ٣٧٢)، المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۸۳)

سوال [۱۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن کے لئے داڑھی ضروری ہے اور اگر مؤذن باشرع داڑھی والا نہ ہو تو دوسرا شخص جو کہ مشرع ہو وہ تکبیر کہہ سکتا ہے؟

المستفتی: گلفام بکر قصاب مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں مؤذن داڑھی والا باشرع ہونا چاہئے، داڑھی

منڈانے والا یا کترانے والے کا اذان دینا اور اقامت کہنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

ویکره أذان جنب وإقامته –إلى قوله– وفاسق ولو عالما. (درمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ٦٠، كراچی ۱/ ۳۹۲)

وصرح بكراهة أذان الفاسق. (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۱/ ۲٥۹، كوئٹه ۱/ ۲۲۰، دارالفكر ۱/ ۲٥۳)

نیز اگر بےشرع نے اذان دی ہے اور باشرع آدمی تکبیر کہنا چاہتا ہے تو مؤذن سے اجازت لے کر ہی تکبیر کہنا بہتر ہے۔

عن زيادة بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله ﷺ أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ٥٠، دارالسلام، رقم: ۱۹۹، سنن أبي داؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ۱/ ٧٦، دارالسلام، رقم: ٥١٤، سنن ابن ماجة، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية، ۱/ ٥۲، دارالسلام، رقم: ٧١٧)

ومنها: أن من أذن فهو الذي يقيم، وإن أقام غيره، فإن كان يتأذى بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لا يكره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ٦٤٨، كراچی ۱/ ۱٥۱، زكريا ۱/ ۳٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۱۴ھ

داڑھی کو حد شرع سے کم کرنے والے کی اذان واقامت

سوال [۱۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: فاسق (داڑھی کو حد شرع سے کم کرنے والے) کی اذان واقامت درست ہے؟ کوئی کراہت ہے یا نہیں؟

المستفتی: مصلیان مسجد گلاب باڑی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص کی اذان واقامت مکروہ ہے، واجب الاعادہ نہیں؛ اس لئے بہتر اور افضل یہی ہے کہ ایسا شخص اذان واقامت کی ذمہ داری لے جو باشرع اور متبع شریعت ہو اور اس کی داڑھی بھی ایک مشت سے کم نہ ہو۔ (احسن الفتاوی، زکریا ۲/ ۲۸۷، محمودیہ قدیم ۲/ ٦٦، جدید ڈابھیل ۵/ ۴۳۸)

ویکره أذان جنب وإقامته، وإمامة محدث لا أذانه، وأذان امرأة وفاسق. (تنویر الأبصار مع الشامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، كراچی ۱/ ۳۹۲، زكريا ۲/ ٦۰)

ويستحب كون المؤذن عالما بالسنة والأوقات، وكره أذان الفاسق لعدم الاعتماد، ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۱۸، مصري قديم ۱/ ۷۸)

يكره أذان الفاسق، ولا يعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الاذان، زكريا ۲/ ۱٤٥، رقم: ۱۹۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۳ھ

مدعی نبوت کی اذان واقامت

سوال [۱۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقام دہلا والا میں ایک شخص بظاہر باشرع ہے، نماز روزہ کا بھی پابند ہے، مگر اپنے آپ کو نبی کرشن کہتا ہے، جنت اور دوزخ کا قائل نہیں، دوسرے جنم کا قائل ہے، لوگوں کو دعوت بھی

دیتا ہے؛ لیکن قرآن وحدیث کا ترجمہ من مانی سے کرتا ہے، اگر ایسا شخص اذان واقامت کہتا ہے، تو آیا اس کی اذان واقامت کی بناپر عوام کی نماز میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں؟ اس کی یہ باتیں تو تکبر کی بناپر ہیں یا دماغ میں خلل واقع ہونے کی بناپر ہیں۔ اور اگر وہ اذان واقامت کہتا ہے۔ اور امام صاحب اور وہ اشخاص جو کہ پڑھے لکھے ہیں، شر واقع ہونے کی وجہ سے اس کو منع نہیں کرتے، تو گناہ کس پر ہوگا؟

المستفتی: محمد اختر ندیم، متعلم ریاض العلوم دہلاپور، رہٹر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص ہوش وحواس کی حالت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور جنت وجہنم کا انکار کرے، اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، وہ کافر وزندیق ہے، اس کی اذان واقامت معتبر نہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ.

[الأحزاب: ٢٣]

عن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...... وإنه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون، كلهم يزعم أنه نبي، وأنا خاتم النبيين، لا نبي بعدي. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون، النسخة الهندية ١/ ٤٥، دارالسلام، رقم: ٢٢١٩، سنن أبي داؤد، الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، النسخة الهندية ٢/ ٥٨٤، دارالسلام، رقم: ٤٢٥٢، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٢٧٨، رقم: ٢٢٧٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۲ھ

صبح صادق کے بعد فوراً اذان دینے کا حکم

سوال [۱۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہمارے یہاں فجر کی اذان صبح صادق کے فوراً بعد ہی ہو جاتی ہے، جب کہ بعض لوگ صبح صادق کے پانچ منٹ بعد اور بعض لوگ دس منٹ بعد بھی اذان دینے میں کراہت سمجھتے ہیں؛ لہٰذا صبح صادق کے فوراً بعد اذان دینا کیسا ہے؟ یا اس کا صحیح وقت کیا ہے؟ نیز واضح ہو کہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے اپنے رسالہ ''صبح صادق'' میں تحریر فرمایا ہے کہ رمضان المبارک میں جنتریوں میں دئے ہوئے وقت سے صرف دس منٹ کے بعد کراچی کی عام مساجد میں فجر کی جماعت قائم ہو جاتی ہے، یعنی رمضان میں نماز فجر وقت شروع ہونے سے قبل ہی پڑھ لی جاتی ہے اور اذانیں تو تقریباً ہمیشہ ہی قبل از وقت ہوتی ہیں، رسالہ ''صبح صادق'' ص: ۸/ میرے خیال میں ہندوستان کے شہروں میں بھی تقریباً رمضان میں یہی صورت حال ہوگی، براہ کرم آپ واضح طور پر بتائیں کہ اوقات سحر کے ختم کے بعد کتنے وقفہ سے اذان دی جائے، امید ہے کہ جناب مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: عبدالعلیم عیسیٰ وصی اللہ خطیب جامع مسجد فیروز آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب کے فتویٰ کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے؛ لیکن اس کا مدار اس زمانہ میں کراچی کی جنتری کے ناقابل اعتبار ہونے پر تھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی کراچی کی پرانی جنتری کے مشکوک ہونے کی وضاحت فرمائی ہے؛ اس لئے کراچی کی جنتری سے متعلق مفتی رشید احمد صاحب نے جو لکھا ہے، وہ وہاں کا مسئلہ ہے، مگر آنجناب کا یہ خیال کرنا کہ ہندوستان کے شہروں میں بھی تقریباً صبح صادق سے پہلے نماز فجر پڑھی جائے، یہ نہیں ہے؛ بلکہ صبح صادق کا ثبوت ہر علاقہ میں وہاں کے طلوع صبح صادق سے ہوتا ہے؛ اس لئے آپ کے یہاں بھی جس وقت صبح صادق ہوتی ہے، اسی کا اعتبار ہوگا؛ لہٰذا اس سے دو چار منٹ پہلے احتیاطاً سحری کھانے کا سلسلہ ختم کر دیا جائے اور اس کے دو تین منٹ بعد فجر کی اذان دی جائے اور پھر اذان کے فوراً بعد نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہی اصل مسئلہ ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إن للصلاة أولا وآخرا –إلى– وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر، وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلوة، باب مواقيت الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۳۹، دارالسلام، رقم: ۱۵۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳۲، رقم: ۷۱۷۲، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۱۱٦، رقم: ۳۲٤۱)

أول وقت الفجر إذا طلع الفجر الثاني، وهو المعترض في الأفق، وآخر وقتها ما لم تطلع الشمس. (هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي ديوبند ۱/ ۸۰، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ٤، رقم: ۱٤۸۹، ۱٤۹۱، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، إعزازيه ديوبند ۱/ ۵۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۳ھ

ظہر کی اذان کا وقت

سوال [۱۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ظہر کی اذان جاڑے اور گرمی میں بارہ بج کر پچاس منٹ پر ہوتی ہے اور جماعت ایک بج کر ۲۰؍منٹ پر ہوتی ہے، کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ وقت بڑھنا چاہئے، کچھ لوگ سابق اوقات کے حق میں ہیں، صحیح اوقات شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: محمودالحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے یہاں سردی وگرمی میں ۱۲؍بج کر ۵۰؍منٹ پر زوال شمس ہوجاتا ہے، تو اذان شرعاً جائز ہے، ورنہ اذان لوٹانا واجب ہوگا۔

ووقت الظهر من زواله. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، مطلب في تعبده عليه السلام، زكريا ۲/ ۱٤، كراچی ۱/ ۳۵۹)

وسببه بقاء دخول الوقت، وهو سنة –إلى قوله– فيعاد أذان وقع بعضه قبله كالإقامة، وتحته في الشامي: أي في أنها تعاد إذا وقعت قبل الوقت، أما بعده فلا تعاد. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، كراچی ۱/ ۳۸٤، زكريا ۲/ ٤٨، ۵۰)

والظهر: أي وقت صلوته من الزوال: أي زوال الشمس عن وسط السماء ممتدا. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، مكتبه اعزازيه ديوبند ۱/ ۵۱)

سنة للفرائض فقط في وقتها، أي أوقات الفرائض سواء كان وقتا لأدائها أو لقضائها، ويعاد، أي الأذن لو أذن قبله، أي قبل وقت الأداء، لعدم الاعتداء بما قبله. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ۱/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۲۵)

تہجد کی نماز کے لئے اذان دینا

سوال [۱۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کیا اذان دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حافظ ایوب، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تہجد ودیگر نوافل کے لئے اذان واقامت مشروع نہیں ہے۔

وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو: السنن، والوتر، والتطوعات، والتراويح، والعيدين، أذان ولا إقامة. (فتاوى عالمگيري، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٣، جديد ١/ ١١٠، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي، جديد ٢/ ٩٦، رقم: ١٣٠٥)

سنة للفرائض فقط، أي لا للواجبات، كالعيدين، والوتر، ولا لفرض الكفاية، وهو الجنازة، ولا للسنن كالتراويح. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ١/ ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۹۱)

تیز آندھی کے وقت اذان دینا

سوال [۱۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب آندھی آتی ہے یا تیز بارش ہوتی ہے، تو بعض علاقوں میں اس وقت اذان پڑھتے ہیں اور وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اذان پڑھنے سے آندھی یا بارش کم ہو جاتی ہے، کیا یہ اعتقاد رکھنا اور آندھی یا بارش کے وقت اذان پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ایسے موقع پر کیا عمل کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد ضیاء الدین دیناجپور، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آندھی کے وقت اذان ثابت نہیں؛ البتہ نماز ثابت ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۱۶۵)

وصلى الناس فرادى في منازلهم تحرزًا عن الفتنة، كالخسوف

للقمر، والريح الشديدة، والظلمة القوية. (درمختار، باب الكسوف، كراچی ۲/ ۱۸۳، زكريا ۳/ ۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۳۲)

قبر پر اذان

سوال [۱۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میت کو دفن کرنے کے بعد یا پہلے یا کسی وقت قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: خادم محمد لازم لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اذان علی القبر دفن سے قبل یا بعد کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، محض من گھڑت ایجادی چیز ہے؛ اس لئے بدعت سیئہ محرمہ ہے، اس کا ترک کر دینا لازم وضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۱/ ۲۳۷، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۰۲، ۱/ ۳۶۵، جدید زکریا ۲/ ۱۲۲، ۱۲۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۱۹۶، جدید میرٹھ ۵/ ۲۴۳، فتاوی دار العلوم، زکریا ۵/ ۳۸۲)

لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاواه: بأنه بدعة. (شامي، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت، كوئٹه ۱/ ۶۶۰، مصري ۱/ ۸۳۷، كراچی ۲/ ۲۳۵، زكريا ۳/ ۱۴۱)

من البدع التي شاعت في الهند الأذان على القبر. (درر البحار، بحواله احسن الفتاوى، زكريا ۱/ ۳۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۱۳)

ٹرین میں اذان واقامت کہنے میں جنگل کی اذان واقامت کا ثواب

سوال [۱۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مصنف عبدالرزاق ۱/ ۵۱۰ کے حوالہ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنگل میں ہو اور نماز کا وقت ہوجائے اور اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھے، تو اس کے پیچھے فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد نماز پڑھتی ہے کہ جن کے دونوں کنارے دیکھے نہیں جاسکتے، معلوم یہ کرنا ہے کیا یہ فضیلت مسافر کو ٹرین کے سفر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی حاصل ہوجائے گی؟ ہم لوگوں کا بمبئی، پونہ، احمد آباد جانا ہوتا رہتا ہے۔

المستفتی: سعید احمد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ نے سوال نامہ میں مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے حدیث شریف کا جو مضمون نقل کیا ہے، اسی مضمون کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۵۷، رقم: ۲۲۹۱ر میں بھی ”باب فی الرجل یکون وحدہ فیوذن ویقیم“ کے تحت موجود ہے۔ اس حدیث میں بظاہر جنگل میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے کہ جہاں ظاہری طور پر اذان واقامت کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا وہاں اللہ تعالیٰ اس کے اذان واقامت کہنے کی وجہ سے فرشتوں کو اس کی اذان کا جواب دینے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے دیتے ہیں اور فرشتے اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور یہ بات چونکہ جنگل میں ٹرین پر اذان واقامت کہنے میں بھی پائی جاسکتی ہے؛ اس لئے اگر کوئی شخص جنگل میں ٹرین پر اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھتا ہے، تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کو بھی مذکورہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

عن سلمان الفارسي، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان الرجل

بأرض قيٍّ فحانت الصلوة، فليتوضأ، فإن لم يجد ماء فليتمم، فإن أقام صلى معه ملكاه، وإن أذن وأقام صلى خلفه من جنود الله ما لايرى طرفاه.

(مصنف عبدالرزاق، باب الرجل يصلي بإقامة وحده، المجلس العلمي ١/ ٥١٠، رقم: ١٩٥٥، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٦/ ٢٤٩، رقم: ٦١٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۳۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۴ھ

گاؤں کی اذان تین بیگھا دوری پر واقع مدرسہ کے لئے کافی ہے؟

سوال [۱۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ گاؤں سے ڈھائی تین بیگھا کی دوری پر ہے، بلا اذان کے نماز ادا کی جاتی ہے، فقط گاؤں کی اذان پر نماز ادا کرلی جاتی ہے، تو کیا یہ بہتر ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا لطف اللہ قاسمی، سپول بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر گاؤں کی اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، تو گاؤں کی مسجد کی اذان کافی ہے، مگر افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ مدرسہ میں بھی باقاعدہ اذان دے کر جماعت کی جائے۔

وإن كان في كرم أو ضيعة يكتفي بأذان القرية، أو البلدة إن كان قريبا، وإلا فلا، وحد القريب أن يبلغ الأذان إليه منها، كذا في مختار الفتاوى، وإن أذنوا كان أولى. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٤، جديد ١/ ١١١، شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، كراچی ١/ ٣٩٥، زكريا ٢/ ٦٣)

وفي مسجد الجماعة، أي وكذا كره تركهما في مسجد جماعة، وكذا ترك واحد منهما؛ لأن كل واحد منهما سنة مؤكدة فيها لا في بيته، أي لا يكره تركهما مصل في بيته في مصر، أي إذا فعلا فى مسجد محلته؛ لأنهم لما نصبوا مؤذنا صار فعله كفعلهم حكما، كما يشير إليه ابن مسعود حين صلى بعلقمة والأسود في داره بلا أذان ولا إقامة حيث قال: أذان الحي يكفينا، رواه الأثرم حكاه سبط ابن الجوزي وغيره. (شرح النقاية، شروط الصلوة، مكتبه إعزازيه ديو بند ۱/ ۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱۹ھ

ایک مسجد کی اذان سب مسجدوں کے لئے کافی نہیں

سوال [۱۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ کی کئی مسجدوں میں باجماعت نماز ہوتی ہے، تو ان میں سے ہر ایک مسجد میں اذان دی جائے یا ایک مسجد کی اذان تمام مساجد کے لئے کافی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب محلّہ کی کئی مسجدوں میں باجماعت نماز ہوتی ہے، تو ان مساجد میں سے ہر ایک میں علیحدہ علیحدہ اذان دینا مسنون ہے؛ لہٰذا صرف ایک مسجد کی اذان پر اکتفا کرنا خلاف سنت ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۳۹۹، میرٹھ ۹/ ۱۰۹)

قال ابن المنذر: (الأذان) فرض في حق الجماعة في الحضر والسفر، وقال مالك: يجب فى مسجد الجماعة، وفي العارضة: وهو على البلد، وليس بواجب في كل سجدة، ولكنه يستحب في مساجد الجماعات. (البناية شرح الهداية، باب الأذان، اشرفيه ديوبند ۲/ ۷۷)

وإذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطا، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد لابأس به، والأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن.
(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة وما يكره فيها، کوئٹہ ۲/ ۳۵، زکریا ۲/ ۶۲، كذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۱٤٠)

وروى ابن أبي مالك عن أبي يوسف، عن أبي حنيفة: في قوم صلوا في المصر في منزل، أو في مسجد منزل، فأخبروا بأذان الناس وإقامتهم أجزأهم، وقد أساؤا بتركهما، فقد فرق بين الجماعة والواحد؛ لأن أذان الحي يكون أذانا للأفراد، ولا يكون أذانا للجماعة، هذا في المقيمين.
(بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، کراچی ۱/ ۱۵۳، زكريا ۱/ ۳۷۸، بيروت ۱/ ۶۵۳)

وفي جماعة المسجد، أي وكذا كره تركهما في مسجد جماعة، وكذا ترك واحد منهما؛ لأن كل واحد منهما سنة مؤكدة فيها. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ۱/ ۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

فرم میں اذان دینا

سوال [۱۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر فرم میں نماز باجماعت ادا کی جائے تو اذان کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد سلیم منصوری، گوئیاں باغ پرنس روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس فرم کا سوال نامہ میں ذکر ہے، اگر یہ فرم محلّہ کے اندر

ہے اور اس کے قریب آس پاس میں مسجد شرعی موجود ہے، تو مسجد میں نماز کے لئے نہ جاکر گھر یا فرم میں باضابطہ مستقل جماعت کا سلسلہ قائم کرنا ممنوع ہے، اس سے احتیاط لازم ہے۔ اور جب مسجد میں اذان ہوجائے تو محلّہ کے مردوں اور فرم والوں سب پر ضروری ہے کہ مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کریں، ہاں البتہ اگر کسی موقع پر خاص عذر پیش آجائے، مثلاً سخت بارش ہورہی ہے، یا راستہ کیچڑ کی وجہ سے چلنے کے قابل نہیں ہے، تو اس طرح کے اعذار کی بنا پر وقتی طور پر مسجد نہ جاکر گھر یا فرم میں جماعت قائم کرکے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے، تو ایسی صورت میں اذان بھی دینی چاہئے، جب اس طرح کا کوئی عذر نہ ہو تو شرعی طور پر سب مردوں پر ضروری ہے کہ مسجد ہی میں جاکر باجماعت نماز ادا کریں۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لقد هممت أن آمر بالصلوة، فتقام، ثم أخالف إلى منازل قوم لا يشهدون الصلاة، فأحرق عليهم. (صحيح البخاري، باب إخراج أهل المعاصي والخصوم من البيوت بعد المعرفة، النسخة الهندية ١/ ٣٢٦، رقم: ٢٣٥٦، ف: ٢٤٢٠)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد. (المستدرك قديم ١/ ٣٧٣، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ١/ ٣٦٤، رقم: ٨٩٨)

عن علي –رضي الله عنه– قال: لا صلوة لجار المسجد إلا في المسجد، قال: قيل له: ومن جار المسجد؟ قال: من أسمعه المنادي. (المصنف لابن ابي شيبة، باب من قال إذا سمع المنادى فليجب، مؤسسة علوم القرآن ٣/ ١٩٦، رقم: ٣٤٨٨، مصنف عبدالرزاق، باب من سمع النداء، المجلس العلمي ١/ ٤٩٧، رقم: ١٩١٥)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: من سمع المنادي، ثم لم يجب من غير عذر فلا صلوة له. (مصنف ابن أبي شيبة، باب من قال: إذا سمع المنادي فليجب، مؤسسة علوم القرآن ٣/ ١٩٤، رقم: ٣٤٨٣)

الجماعة سنة مؤكدة كذا في المتون، والخلاصة، والمحيط السرخسي، وفي الغاية: قال عامة مشايخنا: إنها واجبة، وفي المفيد: وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة، وفي البدائع: تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج. (عالمگیری، كتاب الصلوة، الباب الخامس، زكريا قديم ١/ ٨٢، جديد ١/ ١٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۶/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۱۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۶/۱۴۲۷ھ

اذان سے قبل فرائض ونوافل پڑھنا

سوال [۱۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم مراد آباد جیل کے گیارہ نمبر کے احاطہ میں رہتے ہیں اور اس میں دو جگہ جماعت سے نماز ہوتی ہے اور دونوں ہی جگہ اذان بھی ہوتی ہے، بریلوی مسلک کی اذان ڈیڑھ بجے ہوتی ہے اور دیوبندی مسلک کی اذان ڈھائی بجے ہوتی ہے، تو کیا جب ڈیڑھ بجے بریلوی مسجد کی اذان ہوگئی تو دیوبندی مسلک کی مسجد میں کوئی آدمی جا کر نماز پڑھتا ہو روزانہ اس مسجد کی اذان سے پہلے تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی، بغیر کسی عذر کے؟ اس کا فتویٰ دینے کی زحمت گوارہ کریں۔

المستفتی: احمد حسن گلاب باڑی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوبندی مسلک کی اذان سے پہلے اس مسجد میں انفرادی طور پر فرائض ونوافل کا پڑھنا بلاشبہ جائز ودرست ہے؛ لیکن مقامی لوگوں کے لئے الگ سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ممنوع ہے؛ بلکہ اذان کے بعد جو جماعت ہوتی ہے، اسی جماعت کا انتظار کرنا ضروری ہے۔

روی عن أنس بن مالک -رضي الله عنه- أن أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا إذا فاتتهم الجماعة صلوا في المسجد فرادی. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، تکرار الجماعة في المسجد، زکریا ۱/ ۳۷۹، کراچی ۱/ ۱۵۳، البنایة، أشرفیه دیوبند ۲/ ۵۸۱)

عن الحسن قال: کان أصحاب محمد صلی الله علیه وسلم إذا دخلوا المسجد، وقد صلي فیه، صلوا فرادی. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلوة، باب من قال یصلون فرادی ولا یجمعون ۵/ ۵۵، رقم: ۷۱۸۸، مکتبه مؤسسة علوم القرآن) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۱۸ھ

شافعی مسجد میں حنفی کی اذان کا حکم

سوال [۱۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شافعی المسلک والی مسجد میں عصر کے وقت اگر حنفی المسلک مؤذن اذان دے تو اذان صحیح ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل اور مفتی بہ جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبد الرشید اعظمی رتنا گری، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفی نے شافعی وقت کے مطابق ایک مثل پر عصر کی جو اذان دی ہے، اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ حضرات ائمہ ثلاثہ، حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام طحاوی رحمہم اللہ کے نزدیک وہ اذان درست ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ ان سب حضرات کے نزدیک ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور یہی

امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول بھی ہے، جس کو بعض فقہاء نے مفتی بہ لکھا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول جو مشہور ومعروف اور ظاہر الروایہ کے مطابق ہے، یعنی عصر کا وقت دو مثل کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، جس پر برصغیر میں عمل ہے؛ لہٰذا یہاں کے لوگ اسی کو عصر کا وقت سمجھتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے اس قول میں احتیاط کا پہلو بھی ہے؛ اس لئے دو مثل کے بعد اذان کا اعادہ کر لینا بہتر اور افضل ہوگا، تاکہ دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھنے والوں کو نماز کے وقت کا پتہ چل جائے اور وہ اپنے وقت پر آکر نماز میں شریک ہوجائیں، حضرات فقہاء نے اذان کے تکرار کو جائز لکھا ہے، مگر اقامت کا تکرار مشروع نہیں ہے۔

لأن تكرار الأذان مشروع دون الإقامة. (هداية، كتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفي ديوبند ١/ ٩١)

لأن تكرار الأذان مشروع، أي كما في يوم الجمعة، بخلاف الإقامة. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ٢/ ٥٥، كراچى ١/ ٣٨٩)

لأن تكرار الأذان مشروع في الجملة، كما في الجمعة، فأما تكرار الإقامة، فغير مشروع أصلا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٤٤، رقم: ١٩٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۴۴)

غم اور برے اخلاق کو دور کرنے کے لئے کان میں اذان دینا

سوال [۱۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا غم کے دور کرنے اور برے اخلاق کو اچھا بنانے میں کان میں اذان پڑھنا مؤثر ہے؟

المستفتی: عقیل احمد قاسمی، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص غمگین ہو تو اس کے کان میں اذان پڑھنا اس کے غم کو دور کر دیتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب! میں تم کو غمگین دیکھ رہا ہوں، تم اپنے اہل کو حکم کرو کہ وہ تمہارے کان میں اذان دیں، یہ عمل تمہارے غم کو دور کر دے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس کو آزمایا تو اس کو اسی طرح پایا، اسی طرح اگر کسی کے اخلاق برے ہوں تو اس کے کان میں اذان دینے سے برے اخلاق دور ہو جاتے ہیں۔

عن علي –رضي الله عنه– رآني النبي صلى الله عليه وسلم حزينا، فقال: يا ابن أبي طالب! إني أراك حزينا، فمر بعض أهلك يؤذن في أذنك؛ فإنه درأ الهمّ، قال: فجربته فوجدته كذلك، وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ساء خلقه من إنسان أو دابة فأذنوا في أذنيه. (رواه الديلمي، بحواله مرقاة، باب الأذان، قديم ١/ ٤١٤-٤١٥، إمداديه، ملتان ٢/ ١٤٩)

لیکن واضح رہے کہ یہ روایت صحاح ستہ میں مذکور نہیں؛ البتہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس کو مسند دیلمی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، جس کی روایت بہت زیادہ معتبر نہیں ہے، اگر کوئی چاہے تو اس اذان کا تجربہ کر کے دیکھنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٨١)

"الصلاۃ خیر من النوم" کہنا بھول گیا تو کیا اذان کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر اذان فجر میں "الصلاۃ خیر من النوم" کہنا بھول گیا تو کیا اذان کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: نثار احمد بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہنا مندوب اور مستحب ہے؛ لہٰذا اگر اذان ختم ہونے سے قبل یا ختم ہوتے ہی فوراً یاد آجائے تو وہیں سے اعادہ کرے جہاں سے چھوٹ گیا ہے اور یہ مستحب ہے اور اذان ختم ہونے کے کافی دیر بعد یاد آجائے تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اذان صحیح ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۲۹۷، جدید زکریا ۴/ ۱۰۳، احسن الفتاوی، زکریا ۲/ ۲۸۶)

ویترسل فیہ بسکتة بین کلمتین، ویکرہ ترکه، وتندب إعادته ...... **ولو قدم فیهما مؤخرا أعاد ما قدم، وتحته کما لو قدم الفلاح علی الصلوة یعیده فقط، أي ولا یستأنف الأذان من أوله.** (شامي، کتاب الصلاة، باب الأذان، زکریا ۲/ ۵۳-۵٦، کراچی ۱/ ۳۸۷- ۳۸۹)

ویزید بعد فلاح أذان الفجر الصلاة خیر من النوم لحدیث بلال حیث ذکرها حین وجد النبي صلی اللّٰه علیه وسلم نائما فلما انتبه أخبره به فاستحسنه، وقال: اجعله في أذانک وهو للندب بقرینه قوله ما أحسن هذا. (البحر الرائق، زکریا ۱/ ٤٤٦، کوئٹه ۱/ ۲٥٦)

ویزاد في أذان الصبح بعد حي علی الفلاح، ''الصلاة خیر من النوم'' مرتین ندبا. (الفقه علی المذاهب الأربعة، مباحث الأذان، الفاظ الأذان، دارالفکر بیروت ۱/ ۳۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/ ۲۲۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/٦/۱۴۱۱ھ

اذان کے کلمات چھوٹ جانے پر اعادہ کا حکم

سوال [۱۷۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کلماتِ اذان میں سے کوئی کلمہ چھوٹ جائے تو اذان کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح فجر کی اذان میں "الصلاة خير من النوم" چھوٹ جائے تو اعادہ لازم ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے کلمات میں سے کوئی کلمہ چھوٹ جائے تو اگر اسی وقت یاد آ جائے تو اعادہ کرکے بعد کے کلمات بھی دہرائے جائیں تو اذان صحیح ہو جائے گی اور اگر بعد میں یاد آئے تو دوبارہ اذان دی جائے گی اور اذان فجر میں "الصلاة خير من النوم" کہنا مستحب اور مندوب ہے؛ لہٰذا اگر یہ چھوٹ جائے تو فوراً یاد آنے پر اعادہ بہتر ہے اور اگر بعد میں یاد آئے تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۲/۲۸۵،۲۸۶)

ويترسل فيه بسكتة بين كلمتين، ويكره تركه، وتندب إعادته ...... ولو قدم فيهما مؤخرا أعاد ما قدم، وتحته كما لو قدم الفلاح على الصلوة يعيده فقط، أي ولا يستأنف الأذان من أوله. (شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۵۳-۵٦، كراچی ۱/ ۳۸۷- ۳۸۹)

ويقول ندبا بعد فلاح أذان الفجر "الصلاة خير من النوم" (تحته في الشامي) فيه رد على من يقول: إن محله بعد الأذان بتمامه. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۵٤، كراچی ۱/ ۳۸۷-۳۸۸)

ويزيد بعد فلاح أذان الفجر الصلاة خير من النوم، وهو للندب بقرينة قوله: ما أحسن هذا، وفي قوله: بعد فلاح أذان الفجر رد على من يقول أن محلها بعد الأذان بتمامه. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۱/ ٤٤٦، كوئٹه ۱/ ۲۵٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

دوران اذان بجلی کا چلا جانا

سوال [۱۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کبھی کبھی اذان مسجد میں شروع ہوتے ہی بجلی غائب ہوجاتی ہے، تو دوبارہ مسجد کے باہر اذان دینی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا خورشید انور صاحب، مدرس مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کمرے یا مسجد میں اذان دیتے وقت بجلی بھاگ جائے اور آواز باہر نہ پہنچے، تو درمیان میں منقطع کرکے باہر آکر باقاعدہ اذان دینی ضروری ہے؛ کیوں کہ بغیر آواز کے مقصد اذان فوت ہوجاتا ہے، جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

سئل عمن يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱٤۹، رقم: ۱۹۹۹)

إذا وقف في خلال الأذان يعيده. (هندية، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ۱/ ٥٥، جديد ۱/ ۱۱۲)

إذا عرض للمؤذن ما يمنعه عن الإتمام، وأراد آخر أن يؤذن يلزمه استقبال الأذان من أوله إن أراد إقامة سنة الأذان، فلو بنى على ما مضى من أذان الأول لم يصح. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ٦۱، كراچی ۱/ ۳۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۸ھ

دوران اذان بجلی چلی جائے تو اذان کا حکم

سوال [۱۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مؤذن کے اذان دینے کے وقت، درمیان اذان میں بجلی چلی جائے، تو مؤذن اس اذان کو اسی حجرے میں مکمل کرے جہاں اذان دے رہا ہے یا پھر باہر آکر اذان مکمل کرے؟ اگر باہر آکر مکمل کرے تو ازسرنو اذان کہے یا پھر اسی اذان پر بنا کرے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: راحت علی رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صورت مسئولہ میں اگر درمیان اذان بجلی چلی جائے تو مؤذن کو چاہئے کہ فوراً باہر نکل کر بلند جگہ پر اذان پوری کرے؛ کیوں کہ اذان کا مقصود اعلام غائبین ہے؛ اس لئے بعض فقہاء نے مسجد کے اندر اذان دینے سے بھی منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ اس سے مقصد اذان حاصل نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ اور مائک کی اذان غائبین تک اچھی طرح پہنچ جاتی ہے؛ اس لئے مسجد کے اندر اذان دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اب جب مائک کی آواز ہی ختم ہوگئی تو اب وہاں اذان نہیں دینی چاہئے؛ بلکہ باہر آکر مکمل اذان دے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۶/ ۲۲۳، جدید ڈابھیل ۵/ ۳۹۰، امداد الاحکام، زکریا ۲/ ۳۲)

وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع للجيران. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ٢/ ٤٨، كراچی ١/ ٣٨٤، فتاوى هندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٥، جديد ١/ ١١٢)

سئل عمن يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان ٢/ ١٤٩، رقم: ١٩٩٩)

إذا وقف في خلال الأذان يعيده. (هندية، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٥، جديد ١/ ١١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۷۷)

دوران اذان بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ

سوال [۱۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مؤذن اذان دے رہا ہے مائک سے، بجلی بھاگ گئی اذان کا کچھ حصہ کہہ چکا تھا، کیا وہ اذان چھوڑ کر باہر اذان دینے جائے گا؟ کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد بدرالدین مسجد میدان والی، رفعت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کا مقصد غائبین کے لئے اعلان ہے اور جس کمرہ میں مائک ہے وہاں کی آواز لوگوں کو سنائی نہیں دے سکتی؛ اس لئے بہتر یہی ہے کہ باہر آکر دوبارہ شروع سے اذان دے۔

كما استفاده قاضيخان: إذا حضر المؤذن في خلال الأذان أو في الإقامة، وعجز عن الإتمام ولم يكن هناك من يلقنه يجب الاستقبال. (قاضی خان، باب الأذان، مسائل الأذان، زكريا جديد ١/ ٥١، وعلى هامش الهندية ١/ ٧٧، عالمگيري، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٥، جديد ١/ ١١٢)

وقد يقال فيه إذا شرع فيه ثم قطع تبادر إلى السامعين –إلى قوله– المراد أنه إذا عرض للمؤذن ما يمنعه عن الإتمام، وأراد آخر أن يؤذن يلزمه استقبال الأذان من أوله إن أراد إقامة سنة الأذان، فلو بنى على ما مضى من أذان الأول لم يصح، فلذا قال في الخانية: لو عجز عن الإتمام استقبل غيره. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب...... زكريا ٢/ ٦١، كراچی ١/ ٣٩٣)، كوئٹه ١/ ٢٨٩)

سئل عمن يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاوى

التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱٤۹، رقم: ۱۹۹۹)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۴۵)

دوران اذان لاؤڈ اسپیکر خراب ہونے پر تکمیل کا طریقہ

سوال [۱۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لاؤڈ اسپیکر میں اذان شروع کی، مگر دو چار کلمہ کے بعد لاؤڈ اسپیکر خراب ہوگیا، تو مؤذن نے اذان دینا بند کردیا، پھر لاؤڈ اسپیکر کو ٹھیک کرکے اذان پوری کیا یا لاؤڈ اسپیکر میں اذان شروع کی اور پوری اذان دے دی، مگر آواز باہر نہیں گئی، اس لئے پھر سے دوبارہ اذان دی تو اس طرح اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزمل حق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوران اذان جب لاؤڈ اسپیکر بند ہوجائے تو بلند جگہ پر اذان دینا چاہئے، یا لاؤڈ اسپیکر صحیح کرکے اذان دینا چاہئے؛ اس لئے کہ اذان کا مقصد دور دور کے لوگوں کے لئے وقت نماز کا اعلان کرنا ہے۔

سئل عمن يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱٤۹، رقم: ۱۹۹۹)

إذا وقف في خلال الأذان يعيده. (هندية، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ۱/ ٥٥، جديد ۱/ ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۰۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۴/۳۰ھ

بجلی جانے پر ازسرنو اذان دینا

سوال [۱۷۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن نے اذان شروع کی، بجلی چلی گئی، اذان مائک سے ہورہی تھی، تو ایسی صورت میں مؤذن کیا وہیں پر اذان دیتا رہے جہاں اذان پڑھ رہا تھا، جب کہ وہاں سے بعض لوگوں کو آواز نہیں جاسکتی یا یہ کہ باہر آکر اذان دے؟ باہر دینے کی صورت میں دوبارہ ازسرنو پڑھے یا کیا کرے؟

المستفتی: افضال احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں مؤذن کو چاہئے باہر آکر بلند جگہ سے ازسرنو اذان دے؛ کیوں کہ اذان کا مقصود لوگوں کے لئے نماز کا اعلان کرنا ہے اور جہاں سے لوگوں کو اذان کی آواز نہیں پہنچ سکتی وہاں سے اذان کا مقصود حاصل نہیں ہوتا؛ اس لئے باہر آکر بلند مقام سے دوبارہ اذان دے۔

إذ عرض للمؤذن ما يمنعه من الإتمام أو أراد آخر أن يؤذن يلزمه استقبال الأذان من أوله إن أراد إقامة سنة الأذان، فلو بنى على ما مضى من الأذان الأول لم يصح، ولذا قال في الخانية: لو عجز عن الإتمام استقبل غيره لئلا يكون آتيا ببعض الأذان. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، كراچی ١/ ٣٩٣، زكريا ٢/ ٦١، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ٤٥٩، كوئٹه ١/ ٢٦٤، خانيه، باب الأذان، مسائل الأذان، زكريا جديد ١/ ٥١، وعلى هامش الهندية ١/ ٧٧)

سئل عمن يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٤٩، رقم: ١٩٩٩)

إذا وقف في خلال الأذان يعيده. (هندية، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٥، جديد ١/ ١١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۸۵)

سوال [۱۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے اندر مائک میں اذان دینا کیسا ہے، جب کہ مائک کے ہارن مسجد کی چھت پر یا میناروں پر لگے ہیں، جن کے ذریعہ آواز ہر جگہ پہنچتی ہے؟

المستفتی: مولانا خورشید انور، مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر مائک میں اذان دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان کو فقہاء نے اس لئے خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی کہا تھا کہ اس سے مقصد اذان حاصل نہیں ہوتا، ورنہ جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد ہی میں دینے کا حکم ہے؛ کیوں کہ اس سے غائبین کو مطلع کرنا مقصد نہیں؛ بلکہ حاضرین کو آگاہ کرنا مقصد ہوتا ہے۔ اور مسجد کے اندر مائک میں اذان دینے سے مقصد اذان حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لئے بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۲/ ۲۹۴)

إعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية، وعمومه هذا الأذان، بل مقيدا بما إذا كان المقصود إعلام ناس غير حاضرين (قوله:) أما من أذن لنفسه أو لجماعة حاضرين، فالظاهر أنه لا يسن له المكان العالي، لعدم الحاجة. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، كراچی ٨/ ٨٧، دارالكتب العلمية بيروت ٨/ ٨٧، شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ٢/ ٤٨، كراچی ١/ ٣٨٤)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام

يحصل به ...... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة، ونحوها ...... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ١/ ٦٤٢، زكريا ١/ ٣٦٩، كراچی ١/ ١٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۶/۴/۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۸ھ

اذان کا جواب دینا واجب ہے یا سنت؟

سوال [۱۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کہتا ہے کہ اذان کے وقت مسجد کے باہر ہوں تو جواب دینا واجب ہے۔ اور اگر مسجد کے حدود کے اندر ہوں تو جواب دینا سنت ہے، صحیح کیا ہے تحریر فرمائیں؟

المستفتی: شان عالم گلشہید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواب کی دو قسم ہے: اجابت بالقول۔ اور اجابت بالفعل۔ اجابت بالقول سب کے نزدیک سنت ہے اور اجابت بالفعل کا مطلب یہ ہے: کہ اذان سن کر فوراً مسجد آنے کے لئے تیاری شروع کردیں، یہ بعض علماء کے نزدیک واجب ہے۔ اور جو شخص مسجد میں پہلے ہی سے موجود ہے، اس کے ذمہ صرف اجابت قولی ہے، جو سب کے نزدیک سنت ہے۔

أما الإجابة فظاهر الخلاصة والفتاوى والتحفة وجوبها، وقول الحلواني: الإجابة بالقدم فلو أجاب بلسانه ولم يمش لا يكون مجيبا، ولو كان في المسجد فليس عليه أن يجيب باللسان، حاصله نفي وجوب الإجابة باللسان، وبه صرح جماعة، وأنه مستحب. (فتح القدير، باب الأذان،

کوئٹہ ۱/ ۲۱۷، زکریا ۱/ ۲۵٤، دارالفکر ۱/ ۲٤۸)

ویجیب وجوبا، وقال الحلواني: ندبا، والواجب الإجابة بالقدم. (تحته في الشامية:) **قال الحلواني: إن الإجابة باللسان مندوبة، والواجبة هي الإجابة بالقدم.** (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ٦٥، كراچی ۱/ ۳۹٦)

"ويجيب وجوبا" على المعتمد للأمر به، في قوله عليه الصلاة والسلام: فقولو مثل ما يقول. "قوله ندبا": أي إجابة اللسان مندوبة. (حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلوة، باب الأذان، كوئٹہ ۱/ ۱۸۸، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۵۲، رقم: ۲۰۰۷، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي، جديد ۲/ ۱۰۲، رقم: ۱۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۶/۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۸ھ

اذان کے جواب کی شرعی حیثیت

سوال [۱۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان ہورہی ہے، تو اس کا جواب دینا سنت ہے یا واجب؟ اور جو لوگ گھر میں بیٹھے اذان سن رہے ہیں ان پر بھی اذان کا جواب دینا سنت ہے یا واجب؟ جو بھی حکم ہو مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حکمت اللہ محلہ سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان سننے والا اگر تلاوت یا تقریر یا تعلیم میں مشغول نہ ہو تو اس پر اذان کا جواب دینا واجب ہے، نیز جو شخص گھر میں بیٹھ کر اذان سن رہا ہے اس پر بھی

جواب اذان واجب ہے۔ (فتاوی محمودیہ،قدیم ۲/۶۲، جدید ڈابھیل ۵/۴۲۲)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن النبي ﷺ قال: من سمع النداء فلم يجب فلا صلاة له. (المستدرك، كتاب الصلوة، مكتبه نزار مصطفى الباز ١/ ٣٦٣، رقم: ٨٩٣، سنن الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء فيمن سمع النداء فلا يجيب، النسخة الهندية ١/ ٥٢، دارالسلام رقم: ٢١٧، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٢/ ١٨، رقم: ١٢٣٤٤)

يجب على السامعين عند الأذان الإجابة. (فتاوى عالمگيرى، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ١/ ٥٧، جديد زكريا ١/ ١١٤، البحر الرائق، باب الأذان، كوئٹه١/ ٢٥٩، زكريا ١/ ٤٥١)

ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٥٢، رقم: ٢٠٠٧، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض المجلس العلمي، جديد ٢/ ١٠٢، رقم: ١٣١٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۵۷)

اذان کے جواب کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن اذان دیتے وقت "**أشهد أن محمد رسول الله**" کہے، تو جواب میں اسی کے مثل کلمات لوٹانے کے بارے میں آتا ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص شہادتین کے بعد درود پڑھے، تو کیا حکم ہے؟ دریافت طلب بات یہ ہے کہ آیا شہادتین کے جواب میں صرف شہادتین پڑھے یا صرف درود پڑھے یا دونوں پڑھے؟ اسی طرح کوئی شخص اذان کے وقت سلام کرے، تو سلام

کرنا کیسا ہے اور سلام کرنے کے بعد جواب دینا کیسا ہے؟ جواب دے یا نہ دے؟

المستفتی: محمد محفوظ ملگواں، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جواباً وہی کلمات کہو جو مؤذن کہہ رہا ہے، صرف حیعلتین کے جواب میں حوقلہ یعنی ’’لاحول ولاقوۃ الا باللہ‘‘ کہو، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ شہادتین کے وقت جواباً صرف شہادتین ہی کہا جائے گا، اس کے ساتھ درود شریف کا ثبوت نہیں، ہاں البتہ اذان کے ختم ہونے کے بعد دعا وسیلہ سے پہلے درود شریف پڑھنا، پھر اس کے بعد دعاوسیلہ پڑھنا حدیث کی کتابوں سے ثابت ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے۔

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: إذا سمعتم المؤذن، فقولوا مثل مایقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلی علي صلاۃ صلی اللّٰہ علیه بها عشرا، ثم سلو اللّٰہ لي الوسیلة، فإنها منزلة في الجنة، لاتنبغي إلا لعبد من عباد اللّٰہ، وأرجو أن أکون أنا هو، فمن سأل لي الوسیلة حلت له الشفاعة. (صحیح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ...... النسخة الهندیة ۱/ ۱۶۶، بیت الأفکار، رقم: ۳۸۴، سنن الترمذي، باب مایقول أذان المؤذن من الدعاء؟ النسخة الهندیة ۱/ ۵۱، دارالسلام، رقم: ۳۶۱۴، سنن النسائي، باب الصلاۃ علی النبي بعد الأذان، النسخة الهندیة ۱/ ۷۸، ۷۹، دارالسلام، رقم: ۶۷۸)

عند مسلم بلفظ ’’قولوا مثل ما یقول‘‘ ثم صلوا علي، ثم سلو اللّٰہ لي الوسیلة، ففي هذا أن ذلک یقال عند فراغ الأذان. (فتح الباري، کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، دارالریان بیروت ۲/ ۱۱۲، دارالفکر ۲/ ۹۴، أشرفیه دیوبند ۲/ ۱۲۰، عمدۃ القاري، باب الدعاء عند النداء، دار احیاء التراث العربي ۵/ ۱۲۲، زکریا ۴/ ۱۷۲، شامي، باب الأذان، مطلب فی کراهة تکرار الجماعة في المسجد، کراچی ۱/ ۳۹۸، شرح النقایة، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، إعزازیه دیوبند ۱/ ۶۱)

اذان کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر کسی نے اذان کے وقت سلام کیا تو جواب دینا لازم نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳۶/۸)

لا يسلم ولا يرد السلام، ولا يشتغل بشيء سوى الإجابة. (البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ۱/ ۴۵۰، كوئٹه ۱/ ۲۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۳۳/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۹ھ

''لاحول ولاقوۃ'' کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال [۱۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان کے جواب میں حیعلتین کی جگہ ''**لاحول والا قوۃ الا باللہ**'' پڑھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے جواب میں حیعلتین کی جگہ ''**لاحول ولا قوۃ الا باللہ**'' پڑھنا مندرجہ ذیل حدیث شریف سے ثابت ہے۔

عن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن أبيه، عن جده عمر بن الخطاب، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قال المؤذن: الله أكبر الله أكبر، فقال: أحدكم الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا اله إلا الله، قال: أشهد أن لا اله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمد رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لاحول ولا قوة إلا بالله. الخ (مسلم، شريف، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۷، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۵)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: إذا أذن المؤذن فقولوا مثل قوله. (ابن ماجة، باب مايقال إذا أذن المؤذن، النسخة الهندية، ص: ٥٢، دارالسلام، رقم: ٧١٨)

فقولوا مثل قوله عام مخصوص بحديث عمر أنه يقول فی الحيعلتين لاحول ولا قوة إلا بالله، إعلم أنه يستحب للسامع إذا أذن المؤذن أن يقول مثل قوله إلا في الحيعلتين؛ فإنه يقول لاحول ولا قوة إلا بالله. (انجاح الحاجة، حاشية ابن ماجة، ص: ٥٢)

قال يحيى: وحدثني بعض إخواننا، أنه قال: لما قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، وقال: هكذا سمعنا نبيكم صلى الله عليه وسلم يقول. (بخاري شريف، باب ما يقول إذا سمع المنادي؟ النسخة الهندية ١/ ٨٦، رقم: ٦٠٥، ف: ٦١٣)

عن عبدالله بن الحارث بن نوفل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سمع المؤذن يؤذن، قال: الله أكبر الله أكبر –إلى قوله– وإذا قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١/ ٤٧٨، رقم: ١٨٤٣)

عن معاوية، أن النبي ﷺ سمع المؤذن، فقال كما قال، حتى قال: حي على الصلاة، فقال: لا حول ولا قوة إلا بالله. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/ ١٦١، رقم: ٨٣٦٤، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٩/ ٣٢١، رقم: ٧٣٠، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٧٦٧، رقم: ١٢٣٨، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٢٤٦، رقم: ٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

حیعلتین میں ''لاحول'' کیوں پڑھا جاتا ہے؟

سوال [۱۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان کے دوران ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کے دوران میں ''لاحول'' پڑھتے ہیں اور اسی طرح برے ماحول اور کاموں کے وقت میں ''لاحول'' ہی کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اگر شیطان سے پناہ مقصود ہے تو تعوذ یا دوسرے کلمات بھی تو پڑھ سکتے ہیں؟ آپ صحیح جواب عنایت فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: زبیر عالم تجویدی، قصبہ ڈڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح اور صریح حدیث شریف میں ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کے دوران ''لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ'' پڑھنے کا حکم اور ترغیب آئی ہے۔ اور تعوذ پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے ''لاحول و لا قوۃ الا باللّٰہ'' پڑھتے ہیں۔ اور بعض برے کاموں میں تعوذ پڑھنے کا بھی حکم ہے اور ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' میں برے کام کے لئے نہیں بلایا جاتا؛ بلکہ نماز اور فلاح کی طرف بلایا جاتا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ملاحظہ ہو:

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله من قلبه دخل الجنة. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ١/ ١٦٧، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۶۴)

''الصلاۃ خیر من النوم'' کا جواب کس جملہ سے دیا جائے؟

سوال [۱۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''الصلاۃ خیر من النوم'' کے جواب میں حضرت تھانویؒ صدقت وبررت لکھتے ہیں۔ اور حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی کتاب میں وہی الفاظ دہرانا لکھا ہے، کیا ''صدقت وبررت'' بناوٹی جواب ہے؟

المستفتی: محمد یونس احمد گڑھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی اذان میں ''الصلاۃ خیر من النوم'' کے جواب ''صدقت وبررت'' کہنا مسنون ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ، قدیم/۳۰۴، جدید، زکریا ۲۸۷، تعلیم الاسلام ۳/۶۰)

وفي ''الصلاۃ خیر من النوم''، فیقول: صدقت وبررت. (درمختار، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، زکریا ۲/ ۶۷، کراچی ۱/ ۳۹۷)

إذا قال المؤذن ''الصلاۃ خیر من النوم'' لا یعیدہ السامع؛ لما قلنا، ولکنہ یقول: صدقت وبررت. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل فیما یجب علی السامعین، بیروت ۱/ ۶۶۰، کراچی ۱/ ۱۵۵، زکریا ۱/ ۳۸۳، شرح النقایۃ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، إعزازیہ دیوبند ۱/ ۶۱، حاشیۃ الطحطاوي علی مراقي الفلاح، باب الأذان، قدیم، ص: ۱۱۰، جدید دارالکتاب دیو بند، البنایۃ، باب الأذان، أشرفیہ دیوبند ۲/ ۹۸، الفتاوی التاتار خانیۃ، کتاب الصلوۃ، الفصل الثاني في الأذان، زکریا ۲/ ۱۵۳، رقم: ۲۰۰۸)

اورحضرت مفتی سعید احمد صاحب کی تحریر شاید عمومی اذان سے متعلق ہے۔ اور اگرانہوں نے ”الصلاة خير من النوم“ کی جگہ میں وہی الفاظ دہرانے کا ذکر کیا ہے، تو وہ کتاب ہمارے پاس نہیں ہے، کتاب دیکھ کر کچھ بات کہی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

کیا تالی پر اذان کا جواب دینا واجب ہے؟

سوال [۱۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا قرآن کریم کی تلاوت کررہا ہے، اس پر اذان کا جواب دینا سنت ہے یا واجب؟ فقط

المستفتی: حکمت اللہ محلّہ سرائے گلزاری مل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تلاوت، علمی مسائل، تعلیم وغیرہ میں اگر کوئی مشغول ہے، تو اس پر اذان کا جواب دینا واجب نہیں؛ بلکہ اولیٰ اور افضل ہے، اگرچہ مسجد میں کیوں نہ ہو۔
(مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/ ۲۸۹، جدید زکریا ۴/ ۹۸)

أمسک حتى عن التلاوة، ليجيب المؤذن ولو في المسجد، وهو الأفضل. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، قديم ۱۰۹، جديد، دارالكتاب ۲۰۲)

ولو كان في القراء ة ينبغي أن يقطع، ويشتغل بالاستماع والإجابة.
(فتاوى عالمگيرى، الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الاذان، زكريا قديم ۱/ ۵۷، جديد ۱/ ۱۱۴، البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ۱/ ۴۵۱، كوئٹه ۱/ ۲۵۹)

ويستحب إجابة المؤذن بإحسان، فيمسک عن التلاوة وغيرها في المسجد وغيره. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ۱/ ۶۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۵۷/۲۶)

کیا حائضہ ونفساء پر اذان کا جواب دینا واجب ہے؟

سوال [۱۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حائضہ ونفساء کلمات اذان کا جواب دے سکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: اسلام الدین مدنا پور، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حائضہ اور نفساء کے لئے کلمات اذان کا جواب دینا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۲۱۰)

ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان، ونحو ذلک.

(هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدعاء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زكريا قديم ١/ ٣٨، جديد ١/ ٩٣)

ويجوز لهما الدعوات وقراء ة "اللهم إنا نستعينک" وجواب الأذان ونحو ذلک. (فتاوی سراجيه، دارالأيمان سهارن پور ١/ ٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۵۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۳۳ھ

جنبی کا اذان وسلام کا جواب دینا

سوال [۱۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ فرض غسل کرنا ہے، اذان کی آواز آنے لگے تو ایسی حالت میں اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟ (۲) یہ کہ مذکورہ حالت میں سلام کرنا یا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز، دوکاندار برتن بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اس حالت میں بھی اذان کا جواب دینا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم، زکریا ۲/۸۶)

ويجيب وجوبا، وقال الحلواني: ندبا، والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان ولو جنبا. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۶۵، كراچی ۱/ ۳۹۶، كوئٹه ۱/ ۲۹۱، مصري ۱/ ۳۶۷)

(۲) حالت جنابت میں سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۲/ ۳۳، ۲/ ۳۶، ۲/ ۳۸)

ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان، ونحو ذلك.

(هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدعاء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زكريا قديم ۱/ ۳۸، جديد ۱/ ۹۳)

ويجوز لهما الدعوات وقراءة "اللهم إنا نستعينك" وجواب الأذان ونحو ذلك. (فتاوى سراجيه، دار الأيمان سهان پور ۱/ ۵۱) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۸۴)

دوران اذان بیت الخلاء میں داخل ہونا

سوال [۱۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ کہ بیت الخلاء جانا ہے، قبل داخلہ بیت الخلاء اذان کی آواز آنے لگی، تو بیت الخلاء میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز، شاہی مسجد بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ضرورت زیادہ ہو تو فوراً پوری کرے، ختم اذان کا انتظار نہ کرے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم، زکریا ۲/۱۳۰)

وقوله تعالیٰ: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. [الآية:]

المشقة تجلب التيسير. (الأشباه والنظائر، ص: ۱۲۵)

اور اگر سخت ضرورت نہ ہو تو اذان ختم ہونے پر ضرورت پوری کرنا بہتر اور مستحب ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم، زکریا ۲/۱۳۰)

ويندب القيام عند سماع الأذان. (الدرالختار، باب الأذان، مصري ۱/ ۳۶۹، کراچی ۱/ ۳۹۷، زکریا ۲/ ۶۷)

ويندب عند الحنفية، القيام عند سماع الأذان. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث في الأذان والإقامة، إجابة المؤذن والمقيم، مطبوعه ديوبند ۱/ ۶۱۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۹۸)

اذان میں تشہد پر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھنا

سوال [۱۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان میں کلمہ شہادت پر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے کلمۂ شہادت پر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ بعینہٖ وہی کلمہ دہرانا حدیث سے ثابت ہے جو کلمہ مؤذن کہتا ہے۔ اور حدیث شریف سے پوری اذان ختم ہونے کے بعد درود شریف پڑھنا ثابت ہے؛ اس لئے مکمل اذان ختم ہونے کے بعد درود شریف پڑھے، پھر دعائے وسیلہ پڑھے۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة؛ فإنها منزلة فى الجنة لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجوا أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة. (مسلم شريف، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية ١/ ١٦٦، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٤، أبوداؤد شريف، باب ما يقول إذا سمع المؤذن، النسخة الهندية، ١/ ٧٧،٧٨، دارالسلام، رقم: ٥٢٣، الترغيب والترهيب ١/ ٢٥٣، رقم: ٣٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۰۸)	۱۴۳۴/۵/۱۵ھ

سوال [۱۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عالم صاحب نے تقریر کے دوران یہ بات بتائی کہ اذان کا جواب انہیں کلمات سے دینا چاہئے جو اذان میں کہے جاتے ہیں، صرف حیعلتین کے جواب میں ”لاحول ولا قوۃ الا باللہ“ کہا جائے۔ اور انہوں نے یہ کہا کہ اگر ”اشہد ان محمدا رسول اللہ“ کے جواب میں ”صلی

اللہ علیہ وسلم“ کہا تو یہ کہنا بدعت ہوگا، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: کفیل احمد، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عالم صاحب کی بات درست ہے؛ کیوں کہ حدیث پاک میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جواباً وہی کلمات کہو جو مؤذن کہہ رہا ہے، صرف حیعلتین کے جواب میں حوقلہ یعنی ”**لاحول ولا قوۃ الا باللہ**“ کہو، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ شہادتین کے وقت جواباً شہادتین کہا جائے اور شہادتین کے الفاظ استعمال نہ کرکے جواب میں صرف ”**صلی اللہ علیہ وسلم**“ کہہ دینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ شہادتین کے الفاظ کہنا لازم ہے، جب ہی جواب صحیح ہوسکتا ہے، ہاں البتہ اذان کے ختم ہونے کے بعد ”**صلی اللہ علیہ وسلم**“ یا درود شریف کے کوئی الفاظ استعمال کرنا حدیث سے ثابت ہے، اس کے بعد دعائے وسیلہ کے الفاظ سے دعا کی جائے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۱۸۲)

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلی اللہ علیه وسلم یقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلی علي صلاۃ صلی اللہ علیه بها عشرا، ثم سلوا اللہ لي الوسیلة؛ فإنها منزلة في الجنة لا تنبغي إلا لعبد من عباد اللہ، وأرجوا أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسیلة حلت له الشفاعة. (مسلم شریف، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، النسخة الهندیة ۱/ ۱٦٦، بیروت، رقم: ۳۸٤، فتح الباري، كتاب الأذان، باب ما یقول عند النداء؟ دارالریان قدیم ۲/ ۱۱۲، جدید أشرفیه دیوبند ۲/ ۱۲۰، دارالفكر ۱/ ۹٤، عمدة القاري، كتاب الأذان، باب ما یقول عند النداء، زكریا ٤/ ۱۷۲، دار احیاء التراث العربي بیروت ٥/ ۱۲۲)

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله من قلبه دخل الجنة. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ۱/ ۱۶۷، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

”أشهد أن“ کے جواب میں صرف درود پڑھے یا ”أشهد أن“ بھی کہے؟

سوال [۱۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”أشهد أن“ کے وقت ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا چاہئے یا صرف ”أشهد أن“ کہنا چاہئے؟ ان دونوں باتوں پر چند لوگوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے؛ لہٰذا برائے کرم ان دونوں باتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے تسلی بخش جواب عنایت کریں؟

المستفتی: محمد اشیر الدین قاسمی دیناجپوری، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ”أشهد أن محمدا رسول الله“ کی جگہ جواب اذان میں ”أشهد أن محمدا رسول الله“ ہی کہنا حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح اذان کے دیگر الفاظ کے جواب میں بھی وہی الفاظ استعمال کرنا مسنون ہے جو مؤذن کہتا

ہے، ہاں البتہ صرف ”حي علی الصلوة“ اور ”حي علی الفلاح“ کی جگہ پر ”لاحول ولا قوة إلا بالله“ پڑھنے کا حکم ہے۔

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله من قلبه دخل الجنة. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ١/ ١٦٧، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٥)

يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة: صلى الله عليك يا رسول الله، وعند الثانية، منها: قرت عيني بك يا رسول الله –إلى قوله– ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. (شامي، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، كراچی ١/ ٣٩٨، زكريا ٢/ ٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۹ھ

مؤذن کے تشہد پڑھنے پر سامع کا ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا

سوال [۱۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب مؤذن اذان کے دوران ”أشهد أن محمدا رسول الله“ پڑھے، تو کیا سامع کے لئے ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مرسلین، مدنا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مؤذن ”أشهد أن محمدا رسول الله“ کہے تو سامع کے لئے مسنون یہی ہے کہ وہ بھی ”أشهد أن محمدا رسول الله“ کہے۔ اور اسی طرح پوری اذان کا جواب دینے کے بعد آخر میں دعائے وسیلہ جو عام طور پر اذان کے بعد پڑھی جاتی ہے وہ بھی پڑھے، نیز یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے: ”أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، رضيت بالله ربا، وبمحمد رسولا، وبالإسلام دينا“ اور پورا درود شریف پڑھنا بھی مسنون ہے؛ لیکن جواب کے ساتھ ساتھ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله من قلبه دخل الجنة. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ١/ ١٦٧، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٥)

عن رسول الله ﷺ أنه قال: من قال حين يسمع المؤذن: ”أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، رضيت بالله ربا، وبمحمد رسولا، وبالإسلام دينا“ غفر له ذنبه. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ١/ ١٦٧، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٦، أبوداؤد، باب ما يقول إذا سمع المؤذن؟ النسخة الهندية ١/ ٧٨، دارالسلام، رقم: ٥٢٥)

عن عبدالله بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة؛ فإنها منزلة في الجنة الخ. (مسلم شريف، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، النسخة الهندية ۱/ ۱٦٦، بيت الأفكار، رقم: ۳۸٤، نسائي شريف، باب الصلاة على النبي بعد الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۷۸، ۷۹، دارالسلام، رقم: ٦۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۲/ ۱۴۳۴ھ

تلاوت کے دوران اذان شروع ہونے کا حکم

سوال [۱۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی شخص قرآن شریف کی تلاوت کررہا ہے، دوران تلاوت اذان شروع ہوجائے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ تلاوت جاری رکھنا افضل ہے یا تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دینا افضل ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شمیم قاسمی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تلاوت کے دوران اذان شروع ہونے کی صورت میں مناسب اور افضل یہی ہے کہ تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دے؛ اس لئے کہ تلاوت بعد میں دوبارہ ہوسکتی ہے، مگر جواب اذان کا موقع پھر نہیں ملے گا۔

عن ابن جريج، قال: حدثت أن ناسا كانوا فيما مضى، كانوا ينصتون للتأذين كإنصاتهم للقرآن، فلا يقول المؤذن شيئا إلا قالوا مثله. (مصنف

عبدالرزاق، أبواب الأذان، باب القول إذا سمع الأذان و الإنصات له، المجلس العلمي ۱/ ٤٨٠، رقم: ۱۸٤۹)

ولو كان في القراء ة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يجب على السامعين، زكريا ۱/ ۳۸۳، بيروت، ۱/ ٦٦٠، كراچی، قديم ۱/ ۱۵۵، حاشية چلپی، باب الأذان، ملتان ۱/ ۸۹، زكريا ۱/ ۲۳۹)

ولو كان السامع يقرأ يقطع القراء ة ويجيب. (البحر الرائق، كوئٹه ۱/ ۲۵۹، زكريا ۱/ ٤٥٠)

ويستحب إجابة المؤذن باللسان، فيمسک عن التلاوة وغيرها في المسجد وغيره. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديو بند ۱/ ٦۱، هندية، زكريا قديم ۱/ ۵۷، جديد ۱/ ۱۱٤، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۱۵٤، رقم: ۲۰۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۶ھ

اذان کے وقت دنیاوی باتیں کرنا

سوال [۱۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان کے وقت بجائے اذان کے جواب دینے کے دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونا، کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟

المستفتی: اثیر الدین قاسمی، دیناجپوری، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے وقت یکسوئی سے اذان کا جواب دینا لازم

ہے، دنیوی گفتگو میں مصروف ہوکر اذان کا جواب نہ دینا سنت رسول کے خلاف عمل کا ارتکاب ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، ہاں البتہ اگر مسئلہ مسائل یا دینی گفتگو ہورہی ہے تو خلاف سنت عمل کا ارتکاب نہیں ہے، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت ہورہی ہے، تب بھی خلاف سنت عمل کا ارتکاب نہیں ہے، ہاں البتہ اس میں بھی افضل اور بہتر یہی ہے کہ اذان کا جواب دے۔

عن ابن جريج، قال: حدثت أن ناسا كانوا فيما مضى، كانوا ينصتون للتأذين كإنصاتهم للقرآن، فلا يقول المؤذن شيئا إلا قالوا مثله. (مصنف عبدالرزاق، أبواب الأذان، باب القول إذا سمع الأذان والإنصات له، المجلس العلمي ۱/ ۴۸۰، رقم: ۱۸۴۹)

ولا ينبغي أن يتكلم السامع في حال الأذان والإقامة، ولا يشتغل بقراءة القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يجب على السامعين، زكريا ۱/ ۳۸۳، بيروت، ۱/ ۶۶۰، كراچی ۱/ ۱۵۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۹ھ

اذان کے بعد دعا کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان کے بعد دعا کی مقبولیت کا وقت ہوتا ہے، کیا یہ بات صحیح ہے اذان کے بعد دعا مانگنی چاہئے؟

المستفتی: محمد احمد خان، فیض گنج مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان واقامت کے درمیان دعا کی اجابت اورقبولیت کے سلسلہ میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: کہ اذان واقامت کے درمیان کی جانے والی دعا رد نہیں کی جاتی؛ لہٰذا اگر کوئی صاحب اذان کے بعد دعا کا اہتمام کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، مگر اس موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں، بغیر ہاتھ اٹھائے ثابت ہے۔

عن أنس رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا يرد الدعاء بين الأذان والإقامة. (مشكوة ٦٦، ترمذي شريف، باب ماجاء في أن الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة، النسخة الهندية، ١/ ٥١، دارالسلام، رقم: ٢١٢، أبو داؤد شريف، باب في الدعاء بين الأذان والإقامة، النسخة الهندية ١/ ٧٧، دارالسلام رقم: ٥٢١، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٢٢١، رقم: ٤٢٥)

والمسنون في هذا الدعاء ألَّا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم رفعها. (فيض الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، کوئٹہ ٢/ ١٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۷/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۷/۱۴۲۲ھ

اذان کے بعد کی دعا ہاتھ اٹھا کر پڑھنا

سوال [۱۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان کے بعد جو دعا ہے اس وقت بہت سے لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھتے ہیں اور بہت سارے لوگ ہاتھ اٹھائے بغیر پڑھتے ہیں، جو ہاتھ اٹھا کر پڑھتے ہیں یہ ثابت ہے کہ نہیں؟ یا وہ جو ہاتھ اٹھا کر نہیں پڑھتے یہ ثابت ہے؛ لہٰذا مسئلہ ذیل کے بارے میں شرع ودلائل سے

نوازیں کرم ہوگا، فقط

المستفتی: عبدالوہاب، ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبانی دعا پڑھنا ثابت ہے، اس میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں؛ اس لئے ہاتھ نہ اٹھانا افضل ہے۔

والمسنون في هذا الدعاء ألَّا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم رفعها. (فيض الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، كوئٹه ٢/ ١٦٧)

ويستحب إجابة المؤذن باللسان -إلى- ثم دعا بعد الفراغ بالوسيلة للنبي صلى الله عليه وسلم. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازيه ديوبند ١/ ٦١)

البتہ اگر کوئی دعائے منقول کے علاوہ اپنی حاجت کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے تو بلا التزام کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۱۶۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۶۶، جدید ڈابھیل ۵/۴۳۳)

عن سلمان عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن ربكم حي كريم، يستحيي من عبده أن يرفع إليه يديه فيردهما صفرا، أو قال: خائبتين. (سنن ابن ماجة، باب رفع اليدين فى الدعاء، النسخة الهندية ٢/ ٢٧٥، دارالسلام، رقم: ٣٨٦٥، صحيح ابن حبان، دارالفكر بيروت ٢/ ٩٣، رقم: ٨٧٧، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ٣/ ٢٨٠، رقم: ٤٥٩١، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٦/ ٢٥٢، رقم: ٦١٣٠)

والمستحب أن يرفع يديه عند الدعاء بحذاء صدره. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح، وقراءة القرآن والذكر والدعاء، زكريا قديم ٥/ ٣١٨، جديد ٥/ ٣٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۳۱)

مغرب کی اذان واقامت کے درمیان دعا مانگنا

سوال [۱۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ لوگ ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتے ہیں اور فرماتے ہیں: اذان اور اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی ہے۔ (الحدیث) جب کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اذان کے بعد کی دعائے وسیلہ پڑھتے وقت ہاتھ نہ اٹھائیں، کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ اذان کے ختم پر درود شریف اور دعائے وسیلہ تو بغیر ہاتھ اٹھائے پڑھ لیں اور حدیث کے پیش نظر باقی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگ لیں، شرعاً کیا طریقہ بہتر ہے؟

المستفتی: عبدالرشید، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے بعد جو دعا ثابت ہے وہ متعین ہے، اس میں تین چیزیں ہیں: (۱) درود شریف پڑھنا (۲) دعائے وسیلہ پڑھنا (۳) ’’**رضیت باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا**‘‘ پڑھنا، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں ہے اور عمومی دعائیں اپنے مقصد سے متعلق کسی بھی وقت ہاتھ اٹھا کر مانگنا جائز ہے؛ لیکن بہت سے مقامات ایسے ہیں جن میں خصوصی اور متعین دعائیں بغیر ہاتھ اٹھائے پڑھنا ثابت ہیں، جیسا کہ وضو کے بعد ’’**أشهد أن لا إلا اللّٰہ وأشهد أن محمدا عبده ورسوله**‘‘ پڑھنا۔ اور نماز کی نیت باندھتے وقت ’’**إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفا وما أنا من المشركين**‘‘ پڑھنا۔ اور گھر سے نکلتے وقت ’’**بسم اللّٰہ توكلت على اللّٰہ لا حول ولا قوة إلا باللّٰہ**‘‘ پڑھنا۔ اور مسجد میں داخل ہوتے وقت ’’**بسم اللّٰہ والصلاة والسلام على رسول اللّٰہ، اللهم افتح لي أبواب رحمتک**‘‘ پڑھنا۔ اور مسجد سے نکلتے وقت ’’**بسم اللّٰہ والصلاة والسلام على رسول اللّٰہ اللهم إني أسئلک من فضلک**‘‘ پڑھنا، اسی طرح بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت ’’**اللهم إني أعوذ بک من الخبث والخبائث**‘‘ پڑھنا، اسی طرح

سوتے وقت ”اللهم باسمك أموت وأحيى“ پڑھنا۔ اورسونے سے بیدار ہوتے وقت ”الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور“ پڑھنا، اسی طرح دودھ وغیرہ پیتے وقت ”اللهم بارك لنا فيه وزدنا منه“ پڑھنا۔ ان دعاؤں کو پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے، اسی طرح اذان کے بعد کی دعا میں بھی ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے، ان سب مقامات پر دعائیں ہاتھ اٹھائے بغیر پڑھی جاتی ہیں، ان میں اپنی طرف سے بڑھانے گھٹانے میں کسی ثواب کی امید نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا/ ۱۶۱، ۱۶۴)

عن سلمان عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن ربكم حي كريم، يستحيي من عبده أن يرفع إليه يديه فيردهما صفرا، أو قال: خائبتين. (سنن ابن ماجة، باب رفع اليدين فى الدعاء، النسخة الهندية ٢٧٥، دارالسلام، رقم: ٣٨٦٥، صحيح ابن حبان، دارالفكر بيروت ٢/ ٩٣، رقم: ٨٧٧، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ٣/ ٢٨٠، رقم: ٤٥٩١، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٦/ ٢٥٢، رقم: ٦١٣٠)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله رحيم، حي، كريم، يستحيى من عبده أن يرفع إليه يديه، ثم لا يضع فيهما خيرا. (مستدرك قديم ١/ ٤٩٨، مكتبه نزار المصطفى الباز ٢/ ٦٩٩، رقم: ١٨٣٢)

الدعاء عند النداء، والمسنون في هذ الدعاء ألّا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم ...... وينبغي لمن أراد أن يستن بسنة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكتفي بتلك الكلمات، ولا يزيد عليها. (فيض الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، كوئٹه ٢/ ١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۸ھ

اذان میں شہادت کے وقت انگلی اٹھانا

سوال [۱۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤذن صاحب جب اذان دیتے ہیں اوراذان میں جب ''**أشهد أن لا إله إلا الله**'' آتا ہے، تو چند حضرات شہادت کی انگلی اسی طرح دوزانو بیٹھ کراٹھاتے ہیں، جیسے نماز میں التحیات میں ''**أشهد أن لا إله إلا الله**'' آنے پراٹھاتے ہیں، یہ نیا عمل ہے؛ اس سے قبل کسی کو یہ عمل کرتے نہیں دیکھا کہ اذان کے وقت بھی کلمۂ شہادت کے وقت شہادت والی انگلی اٹھاتے ہوں، برائے کرم وضاحت فرمائیں۔

کیا اذان میں ''**أشهد أن لا إله إلا الله**'' آنے پر جس طرح التحیات میں شہادت کی انگلی اٹھائی جاتی ہے، اسی طرح دوزانو بیٹھ کر شہادت والی انگلی اٹھانا سنت ہے؟

المستفتی: مصلیان مسجد محلّہ یوسف نگر جیون گڈھ، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نہ یہ سنت ہے اورنہ ہی کسی حدیث اورکتب فقہ میں اس کا ثبوت ہے، یہ محض من گھڑت چیز ہے، اس کا ترک لازم ہے، حدیث میں ایسی چیزوں کے اختیار کرنے سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد. (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على جور فالصلح مردود، النسخة الهندية ۱/ ۳۷۱، رقم: ۲۶۱۹، ف: ۲۶۹۷، صحيح مسلم، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ۲/ ۷۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۷۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۷۹)

۳/ باب الإقامة والتثويب

اذان واقامت کے لئے کوئی جہت متعین نہیں

سوال [۱۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے نماز کے لئے تکبیر بائیں طرف سے کہہ دی، دوسرے صاحب نے روک دیا اور فرمایا کہ بائیں طرف سے نماز کے لئے تکبیر اور دائیں طرف سے اذان مسجد میں نہیں ہوسکتی کسی بھی حالت میں، دوسرے صاحب نے جواباً کہا ایسی کوئی قید نہیں ہے اذان وتکبیر کے لئے، برائے کرم مدلل واضح فرمائیں کہ کیا دائیں طرف کھڑے ہوکر اذان مسجد میں نہیں دی جاسکتی (اذان نہیں ہوتی) اور بائیں طرف سے نماز کے لئے تکبیر نہیں کہی جاسکتی؟

المستفتی: ازطرف مصلیان مسجد محلّہ یوسف نگر جیون گڈھ، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان مسجد کی دائیں جانب یا بائیں جانب ہر طرف سے سنت طریقہ سے دینا جائز ہے، اوراسی طرح تکبیر مسجد کے اندر محراب کی دائیں اور بائیں جانب ہر طرح جائز ہے، بس حدود مسجد میں ہونا تکبیر کے لئے کافی ہے، دوسرے صاحب کی بات بلا دلیل کے محض دعویٰ ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۲/ ۶۱، جدید ڈابھیل ۵/ ۴۶۴، کفایت المفتی، قدیم ۳/ ۹، جدید زکریا ۳/ ۴۸، زکری مطول ۳/ ۵۲۵)

والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته. (هندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ۱/ ۵۵، جديد ۱/ ۱۱۲)

ويقيم على الأرض هكذا في القنية، وفي المسجد. (هندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقام، زكريا قديم ۱/ ۵٦، جديد ۱/ ۱۱۲)

الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران. (بدائع الصنائع، كتاب

الصلاة، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ١/ ٦٤٢، كراچى ١/ ١٤٩، زكريا ١/ ٣٦٩، البناية، كتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفيه ديوبند ٢/ ٩٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/ ١٩٣)

ويسن الأذان في موضع عال، والإقامة على الأرض. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ٢/ ٤٨، كراچى ١/ ٣٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذیقعدہ/ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۱/ ۱۴۱۲ھ

تیسری صف میں کھڑے شخص کا تکبیر کہنا

سوال [۱۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب جماعت کھڑی ہوئی، تو صف اول میں جگہ نہیں تھی تو مکبر نے تیسری صف میں کھڑے ہوکر تکبیر کہہ دی، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بھورے خان، پاکبڑہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدود مسجد کے اندر کہیں پر بھی تکبیر کہی جاسکتی ہے، اندر باہر دائیں بائیں ہر جگہ درست ہے، البتہ نمازی کم ہوں اور صف اول میں تکبیر کہنے سے سب کو آواز پہنچتی ہو تو اقامت صف اول میں کہنا بہتر ہے۔ اور اگر کثیر ہیں اور صف اول میں تکبیر کہنے سے تمام لوگوں کو آواز نہ پہنچتی ہو تو درمیان صف میں تکبیر کہہ دینے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/ ۲۹۱، جدید زکریا ۴/ ۹۹)

السنة: أن يكون الأذان في المنارة، والإقامة في المسجد. (تبيين الحقائق، باب الأذان، ملتان ١/ ٩٢، زكريا ١/ ٢٤٦)

ويسن الأذان في موضع عال، والإقامة على الأرض. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان زكريا ٢/ ٤٨، كراچى ١/ ٣٨٤)

ويقيم على الأرض هكذا فى القنية، وفي المسجد، هكذا في البحر الرائق.

(هندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني، زكريا قديم ١ / ٥٦، جديد ١/ ١١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ ررجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/ ۷/ ۱۴۱۴ھ

کیا امام کے دائیں جانب ہی کھڑے ہوکر تکبیر پڑھنا ضروری ہے؟

سوال [۱۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ دائیں جانب سے تکبیر پڑھی جائے، کیا یہ ضروری ہے کہ تکبیر دائیں جانب ہی سے پڑھی جائے؟ اگر بائیں جانب سے پڑھ دی تو کیا صحیح ہے؟

المستفتی: محمد بدرالدین مسجد میدان والی، محلّہ رفعت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اقامت کے لئے شرعاً کوئی جگہ امام کے دائیں بائیں، پیچھے متعین نہیں ہے؛ بلکہ حدود مسجد میں جہاں جی چاہے کھڑے ہوکر تکبیر کہنا درست ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/ ۲۸۲، فتاوی محمودیہ، قدیم ۲/ ٦۱، جدید ڈابھیل ۵/ ۴٦۴، فتاوی دارالعلوم، زکریا ۲/ ۸٦)

ويسن الأذان في موضع عال، والإقامة على الأرض. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان كوئٹه ١/ ٢٥٥، زكريا ١/ ٤٤٣)

السنة: أن يكون الأذان في المنارة، والإقامة في المسجد. (تبيين الحقائق، باب الأذان، ملتان ١/ ٩٢، زكريا ١/ ٢٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ٦۴۸)

تکبیر اقامت کے لئے مسجد میں کوئی جگہ متعین نہیں

سوال [۱۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت کے لئے مسجد میں کوئی جگہ متعین ہے یا کسی بھی جگہ کھڑے ہوکر پڑھی جاسکتی ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ اقامت امام کے پیچھے کھڑے ہوکر کہنا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ جو بھی جواب ہو مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: انعام علی غفرلہ ٹانڈہ، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقامت کے لئے شرعاً کوئی جگہ امام کے پیچھے یا جانب یمین یا جانب شمال متعین نہیں ہے، حسب موقع جس جگہ اور جس طرف بھی کھڑے ہوکر تکبیر کہے درست ہے، چاہے امام کے پیچھے ہو یا دائیں بائیں، حدود مسجد میں کہیں بھی ہو، زید کا کہنا غلط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/۲۸۲، فتاوی محمودیہ، قدیم ۲/۶۱، جدید ڈابھیل ۵/۴۶۴)

ویسن الأذان في موضع عال، والإقامة على الأرض. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان زكريا ۲/ ٤٨، كراچى ۱/ ٣٨٤، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان كوئٹه ۱/ ٢٥٥، زكريا ۱/ ٤٤٣)

ويقيم على الأرض هكذا فى القنية، وفي المسجد، هكذا في البحر الرائق. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني، زكريا قديم ۱/ ٥٦، جديد ۱/ ١١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۷۶)

امام کے بائیں طرف کھڑے ہونے والے کا اقامت کہنا

سوال [۱۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: تکبیر کہنے والے کو امام کے پیچھے کس طرف کھڑا ہونا چاہئے؟ اگر وہ بائیں طرف کھڑا ہو جائے تو تکبیر ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر کہنے کے لئے شرعاً کوئی جگہ امام کے پیچھے یا جانب یمین یا جانب شمال متعین نہیں ہے، حسب موقع جس جگہ اور جس طرف بھی کھڑے ہو کر تکبیر کہے درست ہے، حدود مسجد میں امام کے پیچھے دائیں، بائیں، یا کہیں بھی درست ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۲۱۲، فتاوی محمودیہ، قدیم ۲/ ۶۱، جدید ڈابھیل ۵/ ۴۶۴)

السنة: أن يكون الأذان في المنارة، والإقامة في المسجد. (تبيين الحقائق، باب الأذان، ملتان ١/ ٩٢، زكريا ١/ ٢٤٦)

ويقيم على الأرض هكذا فى القنية، وفي المسجد، هكذا في البحر الرائق. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني، زكريا قديم ١/ ٥٦، جديد ١/ ١١٢، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان كوئٹه ١/ ٢٥٥، زكريا ١/ ٤٤٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۸۸)

منفرد کے لئے اقامت کا شرعی حکم

سوال [۱۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا منفرد کے لئے بھی اقامت کا حکم ہے، خواہ گھر میں پڑھے، خواہ مسجد میں پڑھے، جس میں جماعت بھی ہو چکی ہو؟

المستفتی: عرفان احمد قاسمی، گونڈوی، دارا پور، پرتا پگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منفرد اگر مسافر ہے تو اس کے لئے ترک اقامت مکروہ ہے، اور اگر مقیم ہے اور گھر میں نماز پڑھتا ہے، تو اقامت افضل واحسن ہے؛ لیکن مقیم کے لئے ترک کرنا مکروہ بھی نہیں ہے، اور اگر مسجد میں پڑھتا ہے تو بلا اقامت افضل ہے۔

عن علقمة قال: صلى عبدالله بن مسعود بي وبالأسود بغير أذان ولا إقامة وربما، قال: يجزئنا أذان الحي وإقامتهم. (السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب الإكتفاء بأذان الجماعة وإقامتهم، دارالفكر ٢/ ١٦٦، رقم: ١٩٥٠)

عن أم ورقة الأنصارية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: انطلقوا بنا إلى الشهيدة، فنزورها، فأمر أن يؤذن لها ويقام وتؤم أهل دارها في الفرائض. (السنن الكبرى للبيقهي، الصلاة، باب الإكتفاء بأذان الجماعة وإقامتهم، دارالفكر ٢/ ١٦٦، رقم: ١٩٤٨)

إذا صلى رجل في بيته واكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزأه من غير كراهة ...... والمسافر إذا صلى وحده وترك الأذان والإقامة، أو ترك الإقامة، فإنه يكره له ذلك، والمقيم إذا صلى وحده بغير أذان ولا إقامة، لايكره. (الفتاوى التاتارخانية، قديم ١/ ٥٢٤، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٥١، رقم: ٢٠٠٥-٢٠٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ۱۱/ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۳۸)

تنہا فرض پڑھتے وقت اقامت کہنا

سوال [۱۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: تنہا فرض نماز پڑھنے کے وقت اقامت کہنا ضروری ہے یا بغیر اقامت نیت باندھ لےتو نماز ہوجائے گی؟

المستفتی: محمد ابراہیم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان واقامت اس فرض نماز کے لئے ہے جوکہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے؛ لہٰذا بغیر اذان واقامت کے تنہا ادا کی گئی فرض نماز بلاشبہ ادا ہوجائے گی۔

والإقامة مثل الأذان في كونه سنة للفرائض فقط. (عالمگيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول، زكريا قديم ١/ ٥٣، جديد ١/ ١١٠)

لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے والا شخص بھی اذان واقامت کہہ کر فرض نماز ادا کرے۔

وأما المنفرد، فالأفضل له أن يأتي بهما ليكون أداؤه على هيئة الجماعة. (حلبي كبير، باب سنن الصلاة، أشرفي ديوبند/ ٣٧٢)

إذا صلى الرجل في بيته واكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزأه، وإن أقام فهو حسن. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، بيروت ١/ ٦٥٢، زكريا ١/ ٣٧٧، كراچى ١/ ١٥٢، المبسوط للسرخسي، باب الأذان، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ١٣٣) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۳۵)

اقامت کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”آداب اذان واقامت“ میں مفتی امین صاحب پالن پوری ص: ۴۰/ پر اقامت کا

مسنون طریقہ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: ''قد قامت الصلوة'' دو سانس میں کہے، جب کہ ''خیر الفتاوی ۲/۲۳۶'' پر لکھا ہے کہ ''قد قامت الصلوة'' کے دونوں کلمے ایک سانس میں کہے، دونوں قولوں میں راجح اور مسنون عمل فقہاء کے نزدیک کیا ہے؟

المستفتی: محمد اصغر، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حضرت مولانا امین صاحب کی کتاب ''آداب اذان واقامت'' براہ راست دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا؛ البتہ ''خیر الفتاوی'' براہ راست دیکھنے کا اتفاق ہوگیا۔ اور ''خیر الفتاوی'' میں ''قد قامت الصلوة'' کے دونوں کلمے ایک سانس میں کہنے پر بعض کتب فقہ کی عمومی عبارات سے استدلال کیا گیا ہے، کوئی صریح عبارت نقل نہیں کی گئی ہے؛ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ ''قد قامت الصلوة'' کو دو سانس میں ہی کہنا مسنون ہے، اس کی صریح دلیل حدیث کی کتابوں سے ثابت ہوتی ہے کہ ''بخاری شریف'' اور ''مسلم شریف'' میں حدیث کے الفاظ ہیں:

أمر بلال أن يشفع الأذان، وأن يؤتر الإقامة إلا الإقامة. (بخاري شريف، باب الأذان مثنى مثنى، النسخة الهندية ١/ ٨٥، رقم: ٥٩٧، ف: ٦٠٥، مسلم شريف، باب الأمر بشفع الأذان و إيتار الإقامة، النسخة الهندية ١/ ١٦٤، بيت الأفكار، رقم: ٣٧٨)

اس حدیث شریف میں ''إلا الإقامة'' سے ''قد قامت الصلوة'' مراد ہے؛ اس لئے کہ اس لفظ کے علاوہ دیگر تمام الفاظ اذان واقامت میں یکساں ہیں، اس کو مستثنیٰ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس لفظ کو دو سانس میں کہا جائے، چنانچہ ''فیض الباری'' میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے یہی ثابت فرمایا ہے، نیز علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے ''اعلاء السنن'' میں بھی اسی کو ثابت فرمایا ہے، عبارت اس طرح ہے:

وأن يؤتر الإقامة، أي الإيتار في النفس، والصوت لا في الكلمات، إلا الإقامة، فيقول: قد قامت الصلوة في نفسين مترسلا؛ لأنه هو

روح الإقامة. (إعلاء السنن ۲/ ۹۸، فیض الباري، کتاب الأذان، ترجیع الأذان و إفراد الإقامة، کوئٹه ۲/ ۱۶۰)

لہٰذا مفتی امین صاحب پالن پوری نے جولکھا ہے وہ زیادہ صحیح ہے کہ ”**قد قامت الصلوۃ**“ کو دوسانسوں میں کہنا مسنون ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۸ھ

بحالت وصل اقامت کے کلمات کہنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت میں لفظ ”**حي علی الصلوۃ، وحي علی الفلاح**“ بحالت وصل میں ”**علی الصلوۃ**“ کی ”تا“ کو اور ”**علی الفلاح**“ کے ”حا“ کو کسرہ کے ساتھ تجوید کے قاعدہ کے مطابق پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا پڑھنا جائز ہے؟ حدیث یا فقہ کی کون سی کتاب میں ”ۃ“ اور ”ح“ کا سکون حالت وصل میں بھی مذکور ہے اور کیوں ہے؟ کیوں کہ تجوید کی رعایت کے خلاف ہے اور صرف اس میں کیوں ہے اور جگہ کیوں نہیں؟ مہربانی فرما کر مع الدلائل حدیث کے مذکورہ الفاظ کو درج فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا جسیم الدین بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اقامت میں ”**حي علی الصلوۃ**“ اور ”**حي علی الفلاح**“ کہتے وقت ”**الصلوۃ**“ کی ”تا“ اور ”**الفلاح**“ کی ”حا“ کو وصل کی حالت میں بھی ساکن پڑھا جائے گا، انہیں دو کلمات میں نہیں؛ بلکہ سارے کلمات اقامت ساکن پڑھے

جاویں گے، چونکہ سکون بغیر وقف کے ممکن نہیں اور اقامت میں وقف نہیں؛ بلکہ حدر مشروع ہے؛ لہٰذا حدر مع الوقف پڑھے جائیں۔

عن جابر -رضي الله عنه- أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لبلال: یا بلال! إذا أذنت فترسل في أذانک، وإذا أقمت فاحدر. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الترسل في الأذان، النسخة الهندیة ۱/ ۴۸، دارالسلام، رقم: ۱۹۵، المستدرك قدیم ۱/ ۶۲۹، مکتبه نزار مصطفی الباز جدید ۱/ ۳۰۴، رقم: ۷۳۲)

ویسکن کلمات الأذان والإقامة في الأذان حقیقة، وینوی الوقف في الإقامة لقوله علیه السلام: "الأذان جزم، والإقامة جزم والتکبیر جزم". (طحطاوي علی المراقي، قدیم ۱۰۵، دارالکتاب دیوبند ۱۹۵، تبیین الحقائق، باب الأذان، ملتان ۱/ ۹۱، زکریا ۱/ ۲۴۴، هندیة، باب الأذان، الفصل الثاني في کلمات الأذان، زکریا قدیم ۱/ ۵۶، جدید ۱/ ۱۱۲، البحر الرائق، باب الأذان، کوئٹه ۱/ ۲۵۸، زکریا ۱/ ۴۴۸)

وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من الله أکبر الأول، أو یصلها بالله أکبر الثانیة، فإن سکنها کفی، وإن وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة. (شامي، باب الأذان، مطلب في الکلام علی حدیث الأذان جزم، زکریا ۲/ ۵۲، کراچی ۱/ ۳۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍۴؍۱۴۱۷ھ

اقامت میں حیعلتین پر چہرہ دائیں بائیں گھمانا

سوال [۱۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) کیا تحویل چہرہ اذان کی طرح اقامت میں بھی ہے؟ ''قدوری'' کے حاشیہ میں ''لا یحول في الإقامۃ'' صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور ہم نے کہیں مشاہدہ بھی نہیں کیا، سیکڑوں بلکہ ہزاروں مسجدوں میں نماز پڑھنے کا اتفاق پڑا ہوگا اور بہت سی مسجدوں میں محدثین حضرات، فقہاء عظام علماء کرام موجود رہے، اقامت میں تحویل وجہ نہیں ہوا اور کسی نے جرح وقدح بھی نہیں کی۔ مسئلہ پوچھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ہمارے مدرسہ میں مدرسہ شاہی مرادآباد سے افتاء پڑھ کر ایک مفتی صاحب آئے اور مؤذن کو بڑی سختی کے ساتھ تحویل وجہ پر عمل کرا رہے ہیں، جو عوام وخواص کی نظر میں ایک نئی چیز معلوم ہو رہی ہے؛ اس لئے سنت طریقہ کیا ہے؟ صحیح مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کرم ہوگا۔

(۲) سود کی حرمت تو نص قطعی سے ثابت ہے، اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، مگر ایک عالم دین فارغ التحصیل کا کہنا ہے کہ سود کے جواز کی ایک شکل ہے، وہ یہ کہ کسی کافر سے قرض لے لیا جائے اور اسے اپنے کام میں خرچ کرلیا جائے اور قرض کی ادائیگی سود کی رقم سے کردی جائے تو جائز ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس شکل میں سود کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس الاعظمی، خادم تدریس مدرسہ دارالرشاد، بارہ بنکی (یوپی)
یکم ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تحویل کے سلسلہ میں تین قول ہیں: (۱) تحویل نہ کرے؛ اس لئے کہ اقامت حاضرین کے اعلام کے لئے ہے (۲) اگر جگہ وسیع ہو، یعنی مسجد بڑی ہو تو تحویل کرے، ورنہ نہ کرے (۳) خواہ وہ وسیع ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں تحویل کرے۔ علامہ شامیؒ نے ''منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق'' میں ''النہر الفائق شرح کنز الدقائق'' سے پہلے تو تحویل نہ کرنے کی ترجیح نقل کی ہے۔ اور مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی نے ''سعایہ'' میں اس کو حق کہا ہے اور اس کے مطابق لوگوں کا عمل ہے۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے

''محمود الروایہ حاشیہ شرح نقایہ'' میں اذان واقامت کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''وکذا الا تحویل فیہا'' کہ اذان میں تحویل ہے، اقامت میں نہیں۔

(۲) سود کی حرمت نص سے ثابت ہے اور بینک وغیرہ سے ملنے والی سودی رقم کا حکم یہ ہے کہ وصول کر کے بلانیت ثواب غرباء ومساکین کو دے دی جائے، خود استعمال کرنا، مذکور فی السوال طریقہ سے بھی درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حبیب الرحمٰن
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۴۲۳/۳/۱۴ھ

الجواب صحیح:
محمود حسین غفرلہ
بلندشہری

سوال [۱۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خدمت عالیہ میں درخواست ہے کہ اقامت میں حیعلتین پر چہرہ دائیں بائیں پھیرنے کے متعلق ''احسن الفتاوی، امداد الفتاوی، شامی، البحر الرائق'' وغیرہ میں مذکور ہے کہ چہرہ پھیرنا چاہئے، راقم الحروف نے آنجناب کا فتوی اور عمل اسی قول کے مطابق دیکھا، اسی وجہ سے احقر اسی قول پر عمل کرتا ہے۔ اور دوسروں کو تلقین بھی کرتا ہے؛ لیکن احقر کے اس عمل پر بعض اساتذہ کو سخت اعتراض ہے، چنانچہ انہوں نے ایک تحریر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند بھیجی، جس کو میں اس استفتاء کے ساتھ بھیج رہا ہوں، اس تحریر میں سوال ۱ اور اس کے جواب کو ملاحظہ فرما کر راجح روایت کو مع الدلائل تحریر فرمادیں، تاکہ ہم لوگوں کے شکوک وشبہات رفع ہوجائیں۔

المستفتی: جمال الدین مدرس مدرسہ دارالرشاد، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اقامت میں بوقت حیعلتین دائیں اور بائیں اذان کی طرح چہرہ موڑنے کے بارے میں فقہائے احناف کے تین اقوال ہمارے سامنے ہیں:

قول ۱: علامہ شامی اور علامہ طحطاوی علیہما الرحمہ نے نقل فرمایا ہے کہ مکان یا مسجد وسیع ہو یا

تنگ، ہرصورت میں اقامت میں بھی اذان کی طرح تحویل مستحب ہے۔ طحطاوی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

كان المحل متسعا أو لا بدليل ما بعد. (طحطاوي على الدر، باب الأذان، كوئٹه ۱/ ۱۸۵)

شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وكذا فيها مطلقا، أي في الإقامة سواء كان المحل متسعا أو لا. (شامي، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم، زكريا ديوبند ۲/ ۵۳، كراچی ۱/ ۳۸۷)

امام ابراہیم حلبیؒ نے ”غنیۃ المستملی شرح کبیری“ میں نقل فرمایا ہے کہ اذان کی طرح اقامت میں بھی تحویل مطلقاً سلف سے توارث اور تواتر کے طور پر ثابت ہے، مکان وسیع ہو یا تنگ اس کی کوئی قید نہیں ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ويحول وجهه يمينا عند حي على الصلاة، وشمالا عند حي على الفلاح في الأذان، والإقامة؛ لأنه يخاطب بهما الناس، فيواجههم وهو المتوارث. (غنية المستملي شرح كبيري، كتاب الصلوة، سنن الصلوة، سهيل اكيڈمي لاهور، وأشرفي ديوبند/ ۳۷۴)

اور امام ابراہیم حلبیؒ نے ”شرح صغیری“ میں بھی اذان کی طرح اقامت میں مطلقاً اثبات تحویل کو لکھا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ويحول وجهه يمنا عند حي على الصلاة، وشمالا عند حي على الفلاح في الأذان والإقامة. (صغيري، مطبع مجتبائی/ ۱۹۶)

قول ۲: امام علاء الدین حصکفیؒ نے ”الدر المختار“ میں دو قول نقل فرمائے ہیں: (۱) اقامت میں تحویل کا حکم اذان کی طرح ہے، چاہے مکان وسیع ہو یا تنگ (۲) اگر مکان وسیع ہے تب اذان کی طرح تحویل کا حکم ہے، اور اگر مکان یا مسجد تنگ ہو تو اذان کی طرح اقامت میں تحویل کا حکم نہیں۔ عبارت ملاظہ فرمایئے:

ویلتفت فیه، وکذا فیها مطلقا، وقیل: إن المحل متسعا. (الدرالمختار مع الشامي، باب الأذان، مطلب في الكلام علی حدیث الأذان جزم، مطبع زکریا ۲/ ۵۳، کراچی / ۳۸۷)

اوریہی دوقول اسی طرح صاحب الجوہرۃ النیر ہ نے نقل فرمائے ہیں۔عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وهل یحول في الإقامة؟ قیل: لا؛ لأنها إعلام للحاضرین، بخلاف الأذان، فإنه إعلام للغائبین، وقیل: یحول إذا کان الموضع متسعا. (الجوهرة النیرة، باب الأذان، مکتبه دارالکتاب دیوبند ۱/ ۵۳، إمدادیه ملتان ۱/ ۵۲)

قول۳: عدم تحویل کا ہے؛لیکن اس قول کوجن لوگوں نے ذکرکیا ہے وہ نہایت تشنہ ہے۔ملاحظہ فرمایئے مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ نے ''شرح وقایہ'' کے حاشیہ میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

وکذا لا تحویل فیها. (حاشیة شرح وقایه، باب الأذان، یاسر ندیم کمپنی دیو بند ۱/ ۱۳۵)

اوراسی عبارت کوحضرت مولانا اعزازعلی صاحبؒ نے ''شرح نقایہ'' کے حاشیہ ''محمودالروایہ'' میں نقل فرمایاہے، ملاحظہ فرمایئے:

وکذا لا تحویل فیها. (حاشیة شرح نقایه، کتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازیه دبوبند / ۶۱)

اس تیسرے قول یعنی اس عدم تحویل کے قول کوحضرات فقہاء میں سے کسی نے نہ راجح کہا ہے اورنہ ہی اعدل الاقوال کہاہے،صاحب بحرنے ان تینوں اقوال کونقل فرمایا ہے:

(ا) ''غنیۃ'' کے حوالہ سے اقامت میں اذان کی طرح مطلقاً تحویل کو ثابت فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وقد منا عن الغنیة أنه یحول في الإقامة أیضا. (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۱/ ۴۵۰، کوئٹه ۱/ ۲۵۸)

اور''السراج الوہاج'' کے حوالہ سے دوقول نقل کئے ہیں: ایک قول اقامت میں تحویل نہ کرنے کا ہےاوردوسرا قول یہ ہے کہ اگرنماز کی جگہ وسیع ہوتو اذان کی طرح اقامت میں بھی تحویل وجہ کیا جائے،توصاحب بحرکی عبارت سے یہ تین اقوال ثابت ہوئے،ایک قول غنیہ

کی عبارت سے اور دوقول ''السراج الوہاج'' کی عبارت سے، ''السراج الوہاج'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفي السراج الوهاج: لا يحول فيها؛ لأنها لإعلام الحاضرين، بخلاف الأذان، فإنها إعلام للغائبين، وقيل: يحول إذا كان الموضع متسعا.

(البحر الرائق، باب الأذان، زکریا ۱/ ۴۵۰، کوئٹه ۱/ ۲۵۸)

اور پھر علامہ شامیؒ نے بحر کے حاشیہ ''منحۃ الخالق'' میں ''السراج الوہاج'' کے دوسرے قول یعنی جب جگہ وسیع ہو تو اذان کی طرح اقامت میں بھی تحویل وجہ کیا جائے، اس کو ''النہر الفائق'' کے حوالہ سے اعدل الاقوال کہہ کر ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال في النهر الثاني: أعدل الأقوال. (البحر الرائق، باب الأذان، زکریا ۱/ ۴۵۰، کوئٹه ۱/ ۲۵۸)

لہٰذا معلوم ہوا کہ اقامت میں تحویل وجہ سے متعلق جو تین اقوال ہیں، ان میں سے اس قول کو فقہاء نے راجح اور اعدل الاقوال قرار دیا ہے، جس میں جگہ وسیع ہونے کی صورت میں اذان کی طرح اقامت میں تحویل وجہ کو ثابت کیا گیا ہے، یہی قول مفتی بہ اور سلف کا معمول بہ ہے؛ اس لئے ہم بھی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اور ہماری شاہی مسجد اور مدنی مسجد وسیع مسجدیں ہیں؛ اس لئے عام طور پر اسی قول پر عمل ہوتا ہے اور چونکہ اذان میں تحویل سے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اقامت میں تحویل سے متعلق اختلاف ہے؛ اس لئے جتنی تاکید اذان میں ہے، اتنی تاکید اقامت میں نہیں ہے؛ اس لئے اس کو محل نزاع نہ بنایا جائے۔ اور قابل احترام مفتی دارالعلوم دیوبند کو ''منحۃ الخالق'' کی عبارت کے سمجھنے میں دھوکہ ہوا ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بعض بڑوں کو بھی ''منحۃ الخالق'' کی اس عبارت سے دھوکہ ہوا ہے، جیسا کہ بعض اردو کی کتابوں کے حواشی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ علامہ شامیؒ نے ''النہر الفائق'' کے حوالہ سے ''الثانی اعدل الاقوال'' کے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں، اس میں ''الثانی'' سے ''السراج الوہاج'' کے حوالہ سے صاحب بحر نے جو دو قول نقل کئے ہیں، ان میں سے قول ثانی مراد ہے، موصوف

مفتی صاحب نے ”السراج الوہاج“ کے قول اول کو بحر کی عبارت کے تین قولوں میں سے قول ثانی سمجھ کر ”الثاني“ کا مصداق متعین کیا ہے، جو اپنی جگہ درست نہیں ہے؛ بلکہ ”الثاني“ کا مصداق ”السراج الوہاج“ کا قول ثانی ہے، جو ”البحر الرائق“ کا قول ثالث بنتا ہے۔ علامہ طحطاویؒ نے ”طحطاوی علی المراقی“ میں ”النہر الفائق“ کی پوری عبارت نقل فرمائی ہے، اس سے اعدل الاقوال کا مصداق خوب اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ويحول في الإقامة إذا كان المكان متسعا، وهو أعدل الأقوال كما في النهر. (طحطاوي على المراقي، باب الأذان، قديم ۲۰۷، جديد دارالكتاب ديوبند ۱۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۹ھ

اقامت میں حیعلتین پر چہرہ گھمانا

سوال [۱۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت صلوۃ میں ”حی علی الصلوۃ“ کہتے وقت دائیں جانب اور ”حی علی الفلاح“ کہتے وقت بائیں جانب چہرہ گھمانا مثل اذان کیسا ہے؟

المستفتی: بشیر الدین مونگیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح اذان میں دائیں بائیں چہرہ گھمانا مستحب ہے، اسی طرح اقامت میں بھی مستحب ہے۔

ويلتفت فيه، وكذا فيها مطلقا، وفي الشامية: أي في الإقامة. (درمختار، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم، زكريا ۲/ ۵۳، كراچی ۱/ ۳۸۷)

ويحول وجهه يمينا عند حي على الصلاة، وشمالا عند حي على

الفلاح في الأذان، والإقامة؛ لأنه يخاطب بهما الناس، فيواجههم وهو المتوارث. (غنية المستملي شرح كبيري، أشرفي ديوبند/ ۳۷۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۱ھ

اقامت میں دائیں بائیں گردن پھیرنا

سوال [۱۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تکبیر جو اعلان ہے، جماعت کھڑی ہونے کا اس میں ’’**حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح**‘‘ پر دائیں بائیں گردن یا رخ گھمانا جو ابھی کچھ ہی دنوں سے رائج ہوا ہے، اس کی کیا اصل یا سند ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح اذان میں ’’**حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح**‘‘ پر دائیں بائیں گردن موڑنا مسنون یا مستحب ہے، اسی طرح اقامت کے وقت میں ’’**حي علی الصلوۃ، حي علی الفلاح**‘‘ پر دائیں بائیں گردن موڑنا مستحب ہے۔

ويحول وجهه يمينا عند حي على الصلاة، وشمالا عند حي على الفلاح في الأذان، والإقامة؛ لأنه يخاطب بهما الناس، فيواجههم وهو المتوارث. (غنية المستملي شرح كبيري، أشرفي ديوبند/ ۳۷۴)

وقدمنا عن الغنية أنه يحول في الإقامة أيضا. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، كوئٹه ۱/ ۲۵۸، زكريا ۱/ ۴۵۰)

ويلتفت فيه، وكذا فيها مطلقا، وفي الشامية: أي في الإقامة. (درمختار، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم، زكريا ۲/ ۵۳، كراچی

۱/ ۳۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۱/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۲۹ھ

امام صاحب کا اقامت کہنا

سوال [۱۷۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن صاحب کو تجوید سے اذان واقامت دینا نہیں آتی، حروف وقواعد کی صحیح ادائیگی نہیں ہوتی، امام صاحب مقررہ کی عدم موجودگی میں محلّہ کے مفتی صاحب نے خود ہی تجوید سے اقامت دے کر نماز پڑھائی، جب کہ غیر مجود مؤذن مسجد ہذا موجود ہے (مصلیوں میں بھی کوئی مجود موجود نہیں ہے) تو کیا اس طرح مفتی صاحب کا اقامت دے کر نماز پڑھانا درست ہے یا غیر مجود مؤذن سے اقامت کہلوا کر نماز پڑھانی چاہئے؟ بہر دو صورت کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: مزمل عادل آبا د اندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں اقامت کہنے کا زیادہ حقدار امام ہی ہوتا ہے؛ لیکن یہ حق امام کی طرف سے مؤذن کو ملتا ہے؛ اس لئے سوال میں ذکر کردہ صورت میں امام صاحب کا خود اقامت کہہ کر کے نماز پڑھا دینا بلا کراہت صحیح اور درست ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر، فلما طلع الفجر أذن و أقام، ثم أقامني عن يمينه.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، باب من كان يخفف القراء ة في السفر، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۲۵٤، رقم: ۳۷۰۸)

الأفضل كون الإمام هو المؤذن، وفي الضياء: أنه عليه الصلاة

والسلام أذن في سفر بنفسه وأقام وصلى الظهر. (وتحته في الشامية:) وقد أخرج الترمذي أنه عليه الصلاة والسلام أذن في سفر وصلى بأصحابه.
(الدرالمختار مع الشامي، باب الأذان، مطلب هل بأثر النبي صلى الله عليه وسلم الأذان بنفسه، كراچی ۱/ ۴۰۱، زکریا ۲/ ۷۱)

وهذا إذا كان المؤذن غير الإمام، فإن كان هو الإمام لم يقوموا حتى يفرغ من الإقامة. (المبسوط، باب الأذان، مکتبه دارالکتب العلمية، بيروت ۱/ ۳۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۱۲/۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱۲/۱۴۳۳ھ

داڑھی منڈے کی اقامت

سوال [۱۷٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جن کی داڑھی شرعی نہ ہو یا داڑھی منڈے کی تکبیر اقامت پڑھنا مکروہ ہے یا حرام؟ اگر مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی یا تنزیہی، کیا استرہ سے داڑھی کے چاروں طرف کے بال کاٹنا جسے قلم بنانا کہتے ہیں، تو ایسے شخص کا تکبیر پڑھنا درست ہے، جب کہ شخص مذکور شرعی داڑھی بھی رکھتا ہو؟

المستفتی: محمد یامین خداند پور، بیگوسرائے، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر شرعی داڑھی رکھنے والا شرعاً فاسق ہے، اس کی اذان وتکبیر مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۲۸۷، فتاوی رحیمیہ ۶/ ٦٦٨، إحیاء العلوم/ ۳۰۸)

وفي البحر: وصرحوا بكراهة أذان الفاسق من غير تقييد. (البحر الرائق،

کوئٹہ ۱/ ۲٥٤، زکریا ۱/ ٤٤٢)

البتہ ایک مشت ہونے کے ساتھ گولائی کرنا درست ہے۔

ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية، والسنة فيها القبضة.
(درمختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، کوئٹہ ٥/ ٢٨٨، کراچی ٦/ ٤٠٧، زکریا ٩/ ......)

ويكره أذان جنب وإقامته، وإقامة محدث لا أذانه، وأذان امرأة، وفاسق. (تنوير الأبصار مع الشامي، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب، کراچی ۱/ ۳۹۲، زکریا ۲/ ٦٠)

ويستحب كون المؤذن عالما بالسنة والأوقات، وكره أذان الفاسق لعدم الاعتماد، ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١١٨، مصري قديم ١/ ٧٨)

ويكره أذان الفاسق، ولا يعاد أذانه، لحصول المقصود به.
(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٤٥، رقم: ١٩٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۸۱)

مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا تکبیر کہنا

سوال [۱۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بغیر مؤذن کی اجازت کے تکبیر کہنا جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: سردار حسین اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مؤذن موجود نہ ہو اور جماعت کا وقت ہو جائے تو جو بھی لوگ چاہیں تکبیر کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر مؤذن جماعت کے وقت موجود ہو تو مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا تکبیر کہنا مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۷/ ۲۹، جدید ڈابھیل ۵/ ۴۶۰)

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فأمرني، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن ابن ماجة، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٧١٧، سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ١/ ٥٠، دارالسلام، رقم: ١٩٩)

وأقام غير من أذن بغيبته، أي المؤذن لا يكره مطلقا، وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة كما كره مشيه في إقامته. (الدرالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ٢/ ٦٤، كراچى ١/ ٣٩٦،، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ١/ ٦٣٨، زكريا ١/ ٣٧٥، كراچى ١/ ١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۲۳)

مؤذن کے علاوہ دوسرے پر تکبیر کہنے کی پابندی لگانا

سوال [۱۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ میں ایک مسجد ہے، جس میں یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ جو شخص اذان پڑھے گا وہی تکبیر پڑھے گا، اگر کوئی دوسرا شخص تکبیر پڑھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کو فوراً روک دیا جاتا

ہے، تو ایسی پابندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عباد الرحمٰن دھامپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جی ہاں ایسی پابندی لگانا شرعاً جائز ہے، جب کہ دوسرے کے تکبیر کہنے پر مؤذن راضی نہ ہو، حدیث شریف سے اس کا ثبوت ہے کہ ایک دفعہ حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ تکبیر کہنا شروع فرما رہے تھے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت ارشاد فرمایا کہ تمہارے صدائی بھائی نے اذان دی ہے؛ اس لئے وہی تکبیر بھی کہیں گے۔

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فأمرني، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن ابن ماجة، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٧١٧، سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ١/ ٥٠، دارالسلام، رقم: ١٩٩، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ١٦٩، رقم: ١٧٦٧٨، أبوداؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ١/ ٧٦، دارالسلام، رقم: ٥١٤، مصنف عبدالرزاق، باب من أذن فهو يقيم، المجلس العلمي ١/ ٤٧٥، رقم: ١٨٣٣، مصنف ابن أبي شيبة، باب الرجل يؤذن ويقيم غيره، قديم ١/ ٢١٦، مؤسسة علوم القرآن ٢/ ٤٨، رقم: ٢٢٦٠، السنن الكبرى للبيهقي، قديم ١/ ٣٩٩، دارالفكر ٢/ ١٥١، رقم: ١٩٠٨، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي ٥/ ٢٦٣، رقم: ٥٢٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۳۰ھ

مؤذن کی اجازت کے بغیر کسی اور کا تکبیر کہنا

سوال [۱۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مؤذن کے علاوہ دوسرا شخص تکبیر بغیر اجازت کہے تو درست ہے یا نہیں جبکہ مؤذن بھی امام کے پیچھے موجود ہو؟

المستفتی: گلفام بکر قصاب مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث شریف میں حضور ﷺ نے دوسرے شخص کو تکبیر کہنے سے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کو تکبیر نہیں کہنا چاہئے۔

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أذن في صلوة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۹۹، مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۱۶۹، رقم: ۱۷۶۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

تکبیر کہنے کا زیادہ حقدار کون؟

سوال [۱۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تکبیر کہنے کا حق مؤذن کو ہے؛ لیکن تکبیر اگر دوسرا کہہ دے تو کیسا ہے؟ نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ (۲) اگر امام کے بائیں ہاتھ کی طرف تکبیر کہہ دی جائے تو کیا کوئی حرج ہے یا دائیں ہاتھ کی طرف کہنا ضروری ہے؟

المستفتی: بھورے خان پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جماعت کا وقت ہوجائے اور مؤذن موجود نہ ہوتو جس کا جی چاہے تکبیر کہہ دے، اور اگر مؤذن کی موجودگی میں بغیر اس کی رضا کے دوسرا شخص تکبیر کہہ دے تو مکروہ ہے اور اس کی اجازت سے بلا کراہت درست ہے۔ اور اگر تکبیر بائیں جانب کہہ دی جائے جب بھی نماز صحیح ہوجائے گی، دائیں جانب کہنا ضروری نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۲۹/۷، جدید ڈابھیل ۴۶۰/۵)

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: لما كان أول أذان الصبح، أمرني يعني النبي صلى الله عليه وسلم فأذنت، فجعلت أقول: أقيم يا رسول الله؟ فجعل ينظر إلى ناحية المشرق إلى الفجر، فيقول: لا، حتى إذا طلع الفجر نزل فبرز، ثم انصرف إليَّ، وقد تلاحق أصحابه، يعنى فتوضأ، فأراد بلال أن يقيم، فقال له نبي الله –صلى الله عليه وسلم–: إن أخا صداء هو أذن، ومن أذن فهو يقيم، قال: فأقمت. (سنن أبي داؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ١/ ٧٦، دارالسلام، رقم: ٥١٤، السنن الكبرى للبيهقي، قديم ١/ ٣٩٩، دارالفكر ٢/ ١٥١، رقم: ١٩٠٨)

أقام غير من أذن بغيبته، أي المؤذن لا يكره مطلقا، وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة، أي بأن لم يرض به. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ٢/ ٦٤، نعمانيه ١/ ٢٦٥، كراچى ١/ ٣٩٥، البحر الرائق، باب الأذان، كوئٹه ١/ ٢٥٧، زكريا ١/ ٤٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۷/۶ھ

مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا

سوال [۱۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جب چاہتا ہے تکبیر کہہ دیتا ہے، جب کہ مؤذن صاحب شاہد ہیں کہ انہوں نے کبھی بھی تکبیر کہنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور مصلیٰ بھی جب چاہتا ہے زید اپنی منشا سے اندر باہر بچھا دیتا ہے قطع نظر اس کے کہ بقایہ مصلی باہر تپش دھوپ میں کھڑے ہوں یا حکم خداوندی کے مطابق بارش میں بھیگ جائیں، تو اس کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟۔

المستفتی: تنزیل الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کے لئے تکبیر کہنا مکروہ ہے؛ لہٰذا زید کا طرز عمل مکروہ ہے۔

كره إن لحقه وحشة (قال ابن عابدين) أي بأن لم يرض به. (درمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ديوبند ۲/ ٦٤، كراچی ۱/ ۳۹٥، تاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، قديم ۱/ ٥٤، زكريا ۲/ ١٤٦، رقم: ۱۹۸۷، بدائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن كراچی ۱/ ۱٥۱، بيروت ۱/ ٦۳۸، زكريا ۱/ ۳۷٥)

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأمرني، فأذنت الفجر، فجاء بلال، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا بلال! إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (مصنف عبد الرزاق، باب من أذن فهو يقيم، المجلس العلمي ۱/ ٤۷٥، رقم: ۱۸۳۳، المصنف لابن أبي شيبة، باب في الرجل يؤذن ويقيم غيره، قديم ۱/ ۲۱٦، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ۳٤۸، رقم: ۲۲٦۰)

مسجد کے داخلی امور میں لوجہ اللہ کوئی شخص حصہ لیتا رہتا ہے، تو باعث اجر وثواب ہے؛ لیکن اگر لوگوں میں اختلاف یا کسی کو تکلیف ہو تو ذمہ دارانِ مسجد کی اجازت سے ان کے زیرِ انتظام خدمت کیا کرے، تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار. (مسند احمد بن حنبل ١/ ٣١٣، رقم: ٢٨٦٧، سنن ابن ماجة، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية، ص: ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤٠، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٣٠٧، رقم: ١٠٣٣، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٢/ ٨٦، رقم: ١٣٨٧، المستدرك، قديم ٢/ ٦٦، مكتبه نزار مصطفى ٣/ ٨٨٣، رقم: ٢٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۱۰ھ

مؤذن کے علاوہ دوسرے شخص کا ہمیشہ تکبیر کہنا

سوال [۱۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ کی مسجد میں دو مؤذن ہیں، کبھی ایک اذان دیتا ہے، کبھی دوسرا، مگر ہر دو صورت میں مؤذن تکبیر نہیں کہتا؛ بلکہ مسجد کا جو متولی ہے وہی تکبیر کہتا ہے۔ اور مغرب کی نماز میں اتنی جلدی کرتا ہے کہ ابھی مؤذن اذان ختم کر کے صف میں آکر پہنچا بھی نہیں کہ ادھر متولی جلدی سے تکبیر شروع کر دیتا ہے، تو کیا ایک شخص کا اذان دینا اور دوسرے کا تکبیر کہنا اور ہمیشہ اس طرح کا معمول بنا لینا جائز ہے؟ نیز کیا مغرب کی نماز میں اتنی جلدی کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد اللہ ۲۴؍ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر مؤذن کا حق ہے؛ اس لئے مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص تکبیر نہ کہے، اگر بغیر اس کی اجازت کے دوسرا شخص تکبیر کہے تو یہ مکروہ ہے، نیز مؤذن کی اجازت کے بغیر متولی کا ایسا کرنا مزید کراہت کا سبب بنے گا۔ اور موجودہ مسئلہ میں

تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر مؤذن اجازت بھی دیتا ہے تو دباؤ کی وجہ سے اجازت دیتا ہے؛ اس لئے کہ تسلسل کے ساتھ کوئی مؤذن ایک فرد کے لئے اس طرح کی اجازت نہیں دیا کرتا؛ اس لئے اس میں مزید کراہت کی بات سمجھ میں آتی ہے؛ لہٰذا یہ عمل فوراً ترک کردینا چاہئے۔ اور جو اذان دیتا ہے، وہی تکبیر کہے، نیز مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان جس قدر عجلت کی بات سوال نامہ میں لکھی ہے، شریعت میں اس قدر عجلت کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ مؤذن اذان خانہ میں اذان دینے کے بعد اطمینان سے داخل ہوکر صفوں میں آجائے، اس کے بعد وہ اطمینان وسکون سے تکبیر شروع کرے گا، یہ حکم بڑی سے بڑی مسجد کا بھی ہے، مثلاً دلی کی جامع مسجد ہے، اگر اس کا اذان خانہ صدر گیٹ پر ہو تو وہاں سے اذان دے کر پورا صحن چل کر کے مغربی جانب جہاں صفیں بنی ہوئی ہیں، وہاں تک پہنچنے میں کئی منٹ لگیں گے، تو تمام مقتدیوں پر اس کا انتظار کرنا لازم ہے؛ لہٰذا بڑی سے بڑی مسجد اور چھوٹی سے چھوٹی مسجد سب کے اندر مؤذن کے صفوں کے اندر پہنچنے کا انتظار کرنا مقتدیوں پر لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/۱۸۳، فتاوی محمودیہ، قدیم ۷/۲۹، جدید ڈابھیل ۵/۴۶۰، فتاوی دارالعلوم، زکریا ۲/۹۷)

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ١/ ٥٠، دارالسلام، رقم: ١٩٩، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ١٦٩، رقم: ١٧٦٧٨، سنن ابن ماجة، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٧١٧، أبوداؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ١/ ٧٦، دارالسلام، رقم: ٥١٤، مصنف عبدالرزاق، باب من أذن فهو يقيم، المجلس العلمي ١/ ٤٧٥، رقم: ١٨٣٣، مصنف ابن أبي شيبة، باب الرجل يؤذن ويقيم غيره، قديم ١/ ٢١٦، مؤسسة علوم القرآن ٢/ ٤٨، رقم: ٢٢٦٠، السنن الكبرى للبيهقي، قديم ١/ ٣٩٩، دارالفكر جديد ٢/ ١٥١، رقم: ١٩٠٨، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي

٥/ ٢٦٣، رقم: ٥٢٨٦)

ومنها: أن من أذن فهو الذي يقيم، وإن أقام غيره، فإن كان يتأذى بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لايكره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ١/ ٦٣٨، زكريا ١/ ٣٧٥، كراچی ١/ ١٥٥، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض ...... المجلس العلمي، جديد ٢/ ٩٥، رقم: ١٣٠٣، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ٢/ ١٤٦، رقم: ١٩٨٧، البناية، كتاب الصلوة، باب في الأذان ٢/ ٩٧، هندية، باب الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن، زكريا قديم ١/ ٥٤، جديد ١/ ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۶۲/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۳/۱۴۲۳ھ

مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا

سوال [۱۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خواہ مؤذن مستقل ہو یا غیر مستقل ہو، اگر کوئی تکبیر پڑھ دے بغیر اس کی اجازت کے تو کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ اسلام الدین خان، قصبہ بلاسپور، ضلع بلندشہر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر دوسرے کے تکبیر کہنے سے وہ راضی نہیں ہے، تو اس کی اجازت کے بغیر مکروہ ہے۔

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فأمرني، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله

صلى الله عليه وسلم : إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن ابن ماجة، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ١ / ٥٣، دارالسلام، رقم: ٧١٧، سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ١ / ٥٠، دار السلام، رقم: ١٩٩)

وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة، كما كره مشيه في إقامته. (الدرالمختار، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ٢/ ٦٤، كراچى ١/ ٣٩٥، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في مايرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ١/ ٦٣٨، زكريا ١/ ٣٧٥، كراچى ١/ ١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۱۵)

داڑھی منڈے کا تکبیر پڑھنا

سوال [۱۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا امام کے پیچھے بغیر داڑھی والا تکبیر نہیں پڑھ سکتا؟۔

المستفتی: محمد ایوب، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: داڑھی منڈانے والے شخص کی اذان واقامت مکروہ ہے؛ لہٰذا اگر باشرع اور نیک لوگ موجود ہوں، تو ایسے شخص کو اذان واقامت نہ کہنی چاہئے۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۳/ ۱۴، جدید زکریا ۴/ ۹۴)

ويكره التلحين وأذان الجنب وإقامته، وأذان صبي، ومجنون، وسكران، وامرأة، وفاسق. (نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الأذان ٥٩)

ويستحب كون المؤذن عالما بالسنة والأوقات، وكره أذان الفاسق، لعدم الاعتماد، ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان، دار الكتب

العلمية بيروت ١/ ١١٨، مصري قديم ١/ ٧٨)

وقال الحنفية: يكره أذان الفاسق، ويستحب إعادته. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني في الأذان والإقامة، وشروط الأذان، مطبوعه ديوبند ١/ ٦٠٠)

ويكره أذان الفاسق. (البناية، باب الأذان، أشرفيه ٢/ ٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۵)

اقامت کے جواب کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب نماز کے لئے اقامت کہی جاتی ہے، تو بعض آدمی پوری اقامت کا جواب نہیں دیتے، صرف "**أشهد أن محمدا رسول الله**" سن کر "**صلى الله عليه وسلم**" پڑھ لیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کیا اقامت ہوتے وقت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر "**صلى الله عليه وسلم**" پڑھ لینا درست ہے؟ ایک عالم منع کرتے ہیں کہ یا تو "**أشهد أن محمدا رسول الله**" ہی کہو، صرف "صلی اللہ علیہ وسلم" نہ کہو، ورنہ پوری اقامت کا جواب دو، صحیح صورت حال واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد اصغر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اقامت کے وقت مقتدیوں کے لئے مستحب یہی ہے کہ مؤذن کے ساتھ ساتھ اسی طرح اقامت کا جواب دیں جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے اور حیعلتین پر "**لاحول ولا قوة الا بالله**" کہیں۔ اور جب اقامت کہنے والا "**قد قامت الصلوة**" پر پہنچے تو "**أقامها الله وأدامها**" کہے۔ اور صرف "**صلى الله عليه وسلم**" پڑھنا ثابت نہیں ہے، یہ عوام کا اپنا اجتہاد ہے۔

عن أبي أمامة، أو عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أن بلالا أخذ في الإقامة، فلما أن قال: قد قامت الصلوة، قال النبي صلى الله عليه وسلم: أقامها الله وأدامها، وقال في سائر الإقامة، كنحو حديث عمر في الأذان. (أبو داؤد شريف، الصلوة، باب مايقول إذا سمع الإقامة، النسخة الهندية ۱/ ۷۸، دارالسلام، رقم: ۵۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴۷ ۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۸ھ

اقامت کا جواب دینا مستحب ہے

سوال [۱۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت کے جواب دینے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے؛ البتہ ''**قد قامت الصلوة**'' کے جواب میں ''**أقامها الله وأدامها**'' کہا جائے، جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أبي أمامة، أو عن بعض أصحاب النبي ﷺ أن بلالا أخذ في الإقامة، فلما أن قال: قد قامت الصلوة، قال النبي ﷺ: أقامها الله وأدامها، وقال في سائر الإقامة، كنحو حديث عمر في الأذان. (أبوداؤد شريف، الصلوة، باب مايقول إذا سمع الإقامة، النسخة الهندية ۱/ ۷۸، دارالسلام، رقم: ۵۲۸)

ويجيب الإقامة ندبا إجماعا، كالأذان، ويقول: عند قدقامت الصلوة، أقامها الله وأدامها. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۷۱،

کراچی ۱/ ۴۰۰، هندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ۱/ ۵۷، جديد ۱/ ۱۱۴، البناية، كتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفيه ديوبند ۲/ ۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۹)

دو مرتبہ تکبیر کہنے کا حکم

سوال [۱۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن کے صف میں آنے سے پہلے کسی دوسرے شخص نے تکبیر پڑھ دی، مؤذن نے صف میں آکر دوبارہ تکبیر پڑھی، کیا اس طرح ایک جماعت کی نماز میں دو تکبیریں ہونے پر نماز میں کچھ نقص یا کمی تو نہیں آئی؟ کیا مؤذن کی بلا اجازت تکبیر پڑھنا مکروہ ہے؟ کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو روک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی صحابی سے تکبیر پڑھوائی، جنہوں نے اذان دی تھی؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک سفر میں ایسا ہوا کہ حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی، جب تکبیر کہنے کا وقت آیا، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر پڑھنا شروع کردیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے صدائی بھائی نے اذان دی ہے، تو تکبیر کا حق بھی ان ہی کو ہے؛ لہٰذا ان ہی کو تکبیر کہنے کا موقع بھی دے دو۔ اس حدیث شریف کی رو سے فقہاء نے بھی یہی مسئلہ بیان کیا ہے کہ تکبیر کہنے کا حق اسی کو ہے جس نے اذان دی ہو؛ لہٰذا جب مقررہ مؤذن نے اذان دی، تو اس کے صف میں آکر کھڑے ہوکر تکبیر کہنے کا انتظار کرنا چاہئے، اس کی مرضی کے بغیر تکبیر

کہنے کا حق نہیں؛ لیکن جب تکبیر کہہ دی گئی تو تکبیر ہوگئی، اب مؤذن کو دوبارہ تکبیر نہیں کہنی چاہئے۔ اوراس آدمی کو سمجھا دیا جائے کہ تکبیر کہنا مؤذن کا حق ہے۔

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: لما كان أول أذان الصبح، أمرني يعني النبي صلى الله عليه وسلم فأذنت، فجعلت أقول: أقيم يا رسول الله؟ فجعل ينظر إلى ناحية المشرق إلى الفجر، فيقول: لا، حتى إذا طلع الفجر نزل فبرز، ثم انصرف إليّ، وقد تلاحق أصحابه، يعنى فتوضأ، فأراد بلال أن يقيم، فقال له نبي الله –صلى الله عليه وسلم–: إن أخا صداء هو أذن، ومن أذن فهو يقيم، قال: فأقمت. (سنن أبي داؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ۱/ ۷٦، دارالسلام، رقم: ۵۱٤، سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۹۹)

وإن أذن رجل، وأقام رجل آخر، إن غاب الأول جاز من غير كراهة، وإن كان حاضرا وتلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره، وإن رضي به لا يكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱٤٦، برقم: ۱۹۸۷)

وإن أذن رجل وأقام آخر بإذنه لا بأس به، وإن لم يرض به الأول يكره. (البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ۱/ ٤٤۷، كوئٹه ۱/ ۲۵۷)

فإن الحديث الأول يفيد استحباب كون المؤذن هو المقيم، وترك المستحب خلاف الأولىٰ فافهم. (إعلاء السنن، باب من أذن فهو يقيم، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۲ھ

کیا حضور ﷺ ”حي على الفلاح“ پر مصلے پر جایا کرتے تھے؟

سوال [۱۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور اکرم ﷺ "**حي على الفلاح**" پر مصلیٰ پر جایا کرتے تھے؟ اور مقتدیوں کو تکبیر کے شروع میں کھڑا ہونا چاہئے یا "**حي على الفلاح**" پر کھڑا ہونا چاہئے؟

المستفتی: سردار حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ کبھی تکبیر ختم ہونے کے بعد مصلی پر تشریف لے جاتے تھے اور کبھی حضور ﷺ کے مصلی پر تشریف لے جانے کے بعد تکبیر شروع ہوتی تھی۔ اور مقتدیوں کا شروع میں کھڑے ہو جانا حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

عن جابر بن سمرة كان بلال يؤذن إذا دحضت فلا يقيم حتى يخرج النبي ﷺ، **فإذا خرج أقام الصلوة حين يراه.** (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۱، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۰۷)

اقامت میں حضور ﷺ مصلی پر کب تشریف لے جاتے تھے؟

سوال [۱۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکبر کے اللہ اکبر کہنے پر مصلی پر کھڑے ہوتے تھے یا "**حي على الصلوة**" پر کھڑے ہوتے تھے؟ یا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو حجرۂ اقدس سے آتا ہوا دیکھ کر صحابہ کرام فوراً کھڑے ہو جاتے تھے؟ آپ کے زمانہ میں کون سا طریقہ رائج تھا؟ اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ کا ان مسائل مذکورہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ قرآن وحدیث کی

روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ زیر بحث میں ہم پر ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اور طرز عمل دیکھیں، چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

(۱) عن جابر بن سمرة كان بلال يؤذن إذا دحضت فلا يقيم حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم ، فإذا خرج أقام الصلوة حين يراه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢١، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٦)

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت اس وقت کہتے تھے جب کہ حضور ﷺ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لے آتے تھے، نیز صحیح مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں مروی ہے:

(۲) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی اور لوگ آپ کے کھڑے ہونے سے پہلے اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

(۳) عن أبي قتادة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٤)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی پر پہنچنے سے پہلے تکبیر شروع ہوجاتی تھی اور مکبر کی تکبیر کے ساتھ ساتھ تمام لوگ کھڑے ہوجاتے تھے، زیر بحث مسئلہ سے متعلق تین حدیثیں ذکر کی گئیں، ان میں سے پہلی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی

عادت یہ تھی کہ حجرۂ شریفہ کی طرف مسلسل نظر رکھتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا چکے ہیں تو اقامت شروع کر دیتے تھے، دوسری اور تیسری حدیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت یہ تھی کہ جب مؤذن تکبیر شروع کرتا تو سارے لوگ کھڑے ہوکر صفوں کی درستگی کر لیتے تھے، چنانچہ احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں درست فرماتے تھے اور جب صف سیدھی ہوجاتی تھی تو پھر تکبیر تحریمہ کہتے تھے، اسی طرح خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل یہی تھا کہ وہ صفوں کی درستگی کا خود بھی اہتمام اور نگرانی کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو باقاعدہ صفیں درست کرانے کے لئے ایک آدمی مقرر کر رکھا تھا، جب تک وہ صفوں کی درستگی کی خبر نہ دے دیتا اس وقت تک آپ تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

عن سماک بن حرب، قال: سمعت النعمان بن بشير، يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوى صفوفنا حتى كأنما يسوى بها القداح، حتى رأى أنا قد عقلنا عنه، ثم خرج يوما فقام، "حتى كاد يكبر" فرأى رجلا باديا صدره من الصف، فقال: عبادالله لستون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (صحيح مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف ......، النسخة الهندية، ١/ ١٨٢، بيت الأفكار، رقم: ٤٣٦)

عن نعمان بن بشير –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله ﷺ يسوي صفوفنا، إذا قمنا للصلوة، فإذا استوينا كبر. (أبو داؤد شريف، الصلوة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام، رقم: ٦٦٥)

روى عن عمر أنه كان يؤكل رجالا بإقامة الصفوف، ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذي شريف، الصلوة، باب ماجاء في إقامة

الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٢٢٧)

وروى عن علي وعثمان -رضي الله عنهما- أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استووا. (ترمذي، الصلوة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٢٢٧)

اورجب مؤذن ''**قدقامت الصلوة**'' کہےتوامام تکبیرتحریمہ کہہ دے، یہ مسئلہ حنفیہ کی تمام کتب فقہ میں ہے،اب اس مسئلہ پرغورکرنا ہے کہ اس میں دو جملے ہیں: پہلا جملہ تو یہ ہے کہ ''**حي على الفلاح**'' پر کھڑا ہوجائے۔اوردوسرا جملہ یہ ہے کہ امام ''**قدقامت الصلوة**'' پرتکبیرتحریمہ باندھ لے۔ اور دوسرے جملہ پر کبھی بھی عمل نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ اگر امام ''**قدقامت الصلوة**'' پرتکبیرتحریمہ کہہ دے گاتو مقتدی لوگ امام کے ساتھ تکبیرتحریمہ کہنے سے محروم ہوجائیں گے، اسی طرح اگر پہلے جملہ پرعمل کیاجائے گا۔اور ''**حي على الفلاح**'' پر کھڑے ہونے کا اہتمام کیاجائے گا،تو کھڑے ہوکر مقتدی صف سیدھی نہ کر پائیں گے، حالانکہ صف سیدھی کرنا واجب ہے، اس وقت اگر صف سیدھی کرنے میں لگ جائیں گےتو امام کے ساتھ تکبیرتحریمہ کوئی نہیں کہہ پائے گا،جس طرح امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی رعایت میں دوسرے جملہ پرعمل نہیں ہے، اسی طرح پہلے جملہ پر بھی عمل نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم وخلفائے راشدین کے عمل کو پیش نظررکھ کرمؤذن کی تکبیر کےساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کا کھڑے ہوکرصف سیدھی کرنا بہتر قراردیا گیاہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۶/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۳۵)

اقامت کے وقت مقتدی صف سیدھی کب کریں؟

سوال [۱۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا اقامت کے وقت امام اور مقتدیوں کا بیٹھے رہنا سنت ہے یا حدیث شریف اور فقہ میں کھڑے ہونے کی ممانعت ہے؟ کیا بخاری شریف کی حدیث سے بیٹھنا سنت ثابت ہے، بیٹھے رہنے کی سنت کو رواج دینا کیسا ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب دیا جائے۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن، امام جامع مسجد سازی، ضلع بیتول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بخاری شریف کی حدیث سے بوقت اقامت امام ومقتدیوں کا بیٹھے رہنا سنت ثابت نہیں ہوتا، بخاری شریف میں صرف اتنا ہے کہ امام کے مصلے پر پہنچنے تک مقتدی بیٹھے رہ سکتے ہیں۔

عن عبدالله بن أبي قتادة عن أبيه، قال: قال: رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إذا أقيمت الصلوة فلاتقوموا حتى تروني. (صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ النسخة الهندية ١/ ٨٨، رقم: ٦٢٨، ف: ٦٣٧)

بلکہ بخاری شریف ص: ۲۲ میں اور مسلم شریف ص: ۲۲ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اقامت کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کھڑے ہوکر صف سیدھی کیا کرتے تھے؛ اس لئے بیٹھے رہنا سنت نہیں ہوگا؛ بلکہ کھڑے ہوکر صف سیدھی کرنا ہی سنت ہوگا۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم. (مسلم شريف، الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه قال: أقيمت الصلوة، فسوى الناس صفوفهم، فخرج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم. (بخاري شريف، باب إذا قال الإمام: مكانكم حتى رجع انتظروا، النسخة الهندية ١/ ٨٩، رقم: ٦٣١، ف: ٦٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۱۷)

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں (جامع فتوی)

سوال [۱۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے لئے اقامت ہو رہی تھی، عمر اور ان کے ہمراہ کچھ لوگ بیٹھے رہے اور ''**حي على الفلاح**'' کے وقت کھڑے ہوئے، اور زید اور ان کے ہمراہ کچھ لوگ ابتداء اقامت میں کھڑے ہوگئے، اور بعد نماز عمر نے زید سے کہا کہ تم ابتداء اقامت سے کیوں کھڑے ہو جاتے ہو؟ عمر ابتداء اقامت میں کھڑے ہونے کو مکروہ اور خلاف سنت بتاتے ہوئے حوالہ پیش کرتے ہیں:

(۱) علامہ نوویؒ ''شرح مسلم'' جلد اول ص: ۲۲۱ پر فرماتے ہیں: **وهل قوله صلى الله عليه وسلم: فلا تقوموا حتى تروني بعد ذلك.**

(۲) پھر یہی حضرت علامہ نووی علیہ الرحمہ ''شرح مسلم'' جلد اول ص: ۲۲۱ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل نقل فرماتے ہیں: **وكان أنس رحمة الله عليه يقوم إذا قال المؤذن قدقامت الصلوة.**

(۳) پھر یہی علامہ نوویؒ روایت مختلفہ کی توضیح وتشریح کے بعد ائمہ کرام کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے سیدنا امام اعظمؒ کا مسلک ''شرح مسلم'' جلد اول ص: ۲۲۱ پر نقل فرماتے ہیں:

قال أبو حنيفة رحمه الله: والكوفيون ...... يقومون في الصف إذا قال: حي على الصلوة......

(۴) نیز ''فتح الباری'' شرح بخاری جلد دوم ص: ۱۰۰ پر ہے: **وعن أبي حنيفة يقومون إذا قال: حي على الفلاح.**

(۵) چلپی حاشیہ زیلعی ص:۱۰۸ پر ہے: قال في الوجيز: والسنة أن يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: حي على الفلاح.

(۶) فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''شرح وقایہ'' جلد اول ص:۱۵۵ پر ہے: ويقوم الإمام والقوم عند حي على الصلاة، وكذا في نور الإيضاح.

(۷) ''ردالمحتار'' کے ص:۲۹۳ پر ہے: ويكره له الانتظار قائما، ولكن يقعد ثم يقوم إذا بلغ المؤذن: حي على الفلاح.

(۸) ''فتاوی عالمگیری'' جلد اول ص:۲۹ پر ہے: إذا دخل الرجل عند الإقامة، يكره له الانتظار قائما، ولكن يقعد، ثم يقوم إذا بلغ المؤذن حي على الفلاح.

(۹) ''طحطاوی'' مطبوعہ قسطنطنیہ ص:۱۵۱ پر ہے: وإذا أخذ المؤذن في الإقامة، ودخل رجل في المسجد، فإنه يقعد ولا ينتظر قائما، فإنه مكروه، وكذا في المضمرات قهستاني: ولم يفهم منه كراهية القيام ابتداء الإقامة، والناس عنه غافلون.

(۱۰) نواب قطب الدین خان ''مشکوۃ شریف'' کے اردو ترجمہ ''مظاہر حق'' جدید مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیوبند قسط ہشتم کے ص:۳۴ پر لکھتے ہیں: فقہاء نے لکھا ہے کہ جب مؤذن ''حي على الصلوة'' کہے مقتدیوں کو اس وقت کھڑے ہو جانا چاہئے۔

(۱۱) قاضی ثناء اللہ اپنی کتاب ''مالا بدمنہ'' کے ص:۲۴ پر فرماتے ہیں: ''نزد ''حي على الصلوة'' امام برخیزد''۔

(۱۲) ''صراط مستقیم'' مصدقہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مولوی عبدالماجد صاحب مطبوعہ مینارہ بکڈ پو چارکمان حیدرآباد کے ص:۱۸۲ پر فرماتے ہیں: ''ائمہ احناف نے کہا ہے کہ امام ومقتدی سب ''حي على الفلاح'' کے وقت کھڑے ہو جائیں۔

(۱۳) ''فتاوی عالمگیری'' اردو جدید جزو ۲/ جس کے مترجم ومحشی مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاط عثمانی فاضل دیوبند ہیں، فرماتے ہیں: ''نمازی امام سمیت مسجد میں ہے، تو اس صورت میں

جب مؤذن اقامت کہتے ہوئے ”حي الفلاح“ پر پہنچے تو ہمارے تینوں ائمہ کرام کے نزدیک امام ومقتدیوں کو کھڑے ہونا چاہئے، درست یہی ہے، عمر نے زید کے سامنے یہ تمام حوالے پیش کئے، مگر زید ماننے کو تیار نہیں، اب آپ سے گزارش ہے کہ عمر متبع سنت ہے یا زید متبع سنت ہے؟ اگر زید متبع سنت ہے، تو ان حوالہ جات کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ نیز ہم ان حوالوں پر عمل کریں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

المستفتی: سرفراز احمد مسجد محبوب الٰہی موزگا نگر مصطفیٰ آباد، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کے جواب میں اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا عمل رہا ہے، اس کو سمجھنے کے بعد مسئلہ کی حقیقت بسہولت واضح ہوجائے گی۔ اور سوال نامہ میں درج کی ہوئی فقہاء کی عبارات کا مطلب بھی صحیح طریقہ سے واضح ہوجائے گا اور سوال کا جواب بھی ثابت ہوجائے گا، سرکار دوعالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

(۱) صحیح ”مسلم شریف“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إن الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

حضور ﷺ کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی اور لوگ آپ ﷺ کے کھڑے ہونے سے قبل اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

(٢) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: أقيمت الصلوة وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

نماز کی اقامت ہوتی تو لوگ اپنی صفوں کی درستگی اور صف بندی کر لیتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تشریف لاکر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۳) **أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر.** (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

نماز قائم کی جاتی تو ہم لوگ کھڑے ہوکر حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل صفوں کی درستگی کر لیا کرتے تھے، پھر تکبیر سے قبل حضور ﷺ تشریف لاکر مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

(٤) **إذا أقيمت فلا تقوموا حتى تروني.** (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٤)

جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم کھڑے کھڑے انتظار مت کرو، جب تک تم مجھے اپنی طرف آتا ہوا نہ دیکھ لو۔

(٥) **كان بلال يؤذن إذا دحضت، فلا يقيم حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم، فإذا خرج أقام الصلوة، حين يراه.** ((مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢١، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ زوال کے بعد اذان دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باہر تشریف آوری کا انتظار کرتے رہتے تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھ لیتے تب اقامت شروع فرماتے تھے۔

(٦) ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' میں حضرت امام سعید بن المسیب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے:

إذا قال المؤذن: الله أكبر وجب القيام، وإذا قال: حي على الصلوة اعتدلت الصفوف، وإذا قال: لا إله إلا الله كبر الإمام، وذهبت عامة العلماء إلى أنه لا يكبر حتى يفرغ المؤذن من الإقامة. (عمدة القاري، باب متى يقوم

الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ دار احياء التراث العربي بيروت ٥/ ١٥٣، زكريا ٤/ ٢١٥، فتح الباري، باب متى يقوم إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ دارالفكر بيروت ٣/ ١٤١، اشرفيه ديو بند ٢/ ١٥٣، رقم: ٦٣٧)

جب مؤذن ''الله اکبر'' کہے تو نماز کے لئے کھڑے ہوجانا لازم ہے اور جب ''حی علی الصلوۃ'' کہے تو صفوف کی درستگی ہوجائے۔ اور جب ''لا الہ الا اللہ'' کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے۔ اور جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ مؤذن کے تکبیر اور اقامت سے فراغت حاصل کرنے سے قبل امام تکبیر تحریمہ نہ کہے۔

(۷) إن بلالا كان يراقب خروج النبي صلى الله عليه وسلم، فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا فلا يقوم مقامه حتى تعدل صفوفهم. (زرقاني على المؤطا، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٣٤)

زرقانی کی یہ عبارت حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا آخری حصہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر لوگوں سے قبل حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری دیکھ لیتے اور فوراً اقامت شروع کردیتے تھے اور لوگ بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے ہوجاتے اور حضور ﷺ صفوں کو درست کرنے سے قبل اپنی جگہ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

(۸) عن نعمان بن بشير –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله ﷺ يسوي يعني صفوفنا إذا قمنا للصلوة، فإذا استوينا فكبر. (أبو داؤد شريف، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام، رقم: ٦٦٥)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ ہماری صفوں کو درست کرنے سے قبل حضور ﷺ نماز کے لئے تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

(۹) حضور ﷺ کا ارشاد ہے: صفوں کو درست کرنا کمال صلوۃ کے لئے شرط ہے۔

(١٠) عن عمر –رضي الله عنه– أنه كان يؤكل رجالاً بإقامة

الصفوف، ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذي، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۳۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

حضرت حضرت عمرؓ نے چند آدمیوں کو باقاعدہ صفوں کو درست کرنے پر مامور فرمایا تھا اور جب تک صفوں کی درستگی کی خبر نہ دی جاتی نماز کے لئے تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

(۱۱) روى عن علي وعثمان -رضي الله عنهما- أنهما كانا يتعاهدان ذلک، ويقولان: استووا. (ترمذي، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۳۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ از خود صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے اور باقاعدہ زور دیتے تھے کہ صف سیدھی کرلو۔ اور مذکورہ گیارہ روایات سے ذیل کے چھ امور خوب اچھی طرح واضح ہوجائیں گے:

(۱) حضور ﷺ کے زمانہ میں معمول اور دستور یہی رہا ہے کہ اقامت کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہوکر صفوف کی درستگی فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ پہلی دوسری تیسری چھٹی حدیث سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے۔

(۲) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کے لئے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارکہ سے نکلنے کا انتظار فرمایا کرتے تھے اور آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھنے کے بعد ہی اقامت کہنا شروع کرتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ حدیث ۵ سے واضح ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اقامت کہنے کا معمول اور دستور نہیں تھا۔

(۳) حضور ﷺ کو دیکھنے سے قبل اقامت شروع نہیں کی جاتی تھی اور حضور ﷺ کو دیکھتے ہی اقامت شروع ہوجاتی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ حدیث ۷ سے صاف طور پر واضح ہورہا ہے۔

(۴) کبھی ایسا بھی ہوا کہ اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اقامت کہہ دی اور لوگ بھی ہمیشہ کے دستور کے مطابق اقامت کے ساتھ

ساتھ کھڑے ہوگئے اور کھڑے کھڑے انتظار کرتے رہے، ایسے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شفقت فرمایا جب میرے نکلنے سے قبل اقامت ہوجائے تو کھڑے کھڑے انتظار نہ کیا کرو۔ اور جب مجھے دیکھ لو تب کھڑے ہوجایا کرو اور یہی مطلب ہے حدیث ۴ میں: "إذا أقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني" کا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقامت ختم ہونے تک یا "حي على الفلاح" تک کھڑے نہ ہو۔

(۵) صفوں کو درست کرنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ اور "قد قامت الصلوة" پر تکبیر تحریمہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل سے ثابت نہیں ہے۔ اور تکبیر تحریمہ سے قبل نہایت اہتمام کے ساتھ صفوں کو درست کیا جاتا تھا، جیسا کہ حدیث ۸ اور ۹ سے واضح ہورہا ہے۔

(۶) خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسویہ صفوف کے لئے باقاعدہ چند آدمیوں کو مقرر کردیا تھا اور جب تک صفوں کی درستگی کا اعلان نہیں ہوجاتا تکبیر تحریمہ شروع نہیں فرماتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری کا اہتمام خود فرمایا ہے، جیسا کہ روایت ۱۰، اور ۱۱ سے واضح ہوتا ہے، نیز تسویہ صفوف تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور چاروں ائمہ مذاہب کے نزدیک لازم اور ضروریات صلوٰۃ میں سے ہے۔ اور اوپر جو گیارہ احادیث شریف نقل کی گئیں ہیں، وہ سب اقامت اور تسویہ صفوف اور امام ومقتدی کے قیام الی الصلوۃ سے متعلق ہیں، ان میں سے کسی بھی روایت میں "حي على الفلاح" پر بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے اور ابتداء اقامت میں کھڑے نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ ان روایات سے سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی ثابت ہوا کہ اقامت شروع کرنے کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہوکر تسویہ صفوف فرمایا کرتے تھے، جو "إن الصلوة تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس صفوفهم" اور "أقيمت الصلوة، وصف الناس مصافهم" اور أقيمت الصلوة، فقمنا فعدلنا الصفوف" وغیرہ جیسے الفاظ حدیث سے صاف واضح

ہوتا ہے، اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو سمجھ لینے کے بعد کتب فقہ کی ان عبارات پر غور کرنا ہے، جو سوال نامہ میں تیرہ حوالوں سے پیش کی گئی ہیں۔

حضرات فقہاء نے ”**حي علی الفلاح**“ پر کھڑے ہونے اور ”**قدقامت الصلوة**“ پر امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کو آداب صلوۃ کی فہرست میں ایک مربوط انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں آداب وہ افعال ہوتے ہیں، جن کا کر لینا افضل اور ترک کر دینا کسی قسم کی کراہت یا عتاب کا موجب نہیں ہوتا اور نہ کرنے والے پر نکیر کرنا بھی جائز نہیں؛ بلکہ نکیر کرنا التزام مالا یلزم کی وجہ سے ممنوع اور بدعت ہے۔ ”درمختار“ کراچی میں علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے آداب کے متعلق نقل فرمایا ہے:

ولها آداب، وتركه لا يوجب إساءة، ولا عتابا، كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل الخ.

اور اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے ادب کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

آداب: جمع أدب، وهو في الصلوة ما فعله رسول الله ﷺ مرة أو مرتين، ولم يواظب عليه، كزيادة على الثلث في تسبيحات الركوع والسجود. (شامي، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة، زكريا ۲/ ۱۷۵، كراچی ۱/ ۴۷۷)

”آداب“ ادب کی جمع ہے اور وہ نماز میں وہ عمل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ کیا ہو اور اس پر مداومت نہ فرمائی ہو، جیسے رکوع اور سجود کی تسبیحات کو تین مرتبہ سے زائد کہنا آداب میں سے ہے۔ اور زیادہ نہ کہنے والوں پر نکیر کو کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا ہے۔ حضرات فقہاء نے دو ادب کو ان تمام کتابوں میں مربوط طریقہ سے ایک ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کو سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے: (۱) ”**حي علی الفلاح**“ پر کھڑا ہونا (۲) امام کا نماز کے لئے ”**قدقامت الصلوة**“ پر تکبیر تحریمہ کہنا۔ معلوم ہوا کہ جس درجہ کا ادب ”**حي علی الفلاح**“ پر کھڑا ہونا ہے، اسی درجہ کا ادب ”**قدقامت الصلوة**“ پر تکبیر تحریمہ کا کہہ دینا بھی ہے۔ ”تنویر الابصار“ میں ہے:

والقيام حين قيل: حي على الفلاح إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر، وشروع الإمام في الصلوة مذ قيل: قد قامت الصلوة. (تنوير الأبصار مع الدر، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها، كراچی ۱/ ۴۷۹، زكريا ۲/ ۱۷۷)

اوراسی قسم کی عبارات اکثر کتب فقہ میں موجود ہیں؛ لہٰذا اگر ”**حي على الفلاح**“ تک انتظار نہ کرنا قابل اعتراض ہے، تو ”**قد قامت الصلوة**“ پر امام کا تکبیر تحریمہ نہ کہنا بھی قابل اعتراض ہے۔ اور اگر ”**قد قامت الصلوة**“ پر تکبیر نہ کہنا خلاف سنت نہیں ہے تو ”**حي على الصلوة**“ پر کھڑے ہونے کا انتظار نہ کرنا بھی خلاف سنت نہ ہوگا؛ بلکہ ماقبل میں ذکر کردہ احادیث صحیحہ سے ”**حي على الفلاح**“ تک انتظار نہ کرنا اور ابتدائے اقامت سے کھڑے ہوجانا ہی سنت ثابت ہوتا ہے، نیز تسویۂ صفوف تمام صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک لازم اور ضروری ہے۔ اور تسویۂ صفوف نہ کرنا مکروہ تحریمی اور استحقاق وعید ہے، نیز تکبیر اولیٰ کی فضیلت سب کے نزدیک مسلم ہے؛ لہٰذا اگر ”**حي على الفلاح**“ کے انتظار میں بیٹھے رہیں اور ”**حي على الفلاح**“ پر کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ سے قبل صفوف کی درستگی میں لگ جائیں گے، تو امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ نہیں مل پائے گی؛ لہٰذا اگر ”**قد قامت الصلوة**“ پر امام کا تکبیر تحریمہ نہ کہنا قابل نکیر نہیں ہے، تو تسویۂ صفوف کی رعایت میں ابتدائے اقامت میں کھڑا ہوجانا بھی قابل نکیر نہ ہوگا؛ بلکہ اس کو بنص حدیث سنت کہا جاسکتا ہے، نیز امام کا اقامت کے وقت مصلیٰ پر جاکر بیٹھ جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے عمل سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کتب فقہ میں سے کسی میں موجود ہے؛ لہٰذا اس کا خلاف سنت اور قابل نکیر ہونا لازمی ہے، تو ایسے غیر ثابت اور قابل نکیر عمل کرنے والوں کے لئے حدیث شریف سے ثابت شدہ عمل پر نکیر کرنا کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟ اس لئے سوال نامہ میں زید وعمرو کا جو مسئلہ معلوم کیا گیا ہے اس میں کسی ایک کو دوسرے پر نکیر کا حق نہیں ہے اور دونوں میں سے کسی کے عمل کو خلاف سنت کہنا بھی درست نہ ہوگا۔ اور عمرو نکیر کرنے

میں غلطی پر ہے اور زید کا عمل ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا تکبیر اولیٰ اور تسویۂ صفوف کی رعایت میں بنص حدیث سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۳/۱۴۱۵ھ

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوقت اقامت امام ومقتدی بیٹھ کر تکبیر سنیں یا کھڑے ہوکر؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ کر تکبیر سننا یہ نیا مسئلہ ہے، صرف بریلوی ہی اس وقت بیٹھتے ہیں، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اس سلسلہ میں کیا فتویٰ ہے؟ سیدنا امام محمدؒ کا کیا قول ہے؟ شہنشاہ اورنگ زیبؒ کے زمانہ میں علماء ہند کا کیا معمول رہا؟ قدوۃ المحدثین حامل لواء الحق علامہ شیخ محقق امام عبدالحق محدث دہلویؒ کا عمل اس بارے میں کیا ہے؟ قابل فخر مدرس محشی الاصباح علی نور الایضاح مولوی اعجاز علی کا قول حاشیہ نور الایضاح میں کیا ہے؟ ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، مشکوۃ شریف، مسلم شریف، بخاری شریف، ابن ماجہ شریف، نسائی شریف میں کیا ہے؟ حقائق سے بہرہ ور فرماتے ہوئے صرف کتب مذکورہ سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد انیس ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال کے جواب میں اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس عمل میں حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا معمول رہا ہے؟ اس کے بعد سوال کا جواب خود بخود واضح ہوجائے گا اور حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے معمولات سے متعلق

اولاً گیارہ روایتیں اس مسئلہ میں پیش کریں گے اس کے بعد ان روایات سے حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات میں سے چھ باتیں سمجھ میں آئیں گی، اس کے بعد اصل سوال کا جواب پیش کرنا ہے۔ گیارہ روایات حسب ذیل ہیں:

(۱) صحیح ''مسلم شریف'' میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی روایات حسب ذیل ہیں:

عن أبي هريرة – رضى الله عنه – أن الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

حضور ﷺ کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی اور لوگ آپ ﷺ کے کھڑے ہونے سے قبل اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

(۲) **عن أبي هريرة – رضي الله عنه – قال: أقيمت الصلوة وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه.** (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

نماز کی اقامت ہوتی تو لوگ اپنی صفوں کی درستگی اور صف بندی کر لیتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۳) **أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر.** (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

نماز قائم کی جاتی تھی تو ہم لوگ کھڑے ہو کر حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل صفوں کی درستگی کر لیا کرتے تھے، پھر تکبیر سے قبل حضور ﷺ تشریف لاکر مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

(٤) **إذا أقيمت الصلاة، فلا تقوموا حتى تروني.** (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٤)

جب نماز کھڑی ہوجائے تو تم کھڑے کھڑے انتظار مت کرو، جب تک تم مجھے اپنی طرف آتا ہوا نہ دیکھ لو۔

(۵) **كان بلال يؤذن إذا دحضت، فلا يقيم حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم، فإذا خرج أقام الصلوة، حين يراه.** ((مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۱، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ زوال کے بعد اذان دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باہر تشریف آوری کا انتظار کرتے رہتے تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھ لیتے تب اقامت شروع فرماتے تھے۔

(۶) ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' میں حضرت امام سعید بن المسیب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

إذا قال المؤذن: الله أكبر وجب القيام، وإذا قال: حي على الصلوة اعتدلت الصفوف، وإذا قال: لا إله إلا الله كبر الإمام، وذهبت عامة العلماء إلى أنه لا يكبر حتى يفرغ المؤذن من الإقامة. (عمدة القاري، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ دار احياء التراث العربي بيروت ۵/ ۱۵۳، زكريا ۴/ ۲۱۵، فتح الباري، باب متى يقوم إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ دارالفكر بيروت ۳/ ۱۴۱، اشرفيه ديوبند ۲/ ۱۵۳، رقم: ۶۳۷)

جب مؤذن ''اللہ اکبر'' کہے تو نماز کے لئے کھڑے ہوجانا لازم ہے اور جب ''**حی علی الصلوۃ**'' کہے تو صفوف کی درستگی ہوجائے۔ اور جب ''**لا الہ الا اللہ**'' کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے۔ اور جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ مؤذن کے تکبیر اور اقامت سے فراغت حاصل کرنے سے قبل امام تکبیر تحریمہ نہ کہے۔

(۷) **إن بلالا كان يراقب خروج النبي صلى الله عليه وسلم، فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا فلا يقوم**

مقامه حتى تعدل صفوفهم. (زرقاني على المؤطا، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ١٣٤)
زرقانی کی یہ عبارت حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا آخری حصہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر لوگوں سے قبل حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری دیکھ لیتے اور فوراً اقامت شروع کر دیتے تھے اور لوگ بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے۔ اور حضور ﷺ صفوں کو درست کرنے سے قبل اپنی جگہ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

(٨) **عن نعمان بن بشير –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا إذا قمنا للصلوة، فإذا استوينا فكبر.** (أبو داؤد شريف، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام، رقم: ٦٦٥ المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢١/ ١٠٧، رقم: ١١٨)
حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ ہماری صفوں کی درستگی کرتے تھے جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور صفوں کو درست کرنے سے قبل حضور ﷺ نماز کے لئے تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

(٩) **عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: سووا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من تمام الصلوة.** (سنن ابن ماجة، الصلوة، باب إقامة الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٧١، دارالسلام، رقم: ٩٩٣، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٨٠٣، رقم: ١٢٩٨، مسند أحمد بن حنبل ٣/ ١٧٧، رقم: ١٢٨٤٤)
حضور ﷺ کا ارشاد ہے: صفوں کو درست کرنا کمال صلوۃ کے لئے شرط ہے۔

(١٠) **عن عمر –رضي الله عنه– أنه كان يؤكل رجالًا بإقامة الصفوف، ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت.** (ترمذي، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٣١، دارالسلام، رقم: ٢٢٧)

حضرت عمرؓ نے چند آدمیوں کو با قاعدہ صفوں کو درست کرنے پر مامور فرمایا تھا اور جب تک صفوں کی درستگی کی خبر نہ دی جاتی نماز کے لئے تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

(۱۱) روى عن علي وعثمان -رضي الله عنهما- أنهما كانا يتعاهدان ذلک، ويقولان: استووا. (ترمذي، باب ما جاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۳۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ از خود صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے اور با قاعدہ زور دیتے تھے کہ صف سیدھی کرلو۔

اب مذکورہ گیارہ روایات سے ذیل کے چھ امور خوب اچھی طرح واضح ہو جائیں گے:

(۱) حضور ﷺ کے زمانہ میں معمول اور دستور یہی رہا ہے کہ اقامت کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہو کر صفوف کی درستگی فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ پہلی دوسری تیسری چھٹی حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔

(۲) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کے لئے نبی کریم ﷺ کے حجرۂ مبارکہ سے نکلنے کا انتظار فرمایا کرتے تھے اور آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھنے کے بعد ہی اقامت کہنا شروع کرتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ حدیث ۵ سے واضح ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اقامت کہنے کا معمول اور دستور نہیں تھا۔

(۳) حضور ﷺ کو دیکھنے سے قبل اقامت شروع نہیں کی جاتی تھی اور حضور ﷺ کو دیکھتے ہی اقامت شروع ہو جاتی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ حدیث ۷ سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے۔

(۴) کبھی ایسا بھی ہوا کہ اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اقامت کہہ دی اور لوگ بھی ہمیشہ کے دستور کے مطابق اقامت کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو گئے اور کھڑے کھڑے انتظار کرتے رہے، ایسے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شفقت فرمایا جب میرے نکلنے سے قبل اقامت ہو جائے تو کھڑے کھڑے انتظار نہ

کیا کرو۔ اور مجھے دیکھ لو تب کھڑے ہو جایا کرو اور یہی مطلب ہے حدیث ۴ میں: "إذا أقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني" کا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقامت ختم ہونے تک یا "حي على الفلاح" تک کھڑے نہ ہو۔

(۵) صفوں کو درست کرنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ اور "قد قامت الصلوة" پر تکبیر تحریمہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل سے ثابت نہیں ہے۔ اور تکبیر تحریمہ سے قبل نہایت اہتمام کے ساتھ صفوں کو درست کیا جاتا تھا، جیسا کہ حدیث ۸ اور ۹ سے واضح ہو رہا ہے۔

(۶) خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسویہ صفوف کے لئے باقاعدہ چند آدمیوں کو مقرر کر دیا تھا اور جب تک صفوں کی درستگی کا اعلان نہیں ہو جاتا تکبیر تحریمہ شروع نہیں فرماتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری کا اہتمام خود فرمایا ہے، جیسا کہ روایت ۱۰، اور ۱۱ سے واضح ہوتا ہے، نیز تسویہ صفوف تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور چاروں ائمہ مذاہب کے نزدیک لازم اور ضروریات صلوۃ میں سے ہے۔ اور اوپر جو گیارہ احادیث شریف نقل کی گئیں ہیں، وہ سب اقامت اور تسویہ صفوف اور امام ومقتدی کے قیام الی الصلوۃ سے متعلق ہیں، ان میں سے کسی بھی روایت میں "حي على الفلاح" پر بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے اور ابتداء اقامت میں کھڑے نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ ان روایات سے سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی ثابت ہوا کہ اقامت شروع کرنے کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہو کر تسویہ صفوف فرمایا کرتے تھے، جو "إن الصلوة تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه" (مسلم شریف ھندی ۱/ ۲۲۰) اور "أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم" الحديث (مسلم شريف هندي ۲/ ۲۲۰) اور أقيمت الصلوة، فقمنا فعدل لنا الصفوف" (مسلم شريف هندي ۱/ ۲۲۰) وغیرہ جیسے الفاظ حدیث سے

صاف واضح ہوتا ہے، اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو سمجھ لینے کے بعد کتب فقہ کی ان عبارات پر غور کرنا ہے، جو حضرات فقہاء نے ”حي على الفلاح“ پر کھڑے ہونے اور ”قدقامت الصلوة“ پر امام کو تکبیر تحریمہ کہنے کو آداب صلوۃ کی فہرست میں ایک مربوط انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں آداب وہ افعال ہوتے ہیں، جن کا کر لینا افضل اور ترک کر دینا کسی قسم کی کراہت یا عتاب کا موجب نہیں ہوتا اور نہ کرنے والے پر نکیر کرنا بھی جائز نہیں؛ بلکہ نکیر کرنا التزام مالا یلزم کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے ممنوع اور بدعت ہے۔ ”درمختار“ کراچی میں علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے آداب کے متعلق نقل فرمایا ہے:

ولها آداب، وتركه لا يوجب إساءة، ولا عتابا، كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل الخ.

اوراس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے ادب کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

آداب: جمع أدب، وهو في الصلوة ما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم مرة أو مرتين، ولم يواظب عليه، كزيادة على الثلث في تسبيحات الركوع والسجود. (شامي، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة، زكريا ۲/ ۱۷۵، کراچی ۱/ ۴۷۷)

”آداب“ ادب کی جمع ہے اور وہ نماز میں وہ عمل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ کیا ہو اور اس پر مداومت نہ فرمائی ہو، جیسے رکوع اور سجود کی تسبیحات کو تین مرتبہ سے زائد کہنا آداب میں سے ہے۔ اور زیادہ نہ کہنے والوں پر نکیر کو کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا ہے۔ حضرات فقہاء نے دو ادب کو تمام کتابوں میں مربوط انداز سے ایک ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کو سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے: (۱) ”حي على الفلاح“ پر کھڑا ہونا (۲) امام کا نماز کے لئے ”قدقامت الصلوة“ پر تکبیر تحریمہ کہنا۔ معلوم ہوا کہ جس درجہ کا ادب ”حي على الفلاح“ پر کھڑا ہونا ہے، اسی درجہ کا ادب ”قدقامت الصلوة“ پر تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھنے کا بھی ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب ”درمختار“ اور ”شامی“ کا متن

''تنویرالابصار''میں ہے:

والقيام حين قيل: حي على الفلاح إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر، وشروع الإمام في الصلوة مذ قيل: قد قامت الصلوة. (تنوير الأبصار مع الدر، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها، كراچی ۱/ ٤٧٩، زكريا ۲/ ۱۷۷)

اوراسی قسم کی عبارات اکثر کتب فقہ میں موجود ہیں؛ لہٰذا اگر ''**حي على الفلاح**'' تک انتظار نہ کرنا قابل اعتراض ہے، تو''**قد قامت الصلوة**'' پرامام کا تکبیر تحریمہ نہ کہنا بھی قابل اعتراض ہے۔ اوراگر ''**قد قامت الصلوة**'' پر تکبیر نہ کہنا خلاف سنت نہیں ہے تو''**حي على الصلوة**'' پر کھڑے ہونے کا انتظار نہ کرنا بھی خلاف سنت نہ ہوگا؛ بلکہ ماقبل میں ذکر کردہ احادیث صحیحہ سے ''**حي على الفلاح**''تک انتظار نہ کرنا اورابتدائے اقامت سے کھڑا ہوجانا ہی سنت ثابت ہوتا ہے، نیز تسویۂ صفوف تمام صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک لازم اورضروری ہے۔ اورتسویۂ صفوف نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اوراستحقاق وعید ہے، نیز تکبیر اولیٰ کی فضیلت سب کے نزدیک مسلم ہے؛ لہٰذا اگر ''**حي على الفلاح**'' کے انتظار میں بیٹھے رہیں اور ''**حي على الفلاح**'' پر کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ سے قبل صفوف کی درستگی میں لگ جائیں، تو امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ نہیں مل پائے گی؛ لہٰذا اگر ''**قد قامت الصلوة**'' پر امام کا تکبیر تحریمہ نہ کہنا قابل نکیر نہیں ہے، تو تسویۂ صفوف کی رعایت میں ابتدائے اقامت میں کھڑا ہوجانا بھی قابل نکیر نہ ہوگا؛ بلکہ اس کو بنص حدیث سنت کہا جا سکتا ہے، نیز امام کا اقامت کے وقت مصلی پر جاکر بیٹھ جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اورائمہ مجتہدین میں سے کسی کے عمل سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کتب فقہ میں سے کسی میں موجود ہے؛ لہٰذا اس کا خلاف سنت اور قابل نکیر ہونا لازمی ہے، تو ایسے غیر ثابت اور قابل نکیر عمل کرنے والوں کے لئے حدیث شریف سے ثابت شدہ عمل پر نکیر کرنا کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟ نیز

اقامت کے شروع میں کھڑے ہوجانے میں تسویہ صفوف اور تکبیر اولیٰ دونوں کی رعایت ہوتی ہے۔ اور ”حي علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے سے ان میں سے کسی کی رعایت نہیں ہوتی؛ اس لئے تکبیر کے شروع ہی سے تمام مقتدیوں کو کھڑے ہوکر صف سیدھی کرنا چاہئے اور امام کو مصلی پر بیٹھ جانے کے بجائے کھڑے ہوکر مقتدیوں کی صف سیدھی ہونے کی نگرانی کرے، اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ دے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جس طرح ”حي علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے کو فرمایا ہے، اسی طرح ”قدقامت الصلوة“ پر تکبیر تحریمہ کہنے کو بھی فرمایا ہے۔ اور اسی کو حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علیؒ نے ”نورالایضاح“ کے حاشیہ میں درج فرمایا ہے، مگر جس طرح تکبیر تحریمہ کی رعایت میں ”قدقامت الصلوة“ پر تکبیر تحریمہ باندھنے پر عمل نہیں کیا جاتا ہے، اسی طرح تسویہ صفوف کی رعایت میں ”حي علی الفلاح“ کا بھی انتظار نہیں کیا جاتا ہے، اس کی تفصیل اوپر کی عبارات سے خوب واضح ہوجاتی ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ”مشکوۃ“ کی شرح میں اپنی کوئی رائے نہیں پیش فرمائی؛ بلکہ صرف ”مشکوۃ شریف“ کی عبارات کا حل پیش فرمایا ہے۔ اور ”مشکوۃ شریف“ میں وہ روایات موجود نہیں ہیں جو مسلم شریف وغیرہ میں بوقت اقامت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کھڑے ہوکر صف سیدھی کرنے کا ذکر ہے، اگر وہ روایات مشکوۃ میں ہوتیں تو حضرت شیخ ان کی بھی تشریح فرماتے۔ اور ان کا مطلب بھی واضح فرماتے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۶/۱۴۱۶ھ

مقتدی حضرات نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب مکبر تکبیر کہے اس وقت نہ کھڑا ہوا جائے؛ بلکہ جب ''**حي علی الصلوۃ**'' پر پہنچے اس وقت کھڑا ہوا جائے؟ اور وہ لوگ حوالہ دیتے ہیں کہ بخاری شریف جلد اول میں یہ حدیث ہے کہ ''**حي علی الصلوۃ**'' پر کھڑا ہوا جائے۔ اور حضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ جب مکبر تکبیر کہتے وقت ''**حي علی الصلوۃ**'' پر پہنچے تو اس وقت کھڑے ہوا کرو، تو صحابہ کرام نے اتباع کی۔ اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''نور الایضاح'' کے حاشیہ ''**باب حق الصلوۃ**'' میں اس بات کو تحریر کیا ہے کہ ''**حي علی الصلوۃ**'' پر کھڑا ہوا جائے۔ اصل کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں مکمل اور مدلل تحریر فرمائیں۔ اور جلد اور صفحہ نمبر بھی تحریر فرمائیں۔ اور خاص کر کے اگر صحاح کے دلائل ہوں تو بہت ہی اچھا ہوگا۔

المستفتی: محمد کلیم الدین گورکھپوری، ساٹ پورناسک، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''بخاری شریف'' میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ''**حي علی الصلوۃ**'' پر کھڑا ہوا جائے۔ اور اس کا بھی ثبوت نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو حکم دیا ہو کہ جب مکبر تکبیر کہتے وقت ''**حي علی الصلوۃ**'' پر پہنچے اس وقت کھڑے ہوا کرو؛ بلکہ صرف اس کا ثبوت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے مسجد میں آنے سے پہلے تم لوگ نہ کھڑے ہوا کرو؛ بلکہ جب مجھے آتے ہوئے دیکھ لو تو کھڑے ہو جایا کرو، یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مؤذن نے حضور ﷺ کے مسجد میں تشریف لانے سے پہلے تکبیر کہہ دی تھی۔

عن عبداللہ بن أبي قتادة، عن أبيه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم: إذا أقيمت الصلوۃ، فلا تقوموا حتی تروني. (صحیح البخاري، الصلوۃ، باب متی یقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ النسخة الهندية ۱/ ۸۸، رقم: ۶۲۸، ف: ۶۳۷)

اور ''نورالایضاح'' کے حاشیہ کا مطلب یہ ہے کہ مقتدیوں کو "**حي علی الصلوۃ**" کہنے تک بیٹھے رہنا نہیں چاہئے؛ بلکہ "**حي علی الصلوۃ**" تک ضرور کھڑے ہوجانا چاہئے، اس سے زیادہ تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ اور صحیح حدیث میں واضح الفاظ کے ساتھ یہ حکم ثابت ہے کہ مؤذن کے تکبیر کہنے کے ساتھ ساتھ مقتدی بھی کھڑے ہوجائیں؛ اس لئے مستحب اور مسنون طریقہ یہی ہے کہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ مقتدی بھی کھڑے ہوجایا کریں۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

أقيمت الصلوة وصف الناس صفوفهم، وخرج النبي صلى الله عليه وسلم فقام مقامه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

نیز تسویہ صفوف واجب ہے اور تکبیر اولیٰ حاصل کرنا افضل ہے۔ اور ان دونوں پر عمل جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب ابتداء تکبیر سے مقتدی کھڑے ہوجائیں، ورنہ صفوف کی درستگی حاصل کرتے کرتے تکبیر اولیٰ فوت ہوسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۴/ ۱۴۱۲ھ

نماز میں کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں تکبیر کے شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا ٹھیک ہے یا ''**حي علی الفلاح**'' کے آنے پر کھڑا ہونا چاہئے؟ یہ مسئلہ حل کرکے عنایت فرمائیے گا۔

المستفتی: کوثر علی ہاشمی، محلہ فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں طرح جائز ہے؛ البتہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑا ہونا زیادہ افضل ہے، تاکہ بآسانی صف سیدھی کر کے تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شرکت ہوسکے؛ کیوں کہ صف سیدھی کرنا واجب ہے، نیز تکبیر کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کی ہیں۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقول الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥، المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/ ٣٩٧، رقم: ٩١٩٢)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، فسوى الناس صفوفهم، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم. الخ (صحيح البخاري، الصلوة، باب إذا قال الإمام: مكانكم حتى رجع انتظروا۔ النسخة الهندية ١/ ٨٩، رقم: ٦٣١، ف: ٦٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۱۱)

مقتدی کب کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جماعت کے لئے تکبیر کے شروع یعنی اللہ اکبر سے کھڑا ہوا جائے یا ”حي على الفلاح“ پر؟ اس سوال کا جواب معتبر حدیثوں سے براہ کرم تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: ذکی اللہ مدرسہ امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تکبیر شروع ہونے پر کھڑا نہ ہوا جائے اور ’’حي علی الفلاح‘‘ تک انتظار کیا جائے تو ’’حي علی الفلاح‘‘ پر کھڑے ہو کر یا تو امام کے ساتھ ساتھ تکبیر اولیٰ میں شریک ہو جائے اور تسویۂ صفوف ترک کر دے یا تکبیر اولیٰ ترک کر کے صفوں کی درستگی میں لگ جائے، تو یہ دونوں عمل مذموم ہیں؛ بلکہ صفوں کی درستگی واجب ہے، اب اگر ’’حي علی الفلاح‘‘ پر کھڑے ہو کر تسویۂ صفوف کے وجوب کو ادا کرنے میں لگ جائے تو لازمی طور پر امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کی فضیلت سے محرومی ہوتی ہے؛ اس لئے مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر صفوں کی درستگی لازم ہے۔ صحیح مسلم کے اندر اس کی صراحت موجود ہے کہ حضور ﷺ کے مصلیٰ پر تشریف لانے سے قبل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مؤذن کی اقامت کے ساتھ کھڑے ہو کر صفوف درست کرنے میں لگ جایا کرتے تھے۔

عن أبي هريرة –رضی اللہ عنہ– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ. (صحيح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥، المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/ ٢٩٧، رقم: ١٩٢)

عن أنس بن مالک، قال: قال رسول الله ﷺ: سووا صفوفكم، فإن تسوية الصفوف من تمام الصلوة. (سنن ابن ماجة، الصلوة، باب إقامة الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٧١، دارالسلام، رقم: ٩٩٣، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٨٠٣، رقم: ١٢٩٨، مسند أحمد بن حنبل ٣/ ١٧٧، رقم: ١٢٨٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۸۶)

سوال [۱۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صفوف کی درستگی کی نیت سے قبل از تکبیر امام ومقتدیان کا کھڑا ہونا یا امام یا مقتدیان کا

”حي علی الصلاة“ پر کھڑا ہونا، ان دونوں میں سے کون سا مسئلہ افضل ہے؟ قرآن پاک وصحاح ستہ کی مستند حوالہ سے جلد وصفحہ نمبر تحریر فرما کر جواب سے نوازیں۔

المستفتی: خادم اہل سنت مظفر حسین، مسجد قصبہ بسولی، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر سے قبل یا اثناء تکبیر میں ختم تکبیر سے پہلے پہلے کھڑے ہوکر صفوف درست کرلینا افضل ہے؛ بلکہ ضروری وواجب ہے، حدیث شریف میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

یجب أن یقوم قبل الإقامة، أو في وسطه، فإن تسویة الصفوف واجبة من إقامته الصلوة وإتمامها. (معارف السنن شرح ترمذي، الصلاة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة، مكتبه أشرفی دیوبند ۲/ ۲۱۲)

عن أنس بن مالک، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سووا صفوفکم، فإن تسویة الصفوف من تمام الصلوة. (سنن ابن ماجة، الصلوة، باب إقامة الصفوف، النسخة الهندیة ۱/ ۷۱، دارالسلام، رقم: ۹۹۳، مسند الدارمي، دارالمغني ۲/ ۸۰۳، رقم: ۱۲۹۸، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۱۷۷، رقم: ۱۲۸۴٤)

صفوف کی درستگی تکبیر سے قبل یا تکبیر کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے، ورنہ تکبیر اولیٰ ترک ہوجائے گی، نیز حدیث شریف میں تکبیر سے پہلے اور تکبیر کے ساتھ ساتھ صفوف کی درستگی کی صراحت آئی ہے۔

عن أبي هریرة –رضی اللہ عنه– یقول: أقیمت الصلوة، فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن یخرج إلینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (صحیح مسلم، باب متی یقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۰، بیت الأفکار، رقم: ٦۰۵)

أقیمت الصلاة وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقام مقامه. (صحیح مسلم، باب متی یقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۰، بیت

الأفكار، رقم: ٦٠٥، مسند احمد ٢/ ٢٣٧، رقم: ٧٢٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

......

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۸۹)

سوال [۱۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہیں تو امام اور مقتدی بیٹھ کر تکبیر سنتے ہیں اور مکبّر کھڑے ہوکر تکبیر پڑھتا ہے اور کہیں مکبّر کھڑے ہوکر تکبیر پڑھتا ہے اور امام ومقتدی سبھی کھڑے ہوکر تکبیر سنتے ہیں، تو یہ کب بیٹھ کر سنی جائے اور کب کھڑے ہوکر سنی جائے؟ اس بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: نظار الاسلام کمال پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر پڑھنے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوجانا زیادہ صحیح ہے، حضرات صحابہ کرام کا عمل بھی یہی تھا اور مؤذن کے ساتھ کھڑے ہوکر صف سیدھی کرنا حدیث سے ثابت ہے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. (صحيح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۷/ ۴۲۷)	۱۴۱۵/۲/۲۹ھ

امام اور مقتدی تکبیر میں کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت کے وقت امام اور مقتدیوں کو تکبیر میں کس وقت اٹھنا چاہئے؟ آیا شروع تکبیر میں کھڑے ہوں یا "حي على الصلاة" پر کھڑا ہونا چاہئے، جیسا کہ "مالا بدمنہ فارسی" میں

ہے کہ: ''طریق خواندن نماز بروجہ سنت آنست کہ اذان گفتہ شود واقامت ونزد حی علی الصلوۃ امام برخیزد نزد ابی حنفیہ رضی اللہ عنہ'' (ص:۳۱، مطبوعہ مرکز ادب جامع مسجد دیوبند) مہربانی فرماکر قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد ساجد اغوان پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر شروع ہوتے وقت اگر امام مسجد کے اندر موجود ہے، تو تکبیر کے ساتھ ساتھ امام اور مقتدی سب کو کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کر لینی چاہئے اور امام کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس وقت کھڑے ہوکر صفوں کا معائنہ کرے اور جہاں صف ٹیڑھی میڑھی ہو وہاں صف سیدھی کردے، یہی مسنون طریقہ ہے اور یہی طریقہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ اور جہاں ''مالا بدمنہ'' یا فقہ کی دوسری کتابوں میں ''حي علی الصلوۃ'' پر کھڑے ہونے کی بات ہے، یہ اس وقت ہے جب کہ امام مسجد میں نہ ہو، اگر امام موجود بھی ہو تو انہیں کتابوں میں اسی جملہ کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ''قد قامت الصلوۃ'' پر امام تکبیر تحریمہ شروع کردے، حالانکہ اس پر کوئی بھی عمل نہیں کرتا اور اس عذر کی وجہ سے عمل نہیں کرتا کہ ''قد قامت الصلوۃ'' پر تکبیر تحریمہ کہنے کی صورت میں خود تکبیر کہنے والا مؤذن امام کے ساتھ ساتھ تکبیر تحریمہ شروع نہیں کر پائے گا، تو جس طرح اس عذر کی وجہ سے ''قد قامت الصلوۃ'' پر تکبیر تحریمہ نہیں کہی جاسکتی ہے، اسی طرح صفیں سیدھی کرنا واجب ہے، اس واجب کی ادائیگی کے عذر کی وجہ سے ''حي علی الصلوۃ'' تک انتظار کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے؛ لہٰذا فقہاء کرام کی ان عبارات میں سے چاہے دونوں پر عمل کیا جائے یا ایک پر عمل کیا جائے، کچھ نہ کچھ دشواریاں پیش آتی ہیں؛ اس لئے اس مسئلہ میں بجائے فقہاء کرام کی عبارات پر عمل کرنے کے صحیح حدیث شریف پر ہی عمل کرنا بہتر ہوگا کہ صحیح حدیث شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تکبیر کے شروع میں کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرنے کا ثبوت موجود ہے۔

أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف سمع أبا هريرة يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. الخ (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

نیز بعض امام تکبیر کے وقت مصلی پر بیٹھ جاتے ہیں، یہ بالکل خلاف سنت ہے کہیں سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ اس وقت امام کا کھڑے ہوکر صفوں کی نگرانی کرنا ثابت ہے۔

وروى عن عمر أنه كان يؤكل رجالاً بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. وروى عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلک، ويقولان: استووا وكان علي يقول تقدم يا فلان تأخر يا فلان.

(ترمذي شريف، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٢٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۸)

اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال [۱۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے یا کھڑے ہوکر؟ زید کہتا ہے کہ بیٹھ کر سننا سنت ہے اور بکر کہتا ہے کہ کھڑے ہوکر سننا سنت ہے، جب کہ امام صاحب بیٹھ کر اقامت سنتے ہیں اور کچھ حضرات مؤذن صاحب کے ساتھ کھڑے ہوجاتے ہیں، اس طریقہ کے پیش نظر قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم واضح فرمائیں؟

المستفتی: محمد ارشد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح حدیث شریف میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مؤذن

کے تکبیر کہنے کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کو کھڑے ہوجانا چاہئے اور اپنی صفیں درست کر لینی چاہئے، تکبیر شروع ہونے کے بعد امام کا مصلی پر بیٹھا رہنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

عن ابن شهاب، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه. الخ (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٣٧، رقم: ٧٢٣٧، ٢/ ٢٨٣، رقم: ٧٧٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۶۵)

امام تکبیر سے قبل کھڑا ہوگا یا ”حي على الفلاح“ پر؟

سوال [۱۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ امام حضرات نماز والی تکبیر اقامت ”حي على الصلوة“ سے پہلے تک بیٹھ کر سنتے ہیں اور ”حي على الصلوة“ پر نماز پڑھانے کھڑے ہوتے ہیں، ایسے اماموں نے دوسرے لوگوں کو بتایا کہ جو امام نماز والی تکبیر میں شروع ہی سے کھڑا ہوجائے ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھو، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ کتنی تکبیر بیٹھ کر سننا چاہئے؟ مصلی پر امام کو آکر بیٹھنا چاہئے یا کھڑا ہونا چاہئے؟ اور ”حي على الصلوة“ پر امام کا کھڑا ہونا فرض ہے یا واجب یا سنت؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ماسٹر راحت علی، این پی آرسی بلاک سیدنگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح حدیث شریف میں یہ وضاحت ہے کہ مؤذن کے تکبیر شروع کرنے کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کو اپنی صفوں کو کھڑے ہوکر درست کر لینا چاہئے۔ اور امام کا مصلی پر بیٹھے رہنا کسی حدیث اور فقہ کے جزئیہ سے ثابت نہیں۔ اور فقہ کی جن جزئیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ مقتدی ''حي علی الصلوة'' یا ''حي علی الفلاح'' تک کھڑے ہوجائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی ان کلمات تک ضرور کھڑے ہوجائیں، ایسی صورت میں فقہ کی یہ جزئیات حدیث کے مخالف نہیں ہوں گی۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه، فأومأ إليهم بيده أن مكانكم.

(مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱ھ

مقتدی تکبیر کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوں یا ''حی علی الصلوۃ'' پر؟

سوال [۱۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تکبیر کے ساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے یا "**حي على الصلوة**" پر کھڑے ہونا چاہئے؟ قرآن وحدیث سے کیا ثابت ہے؟ بیان فرما کر مشکور فرمائیں

المستفتی: مختار احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسنون یہی ہے کہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر تمام مقتدی صفوف درست کرلیں اور امام بھی نہ بیٹھے؛ بلکہ کھڑے ہو کر مقتدیوں کی صفوں کی درستگی دیکھے، یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور رہا ہے۔ اور صحیح حدیث سے یہی ثابت ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٣٧، رقم: ٧٢٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۶۵)

تکبیر کے شروع ہونے کے وقت مقتدی کھڑے ہوں یا بیٹھے رہیں؟

سوال [۱۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تکبیر اولیٰ کے شروع ہونے کے وقت مقتدیوں کو کھڑا رہنا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے اور بیٹھ جانے میں کیا فضیلت ہے؟ اور کھڑے رہنے میں کیا نقصان ہے؟

المستفتی: مولانا محمد علی قصبہ شیرگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صفوف کی درستگی کی غرض سے کھڑا ہوجانا چاہئے، بیٹھے رہنے یا بیٹھ جانے میں فضیلت نہیں؛ بلکہ تسویۂ صفوف کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے نقصان ہے۔ اور روایات میں تسویۂ صفوف کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ اور اگر تکبیر کے وقت بیٹھ جائے اور ختم پر کھڑا ہوجائے تو صفوف درست کرتے کرتے تکبیر اولی چھوٹ جائے گی اور تکبیر اولیٰ میں شریک ہوجائے تو صفوف کی درستگی باقی نہ رہے گی، جس کی سخت تاکید آئی ہے؛ اس لئے علماء نے تکبیر شروع ہونے سے قبل یا اثنائے تکبیر کھڑے ہونے کو لازم اور واجب کہا ہے:

يجب أن يقوموا قبل الإقامة، أو في وسطها، فإن تسوية الصفوف واجبة من إقامة الصلوة وتمامها. (معارف السنن، الصلوة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة، مكتبه أشرفيه ۲/ ۲۱۲)

عن أبي هريرةؓ، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵،

مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷)

اور جن کتب فقہ کے اندر ''**حي علی الصلوة**'' پر کھڑے ہوجانے کا حکم آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ''**حي علی الصلوة**'' تک ضرور کھڑے ہوجانا چاہئے، ورنہ مذکورہ احادیث شریفہ کا کوئی مطلب نہیں ہوسکے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۴۱۶)

امام کے مصلیٰ پر آنے سے قبل تکبیر کہنا

سوال [۱۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے وقت مصلی پر امام صاحب کے آنے سے پہلے تکبیر کا پڑھنا درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: سردار حسین اصالت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی پر تشریف لانے سے قبل اقامت صلوۃ کہنا ثابت نہیں ہے۔

عن ابن شهاب، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن

يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر، ذكر فانصرف، وقال لنا: مكانكم، فلم نزل قياما ننتظره حتى خرج إلينا، وقد اغتسل ينظف رأسه ماء، فكبر، فصلى بنا. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دارالفکر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۰۷)

تکبیر کھڑے ہوکر سننا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

سوال [۱۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں تکبیر کھڑے ہوکر سننا افضل ہے یا بیٹھ کر؟ اور اگر امام بیٹھا ہوتو مقتدی تکبیر کھڑا ہوکر سنے تو کیسا ہے؟ امام کی اتباع رہی یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تکبیر بیٹھ کر سننا افضل ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر سننا افضل ہے، آپ سے گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد اسلم اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر دونوں طرح سننا جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا؛ البتہ چونکہ صف سیدھی کرنا واجب ہوتا ہے، تو اگر پوری تکبیر بیٹھ کر سنی جائے اور کھڑے ہوتے ہی تکبیر اولیٰ میں امام کے ساتھ شریک ہوجائے، تو صف سیدھی کرنا رہ جائے گا؛ اس لئے کھڑے ہوکر سننا زیادہ افضل ہوگا۔ اور حضرات صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. ذكر: فانصرف، وقال لنا: مكانكم، فلم نزل قياما ننتظره حتى خرج إلينا، وقد اغتسل ينظف رأسه ماء، فكبر، فصلى بنا. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دارالفكر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۴۶)

قیام جماعت کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟

سوال [۱۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت کے قائم ہونے کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟ اور اگر کوئی شخص بیٹھ کر تکبیر سنے تو کیا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فاروق کشمیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں کہیں بھی ایسا ثابت نہیں ہے کہ مؤذن تکبیر شروع کردے اور مقتدی حضرات بیٹھے رہیں؛ بلکہ صحیح حدیث سے یہی ثابت ہے کہ جب مؤذن تکبیر شروع کردیتا تو تمام مقتدی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی فرماتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس کا بڑا اہتمام ہوتا تھا؛ لہٰذا فقہ کی جن کتابوں میں ”حي على الصلوة“ اور ”حي على الفلاح“ پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے، اس کا

مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی بیٹھا رہا ہوتو ”حي علی الصلوۃ“ یا ”حي علی الفلاح“ پر ضرور کھڑا ہو جائے ،اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ”حي علی الصلوۃ“ سے سے پہلے کھڑا نہ ہو بیٹھا رہے؛ بلکہ اس سے پہلے پہلے ضرور کھڑا ہو جانا چاہئے ، ورنہ حدیث پاک کی مخالفت لازم آئے گی۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

أبو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. ذكر: فانصرف، وقال لنا: مكانكم. الخ

(صحيح مسلم ، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥، المعجم الأوسط، دارالسلام ٦/ ٣٩٧، رقم: ٩١٩٢)

عن أبي سلمة، عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه، فأوما إليهم. الخ (صحيح مسلم ، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٢٣٧، رقم: ٧٢٣٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

روى عن عمر: أنه كان يؤكل رجالا بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. وروى عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استووا وكان علي يقول تقدم يا فلان، تأخر يا فلان.

(ترمذي شريف، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٢٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۶/۱۴۳۴ھ

”حي على الصلوة“ پر کھڑا ہونا

سوال [۱۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ کی مسجد میں بریلوی و دیوبندی دونوں فرقوں کے لوگ نماز پڑھتے ہیں، چند برسوں سے اس مسجد میں طلبا پڑھ رہے تھے، جنھوں نے الٹی سیدھی باتیں اور تقریریں کر کے نمازیوں میں خاصا انتشار پیدا کر دیا، جس کے سبب دونوں فرقے اب پارٹی کی شکل اختیار کر گئے؛ اس لئے آپ سے درخواست ہے مندرجہ ذیل سوالات کا مفصل ومدلل جواب تحریر فرما دیں، نیز ایسی کتابوں کے نام بھی تحریر فرما دیں جن کو وقتاً فوقتاً مصلیان کے سامنے پڑھ کر تیجہ، دسواں، چالیسواں، تعزیہ داری، کونڈے، شب براءت کی رسومات کو ختم کیا جا سکے، متنازعہ دریافت مسائل یہ ہیں: تکبیر میں ”حي على الصلوة“ پر کھڑا ہونا امام ومقتدیوں کے لئے کب سے اور کیوں سلسلہ شروع ہوا؟

المستفتی: شہاب الدین سرائے ترین، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ایسا عمل نہیں تھا، اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا ہے، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں معمول اور دستور یہی رہا کہ اقامت کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور کھڑے ہو کر صف سیدھی کرتے تھے۔ اور صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اقامت شروع ہو جاتی تھی، تو ساتھ میں مقتدی بھی کھڑے ہو کر اپنی اپنی جگہ لے لیتے تھے اور صف سیدھی کرتے تھے۔

أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

نماز کی اقامت ہوتی تو لوگ اپنی صفوں کی درستگی اور صف بندی کر لیتے تھے۔ اور حضور ﷺ تشریف لاکر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے تھے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (صحيح مسلم، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، نیز صفوں کا سیدھا کرنا تمام صحابہ اور تابعین اور چاروں ائمہ کے نزدیک لازم اور ضروریات صلوۃ میں سے ہے، اگر "**حي على الصلوة**" پر کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کی جائیں تو امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ نہ ملے گی۔ اور فقہاء نے "**حي على الصلوة**" پر کھڑے ہونے کو محض ادب اور مستحب قرار دیا ہے۔ اور صفوں کا سیدھا کرنا واجب ہے؛ لہٰذا واجب کی ادائے گی کے وقت مستحب کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ اور جن عبارتوں میں "**حي على الصلوة**" پر کھڑا ہونا ادب اور مستحب لکھا ہے، اسی کے ساتھ امام کا نماز کے لئے "**قد قامت الصلوة**" پر تکبیر تحریمہ کہنے کو بھی مستحب لکھا ہے: لہٰذا اگر "**حي على الصلوة**" پر کھڑا نہ ہونا قابل اعتراض ہے تو "**قد قامت الصلوة**" پر امام کا تکبیر تحریمہ نہ کہنا بھی قابل اعتراض ہے۔ اور ان فقہی عبارتوں کا مطلب خود علامہ طحطاویؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں "**حي على الصلوة**" سے تاخیر نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہی نہ ہو۔ الحاصل ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ تکبیر کے وقت "**حي على الصلوة**" پر کھڑے ہونے کو ضروری سمجھنا اور اسے اسلامی شعار قرار دینا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ابتدائے تکبیر سے کھڑے ہوکر صفوں کی درستگی کرنا اور نماز کی طرف مسارعت کا ثبوت دینا چاہئے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/۱۸۴، جواہر الفقہ، قدیم ۱/۳۱۴،

جدید۲/ ۴۲۹ ،فتاوی دارالعلوم زکریا۲/۱۱۳)

والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لابأس.

(طحطاوي على الدر، باب صفة الصلوة، قبيل فصل وإذا أراد الشروع فيها كبر، كوئٹه ۱/ ۲۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۷/۶/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۸۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۴ھ

’’حي على الصلوة‘‘ تک بیٹھے رہنا

سوال [۱۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: ’’حي على الصلوة‘‘ تک بیٹھے رہنا کیسا ہے؟ کیا شریعت میں اس کی کوئی حیثیت ہے؟

المستفتی: صادق حسین آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بعض فقہ کی کتابوں میں اس طرح کی بات موجود ہے؛ لیکن جہاں ’’حي على الصلوة‘‘ تک بیٹھے رہنے کی بات انہوں نے لکھی ہے، وہاں ’’قدقامت الصلوة‘‘ پر تکبیر تحریمہ کہنے کی بات بھی لکھی ہے؛ لیکن ’’قدقامت الصلوة‘‘ پر تکبیر تحریمہ اس لئے نہیں کہتے ہیں کہ اس صورت میں اقامت کہنے والا امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے سے محروم ہوجاتا ہے؛ لہٰذا اس عذر کی وجہ سے جب ’’قدقامت الصلوة‘‘ پر تکبیر تحریمہ نہیں کہی جاتی ہے تو اس سے بھی اہم عذر صفوں کو سیدھا کرنا ہے، تو اگر ابتداء میں کھڑے ہوکر صفیں سیدھی نہ کی جائیں اور ’’حي على الصلوة‘‘ پر کھڑے ہوں تو صفیں سیدھی نہ ہو پائیں گی؛ اس لئے ’’حي على الصلوة‘‘ کا انتظار بھی نہیں کیا جاتا ہے، تو فقہ کی اس عبارت کے دونوں پہلوؤں کو چھوڑ دیا گیا ہے اور براہ راست حدیث پر غور کیا گیا، تو حدیث پاک کے اندر اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اقامت شروع ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کر لیا کرتے تھے؛ لہٰذا فقہ کی اس عبارت کے مقابلہ میں حدیث پاک پر عمل کرنا زیادہ افضل اور بہتر ہوگا؛ اس لئے تکبیر کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوجانا مسنون ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(۱) عن ابن شهاب، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دارالفكر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲)

(۲) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (صحيح مسلم، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷، ۲/ ۲۸۳، رقم: ۷۷۹۱)

(۳) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۲۲ھ

سوال [۱۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد قصبہ اغوان پور محلہ نیادیان میں واقع ہے کہ جس میں ایک مولانا حضرت دین

محمد صاحب جو مدرسہ شاہی کے تعلیم یافتہ فارغ شدہ مولوی تھے، جنہوں نے تقریباً چالیس سال امامت کی، ان کا طریقہ نماز کے لئے تکبیر اولیٰ پر کھڑے ہونے کا رہا تھا، وہ کبھی اپنے مصلی پر تکبیر کے وقت بیٹھے نہیں تھے اور نہ ہی مقتدی بیٹھتے تھے، ان کی وفات کے بعد جناب حافظ محمد ہارون صاحب کو امامت کے لئے مقرر کیا گیا، جن کو آج تقریباً ۲۰ رسال ہو گئے اور اس طریقہ پر عمل کرتے چلے آرہے تھے؛ لیکن اب انہوں نے چند لوگوں کے کہنے پر تکبیر اولیٰ کا طریقہ بدل دیا ہے، اب وہ ''**حي علی الصلوۃ**'' پر کھڑے ہونے لگے، کیا یہ طریقہ قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کیا رہا تھا اور صحابہ کرام، خلفائے راشدین کے زمانہ میں کیا طرز عمل رہا تھا؟ خلاصہ فرمادیجئے، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: اصغر علی اغوان پور، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہ کی بعض کتابوں میں ''**حي علی الفلاح**'' پر کھڑے ہونے کو جن مقامات میں لکھا ہے وہاں پر یہ بھی لکھا ہے کہ ''**قد قامت الصلوۃ**'' پر امام تکبیر تحریمہ کہے، حیرت کی بات ہے کہ فقہ کی ایک عبارت کے پہلے جزو پر عمل کرنے کا بعض لوگوں کو بہت شوق ہے اور دوسرے جزو کو بھول جاتے ہیں، اگر پہلے جزو پر عمل کرنا بہتر سمجھتے ہیں تو دوسرے جزو پر بھی عمل کر کے دکھائیں، نیز ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تکبیر کے وقت امام مصلے پر بیٹھ جاتے ہیں، یہ قرآن کریم، حدیث رسول، فقہ اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں، سنجیدگی کی بات تو یہ ہے کہ فقہ کی اس عبارت کے آخری جزو ''**قد قامت الصلوۃ**'' پر امام کے تکبیر تحریمہ کہنے سے مؤذن کو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کا موقع نہیں ملے گا؛ اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور صفوں کا درست کرنا واجب ہے، اگر اقامت کی ابتداء میں مقتدی کھڑے ہو کر صفیں سیدھی نہ کریں گے اور ''**حي علی الفلاح**'' تک انتظار کرتے رہیں گے تو صفیں سیدھی کرنے کا وجوب ترک ہو جائے گا؛ اس لئے فقہ کی اس عبارت کے پہلے جزو کو بھی چھوڑ دیا جاتا ہے اور براہ راست حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔

اورحدیث میں صاف الفاظ کے ساتھ یہ بات آئی ہے کہ اقامت شروع ہونے کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلیا کرتے تھے؛ اس لئے بہتر اور افضل شکل یہی ہے کہ اقامت شروع ہونے کے ساتھ ہی تمام مقتدی صفیں سیدھی کریں اور امام بھی کھڑے ہوکر صفوں کی نگرانی کرے، حضرت عثمان غنی، حضرت عمر فاروق، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین تکبیر شروع ہونے کے ساتھ سب لوگوں کو صفیں سیدھی کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور خود اس کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔ احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن شهاب، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. ذكر: فانصرف. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دارالفكر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (صحيح مسلم، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷، ۲/ ۲۸۳، رقم: ۷۷۹۱)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

وقد روى عن البني ﷺ أنه قال: من تمام الصلوة إقامة الصفوف.

وروى عن عمر: أنه كان يؤكل رجالا بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت.

وروى عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استووا وكان علي يقول تقدم يا فلان، تأخر يا فلان. (ترمذي شريف، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دارالسلام، رقم: ۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۰۵)

کیا تکبیر کے وقت مکبّر کے علاوہ مقتدیان کا کھڑا ہونا ممنوع ہے؟

سوال [۱۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا تکبیر کہنے والے کے سوا اوروں کا کھڑا ہونا خلاف سنت ہے؟ باقی مقتدیان اور امام کو ”**حي على الفلاح**“ پر کھڑا ہونا چاہئے جیسا کہ بعض مصنف عالمگیری کے حوالہ سے لکھتے ہیں، حدیث اور امام صاحبان کے حوالہ سے مع تفصیل لکھ کر ہماری مشکل آسان فرمائیں۔

المستفتی: مقصود احمد قاسمی، الگابھیکن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی جماعت کے لئے اقامت کے وقت تمام مقتدیوں کا کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرنا مسنون ہے، یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے؛ لہٰذا مؤذن کی تکبیر کے ساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کو اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوکر صفیں درست کرنا چاہئے۔

عن أبي هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله ﷺ حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

فقہ کی جن جزئیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ "**حي على الصلوة**" یا "**حي على الفلاح**" پر کھڑے ہو جائیں وہیں پر ساتھ ہی یہ حکم بھی لکھا ہوا ہے کہ امام "**قد قامت الصلوة**" پر تکبیر تحریمہ کہہ لے، اب سوال ان لوگوں سے ہے جو لوگ "**حي على الفلاح**" سے پہلے مقتدیوں کے کھڑے ہونے کو منع کرتے ہیں، ان کا امام "**قد قامت الصلوة**" پر تکبیر تحریمہ کیوں نہیں کہتا ہے؟ ایک مسئلہ کے ایک جزو پر اس قدر پابندی اور دوسرے جزو سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ نیز تکبیر کے وقت امام کا مصلی پر بیٹھ جانا کس حدیث میں ہے؟ اور فقہ کے کس جزئیہ میں ہے؟ یہ سب باتیں ضد بندی کی ہیں؛ حالاں کہ حدیث شریف میں ہے کہ تکبیر کے وقت امام کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرنے میں لگ جائے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے لئے چند آدمیوں کو باضابطہ مقرر کر رکھا تھا اور اس وقت تک تکبیر نہیں کہتے تھے جب تک صفیں سیدھی ہونے کا اعلان نہ ہو جاتا تھا۔ اور حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما از خود کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کیا کرتے تھے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تکبیر کے وقت ان حضرات میں سے کوئی بھی مصلی پر بیٹھے رہے ہوں، حضور ﷺ کا عمل اور خلفائے راشدین کا عمل ہی حجت اور قابل اتباع ہے؛ اس لئے مؤذن کی اقامت کے ساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کو کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرنے میں لگ جانا چاہئے۔

عن عمر: أنه كان يؤكل رجالا بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذي شريف، الصلوة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٢٢٧)

وروى عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استووا وكان علي يقول تقدم يا فلان، تأخر يا فلان. (ترمذي شريف، الصلوة، باب ماجاء

في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱ / ۵۳، دارالسلام، رقم: ۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۶۰)

تکبیر ہوتے ہی مصلیوں کے کھڑے ہونے کی دلیل

سوال [۱۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز جماعت کے لئے تکبیر ہوتے ہی تمام مصلیوں کا کھڑا ہوجانا کس آیت یا حدیث، فقہ کی کس معتبر کتاب سے ثابت ہے؟ مدلل باحوالہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حکیم محمد اسحاق، لالباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''مسلم شریف'' ۱/ ۲۲۰ رمیں اس مسئلہ کی کئی حدیثیں موجود ہیں۔ ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نماز کے لئے اقامت شروع ہوتی تو ہم فوراً کھڑے ہوکر صف سیدھی کرتے تھے''۔ اوراس مضمون کی روایات حدیث کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں، ہم دو روایتیں نقل کردیتے ہیں:

(۱) **عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه.** (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷)

(۲) **عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه.** (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۷۴/۳۵)

تکبیر کے وقت مقتدی کو کب کھڑا ہونا چاہئے

سوال [۱۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے اور ”**حي علی الصلوۃ**“ پر کھڑا ہوتا ہے؛ لیکن بکر اس کے خلاف ہے اور وہ کہتا ہے کہ شروع سے ہی کھڑا ہونا چاہئے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کب کھڑا ہونا چاہئے اور اولیٰ کیا ہے؟ نیز یہ کہ زید ”**حي علی الفلاح**“ پر کھڑا ہونے کی وجہ سے گنہگار تو نہ ہوگا؟ جواب قرآن وحدیث اور مع ائمہ کے افعال واقوال، نیز اسلاف کے اقوال وافعال کی روشنی میں مفصل ومدلل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: انیس الرحمٰن امرت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کے شروع میں کھڑا ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اور ”**حي علی الصلوۃ**“ تک انتظار کرکے کھڑا ہونا یہ بھی فقہ کی کتابوں سے ثابت ہے، مگر بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ حدیث کے مطابق اقامت کے شروع میں کھڑے ہوجائیں اور تکبیر اولیٰ سے پہلے پہلے صفیں سیدھی کرلی جائیں؛ اس لئے کہ صفیں سیدھی کرنا واجب ہے، نیز صورت مسئولہ میں زید ”**حي علی الصلوۃ**“ پر کھڑا ہونے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا؛ بلکہ خلاف اولیٰ کا مرتکب ہوگا۔

أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف سمع أبا هريرة يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. الخ (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟

السنخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

عن عبدالرزاق، عن ابن جريج، عن ابن شهاب، أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله أكبر يقومون إلى الصلوة، فلا يأتي النبي ﷺ مقامه حتى تعدل الصفوف. (فتح الباري، باب متى يقوم الناس إذا رؤا الإمام عند الإقامة، دارالفكر بيروت ٢/ ١٤١، اشرفيه ديو بند ٢/ ١٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۱۴ھ

اقامت میں حیعلتین پر دائیں بائیں جانب منہ پھیرنا

سوال [۱۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا اذان کی طرح تکبیر میں بھی یعنی اقامت میں "**حي على الصلوة**" اور "**حي على الفلاح**" پر دائیں بائیں جانب منہ پھیرنا سنت ہے یا صرف اذان میں؟

(۲) اقامت کہنے والوں کو امام کے داہنے جانب کھڑا ہونا افضل ہے یا جہاں دل چاہے کھڑے ہوکر اقامت کہے کوئی فرق نہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق لائن نمبر ا، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جی ہاں اقامت میں بھی "**حي على الصلوة**" اور "**حي على الفلاح**" پر دائیں بائیں منہ پھیرنا مشروع ہے۔

ويلتفت فيه، وكذا فيها: أي في الإقامة سواء كان المحل متسعا أو لا. (شامي، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم، كراچی ١/ ٣٨٧، زكريا ديوبند ٢/ ٥٣)

كان المحل متسعا أو لا بدليل ما بعد. (طحطاوي على الدر، باب الأذان، كوئٹه ١/ ١٨٥)

ویحول وجهه یمینا عند حي الصلوة، وشمالا عند حي علی الفلاح في الأذان والإقامة؛ لأنه یخاطب بهما الناس، فیواجههم، وهو المتوارث.

(غنية المستملی شرح کبیري، کتاب الصلوة، سنن الصلوة، اشرفیه دیوبند/ ۳۷۴)

تکبیر کے لئے کوئی جہت متعین نہیں، پوری مسجد میں کہیں بھی کہی جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی، قدیم ۳/ ۹، جدید زکریا ۳/ ۴۸، زکریا مطول ۳/ ۵۲۴)

ویقیم علی الأرض هکذا في القنیة، وفي المسجد. (هندیة، باب الأذان، الفصل الثاني في کلمات الأذان، زکریا قدیم ۱/ ۵٦، جدید ۱/ ۱۱٤)

ویسن الأذان في موضع عال، والإقامة علی الأرض. (شامي، کتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲/ ٤٨، کراچی ۱/ ۳٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۷۸/)

تکبیر کے شروع ہی میں کھڑے ہوجانا

سوال [۱۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں تکبیر کے وقت کھڑے ہونے کے بارے میں کسی حدیث شریف میں ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں تکبیر کے ساتھ کھڑے ہونے کے بارے میں مسلم شریف میں کئی حدیثیں موجود ہیں، دو حدیثیں ہم نقل کردیتے ہیں:

(۱) عن أبي هریرة – رضي الله عنه– أن الصلوة کانت تقام لرسول الله صلی الله علیه وسلم، فیأخذ الناس مصافهم قبل أن یقوم النبي صلی الله علیه وسلم مقامه. (مسلم شریف،

الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

(۲) **عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم.** (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲ھ

تکبیر کہتے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟

سوال [۱۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد کے امام کا کہنا ہے کہ جو لوگ تکبیر میں نماز کے واسطے ”اللہ اکبر“ پر کھڑے ہوتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، نماز ان کے منہ پر ماردی جاتی ہے، امام کا کہنا ہے ”**حي على الصلوة**“ پر کھڑے ہونا چاہئے، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقادر قریشی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس وقت مؤذن تکبیر کہے اس وقت تمام لوگوں کو کھڑے ہوجانا چاہئے، تاکہ صفوں کی درستگی کا واجب ادا کیا جاسکے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام کا ابتداء اقامت سے کھڑا ہونا منقول ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

اورسعید بن المسیب رضی اللہ عنہما سے تو یہ منقول ہے کہ جب مؤذن ''اللہ اکبر'' کہے تو کھڑا ہوجانا واجب ہے۔

عن سعيد بن المسيب قال: إذا قال المؤذن: الله أكبر، وجب القيام، وإذا قال: حي على الصلوة عدلت الصفوف، وإذا قال: لا إله إلا الله كبر الإمام. (فتح الباري، باب متى يقوم الناس إذا رؤا الإمام عند الإقامة، دارالفكر بيروت ٢/ ١٤١، اشرفيه ديوبند ٢/ ١٥٣، رقم: ٦٣٧، بذل المجهود، باب في الصلوة تقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودا، مطبوعه سهارن پور، قديم ١/ ٣٠٧، دارالبشائر الإسلامة ٤/ ١١٦)

اورکتب حنفیہ میں ''**حي على الصلوة**'' پر کھڑے ہونے کا جو استحبابی حکم مذکور ہے اس کے بارے میں علامہ طحطاویؒ نے صراحت کی ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ ''**حي على الصلوة**'' سے تاخیر نہ ہو پہلے کھڑے ہونے سے ممانعت نہیں ہے۔(مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۱۸۹)

قال الطحطاوي تحته قوله: والقيام لإمام ومؤتم، والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم، حتى لو قال أول الإقامة لا بأس. (طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، كوئٹه ١/ ٢١٥)

امام کا ایک استحبابی حکم کے متعلق یہ کہنا کہ جو شخص اس پر عمل پیرا نہیں ہوگا اور اول اقامت سے کھڑا ہوجائے گا اس کی نماز نہیں ہوگی، یہ بات امام صاحب کی جہالت پر مبنی ہے۔اور امر مستحب کے تارک پر نکیر کرنا اور اسے واجب اور فرض کے درجہ میں رکھنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ جب امر مستحب کو واجب اور ضروری سمجھا جانے لگے تو امر مستحب مکروہ میں بدل جاتا ہے۔

إن المندوب ربما انقلب مكروها إذا خيف على الناس أن يرفعوه عن رتبته. (إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الانتقال والانصراف عن اليمين والشمال تحت، دارالفكر ٢/ ٥٨٦، رقم: ٨٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱/ ۳۵۴۱)

شروع تکبیر میں کھڑا ہونا مسنون ہے

سوال [۱۸۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز باجماعت پڑھنے کے لئے امام ومقتدی دونوں کو شروع تکبیر پر کھڑا ہونا چاہئے یا "**حي على الصلوة**" پر کھڑا ہونا چاہئے؟ وضاحت فرمائیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، احناف اور علماء کرام کا کیا طریقہ ہے؟ (۲) اگر "**حي على الصلوة**" پر کھڑا ہونا صحیح ہے، تو پھر علمائے دیوبند اس پر کیوں عمل نہیں کرتے؟

المستفتی: آفاق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: "**حي على الصلوة**" پر امام کا کھڑا ہونا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ سے؛ بلکہ صحابہ کا معمول یہ تھا کہ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ شریفہ سے باہر نکلتے صحابہ کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرتے تھے؛ لہٰذا تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرنا ہی سنت کے موافق ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يقوم النبي ﷺ حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ

(مسلم شريف، كتاب الصلاة ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أقيمت الصلوة، وصف الناس مصافهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ السنخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار، رقم: ٦٠٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵/۶۹۸۳)

اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں؟

سوال [۱۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت کے شروع ہوتے ہی امام اور سب مقتدیوں کو بیک وقت کھڑا ہونا سنت ہے یا بدعت؟ اگر بدعت ہے تو مسنون طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہی مسنون طریقہ ہے کہ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہوجائیں، تاکہ تکبیر اولیٰ سے قبل صفوف کی درستگی ہوجائے۔ اور صفوف کی درستگی واجب ہے۔

یجب أن یقوموا قبل الإقامة، أو في وسطها، فإن تسوية الصفوف واجبة من إقامة الصلوة وتمامها. (معارف السنن، الصلوة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة، مكتبه أشرفيه ۲/ ۲۱۲)

حدیث میں آیا ہے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أقيمت الصلوة، وصف الناس مصافهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۳/۲۳)

امام "قد قامت الصلوۃ" پر تکبیر کہے گا تو مقتدی صف سیدھی کر کے امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کیسے باندھے؟

سوال [۱۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتب فقہ میں لکھا ہے کہ امام "قدقامت الصلوۃ" پر تکبیر تحریمہ کہے، تو اس صورت میں مقتدی صف درست کب کریں گے؟ دوسری بات یہ ہے کہ جب امام "قدقامت الصلوۃ" پر نماز شروع کردے تو مقتدی تکبیر پوری ہونے کا انتظار کریں گے یا امام کے ساتھ نیت باندھ لیں گے؟ ایسی صورت میں صف سیدھی کرنا پوری تکبیر کا سننا اور امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ باندھنا ان سب پر کیسے عمل ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقہاء نے جو لکھا ہے کہ امام "قدقامت الصلوۃ" پر نماز شروع کردے یہ نہ واجب ہے نہ سنت؛ بلکہ یہ بیان جواز کے لئے ہے۔ اور جس روایت سے "قدقامت الصلوۃ" پر نماز شروع کرنے کا ثبوت ہے، وہ بہت کمزور ہے، جب کہ صحیح احادیث سے تکبیر مکمل ہونے کے بعد نماز شروع کرنا ثابت ہے؛ اس لئے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اصح اعدل اور افضل یہ ہے کہ تکبیر مکمل ہونے پر امام نماز شروع کرے، تاکہ تکبیر کہنے والا امام کے ساتھ نماز شروع کرسکے، تو جس طرح تکبیر کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے فقہاء نے "قدقامت الصلوۃ" پر نماز شروع کرنے کو ترک کردیا، اسی طرح تسویۂ صفوف کی اہمیت کے پیش نظر جو واجب ہے "حي علی الصلوۃ" سے پہلے کھڑے ہونے کو راجح کہا جائے گا، اس طرح عمل کرنے سے صف سیدھی کرنا امام کے

ساتھ تکبیر تحریمہ کا باندھنا اور مکمل تکبیر کا سننا سب پر عمل ہو جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/۱۸۴)

ولها آداب تركه لا يوجب إساءة، ولا عتابا، كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل ...... والقيام لإمام ومؤتم حين قيل: حي على الفلاح ...... شروع الإمام في الصلوة مذ قيل: قد قامت الصلوة، ولو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعا، وهو أعدل المذاهب، وفي القهستاني معزيا للخلاصة: أنه الأصح. وتحته في الشامية: لأن فيه محافظة على فضيلة المؤذن، وإعانة له على الشروع مع الإمام. (شامي، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب في آداب الصلوة، زكريا ۲/ ۱۷۵-۱۷۸، كراچی ۴۷۷ - ۴۷۹)

ومن الأدب شروع الإمام إلى إحرامه مذقيل أي عند قول المقيم: قد قامت الصلوة عندهما، وقال أبويوسف: يشرع إذا فرغ من الإقامة، فلو أخر حتى يفرغ من الإقامة لا بأس به في قولهم جميعا. (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، قبيل فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلوة، مطبوعه ديوبند، ص: ۱۰۳، مع حاشية الطحطاوي، دارالكتاب ديوبند ۲۷۸)

قال جمهور العلماء من السلف والخلف: لا يكبر الإمام حتى يفرغ المؤذن من الإقامة. (نووي، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ ۱/ ۲۲۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ار صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ......)

اوقات نماز میں سونے والے کو جگانا

سوال [۱۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص نماز کے اوقات میں سوتا رہے اور اسے جگایا جائے تو وہ ناراض ہوجائے اور بولنا چھوڑ دے، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبداللہ خان، ملاوان، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اوقات میں اگر کوئی بے خبری کی نیند میں ہو تو اس کو جگانا گناہ نہیں ہے؛ بلکہ کارِ ثواب ہے۔ اور سونے والے کو ناراض نہ ہونا چاہئے اور وقت پر پابندی سے نماز باجماعت پڑھنا ہر مومن پر لازم ہے؛ لہٰذا جماعت تک سونے والے کو ضرور جگانا چاہئے، جگانے والے کو ثواب ملے گا۔ اور سونے والا اگر ناراض ہوجائے تو وہی گنہگار ہوگا۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ کَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا. [النساء: ۱۰۳)

عن أنس بن مالک، أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یمر بباب فاطمة ستة أشهر، إذا خرج لصلوة الفجر یقول: الصلوة یا أهل البیت! إنما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهرکم تطهیرا. (سنن الترمذي، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، النسخة الهندیة ۲/ ۱۵۶، دارالسلام، رقم: ۳۲۰۶، المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الفضائل، باب ما ذکر في فضل فاطمةؓ، مؤسسة علوم القرآن ۱۷/ ۲۱۴، رقم: ۳۲۹۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳؍ رمضان ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۵۰)

اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا

سوال [۱۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے موضع میں ایک محترم جن کی عمر تقریبا ۶۰/سال کے اوپر ہوچکی ہے اور بینائی ۱۹۸۳ء میں اللہ تعالیٰ نے قبول کرلی؛ لیکن اس سے پہلے اور اب بھی دعوت الی اللہ کی خدمت کو انجام دیتا رہا، اب بینائی نہ ہونے کی وجہ سے کسی کسی دن فجر کی اذان کے بعد کچھ دین کی باتیں نماز کے فضائل پر بول دیتا ہے اور مائک پر اذان کی خدمت بھی انجام دیتا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ اس حال میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پانچوں وقت مسجد میں حاضری کی توفیق دے رہا ہے، تو کیا بعدہ اذان کے اپنے بھائیوں کو بیدار کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: خلیل احمد شوق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بیدار کرنا، اسی طرح فجر کے علاوہ دیگر تمام نمازوں میں اذان کے بعد لوگوں کو نماز کی دعوت دینا درست ہے؛ لیکن اذان کے بعد اسی مائک پر یہ کام نہ کریں؛ بلکہ اذان کے بعد نرمی سے خوشامد کرکے لوگوں کو لائیں، تو اس کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ اذان شرعی سے اعلان شرعی ہوچکا ہے، اب صرف دعوت کے طور پر ہر گھر جاکر خوشامد کرکے لانے کی گنجائش ہے، اسی مائک پر اعلان کرنے کی گنجائش نہیں۔

عن أنس بن مالک، أن رسول اللہ ﷺ کان یمر ببیت فاطمۃ إذا خرج لصلوۃ الفجر یقول: یا أھل البیت! الصلوۃ، إنما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت ویطھرکم تطھیرا. (مسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴/ ۲۱، رقم: ۷۴۱۹، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۲۵۹، رقم: ۱۳۷۶۴)

ویثوب بین الأذان والإقامۃ في الکل للکل بما تعارفوہ. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، کراچی ۱/ ۳۸۹، زکریا ۲/ ۵۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۹۳)

اذان کے بعد بے نمازیوں کو بلا بلا کر مسجد لے جانا

سوال [۱۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید صبح کو اذان کے بعد محلّہ میں آواز دے کر لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے ہیں اور نوجوانوں کو بھیج بھیج کر لوگوں کو بلاتے ہیں، تو مسجد میں ۳۰-۴۰ تک نمازی ہوجاتے ہیں، نہ آواز دیں اور نہ بلائیں تو ۲، ۳، ۴؍نمازی ہی صرف رہتے ہیں، ایسی صورت میں زید کا یہ عمل عنداللہ مثاب وعندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض اہل خانہ کو اپنے بچوں اور بیماری کی وجہ سے شکایت بھی ہوجاتی ہے اور اکثر اہل محلّہ درخواست کرتے ہیں کہ صوفی جی (زید صاحب) اٹھادیا کرو، تاکہ ہمیں بھی نماز کی توفیق ہوجائے اور اس کوشش کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ بہت سے ایسے بے نمازی جو صرف عید بقرعید کی نماز پڑھتے تھے، انہوں نے بھی نماز پڑھنی شروع کردی ہے، پوری صورت حال آپ کے سامنے ہے، صحیح رہنمائی فرمائیں کہ زید اور اس کے پرجوش نوجوان ساتھیوں کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد سعود صاحب، لال باغ حسن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے بعد نماز نہ پڑھنے والے لوگوں کو ان کے یہاں جاجا کر نماز پڑھنے کے لئے بلانا اور فجر کی جماعت سے پہلے خواب غفلت میں مبتلا رہنے والے لوگوں کو نماز کے لئے بلا بلا کر مسجد میں لانا بہت بڑا خیر اور کار ثواب ہے، زید کا یہ عمل حدیث کے مطابق ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی اذان کے بعد نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے وقت لوگوں کو نماز کے لئے آواز دیا کرتے تھے، اس میں یہ خیال رکھا

جائے کہ کسی سے اختلاف اورلوٹ پھیر نہ ہو، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالک، أن رسول الله ﷺ كان يمر بباب فاطمة ستة أشهر، إذا خرج لصلوة الفجر يقول: الصلوة يا أهل البيت! إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا. (سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۶، دارالسلام، رقم: ۳۲۰۶، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۴/ ۲۱، رقم: ۷۴۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۹۲)	۱۴۲۴/۶/۱۵ھ

نماز فجر سے قبل لوگوں کو ’’اٹھو نماز پڑھو‘‘ کی صدا لگا کر بیدار کرنا

سوال [۱۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص فجر کی اذان کے بعد نماز سے کچھ وقفہ پہلے محلّہ کی گلیوں میں جاجا کر یہ آواز دے رہا ہے کہ: ’’اللہ کے بندو! اٹھو، نماز پڑھو‘‘ کیا اس شخص کا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر اس بارے میں کوئی صراحت ہو تو برائے کرم مرحمت فرما شکریہ کا موقع عنایت فرمادیں۔

المستفتی: ندیم شہباز پوری، امروہہ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی اذان کے بعد گلی کوچوں میں اس طرح اعلان کرتے جانا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے، نماز کھڑی ہونے والی ہے، نماز کو چلو، اسی طرح گھر گھر جا کر گھروں کے دروازے پر ان باتوں کا اعلان کرنا، تاکہ جو لوگ اذان کے بعد بھی خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہوں، ان میں احساس پیدا ہو اور مسجد میں آکر نماز ادا کریں، تو یہ بلا تردد جائز اور درست ہے۔ اور اس طرح ترغیبی اعلان کرتے جانا حدیث سے بھی ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة لستة أشهر إذا خرج لصلاة الفجر يقول: الصلاة يا أهل البيت، إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا. (ترمذي، أبواب المناقب ۲/ ۱۵٦، دارالسلام، رقم: ۳۲۰٦)

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه قال: خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم لصلاة الصبح، فكان لا يمر برجل إلا ناداه بالصلاة، أو حركه برجله.

(أبوداؤد، الصلاة، باب الاضطجاع بعدها، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۹، دارالسلام، رقم: ۱۲٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ / صفر المظفر ۱۴۳٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸٦۷)

نمازِ فجر کے بعد لوگوں کے گھر گھر جا کر ان کو جگانا

سوال [۱۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں فجر کی نماز میں صرف چار یا چھ آدمی نماز میں شریک ہوتے تھے، بہت فکر تھی، چند نوجوانوں نے یہ مشورہ کیا کہ صبح کو نمازِ فجر سے قبل ہر گھر جا کر دستک دے کر لوگوں کو اٹھایا جائے اور انہوں نے یہ عمل شروع کر دیا الحمدللہ ان کے اس عمل سے جہاں مسجد میں صرف ۴-٦ نمازی ہوتے تھے، وہاں اب ۵۰-٦۰ نمازی ہونے لگے، یہ عمل اذان کے بعد ہوتا ہے؛ کیوں کہ آدھا پون گھنٹہ قبل جماعت سے اذان ہوتی ہے؛ لہٰذا اس وقفہ میں لوگوں کو اٹھانے کا عمل ہوجاتا ہے اور لوگ نماز میں شریک ہوجاتے ہیں، نوجوانوں کا یہ عمل شرع کی نظر میں غلط تو نہیں ہے، جب کہ اس عمل سے نماز میں شریک ہونے والے اشخاص بہت خوش اور احسان مند ہیں نوجوانوں کے۔

المستفتی: عبیدالرحمٰن تمباکو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خواب غفلت اور سستی کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہونے والوں کو اذان کے بعد گھر گھر جا کر جگانا اور نماز اور جماعت کی دعوت دینا بلا کراہت جائز اور باعث اجر وثواب ہے، یہ اذان بعد الاذان کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۲۹۱، جدید زکریا ۵/ ۱۲۰)

عن أنس بن مالک، أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یمر ببیت فاطمة ستة أشهر، إذا خرج لصلوة الفجر یقول: الصلوة یا أهل البیت! إنما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهرکم تطهیرا.

(مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۲۵۹، رقم: ۱۳۷۶۴، ۱۴۰۸۶، المعجم الکبیر للطبراني، داراحیاء التراث العربي بیروت ۳/ ۵۶، رقم: ۲۶۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲۲ھ

فجر کی اذان کے بعد محلے والوں کو نام لے کر جگانا

سوال [۱۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی اذان کے بعد نام لے کر آواز لگانا کہ ''اٹھ جاؤ'' کیسا ہے؟ اور بعض مرتبہ آواز لگانے والے کا انتظار کرتے ہیں کہ ابھی آواز لگانے والا نہیں آیا، یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی اذان کے بعد محلّہ میں بطور خاص کسی شخص کا نام لے کر جگانا اور آواز لگانا صحیح ہے۔

عن أنس عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنه کان یمر علی باب فاطمة ستة أشهر قبل صلوة الصبح، فیقول: الصلوة یا أهل البیت! إنما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم

الرجس أهل البيت. (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٣٩، رقم: ٢١٧١، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الفضائل، باب ما ذكر في فضل فاطمة، مؤسسة علوم القرآن ١٧/ ٢١٤، رقم: ٣٢٩٣٨)

لیکن آواز لگانے والے کے انتظار میں گھر بیٹھے رہنا بالکل غلط ہے؛ بلکہ اذان کے فوراً بعد نماز کی تیاری شروع کردینی چاہئے۔

ومعناه العود إلى الإعلام، وهو على حسب ما تعارفوه، وهذا تثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابة لتغير أحوال الناس، وخصوا الفجر به لما ذكرناه. (هداية، كتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفي ديوبند ١/ ٨٩، فتح القدير، باب الأذان، كوئٹه ١/ ٢١٤، زكريا ١/ ٢٤٩، دارالفكر ١/ ٢٤٥، شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ٢/ ٥٥، كراچی ١/ ٣٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۴۵)

اذان فجر کے بعد محلّہ میں نماز پڑھنے کا اعلان کرنا

سوال [۱۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان فجر کے بعد مسجد سے ملحق محلّہ میں نماز کے لئے گھوم پھر کر کوئی شخص نماز پڑھنے کا اعلان کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالوحید مؤذن مسجد بنجاران، قصبہ ساہن پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی اذان کے بعد بھی اگر لوگ خواب غفلت میں سوتے رہیں اور مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنے میں لاپرواہی کریں تو ایسی صورت میں اذان فجر کے بعد کوئی شخص محض رضائے الٰہی کے لئے مسلمانوں کے گھر گھر جاکر

لوگوں کو جماعت کا وقت بتا کر اٹھائے اور مسجد میں لائے بشرطیکہ غیر مسلموں کو خلل نہ ہو تو جائز اور باعث ثواب ہے۔

عن أنس بن مالک، أن رسول الله ﷺ کان یمر بباب فاطمة ستة أشهر، إذا خرج لصلوة الفجر یقول: الصلوة یا أهل البیت! إنما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهرکم تطهیرا. (سنن الترمذي، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، النسخة الهندیة، ۲/ ۱۵٦، دارالسلام، رقم: ۳۲۰٦، السمتدرك، کتاب معرفة الصحابة، مکتبه نزار مصطفی الباز ۴/ ۱۷۸۳، رقم: ۴۷۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۴۰)

اذان کے بعد اقامت سے پہلے ''صلاۃ وسلام'' پڑھنا

سوال [۱۸۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان کے بعد صلوۃ پڑھی جاتی ہے اور نماز سے قبل اب تک پڑھی جاتی رہی ہے اور اب بھی پڑھی جاتی ہے، کچھ لوگ اس پر اعتراض واختلاف کرتے ہیں کہ صلوۃ نہ پڑھیں، اگر صلوۃ پڑھنے میں نماز میں کوئی قباحت ہے تو کیوں ہے؟ اور اگر نماز میں کوئی قباحت نہ ہو تو پھر منع کیوں کر رہے ہیں؟ اس کا مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حافظ محمد نبی صاحب ومحمد عثمان محلّہ ڈیریا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے بعد اقامت سے قبل صلوۃ وسلام پڑھنے کا جو

طریقہ مروج ہوتا جارہا ہے، وہ زمانہ نبوت اور خلفائے راشدین اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں نہیں تھا بعد کے لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے؛ اس لئے اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ اور علماء نے اس کو مکروہ اور بدعت لکھا ہے، نیز نماز بغیر اذان کے بھی صحیح ہوجاتی ہے؛ اس لئے نماز صحیح ہونے اور نہ ہونے کا سوال بیجا ہے۔

إذا أذن المؤذن فاستبطأ القوم، قال بين الأذان والإقامة قد قامت الصلوة، حي على الفلاح، وهذا الذي قال اسحاق: هو التثويب الذي كره أهل العلم. (ترمذي، أبواب الصلوة، باب ماجاء في التثويب في الفجر، النسخة الهندية ١/ ٤٩)

نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ ۷۹۱ھ کے بعد بعض بادشاہوں نے اس کو ایجاد کیا ہے۔

أول ما زيدت الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد الأذان على المنارة في زمن حاجي بن الأشرف شعبان بن حسين بن محمد بن قلاوون بأمر المحتسب نجم الدين الطنيدي، وذلک في شعبان سنة إحدى وتسعين وسبع مائة، وأنها بدعة حسنة. (طحطاوي على المراقي، باب الأذان، قديم ١٠٤، جديد، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٩٣)

هكذا في الشامية: كان في أيام السلطان الناصر صلاح الدين بأمره. (شامي، باب الأذان، كراچی ١/ ٣٩٠، زكريا ٢/ ٥٧)

فما يفعله المؤذنون عقب الأذان من الإعلان بالصلوة والسلام، مرارا أصله سنة، والكيفية بدعة. (مرقاة المفاتيح، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، ملتان ٢/ ١٦١، رقم: ٦٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۸)

نماز سے قبل ''صلوۃ'' پڑھنا

سوال [۱۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز سے قبل ''صلوۃ'' کا دستور کیوں بنایا گیا، بریلی والوں کا فتویٰ اس کے لئے جائز اور مستحسن پر مبنی ہے۔

المستفتی: شہاب الدین سرائے ترین، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آج کل لوگوں کو دوبارہ نماز کی طرف بلایا جاتا ہے، جس کو تثویب میں داخل کرتے ہیں، یہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی اور نہ آپ ﷺ نے اس کی تعلیم دی اور صحابہ اور ائمہ مجتہدین نے اس کو بدعت کہا ہے، لوگوں میں دینی امور سے غفلت اور کوتاہی کی بنا پر بعد کے بعض فقہاء نے ایسے الفاظ سے تثویب کی اجازت دی جس سے اہل شہر جان جائیں اور اس تثویب سے اذان کی اہمیت نہ گھٹتی ہو؛ لیکن موجودہ زمانہ میں یہ تثویب بدعت سئیہ ہے، اس کا ترک لازم ہے۔ (فتاوی دار العلوم زکریا ۲/ ۹۰)

فما يفعله المؤذنون عقب الأذان من الإعلان بالصلوة والسلام، مرارا أصله سنة، والكيفية بدعة. (مرقاة المفاتيح، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، قديم ١/ ٤٢٣، ملتان ٢/ ١٦١، رقم: ٦٥٧)

وهو أي التثويب على حسب ماتعارفوا أهل كل بلدة من التنحيج، أو قوله: الصلوة الصلوة، أو قوله: قامت قامت؛ لأنه للمبالغة في الإعلام، إنما يحصل ذلك بما تعارفوه. (عناية مع فتح القدير، باب الأذان، كوئٹه ١/ ٢١٤، زكريا ١/ ٢٥٠، دار الفكر ١/ ٢٤٥، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في كيفية الأذان، كراچی ١/ ١٤٩، بيروت ١/ ٦٤١، زكريا ١/ ٣٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۹۰)

اذان کے بعد ''صلوۃ'' پڑھنا

سوال [۱۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان کے بعد جب جماعت کھڑی ہونے لگتی ہے تو ایک صاحب مسجد میں کھڑے ہوکر ''صلوۃ'' (تثویب) پڑھتے ہیں (پھر جماعت کے لئے تکبیر ہوتی ہے) یہ عمل مدینہ منورہ (جہاں سے دین پھیلا ہے) وہاں نہیں ہوتا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واولیاء کرام سے یہ ''صلوۃ'' نماز سے قبل پڑھنا ثابت ملتا ہے، برائے کرم واضح فرمائیں کہ کیا ''صلوۃ'' (تثویب) سنت رسول ہے یا صحابہ کا عمل ہے یا کہیں سے ثابت ہے، اگر ثابت نہیں تو یہ عمل کرنے والوں پر عذاب بدعت نہ ہوگا؟

المستفتی: سید اظہر علی رضوی علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح تثویب شریعت سے ثابت نہیں؛ اس لئے ترک لازم ہے۔

فما يفعله المؤذنون عقب الأذان من الإعلان بالصلوة والسلام، مرارا أصله سنة، والكيفية بدعة. (مرقاة المفاتيح، باب فضل الأذان و إجابة المؤذن، ملتان ۲/ ۱٦۱، رقم: ٦۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۴۰)

اذان کے بعد پابندی سے ''صلوۃ وسلام'' پڑھنا

سوال [۱۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) آج کل مساجد میں بعد اذان تثویب (جسے صلوۃ کہتے ہیں) اس کا شرعاً کیا حکم ہے، اس پر دوام اور تشدد کرنا اور اس کو شعار صلوۃ جان کر معرکہ آرائی کرنا، فقہ ائمہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور درود وسلام بعد نماز فجر وبعد نماز جمعہ بالجہر اجتماعی طور پر پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: حاجی محمد شاکر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) واضح رہے کہ آج کل جو تثویب "**الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ**" وغیرہ الفاظ اذان کے بعد کہے جاتے ہیں، وہ قرآن وحدیث، فقہ اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے ثابت نہیں ہیں؛ لہٰذا اس پر اصرار کرنا اور ایسا نہ کرنے والے پر ملامت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے؛ البتہ فقہاء وقضاۃ وغیرہ کو بے خیالی کی حالت میں کبھی کبھی لفظ "**الصلوۃ الصلوۃ**" کے ذریعہ سے یاددہانی کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کو شعار صلوۃ جاننا یا تشدد کرنا اور اس کا التزام درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ کلاں، قدیم ۳۰۴، جدید زکریا ۲۸۷، فتاوی دار العلوم دیوبند ۲/ ۹۰، فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۲۹۰، جدید زکریا ۵/ ۱۲۰)

فما يفعله المؤذنون عقب الأذان من الإعلان بالصلوة والسلام، مرارا أصله سنة، والكيفية بدعة. (مرقاة المفاتيح، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، ملتان ۲/ ۱۶۱، رقم: ۶۵۷)

أول ما زيدت الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد الأذان على المنارة في زمن حاجي بن الأشرف ...... أنها بدعة حسنة. (حاشية طحطاوي على المراقي الفلاح، باب الأذان، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۹۳، شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، كراچی ۱/ ۳۹۰، زكريا ۲/ ۵۷، الموسوعة الفقهية ۲/ ۳۶۲، ۳۶۳)

(۲) درود شریف دعا ہے، جس میں اخفاء افضل ہے، درود شریف کا اجتماعی طور پر پڑھنا شرعاً ثابت نہیں ہے، بے اصل اور بدعت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۱۵۵، جدید ڈابھیل ۳/ ۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۶۴)

۴/ باب شروط الصلوة

حامل نجاست کی نماز

سوال [۱۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حامل نجاست کے لئے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس میں کتنا وزن اور کتنا پھیلاؤ معاف ہے، مثلاً کسی کی دستی ناپاک ہے، اس کو پہننا نہیں ہے، اس کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز درست ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حامل نجاست کے لئے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور نجاست وزن میں ایک مثقال یعنی ۴/ گرام ۳۷۴ ملی گرام سے کم اور پھیلاؤ میں ایک روپیہ کی چوڑائی سے کم معاف ہے۔ اور جس شخص کی جیب میں ناپاک دستی ہو جس پر ایک درہم سے زائد نجاست لگی ہو اس دستی کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز درست نہ ہوگی۔

وإن كان في ثوب المصلي نجاسة، أكثر من قدر الدرهم لم تجز الصلوة. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلوة، باب الجنائز إمداديه ملتان ١/ ١٣٠، جديد دارالكتاب ديوبند ١/ ١٢٩)

إذا كانت النجاسة في طرف ثوب هو لابسه أو حامله، فألقى ذلك الطرف على الأرض، فصلى، فإنه إن تحرك بحركته لا يجوز. (حلبي كبير، فروع شيء من تعلق النجاسة، أشرفيه ديو بند، ص: ٢٠٨)

لو كان فوق المصلى ثوب معلق طرفه نجس، فمتى قام يقع الطرف النجس على رأسه، فسدت صلوته. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الرابع عشر، زكريا ٢/ ٣٥٢، رقم: ٢٦٣٧)

ولو صلى ومعه جلد حية أكثر من قدر الدرهم لا تجوز صلاته.
(خانية، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة التي تصب الثوب أو الخف، زكريا، جديد ١/ ١٦، وعلى هامش الهندية ١/ ٢١، شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، كراچی ١/ ٣١٦، زكريا ١/ ٥٢٠) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۸)

جیب میں گلا سڑا اور بدبودار انڈا ہونے کی حالت میں نماز

سوال [۱۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایسا انڈا جیب میں لے کر نماز پڑھی جو انڈا اندر سے گل، سڑ کر خراب اور بدبودار ہو گیا ہے، تو ایسی صورت میں اس انڈے کو جیب میں لے کر جو نماز پڑھی گئی ہے، تو وہ نماز درست ہو گئی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو انڈا اندر سے سڑ، گل کر ناپاک ہو گیا ہے، اس انڈے کو جیب میں لے کر جو نماز پڑھی گئی ہے، وہ صحیح اور درست ہو گئی ہے، اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ نجاست جب تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گی اور اپنی اصلی جگہ برقرار رہے گی، اس وقت تک اس نجاست کا اثر کسی دوسری چیز پر نہیں پڑتا اور نجاست کے ظرف اور محل کے اوپر ناپاک اور نجاست کا حکم نہیں لگتا ہے؛ لہٰذا جو انڈا اندر سے سڑ، گل کر ناپاک ہو گیا ہے، وہ چونکہ اپنے محل اور مکان سے الگ نہیں ہوا ہے؛ اس لئے اس انڈے کو جیب میں لے کر جو نماز پڑھی گئی ہے وہ نماز بلا شبہ جائز اور درست ہو گئی ہے۔

ولو صلى وفي كمه بيضة مذرة حال محها دما، جازت صلاته.

(الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الرابع عشر، الصلاة مع النجاسة، زكريا ٢/ ٣٥٤، رقم: ٢٦٤٥، ومثله في الهندية: الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثاني في طهارة ما يستربه العورة وغيره، زكريا ١/ ٦٢، جديد ١/ ١٢٠)

لو صلى حاملا بيضة مذرة صار مخها دما جاز؛ لأنه في معدنه، والشيء ما دام في معدنه لا يعطى له حكم النجاسة ...... كما في البحر.
(شامي، الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ٢/ ٧٤، كراچى ١/ ٤٠٣، ومثله في البحر، الصلاة، باب شروط الصلاة، كراچى ١/ ٢٦٧، زكريا ١/ ٤٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۹۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۲۲ھ

جیب میں نکسیر صاف کی گئی دستی ہونے کی حالت نماز

سوال [۱۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی نکسیر پھوٹی اس نے اپنی دستی سے ناک کا خون صاف کرلیا جس سے پوری درستی خون سے لال ہوچکی ہے، اس نے اس دستی کو جیب میں رکھ لیا اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھ لی، تو اب سوال یہ ہے کہ اس کی جیب میں ایسی دستی رکھی ہوئی ہے جس میں ۵؍درہم سے زائد خون لگا ہوا ہے، تو اس کے ساتھ شخص مذکور کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حبیب اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکسیر کا خون ناپاک اور نجس ہے، اگر دستی، رومال وغیرہ میں ایک درہم سے زائد نکسیر کا خون لگا ہوا ہے، تو اس کو جیب میں لے کر نماز پڑھنے سے نماز درست نہیں ہوگی؛ بلکہ فاسد ہوگئی ہے، اس نماز کا اعادہ لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم قدیم ۴/۴۲)

لو كانت النجاسة في طرف عمامته أو منديله المقصود ثوب هو لابسه، فألقى ذلك الطرف على الأرض وصلى، فإنه أن تحرك بحركته لا يجوز وإلا يجوز؛ لأنه بتلك الحركة ينسب بحمل النجاسة.
(البحرالرائق، الصلاة، باب شروط الصلاة، كراچی ۱/ ۲٦، زكريا ۱/ ٤٦٤)

وإذا صلى وهو لابس منديلا أو ملاءة واحد طرفيه نجس، والطرف الذي فيه النجاسة على الأرض، فإن كان النجس يتحرك بتحرك المصلي لم تجز صلاته، وإن كان لا يتحرك تجوز صلاته؛ لأن في الوجه الأول صار مستعملا للنجاسة، وفي الوجه الثاني لا. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني في لافرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/ ۱۷، كذا في الهندية، الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة وغيره، زكريا ۱/ ٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفرالمظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۹۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۲۲ھ

جیب میں بوتل میں پیشاب ہونے کی حالت میں نماز

سوال [۱۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو ڈاکٹر کو قارورہ دکھانا تھا (پیشاب ٹیسٹ کرانا تھا) تو صبح کا پیشاب بوتل میں محفوظ کرکے اس بوتل کو اچھی طرح پنی میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور ڈاکٹر کے پاس ڈیڑھ بجے کے بعد پہنچتا ہے، اس نے اس بوتل کو اپنے جیب میں لئے ہوئے ایک بجے ظہر کی نماز پڑھ لی، اس کے بعد ڈاکٹر کو جاکر قارورہ دکھادیا، تو اس شخص کی ظہر کی نماز درست ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بوتل اور شیشی میں ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے پیشاب محفوظ کرلیا گیا ہے، اس بوتل یا شیشی کو کسی بھی چیز میں لپیٹ کر جیب میں رکھ کر پڑھی گئی نماز صحیح نہیں ہوتی، فاسد ہوگئی ہے، اس نماز کا اعادہ لازم اور واجب ہے؛ اس لئے کہ حامل نجاست کی نماز درست نہیں ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ۵/ ۱۱۷)

لو صلی وفي کمه قارورة مضمومة فیها بول لم تجز صلاته؛ لأنه في غیر معدنه ومکانه. الخ (البحر الرائق، الصلاة، باب شروط الصلاة، کراچی ۱/ ۲۶۷، زکریا ۱/ ٤٦٤)

في النصاب: رجل صلی وفي کمه قارورة فیها بول لا تجوز الصلاة، سواء کانت ممتلئة أو لم تکن؛ لأن هذا لیس في مظانه ومعدنه وعلیه الفتوی، کذا في المضمرات. (هندیة، الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثاني في طهارة ما یستر به العورة وغیره، زکریا و کوئٹه ۱/ ٦۲، جدید ۱/ ۱۲۰، ومثله في الشامیة، الصلاة، باب شروط الصلاة، زکریا ۲/ ۷٤، کراچی ۱/ ٤۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۲۲ھ

نابالغ فجر کے وقت تری دیکھے تو عشاء فرض ہوگی یا نفل

سوال [۱۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ’’بہشتی زیور خورد، ص: ۳۲: ۷‘‘ اگر کوئی نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور بعد طلوع فجر کے بیدار ہوکر منی کا اثر دیکھے، جس سے معلوم ہوا کہ اس کو احتلام ہوگیا ہے، تو بقول راجح اس کو چاہئے کہ نماز کا اعادہ کرے اور قبل طلوع فجر بیدار ہوکر منی کا اثر دیکھے، تو بالاتفاق عشاء کی نماز قضا

کرے۔ وضاحت سے اس مسئلہ کو صاف فرمادیں تو آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

المستفتی: محمد یامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''بہشتی زیور'' کا مسئلہ صحیح ہے؛ اس لئے کہ نابالغ کی نماز نفل تھی اور جب وقت کے اندر بالغ ہوا تو عشاء کی نماز اب اس پر فرض ہوگئی؛ البتہ طلوع صبح صادق کے بعد بیدار ہوکر احتلام کا اثر دیکھنے میں یہ احتمال بھی ہے کہ شاید طلوع صبح صادق کے بعد احتلام ہوا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ طلوع صبح صادق سے قبل ہوا ہے؛ اس لئے احتیاط یہی ہے کہ طلوع فجر سے قبل ہی سمجھ کر نماز عشاء لوٹالے اور طلوع صبح صادق سے قبل بیدار ہونے میں وقت کے اندر احتلام ہونے میں تردد نہیں ہے؛ اس لئے بالاتفاق عشاء کا اعادہ واجب ہے۔

صبي احتلم بعد صلاة العشاء، واستيقظ بعد صلاة الفجر لزمه قضاؤها. وتحته في الشامية: لأنها نافلة، ولما احتلم في وقتها صارت فرضا عليه؛ لأن النوم لا يمنع الخطاب، فيلزمه قضاؤها في المختار، ولو استيقظ قبل الفجر لزم اعادتها إجماعا. الخ (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، قبيل باب سجود السهو، زكريا ۲/ ۵۳۸، كراچی ۲/ ۷٦، البحرالرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب سجود السهو، زكريا ۲/ ۱۵۹، كوئٹه ص: ۹، قاضيخان على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في الترتيب وقضاء المتروكات، زكريا ۱/ ۱۱٤، جديد ۱/ ۷۲، عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر: في قضاء الفوائت، زكريا ۱/ ۱۲۱، جديد ۱/ ۱۸۱)

صبي صلى العشاء، ثم بلغ قبل طلوع الفجر، يلزمه إعادتها. الخ

(كبيري، فصل في قضاء الفوائت، قديم ص: ٤۹۷، جديد أشرفيه ديوبند، ص: ٥۳٤، إمداد الفتاوى ۱/ ۵۵۱، بهشتی زيور ۱۱/ ۶۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۷۳)

نشہ کی حالت میں نماز کا حکم

سوال [۱۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے شراب پی تو اس وقت وہ شخص مسجد میں با جماعت نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کو عام آدمی کی طرح ہوش بھی ہے اور وہ آدمی باوضو بھی تھا، تو وہ شخص شراب پینے کے بعد نماز کے لئے دوبارہ وضو کرے گا یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص نماز نہیں پڑھ سکتا ہے تو کب تک نہیں پڑھ سکتا ہے؟ ان سوالوں کا جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد مستقیم محلہ ڈیریا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس کے منہ میں شراب کی بو نہیں ہے اور نہ ہی نشہ ہے، تو نماز با جماعت پڑھنا درست ہے، نیز شراب پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور اگر نشہ آچکا تھا تو وضو بھی باطل ہو چکا ہے اور اس حالت میں بلا وضو نماز ادا کرنا جائز نہیں ہوگا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلَاةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ. [النساء، الآية: ٤٣]

إن السكر يبطل الوضوء والصلوة، وهو محمول على أنه شرب المسكر، فقام إلى الصلوة قبل أن يصير إلى هذه الحالة، ثم صار في أثنائها إلى حالة لو مشى فيها يتحرك. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، کوئٹہ ١/ ٤٠، زکریا ١/ ٧٧)

وكذا السكر ينقض الوضوء أيضا في الأحوال كلها في الصلوة، وغيرها.

(الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، دارالكتاب ديوبند ١/ ١١، إمداديه ملتان ١/ ١٠)

الثانية: تغير العقل في الصلاة بالإغماء، أو الجنون، أو السكر. (شرح منظومة ابن وهبان الوقف المدني الخير ١/ ٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۸۶)

ناپاک کپڑے کے ساتھ بچہ نمازی عورت کی پیٹھ پر چڑھ گیا

سوال [۱۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت نماز پڑھ رہی تھی، چھوٹا بچہ ناپاک ہے، پیشاب یا پاخانہ کررکھا ہے، گود میں آکر بیٹھ گیا یا حالت سجدہ میں پیٹھ پر بیٹھ گیا اور اس بچہ کی نجاست کپڑے پر نہیں لگی، تو عورت کی نماز میں کوئی فرق واقع ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بچہ پیشاب یا پاخانہ کرنے کے بعد نماز پڑھنے والی عورت کی گود میں یا سجدہ کی حالت میں پیٹھ پر آکر بیٹھ جائے تو ایسی صورت میں عورت کی نماز درست ہوجائے گی اور اس کی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ اس لئے کہ اس میں حامل نجاست بچہ ہے نہ کہ عورت۔

امرأة صلت وهي حاملة صبي، وثوب الصبي نجس جازت صلاتها، وقد قدمنا أن هذا فيما إذا كان الصبي يستمسك بنفسه؛ لأنه حينئذ هو الحامل للنجاسة لا هي. (حلبي كبير، الشرط الثاني: الطهارة من الأنجاس، أشرفيه ديوبند، ص: ١٩٦)

جلوس صغير يستمسك في حجر المصلي، لا يبطل الصلوة، إذا لم تفصل منه نجاسة مانعة؛ لأن الشرط الطهارة. (مراقي الفلاح حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، وأركانها، دارالكتاب ديوبند ٢٠٨)

فلو جلس الصبي المتنجس الثوب والبدن في حجر المصلي، وهو يستمسك، أو الحمام المتنجس على رأسه جازت صلاته؛ لأنه هو الذي يستعمله فلم يكن حامل النجاسة. (حاشية چلپي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ملتان ١/ ٧٣، زكريا ١/ ٢٥٢، هندية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني فى طهارة، زكريا

قديم ١/ ٦٣، جديد ١/ ١٢٠، شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، زكريا ٢/ ٦٤، كراچی ١/ ٤٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۸)

نابینا شخص کا احتلام والے کپڑے میں نماز پڑھنا

سوال [۱۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک نابینا ہوں اور ایک مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے احتلام کی شکایت ہے، میں جب بھی سوتا ہوں مجھے احتلام ہو جاتا ہے، چاہے دن ہو یا رات ہو، میرے پاس کپڑے پاک نہیں ہیں، فجر کے وقت اس صورت میں اب نماز کس طرح ادا کروں؟ میرے پاس اتنے تو کپڑے نہیں ہیں جو بدل سکوں؛ کیوں کہ دن میں بھی احتلام کی شکایت ہو جاتی ہے، اب اس صورت میں کیا کریں؟

المستفتی: نور محمد، محلّہ بارہ دری، لہر پور، ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ نے سوال نامہ میں احتلام کی شکایت کا جو عذر ذکر کیا ہے، اس کی وجہ سے ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ نماز کی شرائط میں سے کپڑوں کا پاک ہونا ہے، اس کی ترکیب یہ ہے کہ آپ کم از کم دو کپڑے رکھیں، ایک نماز پڑھنے کے لئے ایک سونے کے لئے اور جب سونے سے بیدار ہو جائیں، تو اس کپڑے کو الگ کرلیں، اگر احتلام ہو جائے تو غسل کر کے دوسرا پاک کپڑا پہن لیں اور اگر احتلام نہ ہو تو اس کپڑے کو اتار کر پاک کپڑے میں نماز پڑھ لیا کریں، اسی طرح آپ کے لئے صرف دو کپڑے کفایت کر جائیں گے اور جب جب موقع ملے تو ناپاک کپڑا دھولیا کریں اور اگر موقع نہ ملے تو اسی کپڑے میں سو جایا کریں۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. [المدثر: ٤]

وأما طهارة ثوبه فلقوله تعالى: "وثيابك فطهر" فإن الأظهر أن المراد ثيابك الملبوسة. (البحر الرائق، باب شروط الصلوة، كوئٹه ١/ ٢٦٧، زكريا ١/ ٤٦٤، تاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، قديم ١/ ٤١٦، جديد زكريا ٢/ ٢٦، رقم: ١٥٦٩، عيني شرح هدايه، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، وتطهيرها، قديم ١/ ٤٣٤، أشرفيه ديوبند ١/ ٧٠١)

أما طهارة الثوب وطهارة البدن عن النجاسة الحقيقية، فلقوله تعالى: "وثيابك فطهر" وإذا وجب تطهير الثوب فتطهير البدن أولى. (بدائع الصنائع، الصلوة، فصل شرائط أركان الصلوة، بيروت ١/ ٥٣٦، كراچى ١/ ١١٤، زكريا ١/ ٣٠١، هدايه، كتاب الطهارة، باب الأنجاس و تطهيرها، أشرفي ديوبند ١/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۳۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

وقت نکل جانے کے خوف سے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا

سوال [۱۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نابینا شخص ہے، عصر کی نماز کا وقت ہوگیا ہے اور زید ناپاک ہے، غسل کی حاجت ہے، بغیر غسل کے نماز نہیں پڑھ سکتا اور نماز کا وقت بالکل ختم ہو رہا ہے یا غسل کے لئے پانی نہیں مل رہا ہے اور یہ گمان ہے کہ پانی تھوڑی دیر میں مل جائے گا، مگر خطرہ اس بات کا ہے کہ نماز کا وقت ختم ہوسکتا ہے، تو ایسی صورت میں تیمّم کر کے نماز پڑھے یا نماز کو قضا کر کے پڑھے؟

(۲) اگر کپڑے بھی ناپاک ہوں اور اس کے علاوہ دوسرے کپڑے بھی میسر نہ ہوں اور زید نابینا ہے، اگر کپڑے دھلتا ہے تو نماز کا وقت جاتا ہے، تو ایسی صورت میں نماز ناپاک کپڑوں میں پڑھے یا قضا کرے؟

المستفتی: زید لہر پور بارہ دری، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اولاً تیمّم کرکے نماز پڑھ لے اور بعد میں باقاعدہ پانی سے طہارت حاصل کرکے دوبارہ نماز کا اعادہ کرے، مگر صرف تیمّم کرکے نماز پڑھ لینا کافی نہیں۔

لا يتيمم وإن خاف خروج الوقت في صلوة لها خلف (إلى قوله) **وأن الأحوط أن يتيمم ويصلي، ثم يعيد.** (شامي، باب التيمم، زكريا ۱/ ۳۹۶، کراچی ۱/ ۲۳۲)

الحنفية قالوا: إن الصلوة بالنسبة لهذه الحالة ثلاثة أنواع:...... ونوع: يخشى فواته لبدل ...... وأما الجمعة فإنه لا يتيمم لها مع وجود الماء، بل يفوتها، ويصلي الظهر بدلها بالوضوء، وكذلك سائر الصلوات المكتوبة، فإن تيمم وصلاها وجبت عليها إعادتها. (الفقه على المذاهب الأربعة، الأسباب التي تجعل التيمم مشروعا، دار الفكر بيروت ۱/ ۵۶، هدايه، كتاب الطهارة، باب التيمم، أشرفي ديوبند ۱/ ۵۵)

(۲) ایسی صورت میں نماز ناپاک کپڑے میں جائز نہیں ہے اگرچہ وقت نکل جانے کا خطرہ کیوں نہ ہو؛ بلکہ کپڑا پاک کرنے کے بعد پاک کپڑے ہی میں نماز پڑھنا لازم ہے، اگر وقت نکل جائے تو قضا کرے۔

وكذا من معه ثوب نجس، وماء يلزمه غسل الثوب وإن خرج الوقت. (شامي، باب التيمم، زكريا ۱/ ۳۹۶، کراچی ۱/ ۲۳۳)

وكذا لو كان معه ثوب نجس، ومعه ماء يغسله ولكن لو غسله خرج الوقت لزم غسله وإن خرج الوقت. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، كوئٹه ۱/ ۱۴۰، زكريا ۱/ ۲۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ صفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۱ھ

گوبر کے فرش پر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں میں گوبر میں گارا ملا کر اس سے گھر کا فرش پوتا جاتا ہے، تو سوکھ جانے کے بعد اس فرش پر بچھائے بغیر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گوبر کے گارے سے پتائی ہوجانے کے بعد جب فرش سوکھ جائے اور اس میں سے بو نہ آرہی ہو تو کچھ بچھائے بغیر اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۲۶۸، فتاوی رحیمیہ ۴/ ۵۱)

إذا أراد أن يصلي على أرض عليها نجاسة، فكبسها بالتراب، ينظر إن كان التراب قليلا بحيث لو استشمه يجد رائحة النجاسة لا يجوز، وإن كان كثيرا لايجد الرائحة يجوز. (هندية، الباب الثاني في شروط الصلوة، الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة، زكريا قديم ۱/ ٦٢، جديد ۱/ ۱۱۹)

ولو فرشها بالتراب ولم يطين فوقها، فإنه إن كان التراب قليلا، أي رقيقا بحيث لو شمه يجد المصلي عليه رائحة النجاسة لاتجوز الصلوة عليه، وإلا أي وإن لم يكن قليلا، بل كان كثيرا حجمه كثيف بحيث لا يجد المصلي عليه رائحة النجاسة تجوز صلاته عليه. (حلبي كبير، الشرط الثاني في الطهارة من الأنجاس، أشرفيه ديو بند، ص: ۲۰۲)

وفي الخلاصة: إذا أراد أن يصلي على أرض عليها نجاسة، فكبسها بالتراب، ينظر: إن كان التراب قليلا بحيث لو استشمه يجد رائحة النجاسة لايجوز، وإن كثيرا لايجد الرائحة يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، زكريا ۱/ ۳۲/۲، برقم: ۱٦۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ......)

ناپاک جگہ پر چادر بچھا کر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سفر میں ایک جگہ اترا، عصر کا وقت نکلنے کا خطرہ تھا، تو اس نے ناپاک جگہ پر چادر بچھا کر نماز پڑھ لی؛ اس لئے کہ وہاں کوئی پاک جگہ نہیں تھی، تو ایسی صورت میں اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ نماز پڑھنے کے لئے کوئی پاک جگہ نہیں ہے؛ اس لئے اگر زید نے ناپاک جگہ پر اتنی موٹی چادر بچھا کر نماز پڑھی ہے جس سے چادر کے اوپر نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہو رہا ہے، تو ایسی حالت میں زید کی نماز درست ہوگئی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۲۶۷، فتاوی رحیمیہ، جدید زکریا ۴/ ۵۱)

ولو كان رقيقا وبسطه على موضع نجس، إن صلح ساترا للعورة تجوز الصلوة. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، زكريا ٢/ ٧٤، كراچی ١/ ٤٠٣)

وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقا يشف ماتحته، أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة لاتجوز الصلوة عليه، وإن كان غليظا بحيث لا يكون كذلك جازت. (حلبي كبير، الشرط الثاني في الطهارة من الأنجاس، أشرفيه ديوبند، ص: ٢٠٢، شامي، باب مايفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب في التشبه بأهل الكتاب، زكريا ٢/ ٣٨٧، كراچی ١/ ٦٢٦)

لو بسط الثوب الطاهر على الأرض النجسة، وصلى عليه جازت.

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، كوئٹه ١/ ٢٦٨، زكريا ١/ ٤٦٦، بناية، باب الأنجاس وتطهيرها، أشرفيه ديوبند ١/ ٧٠١)

ولو كان المصلى رقيقا، فبسطه على النجاسة إن كان يحكي ما تحته

لا تجوز الصلوة عليه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، زكريا ٢/ ٣١، برقم: ١٥٩٣)

وفي المستغني: رجل بسط بساطا رقيقا على الموضع النجس، وصلى عليه إن كان البساط بحال يصلح ساترا للعورة تجوز الصلوة.

(خلاصة الفتاوى، اشرفيه ديوبند ١/ ٧٦، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، كوئٹه ١/ ٢٦٨، زكريا ١/ ٤٦٦)

إن فرش على الأرض النجسة شيئا، وصلى عليه جاز بالاتفاق إن صلح الفرش ساترا للعورة. (الفقه الإسلامي وأدلته، باب شروط الصلوة، مطبوعه ديوبند ١/ ٦٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

گندے نالے کے اوپر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید شہر کے گندے نالے کے اوپر شیشہ بچھا کر نماز پڑھتا ہے اور اس شیشہ کے نیچے اس کو نجاست غلیظہ بہتی ہوئی نظر آرہی ہے، تو ایسی صورت میں اس شیشہ کے اوپر زید کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گندے نالے کے اوپر شیشہ بچھا کر نماز پڑھی جائے تو نماز درست ہو جاتی ہے، اسی طرح ناپاک زمین پر مصلی یا چادر بچھا کر نماز بھی درست ہے۔

(احسن الفتاوی، زکریا ۳/ ۴۲۳، جامع الفتاوی ۵/ ۵۳۳، کتاب المسائل ۱/ ۲۶۴)

إذا كانت النجاسة على باطن اللبنة أو الآجرة، وهو على ظاهر هما

قائم يصلي لم تفسد صلاته. (تاتارخانية، زكريا ٢/ ٣٢، برقم: ١٥٩٨، شامي، باب مايفسد الصلوة، مطلب في التشبه بأهل الكتاب كراچى ١/ ٦٢٦، زكريا ٢/ ٣٨٧، غنية المستملي، الشرط الثاني فى الطهارة من الأنجاس، اشرفيه ٢٠٢)

ولو صلى على زجاج يصف ماتحته قالوا جميعا: يجوز. (شامي، باب شروط الصلوة، زكريا ٢/ ٧٤، كراچى ١/ ٤٠٣)

فلو صلى على زجاج يصف مافوقه جاز. (الفقه الإسلامي وأدلته، الصلوة، باب شروط الصلوة، الهدى انٹرنيشنل ١/ ٦٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

بدن جھلکنے والے کپڑے میں عورت کا نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت کے لئے ایسے باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے، جس سے اس کے بدن کے اعضاء کا پتہ چل جاتا ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے باریک کپڑے پہن کر عورت کا نماز پڑھنا جس سے بدن کا اندرونی حصہ باہر سے صاف جھلکتا ہو جائز نہیں اور ان کپڑوں میں نماز درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۲۷۴)

والثوب الرقيق الذي يصف ماتحته لاتجوز الصلوة فيه. (هندية، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الأول والطهارة وستر العورة، زكريا قديم ١/ ٥٨، جديد ١/ ١١٥)

إذا كان الثوب رقيقا بحيث يصف ماتحته، أي لون البشرة لايحصل به ستر العورة إذ لا ستر مع رؤية لون البشرة. (حلبي كبير، الشرط الثالث في ستر العورة، أشرفيه، ص: ٢١٤)

لايقبل الله صلوة حائض إلا بخمار، أي البالغة والثوب الرقيق الذي يصف ماتحته لاتجوز الصلوة فيه؛ لأنه مكشوف العورة. (تبيين الحقائق، باب شروط الصلوة، إمداديه ملتان ١/ ٩٥، زكريا ١/ ٢٥٣)

الساتر الرقيق الذي لايمنع رؤية العورة لايكفى لجواز الصلاة، لعدم الستر الواجب عليه. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، إعزازيه ديوبند ١/ ٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۳/۶ھ

نئے کپڑے کو دھو کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۱۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو لوگ نئے کپڑے خریدتے ہیں، مثلاً کرتا، لنگی وغیرہ تو اس نئے کپڑے کو تین پانی سے پاک کرکے نماز پڑھنا چاہئے یا بغیر پاک کئے بھی پہن کر نماز ہوجاتی ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کپڑا خواہ نیا ہو یا پرانا جب کہ وہ پاک ہو تو اسے پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نیا کپڑا عام طور سے پاک ہی ہوا کرتا ہے؛ اس لئے دھو کر پہننا لازم نہیں ہے، ہاں اگر ناپاک ہے تو اس کو پہن کر نماز نہ ہوگی۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. [المدثر، الآية: ٤]

ومن جملتها: أي فرائض الصلوة قبل الشروع فيها طهارة

مایستر به عورته. (فتاوی تاتارخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، قدیم ۱/ ۴۱۶، جدید، زکریا ۲/ ۲۶، رقم: ۱۵۶۹، شرح النقایة، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة ، إعزازیه دیوبند ۱/ ۶۳، شرح وقایة، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، اشرفي ۱/ ۱۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۳۵)

بلا استنجاء نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے پیشاب کیا، پھر اس نے نہ پانی استعمال کیا اور نہ ہی ڈھیلا؛ بلکہ تہبند سے عضو کا پیشاب خشک ہوگیا، اس کے بعد زید نے کپڑا بدل کر نماز پڑھ لی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد کلیم بہار شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پیشاب ایک درہم سے زائد تجاوز نہیں کیا ہے، تو نماز صحیح ہوگئی؛ کیوں کہ ایک درہم سے تجاوز نہ کرنے کی صورت میں استنجاء فرض نہیں ہوتا؛ بلکہ سنت ہے۔

فالاستنجاء سنة عندنا ...... حتی لو ترک الاستنجاء أصلا جازت صلاته عندنا، ولکن مع الکراهة. (بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، فصل في بیان سنن الوضوء، بیروت ۱/ ۱۸۳، کراچی ۱/ ۱۸، زکریا ۱/ ۱۰۱)

الرابعة: تدل علی أن الاستنجاء لیس بفرض، وأن الصلاة جائزة بترکه. (البنایة، کتاب الطهارة، اشرفیه دیوبند ۱/ ۱۵۸)

وعفا الشارع عن قدر درهم، وإن کره تحریما، فیجب غسله ومادونه

تنزيها فيسن وفوته مبطل، فيفرض (تحته في الشامية:) وقدر الدرهم لا يمنع، ويكون مسيئا، وإن قل فالأفضل أن يغسلها ولا يكون مسيئا. (شامي كتاب الطهارة، باب الأنجاس، كراچی ۱/ ۳۱۶، زكريا ۱/ ۵۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۲۶ھ

بیت الخلاء کی ٹنکی پر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، جس کے صحن میں بیت الخلاء کی ٹنکی ہے، تو کیا اس ٹنکی کے اوپر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: سعید احمد مدرسہ تعلیم القرآن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ ٹنکی کے اوپر بلا تردد نماز جائز اور درست ہے۔

وإذا أصابت الأرض نجاسة ففرشها بطين أو جص، فصلى عليها جاز.

(شامي، باب ما يفسد الصلوة، مطلب في التشبه بأهل الكتاب، زكريا ۲/ ۳۸۷، كراچی ۱/ ۶۲۶، هندية، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثاني، زكريا قديم ۱/ ۶۱، جديد ۱/ ۱۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۴/۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/۳۴/۵۹۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۱۸ھ

میت کو نہلائے جانے والے پٹلہ پر نماز

سوال [۱۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ جس پٹلہ پر میت کونہلایا جاتا ہے اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد عمر صدیقی، محلّہ علی خان کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراس کودھولیا جائے تو جائز ہے۔

فإذا قطع الخشب والقصب، وأصابته نجاسة لايطهر إلا بالغسل.

(الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، جديد دارالكتاب ديو بند ١/ ٤٤، إمداديه ملتان ١/ ، البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس كوئٹه ١/ ٢٢٦، زكريا ١/ ٣٩٢)

لأن الآدمي له دم سائل، فيتنجس بالموت قياسا (إلى قوله) والدليل على أن يتنجس بالموت أن المسلم إذا مات في البئر ينزح جميع مائها.

(الجوهرة النيرة، كتاب الصلوة، باب الجنائز، إمداديه ملتان ١/ ١٢٣، جديد، دارالكتاب ديو بند ١/ ١٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۴/۲۳)

ناپاک چڈی پہن کرنماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی اگر اندر سے چڈی خراب ہے اور اوپر پائجامہ درست ہے، تو اس صورت میں چڈی اتارے بغیر نماز درست ہے یانہیں؟

المستفتی: نظر الاسلام تری پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پائجامہ یالنگی کے نیچے جو چڈی پہن رکھی ہے، اگر وہ ناپاک ہے تو اس کو اتارے بغیر نماز نہ ہوگی اور لاعلمی میں پڑھ لینے کی صورت میں نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. [المدثر، الآية: ٤]

ثم الشرط هي ستة: طهارة بدنه، أي جسده من حدث وخبث وثوبه.

(درمختار على هامش رد المحتار، باب شروط الصلوة، زكريا ٢/ ٧٣، كراچی ١/ ٤٠٢، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، إعزازيه ديوبند ١/ ٦٣، شرح وقايه، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، أشرفي ١/ ١٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱/ ۱۴۲۲ھ

ہندوستانی مسلمان صرف مغرب کی سمت میں کیوں نماز پڑھتے ہیں؟

سوال [۱۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مکۃ المکرّمہ میں کعبۃ اللہ ہے، وہاں پر مقیم شخص جس طرح چاہے نماز پڑھ سکتا ہے، پھر ہندوستانی مسلمان متعینہ سمت میں نماز پڑھنے کا پابند کیوں ہے، جب کہ اللہ ہمارے عقیدہ اور ایمان کے مطابق ہر جگہ موجود ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان اور دیگر ممالک کے لوگوں کے لئے متعینہ سمت میں نماز پڑھنے کی اصل وجہ اللہ رب العزت کے حکم کی تعمیل ہے؛ کیوں کہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی نے فرمایا ہے؛ اس لئے نماز کی صحت کے لئے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کی دو وجہیں اور ذکر کی ہیں: (۱) بیت اللہ کی تعظیم؛ کیوں کہ وہ شعائر اللہ میں سے ہے؛ اس لئے اس کی تعظیم ضروری ہے (۲) اللہ کے ساتھ مخصوص چیز کی طرف رخ کرنے سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ (مستفاد: رحمۃ اللہ الواسعۃ ۳/ ۳۶۹)

فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ. [البقرة: ١٤٤]

الثاني: أنه المامور به في القرآن لقوله تعالى: ’’ فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ‘‘ يعني من الأرض من شرق أو غرب.

(أحكام القرآن للقرطبي، سورة البقرة: ١٤٤، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٠٨)

أقول: السر في ذلک أنه لما كان تعظيم شعائر الله وبيوته واجبا لا سيما فيما هو أصل أركان الإسلام، وأم القربات، وأشهر شعائر الدين،وكان التوجه في الصلاة إلى ما هو مختص بالله بطلب رضا الله بالتقرب منه أجمع للخاطر، وأحث على صفة الخشوع. (حجة الله البالغة ٢/ ٢٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ......)

تحویل قبلہ کی نوعیت

سوال [۱۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدینہ منورہ میں مسجد ذی القبلتین جانے کا اتفاق ہوا، تو تحویل قبلہ کا منظر سامنے آ گیا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ تحویل قبلہ کا جب حکم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں تھے، نماز ہی میں قبلہ بدل لیا، تو اس کی کیا شکل ہوئی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے تو مقتدیوں سے آگے تھے تحویل قبلہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں چل کر آگے آئے یا وہیں پر قبلہ بدل لیا، کیا صورت پیش آئی تھی؟ تفصیل سے تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حافظ محمد اکرام، پکا باغ سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تحویل قبلہ کا مسئلہ قابل غور ہے؛ اس لئے کہ صحاح ستہ میں قبلہ بدلنے سے متعلق جو روایات ہیں، ان میں صرف اتنا ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد سب سے پہلی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں عصر کی نماز پڑھی ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے واضح ہوتا ہے:

عن البراء أن -رضي الله عنه- أن النبي ﷺ كان أول ما قدم المدينة نزل على أجداده، أوقال أخواله من الأنصار، وأنه صلى قبل بيت المقدس ستة عشر شهرا، أو سبعة عشر شهرا، وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت، وأنه صلى أو صلاة صلاها صلاة العصر، وصلى معه قوم، فخرج ممن صلى معه، فمر على أهل مسجد وهم راكعون، فقال: أشهد بالله لقد صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل مكة فداروا كما هم قبل البيت. الحديث (صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب الصلاة من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ١٠، رقم: ٤٠)

پھر اسی دن آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سے ایک آدمی بنو حارثہ پہنچے، وہاں عصر کی نماز ہو رہی تھی، تو انہوں نے زور سے آواز دی کہ قبلہ بدل چکا ہے، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آرہا ہوں، تو نمازیوں نے اسی حالت میں قبلہ بدل دیا، جیسا کہ اس کی صراحت "**المعجم الكبير للطبرانی**" کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن أم نويلة بنت مسلم قالت: صلينا الظهر، أو العصر في مسجد بني حارثة، فاستقبلنا مسجد ايلياء، فصلينا ركعتين، ثم جاء نا من يحدثنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: استقبل البيت الحرام، فتحول الرجال مكان النساء، والنساء مكان الرجال، فصلينا السجدتين الباقيتين، ونحن

مستقبلون البیت الحرام، فحدثني رجل من بني حارثة أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: أولئک رجال آمنو بالغیب. (المعجم الکبیر للطبراني، مکتبه دارا حیاء التراث العربي ۲۵/ ۴۳، رقم: ۸۲)

پھر دوسرے دن صبح کوعوالی میں بنوعمرو بن عوف کے لوگ مسجد قبا میں بیت المقدس کی طرف فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، اسی اثناء میں بنوسلمہ کا ایک آدمی وہاں پہنچا، انہوں نے زور سے آواز دی کہ آگاہ ہوجاؤ! بے شک قبلہ بدل چکا ہے، تو انہوں نے اسی حالت میں بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف رخ موڑ لیا، جیسا کہ بخاری ومسلم کی ان روایات سے واضح ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یصلی نحو بیت المقدس، فنزلت: " قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَةً تَرۡضَاهَا فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ" فمر رجل من بني سلمة وهم رکوع في صلاة الفجر، وقد صلوا رکعة، فنادی ألا! أن القبلة قد حولت، فمالوا کما هم نحو القبلة، عن ابن عمر قال: بینما الناس في صلاة الصبح بقباء إذا جاء هم آت، فقال: إن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قد أنزل علیه اللیلة، وقد أمر أن یستقبل الکعبة، فاستقبلوها، وکان وجوههم إلی الشام، فاستداروا إلی الکعبة. (مسلم شریف، کتاب المساجد، باب تحویل القبلة من المقدس إلی الکعبة، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰۰، رقم: ۵۲۶-۵۲۷، الطبقات الکبری للابن سعد، مکتبه عباس احمد الباز ۱/ ۱۸۷)

لیکن صحاح ستہ کے علاوہ بعض دیگر کتب حدیث اور تفسیر وسیرت کی کتابوں میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز کے دوران قبلہ بدلا تھا اور اس کی شکل یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقصد کے تحت قبیلہ بنوحارثہ میں تشریف لے گئے اور یہ

قبیلہ جبل سلع کے قریب بستا تھا اور آپ کو اس قبیلہ میں دیر ہوگئی اور ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھائی، ابھی دو رکعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی کہ جبرئیل امین نے تشریف لاکر اللہ کی طرف سے قبلہ بدلنے کا حکم بتادیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں آدھی نماز جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی اس کو باقی رکھتے ہوئے مکۃ المکرّمہ کی طرف اپنا رخ بدل دیا، اس کی شکل یہ ہوئی تھی کہ آپ نے اگلی صف سے چل کر بالکل پچھلی صف سے بھی آگے نکل کر امام کی جگہ بنالی اور قبلہ کی طرف رخ کرلیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی جگہ پر رہ کر شمال سے جنوب کی طرف رخ کرلیا اور عورتیں مردوں کی جگہ اور مرد عورتوں کی جگہ پہنچ گئے اور باقی رکعت نماز اسی طرح رخ موڑنے کے بعد مکۃ المکرّمہ کی طرف کعبۃ اللہ کی طرف قبلہ بناکر ادا فرمائی، اسی وجہ سے قبیلہ بنوسلمہ کی اس مسجد کا نام اسی وقت سے مسجد قبلتین پڑ گیا ہے، اور تحویل قبلہ کی شکل یہی ہوئی ہے۔ اور تطبیق یوں ہے کہ حقیقت میں تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز میں پیش آیا جو نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود پڑھائی، اس کے بعد سب سے پہلی نماز مکمل طور پر کعبۃ اللہ کی طرف جو پڑھی گئی ہے وہ مسجد نبوی میں عصر کی نماز پڑھی گئی ہے، پھر اس کے بعد بنوحارثہ میں عصر کی نماز میں اور قباء میں مسجد بنی عمرو بن عوف میں فجر کی نماز میں واقعہ پیش آیا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں زیادہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين من الظهر في مسجده بالمسلمين، ثم أمر أن يوجه إلى المسجد الحرام، فاستدار إليه، ودار معه المسلمون، ويقال: بل زار رسول الله صلى الله عليه وسلم أم بشر بن البراء بن معرور في بني سلمة، فصنعت له طعاما وحانت الظهر، فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بأصحابه ركعتين، ثم أمر أن يوجه إلى الكعبة، واستقبل الميزاب، فسمى المسجد مسجد القبلتين، وذلك يوم الإثنين للنصف

من رجب علی رأس ثمانیة عشر شهرا. (الطبقات الکبری لابن سعد، مکتبه عباس احمد الباز بیروت ۱/ ۱۸۶، روح المعاني ۲/ ۱۴، تحت سورة البقرة، رقم الآیة: ۱۴۴، تفسیر مظهري، زکریا جدید ۱/ ۱۶۰، قدیم ۱/ ۱۴۳، فتح الباري، کتاب الصلاة، دارالفکر ۱/ ۵۰۲، تحت رقم الحدیث: ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۰۷)

متعین ستارے سے مسجد کا رخ متعین کرنے کا شرعی حکم

سوال [۱۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد پرانے طرز پر بنی ہوئی ہے، اس کے اندر پنج وقتہ نماز کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے، اس مسجد کو جانب قبلہ ہونے میں کچھ شک ہوا تو ایک مستند عالم نے مسجد کو قطب نما سے جانچا تو تقریباً ایک ہاتھ مسجد ٹیڑھی نکلی، جب کہ اس مسجد کو آسمان کے ستارے سے ملانا چاہئے تھا، مگر وہ ستارہ کون ہے اس کو کوئی پہچانتا نہیں، برائے مہربانی اس ستارہ کی نشاندہی فرمادیجئے جس ستارہ سے مسجد کو جانچا جاتا ہے، حال یہ ہے کہ یہ مسجد ایک غریب بستی میں واقع ہے اور اس کی بناوٹ پختہ ہے، اس کو توڑ کر دوبارہ نئے طرز پر نہیں تعمیر کیا جاسکتا، اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ اس میں پہلے نماز پڑھ چکے، کیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد منصور عالم، دورۂ حدیث شریف مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی متعین ستارے سے مسجد کا رخ متعین کرنا قرآن وحدیث اور فقہ سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے قطب نما سے رخ متعین کرنا کافی ہے اور معمولی سا رخ ٹیڑھا ہونے سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کہ ۴۵ ڈگری کے اندر اندر رخ باقی

ہو، اب تک جو نمازیں پڑھی گئی ہیں وہ سب درست ہیں؛ اس لئے کہ ایک ہاتھ رخ میں فرق آنے سے سمت قبلہ سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا؛ بلکہ سمت قبلہ کے دائرہ میں شمار ہوتا ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما بين المشرق والمغرب قبلة. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب القبلة، النسخة الهندية، ۱/ ۷۱، دارالسلام، رقم: ۱۰۱۱، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۲۳۱، رقم: ۷۹۰، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۵/ ۱۵۳، رقم: ۸۴۸۵، المستدرك قديم ۱/ ۳۲۳، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۱/ ۳۰۷، ۳۰۸، رقم: ۷۴۱، ۷۴۲)

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين إنحرافا لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، كراچی ۱/ ۴۲۸، زکریا ۲/ ۱۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

استقبال قبلہ پر غیر مسلم کے اعتراض کا جواب

سوال [۱۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ کسی کمپنی میں کام کرتا ہے، وہاں ایک غیر مسلم دوست نے یہ سوال کیا کہ مکۃ المکرّمہ میں چونکہ کعبۃ اللہ ہے؛ اس لئے وہاں مقیم شخص بیت اللہ کی جس سمت رخ کرکے نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے؛ لیکن ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں رہتے ہوئے ایک متعینہ سمت پر نماز پڑھنے کا پابند کیوں ہے، حالاں کہ ایشور آپ کے عقیدہ وآستھا کے حساب سے ہر جگہ موجود ہے؟ حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ عقلی ونقلی دلائل سے جواب دیں۔

المستفتی: محمد سفیان منصوری، سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ صحیح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سمیع، بصیر، علیم اور خبیر ہونے کے اعتبار سے ہر جگہ ہیں اور ہر طرح کے جسم وجسمانیات سے منزہ ومبرہ ہیں اور مشرق ومغرب شمال وجنوب کی قیود اور سمتوں سے بالاتر ہیں، اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنایا ہے اور کعبۃ اللہ شہر مکہ کے بیچ میں ہے؛ اس لئے مکہ والے جو کعبۃ اللہ کے پورب جانب میں ہیں اور پچھّم کی طرف قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور جو جنوب کی طرف رہتے ہیں وہ شمال کی طرف قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور جو مغرب کی جانب رہتے ہیں وہ مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور مشرق کی طرف رہنے والے مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اور جن لوگوں کی نظروں کے سامنے کعبۃ اللہ ہوتا ہے، وہ لوگ عین کعبہ کا رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور ہندوستان کے لوگوں کے لئے کعبۃ اللہ چونکہ جانب مغرب میں واقع ہے؛ اس لئے مغرب کی طرف سمت قبلہ کا رخ کر کے ہندوستان والوں کو نماز پڑھنا لازم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سارے ایمان والوں کو ایک ہی قبلہ پر متحد کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ اللہ ایک ہے ویسے ہی عبادت کے لئے قبلہ بھی ایک ہے، یہی قرآن مقدس میں: سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۴۴: ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ''. کا مقصد ہے؛ لہٰذا کوئی شخص انجان علاقہ میں ہو اور وہاں کوئی سمت قبلہ بتلانے والا بھی نہ ہو اور غالب گمان جس طرف ہو اس طرف نماز پڑھ لے اور بعد میں پتہ چلے کہ کعبۃ اللہ کی مخالف سمت میں نماز پڑھی گئی ہے، تو نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں لکھا گیا ہے کہ ایشور ہر جگہ ہے۔ یہاں اس اعتبار سے نماز صحیح ہو جاتی ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں، مگر بالقصد مخالف سمت میں پڑھنے کی اجازت نہیں، یہی ''سورہ بقرہ، آیت: ۱۱۵: فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ. کا مقصد ہے۔

الكعبة سرة الأرض ووسطها، فأمر الله تعالىٰ جميع خلقه بالتوجه إلى

وسط الأرض فی صلاتهم، وهو إشارة إلى أنه يجب العدل في كل شيء، ولأجله جعل وسط الأرض قبلة للخلق. (تفسير الفخر الرازي، سورة البقرة: ۱۴۲، بيروت ۴/ ۱۰۶)

لا خلاف بين العلماء أن الكعبة قبلة في كل أفق، وأجمعوا على أن من شاهدها وعاينها فرض عليه استقبالها، وأنه إن ترک استقبالها، وهو معاين لها، وعالم بجهتها فلا صلوة له، وعليه إعادة كل ما صلى ...... وأجمعوا على أن كل من غاب عنها أن يستقبل ناحيتها وشطرها وتلقائها. (قرطبي، سورة البقرة: ۱۴۴، مکتبه دارالكتب العلمية، بيروت ۲/ ۱۰۸)

ويستقبل القبلة لقوله تعالى: ''فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ'' ثم من كان بمكة ففرضه إصابة عينها، ومن كان غائبا ففرضه إصابة جهتها هو الصحيح؛ لأن التكليف بحسب الوسع. (هدايه) قال المصنف في التجنيس: هذا يشير إلى أن من كان بمعاينته الكعبة، فالشرط إصابة عينها، ومن لم يكن بمعاينتها، فالشرط إصابة جهتها، وهو المختار. (فتح القدير، باب شروط الصلوة التي تتقدمها، کوئٹه ۱/ ۲۳۴-۲۳۵، زکريا ۱/ ۲۷۴-۲۷۶)

فبين تعالىٰ أن المشرق والمغرب، وجميع الجهات والأطراف كلها مملوكة سبحانه ومخلوقة له، فأينما أمركم الله باستقباله، فهو القبلة؛ لأن القبلة ليست قبلة لذاتها، بل لأن الله تعالىٰ جعلها قبلة، فإن جعل الكعبة قبلة فلا تنكروا ذلک؛ لأنه تعالىٰ يدير عباده كيف يريد، وهو واسع عليم بمصالحهم. (تفسير الفخر الرازي، سورة البقرة: ۱۱۵، بيروت ۴/ ۲۰)

والفقه فيه أن المصلى في خدمة الله تعالى، فلا بد من الإقبال عليه، والله سبحانه منزه عن الجهة، فيستحيل الإقبال عليه فابتلانا بالتوجه إلى الكعبة ...... لأن الكعبة لم تعتبر لعينها، بل للابتلاء، فيتحقق المقصود

بالتوجه إلى أي جهة قدر. (حاشية چلبي على تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ۱/ ۱۰۱، زكريا ۱/ ۲٦٥)

وقد ذهب أكثر أهل العلم إلى هذا قالوا: إذا صلى في الغيم بغير القبلة، ثم استبان له بعد ذلك أنه صلى لغير القبلة، فإن صلاته جائزة ...... قلت: وهو قول أبي حنيفة. (قرطبي، سورة البقرة: ۱۱۵، مكتبه دارالكتب العلميه، بيروت ۲/ ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۶ھ

مسجد کے قبلہ کا رخ کتنی ڈگری کے اندر ہو؟

سوال [۱۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے قدیم مسجد کو جدید تعمیر کے واسطے شہید کیا ہے، وہ مسجد قطب نما کے اعتبار سے بنی تھی، اب اگر جدید عمارت مسجد کی بنیاد قبلہ نما ۱۲/نمبر ضلع رامپور میں رکھتے ہیں، تو ایک صف کی جگہ قدیم مسجد کی ختم ہو جاتی ہے، جگہ بہت تنگ ہے، کسی بھی جانب مسجد کے رقبہ کی توسیع کی گنجائش نہیں ہے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ: پرانی ہی بنیاد پر مسجد تعمیر کرنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے؟ قبلہ نما ضلع رامپور میں ۱۲/نمبر پر ہی مسجد تعمیر کریں یا قطب نما کے اعتبار سے بھی مسجد تعمیر کرنے کی شرعی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرام کھیڑا ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعمیر مسجد میں قبلہ کا رخ پینتالیس ڈگری کے اندر اندر ہونا لازم اور واجب ہے اور اس کے باہر ہونا جائز نہیں۔ اور پینتالیس ڈگری کے اندر رہ کر

۱۹-۲۰ رکا فرق ہو جائے تو جہت قبلہ میں کوئی فرق نہیں آتا اور مسجد کا رخ صحیح سمجھا جاتا ہے۔ سوال نامہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پرانی بنیاد بھی ۴۵ رڈگری کے دائرہ کے اندر ہے؛ اس لئے اس بنیاد پر بھی مسجد کو باقی رکھنا جائز اور درست ہوگا؛ لیکن بہتر اور افضل یہی ہے کہ مسجد کے قبلہ کا رخ زیادہ سے زیادہ صحیح ہو؛ لہٰذا اگر ۱۲ رنمبر ہی زیادہ صحیح ہے تو پہلی بنیاد کے جائز ہونے کے ساتھ ساتھ ۱۲ رنمبر پر نئی بنیاد رکھنا زیادہ بہتر ہوگا، اس کے ثبوت میں حضرت نانوتویؒ نے قبلہ نما تیار فرمایا تھا۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۳۰۶، احسن الفتاوی ۲/۳۱۳)

عن أبي هريرة – رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما بين المشرق والمغرب قبلة. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب القبلة، النسخة الهندية، ۱/ ۷۱، دارالسلام، رقم: ۱۰۱۱، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۲۳۱، رقم: ۷۹۰، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۵/ ۱۵۳، رقم: ۸۴۸۵، المستدرك قديم ۱/ ۳۲۳، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۱/ ۳۰۷، ۳۰۸، رقم: ۷۴۱، ۷۴۲)

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين إنحرافا لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، كراچی ۱/ ۴۲۸، زكريا ۲/ ۱۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۸۰)

عین قبلہ کا رخ شرط نہیں ہے

سوال [۱۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناکارہ اس وقت بہت ہی پریشان ہے، ذہن میں خلجان بڑھتا جارہا ہے، اس اہم بات کی بنا پر کہ مسجد محمدی عالم نگر لکھنؤ جس کی تعمیر ابھی چند ماہ قبل مکمل ہوئی ہے، تقریباً رمضان سے قبل پنج وقتہ نمازیں بھی ہوتی چلی آرہی ہیں؛ لیکن اسی ماہ میں مسجد کے رخ پر غور وفکر ہوا تو

معلوم ہوا کہ معمولی سا رخ جانب شمال کو مڑا ہوا ہے، قطب نما سے دیکھا گیا تو مسجد کی تعمیر چونکہ کافی پرانی بنیاد پر ہی مکمل کردی گئی تھی؛ لیکن قطب نما سے مسجد کا شمال نو پر آتا ہے، جب کہ قطب نما کے ساتھ منسلک کتابچہ میں لکھنو کا جانب شمال ۱۲؍ پر ہے، اس اعتبار سے ۳؍ ڈگری کا فرق ہوا، قابل تفتیش بات اب یہی ہے کہ مسجد کا رخ بدلنے کے لئے کیا صورت کی جائے؟ یا کہ فرش بدل دیا جائے، یا پھر بنیادیں دوسری رکھی جائیں اور کتنے نمبر پر قبلہ کا رخ صحیح ہوگا، نیز ابھی تک جو نمازیں ہوئیں وہ درست رہیں گی یا پھر دہرانا ہوں گی؟ جو صورت ہو بیان فرمائیں، بہت زیادہ پریشان ہو رہا ہوں۔

المستفتی: عبداللہ امام مسجد محمدی عالم نگر لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عین قبلہ کا رخ شرط نہیں ہے؛ بلکہ صرف سمت قبلہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہے؛ اس لئے اگر صرف تین ڈگری کا فرق ہے تو سمت قبلہ میں اتنا فرق نہیں آتا ہے جس سے نماز درست نہ ہو؛ اس لئے مذکورہ مسجد میں نماز درست ہو جائے گی۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۱/ ۲۷۵، جدید زکریا ۲/ ۴۳۸۳)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما بين المشرق والمغرب قبلة. (سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء أن ما بين المشرق والمغرب قبلة، النسخة الهندية ١/ ٧٩، دارالسلام، رقم: ٣٤٢، سنن ابن ماجة، الصلاة، باب القبلة، النسخة الهندية، ١/ ٧١، بيروت، رقم: ١٠١١، سنن النسائي، الصيام، قبيل باب ثواب من صام يوما في سبيل الله، النسخة الهندية ١/ ٢٤٢، دارالسلام، رقم: ٢٢٤٥)

وإن كان نائيا عن الكعبة غائبا عنها يجب عليه التوجه إلى جهتها، وهي المحاريب المنصوبة بالأمارات الدالة عليها لا إلى عينها، وتعتبر الجهة دون العين، كذلك ذكر الكرخي، والرازي: وهو قول عامة مشايخنا بما وراء النهر. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط

الأركان، بيروت ١/ ٥٤٨، كراچی ١/ ١١٨، زكريا ١/ ٣٠٨، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض زكريا ٢/ ٣٦، رقم: ١٦١٦)

ومن كان غائبا ففرضه إصابة جهتها هو الصحيح. (هدايه، الصلوة، باب شروط الصلاة، أشرفي ١/ ٩٧)

حتى لا أزيلت الموانع لا يشترط أن يقع استقباله على عين الكعبة لا محالة. (حلبي كبير، الشرط الرابع في استقبال القبلة، أشرفيه ديوبند ٢١٨، تاتارخانية، الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة، زكريا ٢/ ٣٣، رقم: ١٦٠٨، شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، زكريا ٢/ ١٠٩، كراچی ١/ ٤٢٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۲۳)

استقبال قبلہ میں عین قبلہ ہے یا جہت قبلہ بھی کافی ہے؟

سوال [۱۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد از سر نو تعمیر ہوکر نو، دس سال ہو چکے ہیں، تعمیر نو کے وقت بھی مسجد کا قبلہ، مسجد قدیم کے مطابق ہی ۱۲؍ ڈگری رکھا گیا؛ لیکن دو چار سال بعد آلات ضبط القبلہ کے ذریعہ مسجد کو پرانے قبلہ ۱۲؍ ڈگری سے عین قبلہ ۹؍ ڈگری کی طرف کرنے کے لئے سیدھی جانب موڑ دیا گیا، تقریباً چھ سال سے اسی تبدیل شدہ رخ ۹؍ ڈگری کو عین قبلہ مان کر نماز پڑھی جارہی ہے، مگر اس طرح پڑھنے سے ایک طرف مسجد کی تقریباً دو صفیں کٹ گئیں۔ اور دوسری پریشانی یہ ہوئی کہ قبلہ اور دیواروں کا الگ الگ رخ ہونے کی وجہ سے ہر آنے والا تبدیل قبلہ محسوس کرتا ہے، اور آئے دن ذمہ دار مسجد اور امام سے قبلہ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے، جب کہ ہماری مسجد کے بالکل قریب دو اور مسجدیں ہیں، جن میں سے ایک کا قبلہ

(11.5)ڈگری ہے، اور دوسری مسجد کا ۱۲/ڈگری ہے، اگر ایک آدمی عصر کی نماز ۱۲/ڈگری والی قریبی مسجد میں پڑھے اور مغرب کی نماز ۹/ڈگری والی ہماری مسجد میں پڑھے، تو وہ تذبذب اور شک میں مبتلا ہوکر یہ سوچنے لگتا ہے کہ آیا ۱۲/ڈگری والی مسجد یا ۹/ڈگری والی مسجد کس کا قبلہ صحیح ہے؟ جب کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''جواہر الفقہ'' جلد اول میں سمت قبلہ سے انحراف کثیر اور انحراف قلیل کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسان کے چہرہ کا کوئی ذرا سا ادنی حصہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی بائیں جانب کا، بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصہ کے ساتھ مقابل ہوجائے۔ اور فن ریاضی کی اصطلاحی روایت یہ ہے کہ عین کعبہ سے پینتالیس درجہ تک بھی انحراف ہوجاوے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ اس سے زائد انحراف ہوتو استقبال فوت ہوکر نماز فوت ہوجائے گی، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ انحراف قلیل جو عام طور پر کہیں جنوباً، کہیں شمالاً واقع ہوجاتا ہے، یہ ناقابل التفات ہے، اس کی وجہ سے نہ کسی مسجد کی جہت بدلنے کی ضرورت ہے نہ اس کے قائم رکھتے ہوئے کسی طرف مائل ہونے کی ضرورت ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۲۵۷)

اگر ہم اس تحقیق کو سامنے رکھ مسجد کا قبلہ ۱۲/ڈگری رکھیں جو مسجد قدیم اور قریبی مسجد کا قبلہ ہے، تب بھی وہ ۳۰/ڈگری کے اندر ہی رہتا ہے، جب کہ ۴۵/ڈگری کے اندر بھی نماز ہوجاتی ہے، اب تک ہماری مسجد میں فرش پر لکیروں کا نشان لگا ہوا تھا، اب وہ لکیریں بالکل مٹ چکی ہیں، دوبارہ لکیریں مارنے کا مسئلہ آیا ہوا ہے، اب ہم ایک قبلہ متعین کرکے ہمیشہ کے لئے مسجد قدیم اور قریبی مسجد کا قبلہ ۱۲/ڈگری رکھیں؟ یا عین قبلہ ۹/ڈگری کے مطابق ہی لکیریں لگائیں؟ جواب واضح ومدلل اور جلد عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد سلیم ندوی، بیل گام کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں زیر بحث مسجد سے متعلق ۹/ڈگری اور بارہ ڈگری کا جو فرق لکھا گیا ہے، اس کو سامنے رکھ کر متقدمین فقہاء اور متاخرین فقہاء اور اکابر اہل

فتاوی کی اکثر کتابوں کو پیش نظر رکھ کر جو مسئلہ شرعی سامنے نکل کر آیا ہے، وہ پیش خدمت ہے، سائل کے یہاں عین قبلہ ۹ ؍ڈگری پر ہے ،اور ۱۲ ؍ڈگری جو تقریباً ۳۰ ؍ڈگری تک انحراف ہے، وہ انحراف قلیل ہے۔اور شریعت میں سمت قبلہ میں دائیں بائیں، پینتالیس ڈگری تک انحراف کی اجازت ہے۔اور سائل کے یہاں ۹ ؍ڈگری عین قبلہ کو بتاتی ہے اور ۱۲ ؍ڈگری انحراف میں تقریباً ۳۰ ؍ڈگری کو بتاتی ہے اور ایسے حالات میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ۹ ؍ڈگری اور ۱۲ ؍ڈگری دونوں کا حکم یکساں ہے، کوئی فرق نہیں ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ۹ ؍ڈگری پر نماز پڑھنے والوں کو ۱۲ ؍ڈگری پر نماز پڑھنے والوں کے مقابلے میں زیادہ ثواب ملے گا یا ان کو کوئی خاص درجہ اور مقام حاصل ہوجائے گا یا ۱۲ ؍ڈگری پر نماز پڑھنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہوگی؛ بلکہ دونوں عند اللہ برابر درجہ میں ہوں گے اور عین قبلہ کا رخ کرنے کا مکلّف اللہ نے صرف مکہ والوں کو بنایا ہے اور وہ بھی حتی الامکان ہے، اور مکہ مکرمہ کے علاوہ دنیا کے دیگر مقامات کے لوگوں کو نماز کے لئے صرف سمت قبلہ کا مکلّف بنایا ہے۔ اور سمت قبلہ دائیں بائیں سے پینتالیس ڈگری کے اندر ہوتی ہے؛ لہٰذا بیل گام صوبہ کرناٹک کی جس مسجد سے متعلق سوال نامہ میں مسئلہ معلوم کیا گیا ہے، اس مسجد کے ذمہ داروں کو شریعت کی جانب سے اجازت ہے کہ ۱۲ ؍ڈگری پر قدیم مسجد کے مطابق صفوں کی درستگی کرلیں اور عین قبلہ کے مطابق ۹ ؍ڈگری پر رخ موڑنے کا شریعت نے ان کو مکلّف نہیں بنایا ہے، ہاں البتہ شریعت میں دونوں طرح کی اجازت برابر درجہ کی ہے۔ اور آج سے تقریباً اسی نوے سال پہلے عنایت اللہ مشرقی نے ہندوستان کی تمام مسجدوں کے رخ کو غلط قرار دے کر عین قبلہ کے رخ کو لازم قرار دیا تھا، اس وقت کے تمام علمائے حق نے اس کے اس باطل عقیدہ اور باطل حرکت پر اس کے خلاف متفقہ طور پر فتاوی جاری کئے اور مضامین لکھے، جو اکابر کی کتابوں میں موجود ہیں۔ عربی عبارات لمبی ہونے کی وجہ سے عبارت کو چھوڑ کر ہم یہاں چند کتابوں کے حوالے نقل کر دیتے ہیں، تاکہ مراجعت میں آسانی ہو۔

(بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في شرائط الأركان، زكريا ١ / ٣٠٨، مطبوعه كراچی

۱/ ۱۱۸، فتاوی عالمگیری، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة، زكريا قديم ۱/ ۶۳، جديد ۱/ ۱۲۱، فتاوى تاتارخانية، قديم ۱/ ۴۲۳، جديد زكريا ۲/ ۳۳، رقم: ۱۶۰۸، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، زكريا ۱/ ۴۹۵، كوئٹه ۱/ ۲۸۴، شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، كراچی ۱/ ۴۲۸-۴۳۰، زكريا ۲/ ۱۰۹-۱۱۱، مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۵، قديم ۱/ ۸۳، غنية المستملي شرح كبيري، الشرط الرابع في استقبال القبلة، مطبوعه لاهور، أشرفي ۲۱۸، طحطاوي على المراقي، باب شروط الصلوة، وأركانها، قديم ۱۱۵، جديد دارالكتاب ديوبند/ ۲۱۲-۲۱۳، فتح القدير، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة التي تتقدمها، زكريا ۱/ ۲۷۵-۲۷۶، كوئٹه ۱/ ۲۳۴-۲۳۵، فقه السنة قاهره ۱/ ۱۶۷، معارف السنن، باب ماجاء أن ما بين المشرق والمغرب قبلة، أشرفي ديوبند ۳/ ۳۷۷)

اسی طرح حسب ذیل اردو فتاوی سے بھی یہ مسئلہ مستفاد ہے: (فتاوی دار العلوم زکریا ۲/ ۱۴۵، امداد المفتیین مطبوعہ کراچی ۴۱۴-۴۱۶، احسن الفتاوی، زکریا ۲/ ۳۲۴، جواہر الفقہ، قدیم ۱/ ۲۵۳-۲۵۷، جدید، زکریا ۲/ ۳۵۵-۳۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۶۰/۳۸)	۱۴۲۸/۲/۳ھ

مسجد کی دیوار قبلہ کعبہ کے رخ سے منحرف ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک بڑی مسجد ہے، وہ کعبہ کی جانب سے دائیں طرف ہٹ کر ہے، جب کہ آس پاس کی اور مساجد کے بھی خلاف ہے، قطب نما سے بھی دیکھا گیا تو کعبہ سے ہٹ کر

ہی معلوم ہوئی، تو کیا ہم لوگ نماز میں مسجد کی بناوٹ کے اعتبار سے کھڑے ہوں یا کعبہ کی جانب رخ کر کے کھڑے ہوں؟

المستفتی: محمد احسان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز کے لئے کھڑے ہونا چاہئے؛ البتہ اگر مسجد کا رخ کعبہ کی طرف ۴۵/ ڈگری کے دائرہ کے اندر اندر ہے، تو مسجد کی بناوٹ کے اعتبار سے کھڑے ہونے سے بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر ۴۵/ ڈگری کے دائرہ سے باہر ہی مسجد کا رخ ہے، تو اس مسجد کی بناوٹ کے اعتبار سے کھڑے ہو کر نماز صحیح نہ ہوگی؛ بلکہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا واجب ہے اور غلط رخ پر بنی ہوئی مسجد کا رخ صحیح کر لینا ضروری ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۳۰۶، جدید زکریا ۲/ ۴۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۲/ ۱۴۱۷ھ

قبلہ کے متعلق چند سوالات

سوال [۶ ۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد شیخ پاڑا (مغربی بنگال) کے حسب اختلاف دو قبلے ہو گئے ہیں، قبلہ قدیم کی جانب رخ کر کے تقریباً چالیس سال تک نماز پڑھی گئی ہے، جس کا رخ دیگر تمام مساجد کی طرح سیدھا مغرب کی جانب تھا، اب ادھر آٹھ سات سال سے ایک بدیسی جماعت تبلیغ کے مشورہ سے کمپاس (Compass) کے ذریعہ دیکھے جانے پر مذکورہ مسجد کا ایک دوسرا قبلہ وجود میں آیا، ثانی الذکر قبلہ جدید کا رخ باعتبار دوسری تمام مساجد کے جنوب مغرب کی جانب ہے اور اس مدت مدید میں کبھی کسی مفتی سے اس مسئلہ کی تحقیق نہیں کرائی گئی تھی، اب تحقیق کرانے پر

زبانی یہ جواب ملا ہے کہ قبلہ قدیم اپنی جگہ پر صحیح ہے، مگر قبلہ جدید کی جانب بھی رخ کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن تحریری جواب دینے سے انہوں نے انکار کیا اور اس کی خاص وجہ تحفظ عظمت وعصمت اور گروہ بندی سے حفاظت بھی ہوسکتی ہے، جس بنا پر شریعت کے مطابق صحیح اطمینان بخش جواب دینے سے قاصر رہے؛ لہٰذا مفتیان عظام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ مذکورہ ذیل مسائل کی گتھیاں سلجھا کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں

(۱) قبلۂ قدیم قابل تردید ہے یا نہیں؟

(۲) قبلۂ قدیم باطل نہ ہونے کی صورت میں آیا قبلہ جدید کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) قبلہ کا علم ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص نماز میں اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ اس کے جسم کا اکثر حصہ دکھن کی جانب اور بقیہ پچھّم کی جانب ہو، تو آیا اس کی نماز درست ہوجائے گی یا نہیں؟

(۴) اگر ایک مسجد میں دو قبلے ہوں، تو کیا وہاں پر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عطاء اللہ بن محمد الیاس، ساکن رام کرشن پور، پوسٹ قاسم پور، تھانہ جے نگر، ضلع جنوبی ۲۴ر پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جس رخ کی طرف چالیس سال تک منہ کر کے نماز پڑھی گئی ہے، وہ نمازیں درست ہیں؛ کیوں کہ جس قدر انحراف سوال میں مذکور ہے، یہ ۴۵ر ڈگری کے اندر اندر ہے اور اس قدر انحراف سے نماز ہوجاتی ہے۔ اور کمپاس کے ذریعہ جو صحیح رخ سامنے آیا ہے، اقرب الی الصواب ہونے کی وجہ سے اب یہی قابل عمل ہے، اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی چاہیے، اس کے باوجود بھی اگر کسی نے پہلے رخ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز بھی ہوجائے گی۔

(۳) ایسی صورت میں چونکہ انحراف ۴۵ر ڈگری سے زیادہ ہے؛ اس لئے اس صورت میں نماز نہ ہوگی۔

(۴) کسی مسجد کے دو قبلے تو نہیں ہوتے ؛ البتہ صحیح پیمائش نہ ہونے کی بنا پر رخ میں تھوڑا بہت فرق آجاتا ہے، آلات اور مقیاس، کیمپاس وغیرہ کے ذریعہ جو صحیح رخ سامنے آئے وہی قابل عمل ہے، اسی کی طرف منہ کرکے سب کو نماز پڑھنی چاہئے۔ (مستفاد: معارف القرآن، سورۃ البقرۃ: ۱۴۲، اشرفیہ دیوبند ۱/ ۳۵۹-۳۶۴، قبلہ نما از اول تا آخر، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۳۰۶، جدید زکریا ۲/ ۴۲۰، فتاوی دار العلوم، زکریا ۴/ ۴۶)

عن أبي هريرة – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله ﷺ: ما بين المشرق والمغرب قبلة. (سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء أن ما بين المشرق والمغرب قبلة، النسخة الهندية ۱/ ۷۹، دارالسلام، رقم: ۳۴۲)

ومن كان غائبا عنها، أي عن الكعبة، ففرضه إصابة جهتها، أي جهة الكعبة؛ لأن الطاعة بحسب الطاقة. (البناية، الصلوة، باب شروط الصلاة، اشرفيه ۲/ ۱۴۴، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، المجلس العلمي ۲/ ۲۱، رقم: ۱۱۲۰)

فللمكي إصابة عينها، ولغيره إصابة جهتها، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتا للكعبة، أو لهوائها. (شامي، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، كراچی ۱/ ۴۲۸، زكريا ۲/ ۱۰۸-۱۰۹، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، كوئٹه ۱/ ۲۸۴، زكريا ۱/ ۴۹۵، فتح القدير، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة التي تتقدمها، زكريا ۱/ ۲۷۵-۲۷۶، كوئٹه ۱/ ۲۳۴-۲۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۸۸)

قبلہ اور وقت کا تعین نہ ہو تو نماز کا حکم

سوال [۱۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: جہاں قبلہ اور وقت کا تعین نہ ہو وہاں نماز کیسے ادا کی جائے؟ ٹرین اور ہوائی جہاز میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ اگر چہ قبلہ پشت کی جانب ہو؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں قبلہ معین نہ ہوسکے، وہاں تحری کر کے جدھر غالب گمان ہو، ادھر متوجہ ہو کر نماز ادا کی جائے۔

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ. [البقرة، الآية: ١١٥]

عن عبدالله بن عامر بن ربيعة، عن أبيه، قال: أظلمت مرة، ونحن في سفر، فاشتبهت علينا القبلة، فصلى كل رجل منا حياله، فلما انجلت إذا بعضنا قد صلى لغير القبلة، وبعضنا قد صلى للقبلة، فذكرنا ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: مضت صلاتكم، ونزلت: " فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ".

(مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٦٢، رقم: ١٢٤١)

عن عبدالله بن عامر بن ربيعة، عن أبيه قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر، في ليلة مظلمة، فلم ندر أين القبلة، فصلى كل رجل منا على حياله، فلما أصبحنا ذكرنا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فنزل: فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ.

(سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء في الرجل يصلي لغير القبلة في الغيم، النسخة الهندية ١/ ٨٠، دارالسلام، رقم: ٣٤٥، سنن ابن ماجة، الصلوة، باب من يصلي لغير القبلة وهو لا يعلم، النسخة الهندية ١/ ٧١، رقم: ١٠٢٠، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٩/ ٢٦٨، رقم: ٣٨١٢، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ١٤٣، رقم: ٤٦٠، سنن الدار قطني، الصلوة، باب الاجتهاد في القبلة وجواز التحري في ذلك، دارالكتب العلمية ١/ ٢٧٨، رقم: ١٠٥٢)

ويتحري هو بذل الجهود لنيل المقصود عاجز عن معرفة القبلة، فإن ظهر خطؤه لم يعد. (درمختار مع الشامي، باب شروط الصلوة، مطلب كرامات الأولياء

ثابتة، زکریا ۲/ ۱۱۵، کراچی ۱/ ۴۳۳، هدایه، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفیه ۱/ ۹۷، شرح وقایه، الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفي ۱/ ۱۳۷

اوراگر وقت کی تعیین مشکل ہے، تو احتیاط اس طرح کرے کہ وقت کے آخیر کا اندازہ لگا کر نماز ادا کرے۔ اور ٹرین اور ہوائی جہاز میں اگر دوران سر کا خطرہ نہ ہو تو کھڑے ہوکر پڑھنا لازم ہے۔ اور اپنا تجربہ ہے کہ عام طور پر دوران سر نہیں ہوتا، ہاں البتہ اڑتے ہوئے ہوائی جہاز میں اس وقت نماز پڑھ سکتے ہیں کہ جب وقت نکلنے کا خطرہ ہو۔

إن الصلوة في القطار السائرة كالصلوة في السفينة السائرة، والسفينة السائرة ليست كالدابة السارية. (وقوله:) وأما الطيارات، فيجب عليه التأخير فيها إلى آخر الوقت، فإذا خاف الفوات، فليصل كيف ما قدر.

(معارف السنن، باب ماجاء في الصلوة، على الدابة، أشرفی دیوبند ۳/ ۳۹۴-۳۹۵)

ثم إن مشايخنا كانوا يعدون القطار كالسرير المستقر على الأرض، فلا تجوز الصلوة فيه إلا قائما، وقيل: إنه كالسفينة، فتجوز قائما وقاعدا، وهو المختار عندي. (فيض الباري، الصلوة، باب الصلوة على الحصير، کوئٹه ۲/ ۲۴، رقم: ۳۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

کیا مریض پر استقبال قبلہ لازم ہے؟

سوال [۱۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں بجنور اسپتال میں جو مریض کی چارپائی پڑی ہیں وہ جنوب شمال ہے، مشرق ومغرب گنجائش نہیں ہے، مریض کا سر شمال ہے اور پیر جنوب میں ہیں، نماز کے لئے ہل

نہیں سکتا، کیا چت لیٹے اور داہنی کروٹ سے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ کیا شکل ہوگی؟ بعض مریض کا سر جنوب میں ہے اور پاؤں شمال کی طرف اور دائیں کروٹ اور چت لیٹنے کو منع کردیا ہے، پھر نماز کیسے پڑھے اور ہاتھ اٹھا نہیں سکتے بوتلیں چل رہی ہیں۔ ازراہ کرم تفصیل سے ہمارے ان مریضوں کو تحریر کردہ شکلوں میں نماز پڑھنے کا طریقہ ارشاد فرمادیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: ڈاکٹر ناظم علی ایم بی بی ایس، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مریض کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر چت لیٹ کر سر کے نیچے اونچا تکیہ وغیرہ لگا کر سر کو اونچا کیا جا سکتا ہے، تو قبلہ کی طرف پیر کرکے سر کے اشارے سے نماز پڑھے گا۔ اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر قبلہ کی طرف چہرہ کرکے اشارے سے نماز پڑھے۔ اور اگر دائیں کروٹ پر لیٹنا دشوار ہے، تو جنوب کی طرف سر کرکے بائیں کروٹ پر ہی لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے۔

مريض صاحب فراش لايمكنه أن يحول وجهه، وليس بحضرته أحد يوجهه يجزيه صلاته إلى حيث ما شاء، كذا في الخلاصة، وكذا إذا كان يجد من يحوله، ولكن يضره التحويل، هكذا في الظهيرية. (هندية، الباب الثالث، في شروط الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة، زكريا قديم ١/ ٦٣، جديد ١/ ١٢١)

فلو كان وجه المريض إلى غير القبلة، ولم يقدر على التحويل إليها بنفسه، ولا بغيره يصلي كذلك؛ لأنه ليس في وسعه إلا ذلك، ولا إعادة عليه بعد البرء. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض، زكريا ٢/ ٢٠٢، كوئٹه ٢/ ١١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۸۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

اسپنج پر سجدہ کرنے سے ادا ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسپنج پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس پر سجدہ ہو جائے گا یا نہیں؟ کیوں کہ کسی مولانا صاحب سے مسئلہ معلوم کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس پر سجدہ صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس پر سر نہیں ٹکتا ہے اور وجہ الجبہۃ علی الارض نہیں پایا جا رہا ہے؛ اس لئے مفتی صاحب سے عاجزانہ درخواست ہے کہ حضرت اس کا جواب خوب مدلل کر کے دیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد امتیاز دیناجپوری، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اسپنج اس قدر نرم ہے کہ اس پر سجدہ کرنے سے سر نہیں ٹکتا ہے، تو اس پر نماز درست نہیں ہوگی۔

وإنما يجوز إذا وجد صلابة الأرض، ولو صلى على القطن المحلوج إن وجد صلابة الأرض أجزأه، وإلا فلا، وكذا على الحشيش الموضوع والتين. الخ (الجوهرة النيرة، مكتبه تهانوي ١/ ٧٥، ومثله في جامع الرموز للقهستاني قديم ١/ ١٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/ ۱۴۳۶ھ

نیت کا طریقہ

سوال [۱۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: نیت کرنے کی تفصیل تحریر کریں اور زبان سے نیت کس طرح کریں؟ کیا زبان سے نیت کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: غیاث الرحمٰن، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیت دل سے ارادہ کر لینے کو کہتے ہیں، اگر کسی کا دل مطمئن نہیں ہوتا ہے، تو اس کے لئے زبان سے نیت کر لینا بہتر ہے۔

والنية: هي الإرادة، والشرط: أن يعلم بقلبه، أي صلاة يصلي، أما الذكر باللسان فلا معتبر به، ويحسن ذلک لاجتماع عزيمته. (هداية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفي ديوبند ۱/ ۹۶)

والنية: إرادة الدخول في الصلاة، والشرط: أن يعلم بقلبه، ومن عجز عن إحضار القلب يكفيه اللسان. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية، زكريا قديم ۱/ ۶۵، جديد ۱/ ۱۲۳، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، إعزازيه ديوبند ۱/ ۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۱۴ھ

نیت کیا ہے؟

سوال [۱۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں نیت کی کیا اہمیت ہے؟ کیا نماز روزہ میں نیت حدیث وقرآن سے ثابت ہے یا بدعت ہے؟ زبانی نیت کے بارے میں خلاصہ سمجھائیں۔

المستفتی: مبین اصغر، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دل سے نیت کرنا واجب ہے، زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. [البينة: ۵]

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى.

(صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف بدء الوحي؟ النسخة الهندية ۱/ ۲، رقم: ۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رمحرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۹۲/۳۳)

نیت دل کے ارادہ کا نام ہے؟

سوال [۱۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عیدالفطر کی نیت بتاتے وقت امام صاحب نے پہلی بار بتائی تو عیدالفطر دوسری بار میں منہ کعبہ شریف کی طرف، تیسری بار پیچھے امام کے کہنا چھوڑ دیا، اسی طرح سے مقتدیوں نے نیت باندھ لی، نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: اخلاق احمد سلیم پور گڑھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیت دل سے ارادہ اور قصد کرنے کو کہتے ہیں۔ اور نمازوں کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنا لازم نہیں؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں سب کی نماز عید بلا کراہت درست ہوگئی۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. [البينة: ۵]

لا يشترط مع نية القلب التلفظ في جميع العبادات. (الأشباه، الفن الأول، القاعدة الثانية، قديم ٥/ ٨٨)

والنية: هي الإرادة، والشرط: أن يعلم بقلبه، أي صلاة يصلي، أما الذكر باللسان فلا معتبر به. (هداية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفي ديوبند ١/ ٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۵۳)

کیا زبان سے نیت کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟

سوال [۱۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز کے لئے زبان سے نیت کرنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور زبان سے نیت کرنا ضروری ہے یا صرف دل سے نیت کر لینا کافی ہے؟ حکم شرعی واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبد اللطیف وعبد الملک نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز میں دل سے نیت کر لینا کافی ہے، زبان سے نیت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔

والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة –إلى– وقيل: سنة يعنى أحبه السلف، أو سنة علماء نا إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا التابعين، بل قيل: بدعة. (تحته في الشامية:) وقوله: إذ لم ينقل فى الفتح عن بعض الحفاظ لم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم من طريق صحيح، ولا ضعيف أنه كان يقول عند الافتتاح أصلى كذا، ولا عن أحد من الصحابة

والتابعين زاد في الحلية، ولا عن أئمة الأربع، بل المنقول أنه صلى الله عليه وسلم كان إذا قام إلى الصلوة كبر. (الدرالمختار مع الشامي، باب شروط الصلوة، مبحث في النية، زكريا ۲/ ۹۱، كراچی ۱/ ٤١٥-٤١٦، وهكذا في شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، إعزازيه ديوبند ۱/ ٦٧)

والشرط: أن يعلم بقلبه، أي صلاة يصلي، أما الذكر باللسان فلا معتبر به، ويحسن ذلک لاجتماع عزيمته. (هداية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفي ديوبند ۱/ ۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۱۱/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۶۱/۳۶)

امام کے لئے امامت کی نیت لازم نہیں

سوال [۱۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب نماز کی نیت کس طرح پڑھ کر کریں، اور امام کس کے پیچھے کہہ کر نیت باندھیں؟

المستفتی: حافظ ایوب، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام صرف اپنی نماز کی نیت سے نیت باندھے گا کسی کے پیچھے اور اقتدا وغیرہ کی نیت نہیں کرے گا۔ اور مقتدی کو اپنی نماز اور امام کی اقتدا دونوں کی نیت سے نیت باندھنا لازم ہے۔

ولا يصح الاقتداء بإمام إلا بنية، وتصح الإمامة بدون نيتها. (الأشباه والنظائر، قديم ۱/ ٣٤، جديد زكريا ۷۲، شامي، باب شروط الصلوة، مطلب مضى عليه سنوات، وهي يصلى الظهر قبل وقتها، زكريا ۲/ ۱۰۳، كراچی ۱/ ٤٢٤)

ولا يحتاج الإمام في صحة الاقتداء به إلى نية الإمامة، حتى لو شرع على نية الإفراد فاقتدى به يجوز. (شرح منيه، كتاب الصلوة، الشرط السادس في النية، أشرفيه ديوبند/ ٢٥١)

والإمام ينوي ما ينوي المنفرد، ولا يحتاج إلى نية الإمامة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية، زكريا قديم ١/ ٦٦، جديد ١/ ١٢٤، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٢٨)

والإمام ينوى صلاته فقط، ولا يشترط لصحة الاقتداء نية إمامة المتقدي. (شامي، كراچی ١/ ٤٢٤، زكريا ٢/ ١٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۱/۲۳)

امام کن الفاظ سے نیت کرے؟

سوال [۱۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ بات واضح فرمادیں کرم ہوگا کہ امام کو بوقت امامت کس طرح اور کن الفاظوں میں نیت کرنی چاہئے، بزبان عربی واردو، دونوں میں نیت تحریر فرمادیں، مہربانی ہوگی۔

المستفتی: عبداللہ امام مسجد محمدی عالم نگر، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کی امامت کے صحیح ہونے کے لئے نہ کوئی دعا پڑھنا شرط ہے اور نہ ہی امامت کی نیت پڑھنا شرط ہے؛ بلکہ صرف اپنی نماز کی نیت کرنا کافی ہے۔

وتصح الإمامة بدون نيتها. (الأشباه والنظائر، قديم ٣٤، جديد زكريا ٧٢،

شامي، باب شروط الصلوة، مطلب مضى عليه سنوات، وهي يصلى الظهر قبل وقتها، زكريا ٢/ ١٠٣، كراچی ١/ ٤٢٤)

ولا يحتاج الإمام في صحة الاقتداء به إلى نية الإمامة، حتى لو شرع على نية الإفراد فاقتدى به يجوز. (شرح منيه، كتاب الصلوة، الشرط السادس في النية، أشرفيه ديوبند/ ٢٥١)

والإمام ينوي ما ينوي المنفرد، ولا يحتاج إلى نية الإمامة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية، زكريا قديم ١/ ٦٦، جديد ١/ ١٢٤، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۴ھ

فرائض وسنن سے قبل نیت کرنے کا طریقہ

سوال [۱۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز فرض کی نیت زبان کے ذریعہ کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (۲) اسی طریقہ سے نماز سنت پڑھنے سے پہلے نیت کس طرح کریں؟ زبان سے کیا الفاظ کہنے چاہئے؟

المستفتی: ظہیر الدین دلپت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) نیت کے صحیح ہونے کے لئے زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا لازم نہیں ہے، ادا کرلے گا تب بھی جائز ہے اور نہیں ادا کرے گا تو بھی نماز کی صحت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، نیز فرائض وواجبات اور سنن ونوافل کی نیت کے کوئی خاص الفاظ روایات سے ثابت نہیں ہیں، ہاں البتہ فرائض وواجبات میں نفس نماز اور وقت کی تعیین

دل سے ضروری ہے، مثلاً فلاں وقت کی فرض یا واجب نماز کی دل سے تعیین ضروری ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. [البينة: ٥]

والشرط: أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي، ويكفيه مطلق النية للنفل، والسنة والتراويح، وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلا. (كنز مع البحر، باب شروط الصلوة، زكريا ١/ ٤٨٢، كوئٹه ١/ ٢٧٦، تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب شروط الصلوة، مطلب في حضور القلب والخشوع، كراچى ٤١٧١، زكريا ديوبند ٢/ ٩٥، هدايه، باب شروط الصلوة، أشرفي ديوبند ١/ ٩٧، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط السادس في النية، أشرفيه ديوبند/ ٢٥٥، مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٢٨)

ومع اللفظ، أي والقصد مع التلفظ بما يدل عليه أفضل من بلا تلفظ؛ لأن اللسان ترجمة الجنان، وهذا بدعة حسنة استحسنها المشايخ للتقوية، أو لدفع الوسوسة، ولا عبرة بالنطق باللسان وحده. (شرح النقاية، الصلاة، باب شروط الصلاة، اعزازيه ديوبند /٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۶۰)

جمعہ کی سنن قبلیہ کی نیت کس طرح کریں؟

سوال [۱۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خطبہ کی چار رکعت سے قبل جو سنت پڑھی جاتی ہے وہ جمعہ کی سنت ہوتی ہے یا اور کسی وقت کی اوراس میں نیت کس طرح کریں گے؟

المستفتی: غیاث الرحمٰن، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خطبہ کی اذان سے قبل جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں، وہ جمعہ کی سنتیں ہیں۔

عن عبداللہ، عن النبي صلی اللہ علیه وسلم أنه کان یصلي قبل الجمعة أربعا، وبعدها أربعا. (المعجم الأوسط، دارالفکر ۳/ ۹۱، رقم: ۳۹۵۹)

عن ابن عباس قال: کان النبي صلی اللہ علیه وسلم: یرکع قبل الجمعة أربعا، لایفصل في شيء منهن. (سنن ابن ماجة، باب ماجاء في الصلاة، قبل الجمعة، النسخة الهندية، ص: ۷۹، دارالسلام، رقم: ۱۱۲۹)

قبل الظهر والجمعة وبعدها أربع. (کنز الدقائق، ص: ۳٤)

اورنیت صرف سنت کی کرلی جائے۔

ثم إن کانت الصلاة نفلا یکفیه مطلق النية، وکذا إذا کانت سنة في الصحیح. (هدایه، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، أشرفی ۱/ ۹۷)

المصلي إذا کان متنفلا سواء کان ذلک النفل سنة مؤکدة أو غیرها یکفیه مطلق نية الصلاة. (حلبي کبیري، کتاب الصلوة، الشرط السادس في النية، أشرفیه ۱/ ۲٤۷)

وفي سائر السنن یکفیه مطلق النية، وبه أخذ عامة المشایخ. (المحیط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ۲/ ۲٤، رقم: ۱۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۱۴ھ

جمعہ کی سنن قبلیہ وبعدیہ کی نیت کا طریقہ

سوال [۱۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) جمعہ کے فرضوں سے پہلے ۴؍رکعت نماز سنت اور فرضوں کے بعد ۴؍رکعت نماز سنت کی نیت اگر زبان سے کہنا چاہیں گے تو ۴؍رکعت نماز سنت قبل الجمعہ اور بعد والی سنت کی نیت میں ۴؍رکعت نماز سنت بعد الجمعہ کہیں گے یا پھر کس طرح کہنا چاہئے؟

(۲) ظہر کے فرضوں سے پہلے والی چار رکعت نماز سنت اور بعد والی ۲؍رکعت نماز سنت میں قبل ظہر اور بعد ظہر کہیں گے یا پھر کس طرح کہنا چاہئے؟

المستفتی: سلیم احمد انصاری، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) صرف فرض نمازوں کے لئے ظہر وعصر وغیرہ کی تعیین کرنا ضروری ہے، سنن ونوافل مطلق نیت سے بھی ادا ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا قبل الظہر اور بعد الظہر یا قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی زبان سے قید لگانا ضروری نہیں ہے، صرف سنتوں اور نفلوں کی دل سے نیت کرلی جائے تو سنن ونوافل صحیح ہوجائیں گی۔

وأما النافلة، والسنة الراتبة، فقدمنا أنها تصح بمطلق النية وبنية مباينة. (الأشباه، القاعدة الثانية، مطبوعه ديوبند، ص: ۷۰)

قال –رحمه الله–: ويكفيه مطلق النية للنفل، والسنة، والتراويح، هو الصحيح. (تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة، إمداديه ملتان ۱/ ۹۹، زكريا ۱/ ۲۶۲)

يكفيه مطلق النية إن كانت الصلاة سنة؛ لأن السنة نفل أيضا. (البناية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، أشرفي ديوبند ۲/ ۱۴۰)

ويكفي مطلق النية للنفل، والسنة، والتراويح في الصحيح. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۸، مصري قديم ۱/ ۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۷/۷ھ

کیا سنتوں کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا ضروری ہے؟

سوال [۱۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگ نماز کی سنتوں کے اندر اس طرح نیت کرتے ہیں کہ ”نیت کی میں نے مثلاً فجر کی دو رکعت سنت رسول اللہ کی واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر“ تو اس میں دریافت یہ کرنا ہے کہ سنت رسول اللہ کا جملہ کہیں سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار پوکر بھنڈا دیوریا، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں خواہ وہ فرض ہو یا سنت یا نفل دل سے نیت کرنا کافی ہے، زبان سے اس کی تعیین کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، اسی طرح سنت رسول اللہ کہنا بھی ثابت نہیں؛ لیکن پھر بھی اگر زبان سے کہنا چاہے تو صرف اتنا کافی ہے کہ میں ظہر کی سنت یا فجر کی سنت پڑھتا ہوں، اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲/۱۴)

وكفى مطلق نية الصلاة، وإن لم يقل لله تعالىٰ لنفل وسنة راتبة.

(درمختار مع الشامي، باب شروط الصلوة، مبحث في النية، كراچی ۱/ ۴۱۵-۴۱۶، زكريا ۲/ ۹۴)

وفي سائر السنن يكفيه مطلق النية، وبه أخذ عامة المشايخ رحمهم الله.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فى فرائض الصلاة، وواجباتها، زكريا ۲/ ۳۹، رقم: ۱۶۳۴، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ۲/ ۲۴، رقم: ۱۱۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۱ھ

۵/ باب صفة الصلوة

بحالت قیام پیروں کی انگلیوں کا رخ

سوال [۱۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قیام کی حالت میں پیروں کی انگلیوں کا رخ کس طرف ہونا چاہئے؟

المستفتی: محمد قاسم گانوڑی پوسٹ بڑھاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت قیام میں دونوں پاؤں کو سیدھا رکھنا اس طرح کہ انگلیاں قبلہ رخ رہیں مسنون ہے۔ اور اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔

يستقبل بأطراف رجليه القبلة قاله أبوحميد عن النبي صلى الله عليه وسلم. (بخاري تحت ترجمة الباب ۱/ ۱۱۲)

ومنها: أي من سنن الصلوة توجيه أصابع رجليه إلى القبلة. (شامي، باب صفة الصلوة، مطلب فى إطالة الركوع للجائي، كراچى ۱/ ۵۰۴، زكريا ۲/ ۲۱۱)

ويكره أن يحرف أصابع يديه أو رجليه عن القبلة في السجود وغيره. (هندية، الباب السابع فيما يفسد الصلوة، وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالا يكره، زكريا قديم ۱/ ۱۰۸، جديد ۱/ ۱۶۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۲ھ

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: بعض بعض آدمی نماز میں تکبیر تحریمہ کہتے وقت وسطیٰ انگلی کانوں تک اٹھاتے ہیں، مگر حدیث میں شہادت کی انگلی اٹھانا سنت ہے،تو جو وسطیٰ انگلی اٹھاتے ہیں وہ سنت کے خلاف کرتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھوں کا اٹھانا اس طرح سنت ہے کہ انگوٹھا کانوں کی لو کے محاذ میں ہو اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر کے حصے کے مقابل ہوں،اس وقت نہ صرف شہادت کی انگلی کا اٹھانا ہے اور نہ وسطیٰ کا؛ بلکہ دونوں ہاتھ مذکورہ طریقہ پر اٹھائے جائیں۔

عن وائل بن حجر قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلاة رفع يديه حيال أذنيه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب وضع يده اليمنى على اليسرى، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۵، دارالسلام، رقم: ۷۲۶، سنن نسائي، الصلاة، باب رفع اليدين حيال الأذنين، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۱، دارالسلام، رقم: ۸۸۰)

إذا أراد الدخول في الصلوة كبر، ورفع يديه حذاء أذنيه، حتى يحاذي بإبهاميه شحمتي أذنيه، وبرؤوس الأصابع فروع أذنيه. (هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ۱/ ۷۳، جديد ۱/ ۱۳۰، بدائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، زكريا ۱/ ٤٦٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۴ھ

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟

سوال [۱۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تکبیر تحریمہ کے وقت لوگ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر نیت باندھ لیتے ہیں؛ لیکن ایک

صاحب نیت باندھتے وقت جب ہاتھ اٹھاتے ہیں تو چوہڑ کی سیدھ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، کبھی ناک تک کبھی منہ کے باہر جس طرح طواف ہوتا ہے، میں نے ان صاحب سے کہا کہ ہاتھ کان کے سیدھ میں اٹھانا چاہئے، ان کا کہنا ہے کہ کانوں کی اونچائی تک ہاتھ اٹھانا شرط ہے، کانوں کی سیدھ شرط نہیں؛ اس لئے ہاتھ اٹھاتے وقت اختیار ہے کہ چاہے ناک کی سیدھ میں ہاتھ کرے یا منہ کے باہر اونچائی کانوں کی لو تک ہونا چاہئے، کیا یہ اختیار ہے؟ شریعت کے بموجب کہ ہاتھ کی سیدھ ناک پر ہو چوہڑ پر ہو یا منہ کے باہر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھانا مسنون ہے، بقیہ شکلیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسنون نہیں ہیں۔

عن مالك بن الحويرث، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما أذنيه. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب رفع اليدين، النسخة الهندية ١/ ١٦٨، بيت الأفكار، رقم: ٣٩١، مسند دارمي، دارالمغني ٢/ ٧٩٥، رقم: ١٢٨٦، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب افتتاح الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٠٩، دارالسلام، رقم: ٧٤٥، سنن نسائي، الصلاة، باب رفع اليدين حذو فروع الأذنين، النسخة الهندية ١/ ١٢٠، دارالسلام، رقم: ١٠٥٦، المعجم الأوسط، قديم ٣/ ٢٤٢، دارالفكر، جديد رقم: ٢/ ٢٠٧، رقم: ٣٠٣٩، المعجم الكبير ١٩/ ٢٨٤، رقم: ٦٢٥)

رفع يديه حتى يحاذي بإبهاميه شحمة أذنيه. (هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ١/ ١٠٠)

ورفع يديه (إلى قوله:) ماسا بإبهاميه شحمتي أذنيه. (الدرالمختار كراچی ١/ ٤٨٢، زكريا ٢/ ١٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۸۸)

کیا کان کی لو کو چھونا ضروری ہے؟

سوال [۱۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں ہاتھ کس طرح اور کہاں باندھنا چاہئے؟ نماز کے لئے ہاتھ کانوں تک اٹھانا چاہئے یا کانوں کی لو سے لگا کر باندھنا ضروری ہے؟

المستفتی: قاری محمد فیض خان مفتاحی، دہلوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں کے لئے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو بوقت تکبیر تحریمہ کانوں کی لو کے برابر اٹھانا مسنون ہے، لو سے لگا دینا لازم نہیں ہے۔

عن وائل بن حجر قال: رأيت النبي صلی اللّٰه عليه وسلم حين افتتح الصلاة رفع يديه حيال أذنيه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب رفع اليدين في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۵، دارالسلام، رقم: ۷۲۸، صحيح مسلم، الصلاة، باب وضع يديه اليمنى على اليسرىٰ، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۳، بيت الأفكار، رقم: ۴۰۱، سنن نسائي، الصلاة، باب رفع اليدين حيال الأذنين، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۱، دارالسلام، رقم: ۸۸۰)

عن مالك بن الحويرث، أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما أذنيه. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب رفع اليدين، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۸، بيت الأفكار، رقم: ۳۹۱، مسند دارمي، دارالمغني ۲/ ۷۹۵، رقم: ۱۲۸۶، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب افتتاح الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دارالسلام، رقم: ۷۴۵، سنن نسائي، الصلاة، باب رفع اليدين حذو فروع الأذنين، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۰، دارالسلام، رقم: ۱۰۵۶، المعجم الأوسط، قديم ۳/ ۲۴۲، دارالفكر رقم: ۲/ ۲۰۷، رقم: ۳۰۳۹، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي ۱۹/ ۲۸۴، رقم: ۶۲۵)

عن عبدالجبار بن وائل عن أبيه قال: رأيت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يرفع إبهاميه في الصلاة إلى شحمة أذنيه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب

افتتاح الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٠٨، دارالسلام، رقم: ٧٣٧، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٢٢/ ٣٢، رقم: ٧٢، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٣١٦، رقم: ١٩٠٥٤)

رفع يديه حتى يحاذي بإبهاميه شحمة أذنيه. (هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ١/ ١٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۲ھ

تکبیر تحریمہ سے قبل تسمیہ پڑھنا

سوال [۱۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح نماز کی نیت باندھ کر ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں، کیا نیت باندھنے سے پہلے تسمیہ پڑھ کر نیت کرکے تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھنا ثابت ہے؟ ہمارے علاقہ میں عام طور پر لوگ بسم اللہ پڑھ کر نیت کرکے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، کیا اس موقع پر بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے؟

المستفتی: عبدالرشید، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بسم اللہ پڑھنا ثابت نہیں؛ بلکہ اس کا وقت اور ثبوت ''الحمد'' شریف شروع کرتے وقت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، ڈابھیل ۵/ ۵۸۸)

وروى ابن أبي رجاء عن محمد أنه يأتي بالتسمية عند افتتاح كل ركعة، وعند افتتاح السورة أيضا. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في ما يفعله بعد الشروع في الصلاة؟ المجلس العلمي ٢/ ١١٤، رقم: ١٣٤٧، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث، باب كيفية الصلاة، زكريا ٢/ ١٦٦، رقم: ٢٠٣٥)

وفي ذكر تسمية بعد التعوذ إشارة إلى محلها فلو سمى قبل التعوذ

أعاده بعده لعدم وقوعها في محلها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١/ ٥٤٥، كوئٹه ١/ ٣١٢)

وذكر فی المحیط: المختار قول محمد، وهي يسمى قبل الفاتحة، وقبل كل سورة في كل ركعة. (شامي، باب صفة الصلاة، مطلب في بيان المتواتر بالشاذ، زكريا ٢/ ١٩٢، كراچی ١/ ٤٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۳۲ھ

صرف لفظ ''اللہ'' سے تکبیر تحریمہ

سوال [۱۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر تکبیر تحریمہ میں صرف لفظ ''اللہ'' کہے تو اس سے تکبیر تحریمہ درست ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر تحریمہ میں صرف لفظ ''اللہ'' کہنے سے بھی نماز درست ہو جائے گی۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى. [الأعلیٰ: ١٥]

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ. [طه: ١٤]

يصير شارعا بقوله: الله. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات، زكريا ٢/ ١٥١، برقم: ١٦٩٩)

عن الشعبيؒ قال: بأي أسماء الله افتتحت الصلاة أجزأک. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٢/ ٤٢٠، رقم: ٣٤٧٩)

إن الشروع يصح بالله بدون أكبر. (البحر الرائق، باب صفة الصلاة، كوئٹه ١/ ٢٩٢، زكريا ١/ ٥٠٨)

تجوز التحريمة بجميع الأسماء الحسنى. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات، زكريا ٢/ ٥١، رقم: ١٦٩٧)

ولو ذكر الاسم دون الصفة بأن قال: الله، أو الرحمن، ولم يزد عليه يصير شارعا عند أبي حنيفة. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، إمداديه، ملتان ١/ ١١٠، زكريا، ١/ كذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٣٩، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض...... فصل في تكبير الافتتاح، المجلس العلمي ٢/ ٣٣، رقم: ١١٦٣، كوئٹه ١/ ٣٣٥، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الأركان، صفة الذكر الذي يصير به شارعا، زكريا ١/ ٣٣٦، كراچی ١/ ١٣١، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات، جديد زكريا ٢/ ٥١، برقم: ١٧٠٢، هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، زكريا قديم ١/ ٦٨، جديد ١/ ١٢٥، عناية مع الفتح، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كوئٹه ١/ ٢٤٧، زكريا ١/ ٢٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

تکبیر تحریمہ میں لفظ ''اکبر'' کو بہت آہستہ سے کہنا

سوال [۱۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب لفظ ''اللہ'' تو زور سے کہتے ہیں؛ لیکن ''اکبر'' کو اتنا آہستہ سے کہتے ہیں کہ پہلی صف کے لوگ بھی نہیں سن پاتے، تو ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیرات کا بآواز بلند کہنا سنت ہے؛ لہٰذا امام صاحب کا

لفظ ''اللہ'' کو زور سے اور لفظ ''اکبر'' کو اتنا آہستہ سے کہنا کہ صف اول کے مقتدی بھی سن نہ سکیں خلاف سنت عمل ہے، جو واجب الترک ہے۔

أما سنن الصلاة فمن جملتها ...... جهر الإمام بالتكبير إعلاما للناس بالشروع. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، سنن الصلاة، زكريا ٢/ ١٣٣، برقم: ٩٥٥)

يجهر الإمام بتكبيرة الركوع وغيره، وهو ظاهر الرواية. (هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧٤، جديد ١/ ١٣١)

وسننها جهر الإمام بالتكبير لحاجته إلى الإعلام بالدخول. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٣٤، مصري قديم ١/ ٩٠، مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ٩٥، حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها دارالكتاب، ديوبند ٢٦٢)

وسننها: جهر الإمام بالتكبير بقدر حاجته للإعلام بالدخول. (شامي، باب صفة الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، زكريا ٢/ ١٧١، كراچی ١/ ٤٧٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

امام کا تکبیر میں ''ااا اللہ'' کہنا

سوال [۱۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب تکبیرات میں ہمیشہ ''اَاَاَاللہ أکبر'' کبھی ''اَاَاللہ أکبر'' کبھی ''اَاللہ أکبر'' پڑھتے ہیں، ایک صاحب کا کہنا ہے، اس طرح کہنے سے کیا اللہ بڑا ہے کا مطلب نکلتا ہے، امام صاحب کا فرمانا ہے کہ گلے میں کچھ تکلیف ہے، اس طرح تکبیرات کی ادائے گی سے نماز میں کچھ خرابی تو نہیں ہوتی؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ اکبر کی جگہ ”آللہ اکبر“ کہنے سے، اسی طرح ”االلہ اکبر“ کہنے سے معنی بدل جاتے ہیں؛ لیکن امام صاحب جب یہ کہہ رہے ہیں کہ میں ”اللہ اکبر“ ہی کہتا ہوں؛ لیکن گلے میں تکلیف کی وجہ سے اسی طرح کا تلفظ سنائی دیتا ہے، تو ایسی صورت میں امام صاحب کے کہنے کے مطابق ایک ہی الف مانا جائے گا۔ اور معنی اپنی جگہ صحیح شمار کئے جائیں گے، اگر امام صاحب کا یہ عذر ہر مقتدی کو معلوم نہ ہو اور مقتدیوں کو اس میں تردد بھی ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں ایسے امام کو امامت کا فریضہ انجام نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ رضاکارانہ طور پر امامت کی ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کر لینی چاہئے۔

وإمامة الألثغ لغيره تجوز ...... وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمادها صاحب الحلية، قال: لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ، زكريا ۲/ ۳۲۷، کراچی ۱/ ۵۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۲؍شوال ۱۴۳۲ھ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۸۸)

تکبیر تحریمہ میں لفظ ”اللہ“ کے بعد لفظ ”اکبر“ کو چھوڑ دینا

سوال [۱۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص تکبیرات انتقالیہ میں صرف لفظ ”اللہ“ کہتا ہے اور ”اکبر“ چھوڑ دیتا ہے، اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو امام تکبیرات انتقالیہ میں صرف لفظ ”اللہ“ کہتا ہے اور ”اکبر“ چھوڑ دیتا ہے، اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

عن عمران، عن عبدالله بن عبدالرحمن بن أبزي، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ كان لا يتم التكبير، وفي حديث عمرو عن ابن عبد الرحمن بن أبزي، عن أبيه أنه صلى مع النبي ﷺ، وكان لا يتم التكبير، فقد يكون كبر ولم يسمع، وقد يكون ترك مرة ليبين الجواز. (سنن كبرى، كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع وغيره، قديم ۲/ ٦٨، دارالفكر جديد ۲/ ۳۸۰، رقم: ۲٥٥۷)

حدثنا أبو داؤد عن شعبة عن الحسن بن عمران، أن عمر بن عبدالعزيز كان لا يتم التكبير، حدثنا يحيى بن سعيد، عن عبيد الله بن عمر، قال: صليت خلف القاسم وسالم كانا لا يتمان التكبير. (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب إتمام التكبير في الركوع، زكريا ٤/ ٥١١، داراحياء التراث العربي بيروت ٦/ ٥٨)

كان ابن عمر ينقص التكبير في الصلاة. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ٤۳۱، رقم: ۲٥۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

تکبیرات انتقالیہ کا مسنون طریقہ

سوال [۱۸٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں تکبیرات انتقالیہ کے بارے میں شریعت مطہرہ کیا وضاحت کرتی ہے؟ آپ فتوی کی روشنی میں کسی فقہی کتاب کا حوالہ دے کر تحریر فرما دیں، نہایت کرم ہوگا۔

المستفتی: خورشید انور، مدرسہ تعلیم القرآن، مسجد بادل خان
قصبہ حسن پور، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیرات انتقالیہ میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ انتقال

کے ساتھ ساتھ تکبیر شروع کرے اور انتہا پر تکبیر ختم کرے۔ اور اگر انتقال کے بعد تکبیر شروع کرے تو مکروہ ہے۔

بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخرور وانتهاء ه عند انتهاء ه. (شامي، باب صفة الصلاة، مطلب قراء ة البسملة بين الفاتحة والسورة، كراچى ١/ ٤٩٧، زكريا ٢/ ٢٠٢، شرح كبيري، صفة الصلاة، أشرفيه ديو بند ٣١٤)

فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ عند الاستواء للركوع؛ لأن هذا تكبيرة الانتقال. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في ما يفعله بعد الشروع فى الصلاة، المجلس العلمي ٢/ ١١٤، رقم: ١٣٤٨)

وفيه فمخالفة ذلك مخالفة السنة، فيكره. (كبيري، اشرفيه ديوبند ٣٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۶۸)

تکبیرات انتقالیہ کہنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب انتقال رکن کے بعد تکبیر کہتے ہیں، جہاں ثنا پڑھنی ہے وہاں اللہ اکبر کہتے ہیں، جہاں تسبیح پڑھنی ہے وہاں اکبر کہتے ہیں، درست وافضل کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر کہنے کا وقت ایک رکن سے دوسرے رکن کے درمیان کا ہے؛ لہٰذا دونوں رکنوں کے درمیان تکبیر کا اس طرح ہونا بہتر اور افضل ہے کہ پہلے رکن سے تکبیر کی ابتداء ہو اور دوسرے رکن تک تکبیر ختم ہو جائے۔ اور اگر اس کے خلاف

ہوجائے، جیسا کہ سوال نامہ میں لکھا ہوا ہے، تو تکبیر درست تو ہوجاتی ہے، مگر افضلیت کے خلاف ہے، ہاں البتہ اگر کوئی امام کسی بھی عذر کی وجہ سے اسی طریقہ پر تکبیر کہتا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں لکھا ہوا ہے، تو خلاف افضلیت بھی نہیں ہے۔

عن الزهري قال: أخبرني أبو بكر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام، وأبو سلمة بن عبدالرحمن، أن أبا هريرة كان يكبر في كل صلاة من المكتوبة وغيرها في رمضان وغيره، فيكبر حين يقوم، ثم يكبر حين يركع، ثم يقول: سمع الله لمن حمده، ثم يقول: ربنا ولك الحمد قبل أن يسجد، ثم يقول: الله أكبر حين يهوي ساجدا، ثم يكبر حين يرفع رأسه من السجود، ثم يكبر حين يسجد، ثم يكبر حين يرفع رأسه من السجود، ثم يكبر حين يقوم من الجلوس في الإثنين، ويفعل ذلك في كل ركعة، حتى يفرغ من الصلاة. (صحيح البخاري، الصلاة، باب يهوي بالتكبير حين يسجد، النسخة الهندية ١/ ١١٠، رقم: ٧٩٥، ف: ٨٠٣، صحيح مسلم، الصلاة، باب إثبات التكبير في كل خفض، النسخة الهندية ١/ ١٦٩، بيت الأفكار، رقم: ٣٩٣)

أفاد أن السنة كون ابتداء التكبير عن الخرور، وانتهائه عند استواء الظهر، وقيل: إنه يكبر قائما، والأول هو الصحيح. (شامي، باب صفة الصلاة، مطلب قراء البسملة بين الفاتحة والسورة، زكريا ٢/ ١٩٦، كراچی ١/ ٤٩٣)

يسن التكبير عند الخرور وابتداءه عند أول الخرور، وفراغه عند الاستواء. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١/ ٥٥٠، كوئٹه ١/ ٣١٥، هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧٥، جديد ١/ ١٣١، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث كيفية الصلاة ٢/ ١٦٨، رقم: ٢٠٣٧)

فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور، والفراغ عند الاستواء للركوع؛

لأن هذا تكبيرة الانتقال. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في مايفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۲/ ۱۱٤، رقم: ۱۳٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۷/۵/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۴ھ

تکبیر انتقالیہ کو زیادہ کھینچنا

سوال [۱۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب اتنی لمبی تکبیر تحریمہ کہتے ہیں جو ہاتھ باندھنے کے بعد مکمل ہوتی ہے اور رکوع میں جانے کے بعد تکبیر کہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، لائن آزادنگر، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہاتھ باندھنے پر جو تکبیر مکمل ہوتی ہے، وہ اتنی لمبی نہیں ہوتی ہے، ایک ڈیڑھ الف کے بقدر اللہ کا لام کھینچ کر تکبیر کہی جاسکتی ہے، اس کی گنجائش ہے۔

وكبر بلا مد ...... وحاصله: الإمساك عن إشباع الحركة والتعمق فيها، والإضراب عن الهمزة المفرطة والمد الفاحش.

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۵٤۸، كوئٹه ۱/ ۳۱٤، هدايه مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۳۰۲، كوئٹه ۱/ ۲۵۸، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه إمداديه، ملتان ۱/ ۱۱٤، زكريا ۱/ ۲۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۷ھ

الفاظ تکبیر کو کھینچنا

سوال [۱۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب تکبیرات اتنی لمبی کر دیتے ہیں کہ ان کے مقتدی اکثر ان سے پہلے تکبیر مکمل اورانتقال رکن کر جاتے ہیں، اس بارے میں افضل کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹرعبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسنون وافضل یہی ہے کہ تکبیر کو حسب ضرورت کھینچا جائے اورضرورت سے زیادہ نہ کھینچا جائے اور تکبیرات انتقالیہ میں تکبیر کہتے ہوئے جس رکن کی طرف منتقل ہوتے ہیں، اس رکن پر پہنچتے ہی تکبیر ختم کر دینی چاہئے۔

وكبر بلا مد ...... وحاصله: الإمساك عن إشباع الحركة والتعمق فيها، والإضراب عن الهمزة المفرطة والمد الفاحش. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۵۴۸، كوئٹه ۱/ ۳۱۴، هدايه مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۳۰۲، كوئٹه ۱/ ۲۵۸)

فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ عند الاستواء للركوع؛ لأن هذا تكبيرة الانتقال. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في ما يفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۲/ ۱۱۴، رقم: ۱۳۴۸، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ۲/ ۱۶۸، رقم: ۲۰۳۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۷/۵/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۶ھ

کیا حضور ﷺ سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت ہے؟

سوال [۱۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے؟

المستفتی: مطلوب احمد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناف کے اوپر اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق بھی احادیث میں وارد ہے۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق بھی بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں، ہم نے ’’غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات‘‘ میں سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے سے متعلق ۳/ روایت نقل کی ہیں۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق ۶/ روایات نقل کی ہیں، ناظرین براہ راست ان روایات کو دیکھ لیں، صفحہ: ۶۸ سے صفحہ: ۷۳ تک یہ روایات درج ہیں۔ اور ہمارے سامنے سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے سے متعلق روایات کے مقابلہ میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے۔ اور سند کے اعتبار سے متصل السند، مرفوع اور عالی سند کے ساتھ مروی ہے۔ حدیث شریف مع سند کے ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا وكيع، عن موسىٰ بن عمير، عن علقمة بن وائل بن حجر، عن أبيه، قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة، رجاله كلهم ثقات. (المصنف لابن أبي شيبة، قديم ۱/ ۳۹۰، مؤسسة علوم القرآن جديد ۳/ ۳۲۰، رقم: ۳۹۵۹)

اور اس کے مقابلہ میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی جتنی بھی روایات ہیں، ان میں سے کوئی بھی روایت ایسی نہیں ہے، جس پر کچھ نہ کچھ کلام نہ کیا گیا ہو؛ لیکن یہ ایک امر مستحب ہے؛ اس

لئے ناف کے اوپر یا سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے والوں پر حنفیہ کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا ہے، نیز زیر ناف ہاتھ باندھنے میں زیادہ تعظیم بھی ہے اور عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی نہیں ہے، حالانکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صورت میں عورتوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے؛ اس لئے حنفیہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رصفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۶ھ

زیر ناف ہاتھ باندھنے کا تحقیقی جائزہ

نماز کے اندر سینہ پر ہاتھ باندھا جائے یا ناف کے نیچے؟ تو اس بارے میں ائمہ اہل حق کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے، کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل اور مستحب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ناف کے اوپر سینہ کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے اور اوپر دونوں میں اختیار ہے؛ لیکن حضرت وائل بن حجرؓ کی صحیح مرفوع متصل روایت کی وجہ سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا زیادہ راجح ہے، مگر غیر مقلدین نے اس کو حق وباطل کا مسئلہ بنا لیا ہے، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں؛ اس لئے صحیح بات کو واضح کرنے کے لئے یہ تحریر لکھنے کی ضرورت پڑی، اب اس سلسلے میں احادیثِ شریفہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے ہم نے پورے ذخیرۂ حدیث کا اس سلسلہ میں مطالعہ کرکے دیکھا تو روایات دونوں طرف موجود ہیں، سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات بھی کتب حدیث میں موجود ہیں، مگر وہ تمام روایات متکلم فیہ ہیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق بھی کتب حدیث میں کافی روایات موجود ہیں، متعدد صحابہ کرام سے مرفوع اور غیر مرفوع روایات موجود ہیں؛ لیکن غیر

مقلدین یاد رکھیں کہ حنفیہ صرف حضرت علیؓ کے قول سے استدلال نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ قول علیؓ کے علاوہ تحت السرۃ ہاتھ باندھنے کے متعلق متعدد صحابہؓ سے روایات مروی ہیں، اور ان میں صحیح، مرفوع، متصل حدیث سند عالی کے ساتھ بھی موجود ہیں، جو آگے ''مصنف ابن ابی شیبہ'' کے حوالہ سے ہم آپ کی خدمت میں پیش کریں گے؛ لہٰذا ہم آپ کے سامنے اولاً دونوں قسم کی روایات پیش کرتے ہیں، اس کے بعد اصل مسئلہ کیا ہے؟ اس کو پیش کریں گے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات

سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق تین روایات ہم کو ملی ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجر کی روایت:

أخبرنا أبو سعيد أحمد بن محمد الصوفي، أنبأنا أبو أحمد بن عدي الحافظ، حدثنا ابن صاعد، حدثنا إبراهيم بن سعيد، حدثنا محمد بن حجر الحضرمي، حدثنا سعيد ابن عبد الجبّار ابن وائل عن أبيه عن أمّه عن وائل بن حجر قال: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أو حين نهض إلى المسجد، فدخل المحراب، ثم رفع يديه بالتكبير، ثم وضع يمينه على يسراه على صدره. ورواه أيضا مؤمل بن اسماعيل عن الثوري عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله، ثم وضعهما على صدره. (السنن الکبری للبیهقی دار الفکر بیروت ۲/ ۳۱۷، حدیث: ۲۳۸۳، دارالمعرفة ۲/ ۳۰، نصب الرایة ۱/ ۳۱۵، تحفة الأحوذي ۲/ ۷۹، صحیح ابن خزیمة، المکتب الإسلامي ۱/ ۲۷۲، برقم: ۴۷۹)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ مسجد کے لئے تشریف لے جارہے تھے، تو آپ محراب میں داخل ہوئے، اور تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھایا، اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے

اوپر رکھا، نیز مؤمل بن اسماعیل کی روایت میں ہے کہ حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا، پھر ان دونوں کو سینہ کے اوپر رکھا۔

(۲) حضرت ہلب طائی کی روایت:

حدثنا عبدالله، حدثني أبي، حدثنا يحيىٰ بن سعيد عن سفيان، حدثني سماك بن حرب عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم ينصرف عن يمينه وعن يساره، ورأيته قال: يضع هذه على صدره، ووصف يحيىٰ اليمنى على اليسرى فوق المفصل. (مسند إمام أحمد ٥/ ٢٢٦، رقم: ٢٢٣١٣، تحفة الأحوذي ٢/ ٨٠، إعلاء السنن ٢/ ١٨٤ كراچی، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٤)

حضرت ہلب طائی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دائیں طرف اور بائیں طرف متوجہ ہوجاتے تھے، اور میں نے آپ ؐ کو اشارہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ اس کو اپنے سینے پر رکھے ہوئے ہیں۔ اور حدیث کے راوی یحییٰ بن سعید نے ’’**هذه على صدره**‘‘ کی وضاحت یوں بیان فرمائی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی کے اوپر رکھتے تھے۔

(۳) حضرت طاؤس بن کیسان کا اثر:

وعن طاؤس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع يده اليمنى على يده اليسرى، ثم يشبّك بهما على صدره وهو فى الصلاة. (مراسيل أبوداؤد ٦، تحفة الأحوذي ٢/ ٨١، معارف السنن ٢/ ٤٤٠)

اور حضرت طاؤس ابن کیسان سے مرسل روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھتے، پھر ان دونوں کو باندھ کر کے نماز میں اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق یہ تین روایتیں ہیں، پہلی روایت حضرت وائل بن حجر کی ہے، حضرت وائل بن حجر کی روایت متکلم فیہ اور ضعیف ہے، اوران کی روایت کی سند میں محمد بن حجر منکرالحدیث ہے، سنن کبری بیہقی کے حاشیہ میں اس پر کافی بحث کی ہے، اسی طرح وائل بن حجر کی روایت مؤمل سے بھی نقل کی گئی ہے۔(السنن الکبری للبیہقی نسخہ قدیم ۲/۳۰،نسخہ بیروت ۲/۴۶)

تہذیب الکمال اور میزان الاعتدال میں ان کو کثیر الغلط کہا گیا ہے۔اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے، جب کہ امام ابوحاتم اور امام ابوزرعہ رازی وغیرہ نے ان کو کثیر الخطاء کہا ہے۔ (سنن کبریٰ ۲/۳۰) کے حاشیہ میں یہ پوری تفصیل موجود ہے۔

اورہلب کی روایت میں "**یضع هذه علی صدره**" کا لفظ متعین نہیں ہے، اس پر محدثین نے زبردست کلام کیا ہے، عون المعبود اور التعلیق الحسن وغیرہ میں اس لفظ پر کلام کیا ہے کہ علی صدرہ کا لفظ از قبیل تصحیف ہے، یہ کاتب کی طرف سے تصحیف ہے اور لفظِ وصف یحیٰ الیمنیٰ کے الفاظ سے واضح ہے کہ یحیٰ نے اپنی طرف سے یمنیٰ کا لفظ بڑھایا ہے، الیمنیٰ حدیث کا لفظ نہیں ہے، اور حدیث کے الفاظ "**یضع هذه علی هذه**" ہیں؛ لہٰذا صحابی کے الفاظ میں "**علی هذه**" ہے "**علی صدره**" نہیں ہے، نیز حضرت ہلب کی روایت دوسری اسناد سے جومروی ہے، اس میں کہیں بھی "**علی صدره**" کا لفظ نہیں ہے، اعلاء السنن میں اس کی تفصیل موجود ہے۔(اعلاء السنن کراچی ۲/۱۶۹، بیروت ۲/۱۸۰ تا ۱۸۴)

نیز علامہ شوق نیموی نے التعلیق الحسن علی آثار السنن میں مختلف دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت ہلب کی روایت میں درحقیقت علی صدرہ کے الفاظ نہیں ہیں، یہ کاتب کی طرف سے اضافہ ہے، نیز ہلب کی روایت میں سماک ابن حرب کو لین الحدیث کہا گیا ہے؛ اس لئے حضرت ہلب کی روایت بھی متکلم فیہ ثابت ہوئی۔

اور طاؤس بن کیسان کا اثر جو حدیثِ مرفوع نہیں ہے، اور طاؤس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کون کون سے راوی ہیں ان کا کوئی نام ونشان نہیں ہے، اس طرح متکلم فیہ روایات کے ذریعہ سے سینہ پر ہاتھ باندھنے کا اصرار اور نہ باندھنے والوں پر تنقید والزامات عائد کرنا کونسی انصاف کی بات ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق بہت سی روایات کتبِ حدیث میں موجود ہیں، ہم ان میں سے سات (۷) روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجر کی روایت:

حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمیر عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبیه قال: رأیت النبي صلی الله علیه وسلم وضع یمینه علی شماله في الصلاة تحت السّرة. (رجاله کلّهم ثقاتٌ إثبات)

حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو دیکھا ہے کہ آپ نے نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھا۔

(مصنف ابن أبي شیبة ۱/ ۳۹۰، نسخه جدید ۳/ ۳۲۰، رقم: ۳۹۵۹)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث شریف کی سند کے تمام رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں، ان میں سے کسی پر کوئی کلام نہیں ہے؛ اس لئے اس صحیح مرفوع متصل حدیث کے بعد پھر کسی کو کسی قسم کے اشکال کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، اور ہم پھر بھی اس کی تائید میں چند آثار نقل کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۲) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اثر:

حدثنا أبو معاویة عن عبدالرحمن بن اسحاق عن زیاد بن زید السّوائي عن أبي جحیفة عن عليؓ قال: من سنة

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ

الصلاة أن توضع الأيدي على الأيدي تحت السّرة. (مسند أحمد ۱/ ۱۱۰، رقم: ۸۷۵، سنن دارقطني ۱/ ۲۸۹، رقم: ۱۰۸۹، مصنف ابن أبي شيبة قديم ۱/ ۳۹۰، جديد ۳/ ۳۲٤، برقم: ۳۹٦٦)

فرماتے ہیں کہ نماز کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو ہاتھوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(۳) عن النعمان بن سعد، عن علي أنه كان يقول: إن من سنة الصلاة وضع اليمين على الشمال تحت السرة. (سنن دارقطني ۱/ ۲۸۹، رقم: ۱۰۹۰)

حضرت نعمان بن سعد، حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ بیشک نماز کی سنتوں میں سے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر:

حدثنا مسدّد، حدثنا عبد الواحد ابن زياد عن عبدالرحمن بن إسحاق الكوفي عن يسار أبي الحكم عن أبى وائل قال: قال أبوهريرة رضى الله تعالى عنه: أخذ الأكف على الأكف في الصلاة تحت السّرة. (إعلاء السنن بيروت ۲/ ۱۸۲، سنن كبرىٰ للبيهقي ۲/ ۳۱۹، برقم: ۲۳۹۰، تحفة الأحوذي ۲/ ۷۸، المحلى بالآثار ۳/ ۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو ہاتھوں سے پکڑ کر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(۵) عن أبي هريرة قال: وضع الكف على الكف في الصلاة تحت السرة. (المحلی بالآثار ۳/ ۳۰ تحت المسئلة ۴۴۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا اثر:

عن أنس رضى الله تعالى عنه قال: ثلاث من أخلاق النبوة: تعجيل الإفطار، وتأخير السّحور، ووضع اليد اليمنى على اليسرىٰ في الصلاة تحت السرة. (المحلی بالآثار ۳/ ۳۰، معارف السنن ۲/ ۴۴۴، تحفة الأحوذي ۲/ ۷۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبوت کی صفات میں سے تین صفتیں ہیں: (۱) افطار میں جلدی کرنا (۲) سحری میں تاخیر کرنا (۳) نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(۷) حضرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر:

حدثنا وكيع عن ربيع عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله فى الصلاة تحت السّرة. (مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۲۹۰، مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۳۹۱، جديد ۳/ ۳۲۲ برقم: ۳۹۶۰)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

ان تمام روایات سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا طریقہ ثابت ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق دونوں طرح کی روایات ہمارے سامنے ہیں، اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کی جو روایات ہیں، ان کا کمزور

ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے، اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق مذکورہ نو (۹) روایات ہیں، ان میں سے اول الذکر حدیث شریف جو مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے، بہت زیادہ صحیح سند سے مروی ہے، اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، اس سے حنفیہ استدلال کر کے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں، اور ان کی طرف سے سینے پر ہاتھ باندھنے والوں پر نہ کوئی اعتراض کیا جاتا ہے، اور نہ ہی ان کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے، نیز زیر ناف ہاتھ باندھنے میں زیادہ تعظیم بھی ہے، اور عورتوں کے ساتھ مشابہت نہیں ہے، حالانکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صورت میں عورتوں سے مشابہت بھی لازم آتی ہے، اور زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی تائید میں اکابر صحابہؓ اور تابعین کے بے شمار آثار بھی وارد ہیں؛ اس لئے حنفیہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں اور یہ بات غلط ہے کہ حنفیہ صرف حضرت علیؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان غیر مقلدین کو ہدایت دے!

غیر مقلدین کے پیشوا کا فتویٰ

غیر مقلدین کے پیشوا حضرت مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب کے فرزند جناب میر نور الحسن خاں صاحب کا فتوی ملاحظہ فرمائیے، کہ وہ اپنی کتاب عرف الجادی میں لکھتے ہیں کہ سینہ پر یا زیر ناف یا دونوں کے درمیان ہاتھ باندھنے میں اختیار ہے، ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

دست راست بردست چپ بر بندد	دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھے چاہے
خواہ بر سینہ نہد یا زیر ناف یا میان ہر دو	سینہ پر رکھے یا زیر ناف رکھے یا دونوں کے
الخ۔ (عرف الجادی/۲۵)	درمیان۔ (ہر طرح مشروع ہے)

پھر غیر مقلدین سینہ پر ہاتھ باندھنے پر اصرار کیوں کرتے ہیں؟ اور صرف اسی کو کیوں صحیح کہنے کی کوشش کرتے ہیں؟

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/۷/۱۴۱۹ھ

سری نماز میں قراءت شروع ہونے کے بعد ثناء پڑھنا

سوال [۱۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہر یا عصر کی نماز میں کوئی شخص امام کے قراءت شروع کرنے کے بعد نماز میں شریک ہوا، تو اسے ثناء پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد منگلور، ہریدوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ظہر یا عصر کی سری نماز میں امام کی قراءت شروع کرنے کے بعد نماز میں شریک ہوا ہو تو ثناء پڑھے گا؛ کیوں کہ اس میں امام قراءت جہراً نہیں کرتا۔

وقرأ كما كبر سبحانك اللهم تاركا الخ. إلا إذا شرع الإمام في القراءة سواء كان مسبوقا أو مدركا، وسواء كان إمامه يجهر بالقراءة أو لا، فإنه لا يأتي به، وفي الشامية: وقال وغيره: يثني، وينبغي التفصيل، وإن كان الإمام يجهر لا يثني، وإن كان يسر يثني، وهو مختار شيخ الإسلام خواهرزاده. (شامي، باب صفة الصلوة، زكريا ۲/ ۱۹۰، كراچی ۱/ ۴۸۸، البحر الرائق، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، كوئٹہ ۱/ ۳۰۹، زكريا ۱/ ۵۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۷/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۱۹ھ

نماز میں ثناء درود شریف اور دعا کا ترک کرنا

سوال [۱۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر ایک شخص نماز ادا کرتے ہوئے قصداً ثناء، درود شریف ودعا ترک کر دیتا ہے اور اسی

طرح نماز پڑھاتے ہوئے بھی کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟ یا اگر ہوئی تو مکروہ ہوگی یا بلا کراہت ہوگی؟ نیز کیا یہ ثنا وغیرہ قصداً ترک کرنے سے گناہ ہوگا تو کون سا گناہ ہوگا؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد عمر کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ثنا درود شریف ودعا کے ترک کردینے سے نماز فاسد یا مکروہ تحریمی نہیں ہوئی، ہاں البتہ قصداً ترک کردینا خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے اور بے خیالی میں ترک کرنے میں خلاف اولیٰ بھی نہیں ہے۔

ترک السنة لا یوجب فسادا وسهوا، بل إساءة لو عامدا غیر مستخف، وقالوا: الإساءة أدون من الکراهة. (درمختار، باب صفة الصلاة، مطلب في سنن الصلاة، زکریا ۲/ ۱۷۰، کراچی ۱/ ۴۷۴، حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في بیان سننها، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۵۶، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۷/ ۶۲، ۱۳/ ۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۱/۲۶ھ

نماز میں سورۂ فاتحہ سے قبل ’’بسم اللہ‘‘ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟

سوال [۱۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے قبل جو ’’بسم اللہ‘‘ پڑھنا سنت ہے، اس سنت سے سنت مؤکدہ مراد ہے یا غیر مؤکدہ؟

المستفتی: قاری عبدالرحمٰن شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے قبل ’’بسم اللہ‘‘ کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحيم. (سنن الترمذي، الصلاة، من رأى الجهر بيسم الله الرحمن الرحيم، النسخة الهندية ۱/ ۶۲، دارالسلام، رقم: ۲۴۵)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ كان إذا افتتح الصلاة بدأ ببسم الله الرحمن الرحيم. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۲۳۴، رقم: ۸۰۰)

وما صححه الزاهدي من وجوبها، يعنى في أول الفاتحة، وقد صححه الزيعلي أيضا (إلى قوله:) ضعفه في البحر...... من أنها سنة لا واجب، فلا يجب بتركها شيء، قال في النهر: والحق أنهما قولان مرجحان إلا أن المتون على الأول، أقول: إن الأول مرجح من حيث الرواية، والثاني من حيث الدراية. (شامي، آداب الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة، كراچی ۱/ ۴۹۰، زكريا ۲/ ۱۹۲)

وأما سنن الصلاة، والتسمية والإخفاء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، سنن الصلاة، زكريا ۲/ ۱۳۴، رقم: ۱۹۵۵)

تسن التسمية أول كل ركعة قبل الفاتحة؛ لأنه صلى الله عليه وسلم كان يفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحيم. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ۱/ ۲۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۶/ ۱۴۱۵ھ

سورت اور ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

سوال [۱۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بہتر

ہے یا نہ پڑھنا بہتر ہے؟ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے گا جو بہتر ہو تحریر فرمائیں؟

(۲) نماز میں ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا اچھا ہے، یا نہ پڑھنا اچھا ہے؟ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جو سب سے اچھا ہو؟

المستفتی: محمد نسیم انصاری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سورۂ فاتحہ اور ضم سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مستحسن اور بہتر ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أنه كان إذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فإذا فرغ من الحمد قرأ بسم الله الرحمن الرحيم. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٣/ ٣٧٧، رقم: ٤١٧٨، قديم رقم: ٤١٥٥، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٢٤٥، رقم: ٨٤١)

واتفقوا على عدم الكراهة في ذكرها بين الفاتحة والسورة، بل هو أحسن، سواء كانت الصلاة سرية أو جهرية. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ١/ ٢٦٠)

(۲) ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ومستحب ہے۔

قراءة التسمية في ابتداء كل ركعة سنة عندنا. (حاشية ترمذي، باب ماجاء في ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم ١/ ٦٢)

ثم يأتي بالتسمية، ويأتي بها في كل ركعة، وهو قول أبي يوسف رحمه الله كذا في المحيط، وفي الحجة، وعليه الفتوى. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفياتها، زكريا قديم ١/ ٧٤، جديد ١/ ١٣١، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة ٢/ ١٦٦، رقم: ٢٠٣٥، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ١/ ٢٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/۱۱/۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۸۸)

نماز میں سورۂ فاتحہ اور سورت سے قبل تسمیہ پڑھنا

سوال [١٨٧٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت ملانے سے پہلے تسمیہ کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے اور اس کے بعد سورت ملانے سے پہلے بسم اللہ مسنون نہیں ہے اور پڑھنے سے نماز فاسد بھی نہ ہوگی، صرف خلاف اولیٰ ہے؛ البتہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کے شروع میں اور ضم سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا جائز اور مستحب ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ جہری نماز نہ ہو؛ بلکہ سری نماز میں ہی اجازت ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أنه كان إذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فإذا فرغ من الحمد قرأ بسم الله الرحمن الرحيم.

(المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٣/ ٣٧٧، رقم: ٤١٧٨، قديم رقم: ٤١٥٥، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٢٤٥، رقم: ٨٤١)

ثم عن أبي حنيفة أنه لا يأتي بها في أول كل ركعة كالتعوذ، وعنه أنه يأتي بها احتياطا، وهو قولهما، ولا يأتي بها بين السورة والفاتحة إلا عند محمد؛ فإنه يأتي بها في صلوة المخافتة. (هدايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ١/ ١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۶)

سورت ملانے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنا

سوال [۱۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا الحمد شریف کے بعد سورت ملانے سے پہلے پڑھنا کیسا ہے؟ نماز کی حالت میں ایک عالم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس وقت ''بسم اللہ'' کا پڑھنا جائز نہیں ہے، وہ حوالہ میں ''معارف القرآن'' کو پیش کرتے ہیں۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۰)

مسئلہ: نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے ''بسم اللہ'' نہیں پڑھنا چاہئے، خواہ جہری نماز ہو یا سری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں۔ (شرح منیہ)

اسی مسئلہ کو ''فتاوی دارالعلوم'' میں دیکھا گیا، اس میں سوال جواب اس طرح لکھا ہے ہوا ہے، فتاوی دارالعلوم ۲/ ۱۶۱، سوال ۱/ ۲۷ ر نماز میں الحمد شریف کے بعد سورت سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھ کر سورت ملانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- الحمد شریف کے بعد سورت سے پہلے ''بسم اللہ'' شریف جائز؛ بلکہ بہتر ہے۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں کیا عمل کیا جائے اور ان عالم صاحب کا یہ فرمانا کہ اس وقت بسم اللہ کا پڑھنا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ بات نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ خلفائے راشدین سے اس کا ثبوت ہے، اس مسئلہ کی ایسی مکمل وضاحت فرمائی جائے کہ علماء کے اقوال میں کوئی تضاد باقی نہ رہے۔

المستفتی: جمیل احمد قاسمی، بازار بہاڑی دروازہ نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل حکم یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان ''بسم اللہ'' شریف پڑھنا جہراً یا سراً مسنون نہیں ہے، یہی امام اعظم کا مسلک ہے، مگر مکروہ بھی نہیں ہے۔ اور جن کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اس موقع پر بسم اللہ نہیں پڑھنا چاہئے وہاں مسنون نہ

ہونے کی وجہ سے اس طرح لکھا ہے۔ اور جن کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ پڑھنا جائز ہے؛ بلکہ بہتر ہے وہاں مکروہ نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح لکھا ہے، حاصل یہ ہے کہ مسنون نہیں ہے۔ اور اگر کوئی آہستہ سے پڑھ لیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، بہتر ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أنه كان إذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فإذا فرغ من الحمد قرأ بسم الله الرحمن الرحيم.

(المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، جديد ۳/ ۳۷۷، رقم: ۴۱۷۸، قديم رقم: ۴۱۵۵، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۲۴۵، رقم: ۸۴۱)

ولا تسن بين الفاتحة والسورة مطلقا ولو سرية، ولا تكره اتفاقا.

(درمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچی ۱/ ۴۹۰، زكريا ۲/ ۱۹۲، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، جديد، دارالكتاب ديوبند ۲۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۱۳/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۷ھ

مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے؟

سوال [۱۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام کے پیچھے قرآن پڑھنا: (۲۷۴) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی، آپ ﷺ پر قراءت بھاری ہوگئی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہو (یعنی قرآن پڑھتے ہو) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہم پڑھتے ہیں، فرمایا کہ ایسا مت کرو، مگر ہاں ام القرآن (یعنی سورہ فاتحہ تو پڑھ لیا کرو اور کچھ نہ پڑھا کرو) کیوں کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز

نہیں، اس باب میں حضرت ابوہریرہ اورحضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابوقتادہ، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے، کیا اس حدیث شریف کے مطابق عمل کیا جائے یا نہیں؟

المستفتی: عین الحق امام مسجد پیراماؤنٹ ٹریڈنگ کارپوریشن
طویلہ اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام کے پیچھے قرآن کریم پڑھنے کا حکم شروع اسلام میں تھا، بعد میں جب آیت کریمہ: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾. [الأعراف، آیت: ۲۰۴] ''یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا کر متوجہ ہوجاؤ اور بالکل خاموش ہوجاؤ امید کہ تم رحم کئے جاؤ''۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو امام کے پیچھے جو قرآن پڑھنے کا حکم تھا وہ منسوخ ہوگیا ہے، اب امام کے پیچھے قرآن پڑھنا اور سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت جابر بن عبداللہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے صاف واضح الفاظ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ جس شخص کا امام ہو اس کے لئے امام کی قراءت کافی ہے، از خود قراءت کی ضرورت نہیں ہے۔

إن النبي ﷺ قال: من كان له إمام، فقراءة الإمام له قراءة. (طحاوي شريف، هندي نسخه ۱/ ۱۲۸، بيروت ۱/ ۲۸۱، رقم: ۱۲۵۹)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص امام کی اقتدا میں نماز پڑھتا ہے، تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے، از خود قراءت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

إن رسول الله ﷺ قال: إني أقول: مالي أنازع القرآن، قال: فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ فيما جهر فيه النبي ﷺ بالقراءة من الصلوات حين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب من رأى القراءة إذا لم يجهر، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۰، دارالسلام، رقم: ۸۲۶)

اس حدیث شریف سے مطلقاً لوگوں کا قراءت خلف الامام کو ترک کر دینا ثابت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۱۶)

فاتحہ خلف الامام کا حکم

سوال [۱۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قراءت فاتحہ خلف الامام مقتدی کے لئے پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، جب کہ ہمارے سامنے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور نماز فجر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کے ساتھ قراءت کرنا اور حضور ﷺ کا فرمان موجود ہے: ’’صرف سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو‘‘۔ وغیر ذلک۔ بینوا توجروا۔ حق سے نوازیں۔

المستفتی: امام صاحب وحاجی یعقوب، ومصلیان مسجد کرولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے سے متعلق مسئلہ جو غیر مقلدین کی طرف سے پیش آتا رہتا ہے وہ محض مسلمانوں کے ذہن کو الجھاؤ میں ڈالنے کے لئے ہے، ورنہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ممنوع اور ناجائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ اعراف کی آیت: ۲۰۴ ’’وَإِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ‘‘ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قراءت کرنا اور اسی طرح سلام وکلام کرنا نماز کی حالت میں ایک مقتدی کا دوسرے مقتدی کی خیریت معلوم کرنا سب جائز تھا اور اس زمانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم قراءت کرتے تھے اور حضور ﷺ نے فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی تھی اور اس اجازت کے متعلق چار صحابہ سے حدیث پاک مروی ہے: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

روایت (۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت (۳) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت (۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، پھر جب مذکورہ آیت کریمہ یعنی سورۂ اعراف کی آیت: ۲۰۴ر نازل ہوگئی تو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی روایتیں سب منسوخ ہوگئیں، ہاں البتہ جب آدمی خود امام بن کر نماز پڑھائے یا تنہا اپنی نماز پڑھے تو سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا آیت اعراف کی وجہ سے ممنوع ہوگیا ہے اور ممنوعیت سے احادیث شریفہ میں سولہ صحابہ کی روایات اور آثار موجود ہیں: (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۲) حضرت ابوہریرہؓ (۳) حضرت علیؓ (۴) حضرت عمران بن حصینؓ (۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ (۶) حضرت زید بن اسلمؓ (۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (۸) حضرت انسؓ (۹) حضرت ابوالدرداءؓ (۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۱۱) عبداللہ بن شداد بن بادؓ (۱۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۱۳) حضرت عبداللہ بن بحینہؓ (۱۴) حضرت محمد بن عجلان (۱۵) حضرت موسیٰ بن سعد بن زید بن ثابت (۱۶) حضرت سعد۔ پھر اس کے بعد حضرات خلفائے راشدین کا عمل اور ان کا فتویٰ امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت پر ہے؛ اس لئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدیوں کے لئے درست نہیں ہے، آپ نے جواب کے لئے ایک انتردیشی بھیجا ہے، اس میں ہم تمام روایات نقل نہیں کرسکتے، آپ ''غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات اور ان کے جوابات'' جو کتاب بمبئی دیوبند، دلی فرید بک ڈپو وغیرہ سے مل سکتی ہے وہاں سے منگا کر خود دیکھ لیجئے۔ واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۴/۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۲/۱۴۲۶ھ

قراءت خلف الامام کا مسئلہ

سوال [۱۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ مقتدی پر واجب ہے؟

المستفتی: مطلوب احمد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام کے پیچھے مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ممنوع ہے۔ اور جن حدیثوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے وہ شروع کی روایات ہیں جو بعد میں منسوخ ہوچکی ہیں اور یہ حکم آیت کریمہ: ''وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ'' نازل ہونے سے پہلے کا تھا۔ اور اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد امام کے پیچھے قراءت کرنے کی مطلقاً ممانعت آئی ہے، خواہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی دوسری سورت، اس سلسلہ میں حدیث کی کتابوں میں کثیر روایات موجود ہیں۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

عن عبدالله قال: كانو يقرؤون خلف النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: خلطتم علي القرآن. (طحاوی شریف ١/ ١٢٨، جديد دارالكتب العلمية ١/ ٢٨١، المصنف لابن أبي شيبة ١/ ٣٧٦، مؤسسة علوم القرآن جديد ٣/ ٢٧٤، رقم: ٣٧٩٩)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا قرأ فانصتوا. (طحاوی شریف ١/ ١٢٨، دارالكتب العلمية ١/ ٢٨١، رقم: ١٢٥٧)

عن أبي موسىٰ الأشعري (في حديث طويل) أن رسول الله ﷺ خطبنا، فبين لنا سنتنا، وعلمنا صلاتنا، فقال: إذا صليتم فأقيموا صفوفكم، ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبر فكبروا، وفي رواية: وإذا قرأ فانصتوا. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب التشهد فى الصلوات، النسخة الهندية ١/ ١٧٤، بيت الأفكار، رقم: ٤٠٣، ٤٠٤، ابن ماجة، النسخة الهندية، ص: ٦١، دارالسلام، رقم: ٨٤٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦؍صفر ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٢٩٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٦؍صفر ١٤٣٢ھ

قراءت خلف الامام کا حکم

سوال [۱۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم حنفی المسلک ہیں، ہم نماز میں جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو الحمد شریف نہیں پڑھتے، امام کی قراءت کو کافی سمجھتے ہیں، ہمارے یہاں ایک پوسٹر شائع ہوا ہے، اس میں لکھا ہے کہ بغیر الحمد للہ شریف پڑھے نماز نہیں ہوتی، تو شرعاً کیا حکم ہے؟ ہم پڑھا کریں یا نہیں؟

المستفتی: محمد مجاہد ابن اشفاق علی ککرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شروع اسلام میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو قراءت کی اجازت تھی اور جب آیت کریمہ "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ": نازل ہوئی تو پہلا حکم منسوخ ہوگیا، اب امام کے پیچھے اقتدا کرنے والوں کے لئے قراءت فاتحہ جائز نہیں؛ البتہ خود امام اور تنہا نماز پڑھنے والے پر قراءت لازم ہے۔ دیکھئے "ترمذی شریف" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نمازیوں میں ہر اس شخص پر قراءت کرنا لازم ہے جو کسی امام کی اقتداء میں نہ ہو" جو امام کی اقتدا میں ہو وہ قراءت نہیں کرے گا، ملاحظہ فرمائیے:

وهب بن كيسان أنه سمع جابر بن عبدالله يقول: من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا أن يكون وراء الإمام. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في ترك القراءة خلف الإمام إذا جهر الإمام بالقراءة، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، دارالسلام، رقم: ۳۱۳)

لہٰذا یہ جو اشتہار بازی کرنے والے ہیں ان کا مقصد صرف مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا ہے، ایسے لوگ ہاتھ آجائیں تو معتبر علماء کرام کی خدمت میں لائیں، تاکہ بات واضح ہوجائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۳۴)

کیا فاتحہ اور ضم سورت کے درمیان مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے کے لئے سکتہ کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب جہری نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد دوبارہ سراً بھی سورۂ فاتحہ پڑھیں، تاکہ مقتدی لوگ بھی سورۂ فاتحہ پڑھ لیں، تو یہ کس روایت سے ثابت ہے، اگر ثابت نہیں تو تکرار فاتحہ کی وجہ سے امام پر سجدہ سہولازم ہے یا نہیں؟ نیز یہ عمل بھول کر نہیں ہوتا؛ بلکہ بالقصد ہوتا ہے، جیسا کہ آج کل جزیرۃ العرب میں مسجد نبوی میں امام حذیفی نے شروع کیا ہے اور اسی طرح عمل بہت سی مسجدوں میں جاری ہے۔ اور وہ لوگ سکتتین والی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ سکتتین کے درمیان مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے، تو کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ فاتحہ کے بعد اتنی دیر توقف کرنا جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھ سکے اور یہ توقف بھول اور نسیان یا اس سوچ کی وجہ سے ہے کہ کون سی سورت پڑھی جائے، تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے اور سجدۂ سہو سے نماز درست ہوجاتی ہے؛ لیکن اگر بالقصد اس طرح توقف کیا جاتا ہے، جیسا کہ سوال میں امام حذیفی اور ان کے پیروکار رائمہ کا ذکر آیا ہے، تو اس طرح بالقصد توقف کرنے سے نماز واجب الاعادہ ہوجاتی ہے، جیسا کہ حسب ذیل جزئیہ سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وظاهر كلام الجم الغفير أنه لا يجب السجود في العمد، وإنما تجب الإعادة إذا ترك واجبا عمدا جبرا لنقصانه، وذكر الولوالجي في فتاواه: أن الواجب إذا تركه عمدا لا ينجبر بسجدتي السهو؛ لأنهما عرفتا جابرتين بالشرع، والشرع ورد حالة السهو. (البحر الرائق، الصلاة، باب سجود السهو، کوئٹہ ۲/ ۹۱، زکریا ۲/ ۱۶۱)

اب رہی امام کے سکتوں کے درمیان سورہ فاتحہ پڑھنے کی روایات تو اولاً یہ ساری روایات ان روایتوں کے ذریعہ منسوخ ہیں، جن میں امام کی قراءت کے وقت سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز امام کے سکتوں کے درمیان سورۂ فاتحہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہیں؛ اس لئے کہ سکتہ اسی کو کہا جاتا ہے جس میں اطمینان سے سانس لے کر آگے بڑھ سکے اور اتنے سے سکتہ کے درمیان سورۂ فاتحہ کا پڑھنا کسی طرح ممکن نہیں، نیز امام کے سکتوں کے درمیان قراءت کرنے سے متعلق جتنی روایات ہیں وہ ساری روایات ضعیف اور متکلم فیہ ہیں؛ اور صحیح روایات کے مقابلہ میں ضعیف روایتوں پر عمل کرنا کسی کے نزدیک صحیح نہیں اور یہاں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے سے متعلق صحیح روایات موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے ضعیف روایتوں پر عمل کرنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ اور صحیح روایات کتب احادیث میں بکثرت موجود ہیں اور خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو سکتہ کے درمیان مقتدی کے پڑھنے کی روایات نقل فرماتے ہیں، انہیں کی روایت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي خالد، عن ابن عجلان، عن زيد بن أسلم، عن أبي صالح، عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر، فكبروا، وإذا قرأ، فانصتوا. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، باب من كره القراءة خلف الإمام، موسسه علوم القرآن ٢/ ٢٨٢، رقم: ٣٨٢٠، ابن ماجة، باب إذا قرأ الإمام فانصتوا، النسخة الهندية/ ٦١، دارالسلام، رقم: ٨٤٦، السنن الكبرى للنسائي، الصلاة، وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا عباس أحمد الباز ١/ ٣٢٠، رقم: ٩٩، مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٧٤، بيت الأفكار، رقم: ٣٠٣، ٤٠٤)

صحیح متصل اور عالی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا مالك بن إسماعيل، عن حسن بن صالح، عن أبي الزبير، عن جابر –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل من كان له

إمام فقراء ته له قراء ة، إسناده صحيح. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، من كره القراء ة خلف الإمام، موسسه علوم القرآن ٣/ ٢٨٢، رقم: ٣٨٢٣)

ان صحیح روایات کی موجودگی میں ضعیف روایتوں پر عمل کرنا درست نہیں ہوسکتا؛ بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ سکتوں کے درمیان قراءت کی روایت منسوخ ہے، آپ کے سامنے سکتوں کی روایت پیش کر دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

روى الحاكم بطريق محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير الليثي عن عطاء عن أبى هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة مع الإمام فليقرأ فاتحة الكتاب في سكتاته، ومن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزأه. (مستدرك للحاكم، الصلاة، باب التأمين مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض ١/ ٣٥٤، رقم: ٨٦٨)

وروى الدارقطني أيضا بطريق محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة أو تطوعا فليقرأ فيها بأم الكتاب وسورة معها فإن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزى، ومن صلى صلاة مع الإمام يجهر بفاتحة الكتاب فى بعض سكتاته، فإن لم يفعل فصلاته خداج غير تمام، وقال الدارقطني: محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير ضعيف. (دارقطني، الصلاة، باب وجوب قراءة أم الكتاب في الصلاة، وخلف الإمام، دارالكتاب العلمية، بيروت ١/ ٣١٩، رقم: ١٢١٠، ١/ ٣١٥، رقم: ١١٩٦)

وقال الحافظ في اللسان: محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير الليثي المكي ضعفه يحيى بن معين، وقال البخاري: منكر الحديث، وقال النسائي: متروك، وقال أبوداؤد: ليس بثقة. (لسان الميزان، إدارة التاليفات أشرفيه، كراچى ٥/ ٣١٦)

لہٰذا آپ کے سامنے سکتوں کے درمیان پڑھنے کی روایت بھی پیش کی جاچکی ہے، اس کی سند

میں محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمیر اللیثی ہے، جن کے بارے میں محدثین نے سخت کلام فرمایا ہے، چنانچہ امام دارقطنی اور یحییٰ بن معین نے ان کو ''ضعیف'' کہا ہے، امام بخاری نے ''منکر الحدیث''، امام نسائی نے ''متروک'' اور امام ابوداؤد نے ''لیس بثقة'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں؛ اس لئے سکتوں والی روایات سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا، مزید استدلال کے ساتھ اس میں وسعت کر کے مکمل سورۂ فاتحہ پڑھنے کے برابر وقفہ کرنا جائز نہیں ہوسکتا، اس کے ذریعہ سے اپنی نماز کو خراب کرنا ہے؛ اس لئے اس سے بچنا لازم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۶ھ

قرأت خلف الامام کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ أَمَّا بَعْد! امام کے پیچھے مقتدیوں کا سورۂ فاتحہ پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے، تو اس سلسلہ میں حدیث پاک میں دو قسم کی روایات وارد ہیں، بعض روایات میں نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا تاکیدی حکم آیا ہے، اور بعض روایات میں امام کے پیچھے مطلقاً قرأت کرنے کی ممانعت آئی ہے، چاہے سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت دونوں طرح کی قرأت کی ممانعت وارد ہوئی ہے؛ اس لئے ائمہ امت کے درمیان امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بارے میں قدرے اختلاف ہے، چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا دیگر سورتوں کی قرأت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور عدم جواز کی بے شمار روایتیں کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں جو آگے آرہی ہیں۔ اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام سفیان ثوریؒ عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت کرنا نہ واجب ہے اور نہ ہی مستحب۔ اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کا قرأت کرنا نہ

واجب ہے نہ مستحب۔ اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی بھی قرأت کریں گے، ان کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ۱/ ۳۲۹) لیکن وہ سب روایات منسوخ ہیں، جس کی وضاحت آگے آرہی ہے، اور ائمہ اربعہ کے مقلدین اپنے اپنے امام کے مسلک کے مطابق عمل کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ نہیں بناتے ہیں، مگر آج کل کے زمانہ میں جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث اور سلفی کہنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا کام خالی الذہن مسلمانوں کو ان کی نمازوں کے بارے میں حدیث شریف کے غلط مفہوم یا منسوخ حدیثوں کو پیش کر کے شکوک وشبہات کا شکار بنانا ہے، اور ائمہ حق خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کو سخت ترین تنقید کا نشانہ بنانا ہے، اور بعض دفعہ حضرات صحابہ کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں؛ اس لئے مسلمانوں کو صحیح بات پر آگاہ کرنے کے لئے یہ مختصر سا مضمون ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، ہم اس مضمون کو اس طریقہ سے پیش کرتے ہیں کہ اولاً امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے ثبوت میں چار صحابی کی روایات پیش کرتے ہیں، جن روایات کی حقیقت اس مضمون کے آخر میں واضح کردی جائے گی، اس کے بعد امام کے پیچھے مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت سے متعلق سولہ (۱۶) صحابہ کی روایات پیش کریں گے، اس کے بعد دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لے کر صحیح بات کیا ہے اس کو پیش کریں گے، اور صحیح بات یہ ثابت کی جائے گی کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا جو حکم تھا وہ سورۃ اعراف آیت ۲۰۴ کے نزول سے پہلے کا تھا، اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اب تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

سورۂ فاتحہ پڑھنے سے متعلق چار صحابہ کی روایات

صحابی (۱) حضرت ابو ہریرہؓ:

عن أبي هريرة عن النبي صلى | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ

الله عليه وسلم قال: من صلى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج ثلاثاً غير تمام، فقيل لأبي هريرة إنا نكون أحياناً وراء الإمام، فقال: اقرء بها في نفسک. (مسلم شريف ١/ ١٦٩، جديد برقم: ٣٩٥، ترمذي ١/ ٧١، برقم: ٣١٢ جديد، رقم: ٣١٢)

علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ ناقص ہے، تو حامل حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد نے کہا کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ تم اپنے جی میں پڑھا کرو۔

عن أبي هريرة رضـ قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: اخرج فناد في المدينة أنه لا صلاة إلا بقرآن ولو بفاتحة الكتاب فمازاد. (أبوداؤد شريف مطبع مختار اينڈ كمپنى ديوبند ١/ ١١٨، دوسرا نسخه ١/ ١٢٥، جديد برقم: ٨١٩)

حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نکل کر مدینہ کے لوگوں میں اعلان کردیں کہ بغیر قرآن پڑھے نماز نہیں ہوتی ہے، اگرچہ سورۂ فاتحہ کیوں نہ ہو یا کچھ زیادہ۔

اور سکتوں کے درمیان مقتدی کے پڑھنے سے متعلق جتنی روایات ہیں وہ سب متکلم فیہ اور ضعیف ہیں، نیز سکتے کے درمیان پوری سورۂ فاتحہ کا پڑھنا کسی طرح ممکن نہیں، نیز سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بقدر امام بالقصد خاموش کھڑا رہے گا، تو نماز واجب الاعادہ ہوجاتی ہے، سکتات سے متعلق کمزور روایات جو مروی ہیں، وہ ذیل میں درج ہیں ملاحظہ فرمائیے:

روى الحاكم بطريق محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير الليثي عن عطاء عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة مع الإمام فليقرأ فاتحة الكتاب في سكتاته، ومن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزأه. (مستدرك للحاكم، الصلاة، باب التأمين، مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض ١/ ٣٥٤، رقم: ٨٦٨)

وروى الدارقطني أيضا بطريق محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة أو تطوعا فليقرأ فيها بأم الكتاب وسورة معها فإن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزى، ومن صلى صلاة مع الإمام يجهر بفاتحة الكتاب فى بعض سكتاته، فإن لم يفعل فصلاته خداج غير تمام، وقال الدارقطني: محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير ضعيف. (دارقطني، الصلاة، باب وجوب قراءة أم الكتاب في الصلاة، وخلف الإمام، دارالكتاب العلمية، بيروت ١/ ٣١٩، رقم: ١٢١٠، ١/ ٣١٥، رقم: ١١٩٦)

وقال الحافظ في اللسان: محمد بن عبدالله بن عبيد بن عمير الليثي المكي ضعفه يحي بن معين، وقال البخاري: منكر الحديث، وقال النسائي: متروك، وقال أبوداؤد: ليس بثقة. (لسان الميزان، إدارة التاليفات أشرفيه، كراچی ٥/ ٣١٦)

”سکتتین“ کی کسی بھی روایت کو پائے صحت اور درجہ صحت حاصل نہیں؛ کیوں کہ عبد اللہ بن عبید اللہ بن عمیر پر سب ہی محدثین نے کلام فرمایا ہے۔

صحابی (۲) حضرت ابوسعید خدریؓ:

عن أبي سعيد الخدري قال: أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسّر. (أبوداؤد شريف ١/ ١١٨، رقم: ٨١٨، مسند أبي يعلى الموصلى ١/ ٥٠٩، برقم: ١٢٠٥)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم کو سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ حسب حیثیت دوسری سورۃ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے۔

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا تجزى صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب. (شرح النووي ١/ ١٧٠، إعلاء السنن بيروت ٢/ ٢١٦، صحيح ابن حبان عن أبى هريرة ٣/ ١١٠، برقم: ١٧٩٠)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

صحابی (۳) حضرت عبادہ بن الصامتؓ:

عن عبادة بن الصامت مرفوعا: لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.

(بخاري شريف ١/ ١٠٤، برقم: ٧٤٧ ف ٧٥٦، مسلم شريف ١/ ١٦٩ برقم: ٣٩٤، مسند أحمد بيروت ٥/ ٣١٤ برقم: ٢٣٠٥٣، سنن كبرى بيهقي ٢/ ٣٢٩، برقم: ٢٤١٦، أبوداؤد ١/ ١١٩، برقم: ٨٢٢ جديد، مصنف عبدالرزاق ٢/ ٩٣، وفيه بأم القرآن)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی ہے جو فاتحہ نہ پڑھے۔

عن عبادة بن الصامت قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر، فتعايت عليه القراء ة، فلما سلم قال: أ تقرؤن خلفي؟ قلنا: نعم يا رسول الله، قال: فلا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب؛ فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها.

(طحاوي شريف ١/ ١٢٧، مطبع اصيفيه، جديد ١/ ٢٧٩، برقم: ١٢٤٧، مصنف ابن أبي شيبة جديد ٣/ ٢٦٨، برقم: ٣٧٧٧)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی تو آپ کے اوپر قرأت کرنا ثقیل ہوگیا، تو آپ نے سلام کے بعد فرمایا کہ کیا تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ تو آپؐ نے فرمایا کہ اب مت کیا کرو، الا یہ کہ سورۂ فاتحہ اس لئے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

صحابی (۴) حضرت ابن عباسؓ:

عن ابن عباسؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قام، فصلى ركعتين لم يقرأ فيهما إلا بفاتحة الكتاب. (صحيح ابن خذيمة ٢/ ٢٠٢، تحقيق مصطفى اعظمي ١/ ٢٨٧ برقم: ٥١٣، إعلاء السنن ٢/ ٢٢٥)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی، ان دونوں رکعتوں میں علاوہ سورۂ فاتحہ کے اور کوئی سورۃ نہیں پڑھی۔

عبدالرزاق، عن التيمي عن ليث عن عطاء عن ابن عباس قال: لا بد أن يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الإمام جهر، أولم يجهر. (مصنف عبدالرزاق ٣/ ١٣٠، رقم: ٢٧٧٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کریں، امام قرأت میں جہر کرے یا سر۔

مقتدی کے لئے مطلق قراءت کی ممانعت

آیت قرآنی: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.

(الجزء التاسع، سورة أعراف، آيت: ٢٠٤)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، اور توجہ کے ساتھ بالکل خاموشی اختیار کرو، تاکہ تم پر اللہ تعالی کی رحمت نازل ہو۔

اس آیت کریمہ کے نزول سے قبل مقتدی بھی امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے، اس کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قرأت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، اب صرف امام اور منفرد کے لئے قرأت کا حکم باقی ہے، چنانچہ ہم ناظرین کے سامنے بھاری تعداد میں وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں جن میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کی وضاحت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

جہری نماز میں قراءت کی ممانعت

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت میں سولہ صحابہ کرام کی روایات۔

صحابی (١) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ:

عن أبي موسىٰ الأشعري (في حديث طويل) أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا، فبين لنا سنتنا، وعلمنا صلاتنا،

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک طویل روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیا تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے سنتیں بیان فرمائیں، اور ہم کو ہماری نماز

فقال: إذا صليتم فأقيموا صفوفكم، ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبر فكبروا. وفي رواية: وإذا قرأ فأنصتوا. (مسلم شريف ١/ ١٧٤ جديد رقم: ٣٠٣- ٤٠٤، ابن ماجة/ ٦١ رقم: ٨٤٦)

سکھائی، پھر فرمایا کہ جب تم نماز پڑھوتو صفوں کو سیدھا کرو، پھر چاہئے کہ تم میں سے کوئی امامت کرے، پس جب امام تکبیر کہےتوتم بھی تکبیر کہو۔ اوردوسری روایت میں ہےاورجب امام قراءت کرےتو تم خاموشی اختیارکرو۔

صحابی (۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ:

عن عبدالله قال: كنا نقرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: خلطتم عليّ القرآن. (طحاوي شريف ١/ ١٢٨، جديد ١/ ٢٨١، برقم: ١٢٥٨، مصنف ابن أبي شيبة ١/ ٢٧٦، جديد ٣/ ٢٧٤، برقم: ٣٧٩٩، رجاله ثقات)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے،تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرےاوپر قرآن کوخلط ملط کرتے ہو۔

قال محمد: أخبرنا محمد بن أبان بن صالح القرشي عن حماد عن إبراهيم النخعي عن علقمة أن عبدالله بن مسعودؓ كان لا يقرأ خلف الإمام فيما يجهر فيه وفيما يخافت فيه في الأولين ولا في الأخريين، وإذا صلى وحده قرأ فى الأولين بفاتحة الكتاب وسورة، ولم يقرأ في الأخريين شيئا. (موطا إمام محمد، ص: ١٠٠)

اورحضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دوسری روایت میں ہے،جس میں خودان کاعمل ہے کہ وہ امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں کرتے تھے، نہ جہری نماز میں کرتے تھےاور نہ ہی سری نماز میں، نہ پہلی دونوں رکعتوں میں کرتے تھے، اور نہ ہی آخری دونوں رکعتوں میں، اور جب تنہا نماز پڑھتے تھےتو پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اوراس کے علاوہ کوئی اورسورۃ بھی پڑھتے تھے، اور آخری دونوں رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں چھٹے نمبر کا مسلمان تھا نبوت کے پہلے سال سے وفات تک ساتھ رہے۔ سفر میں، حضر میں ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ رہے، ''صاحب النعلین'' سے مشہور تھے، جوتا، چپل اٹھانے والا خادم وہ ہوتا ہے جو جدا نہیں ہوسکتا، وہ فرماتے ہیں:

عن القاسم بن عبدالرحمن عن أبيه قال: قال عبدالله بن مسعود لقد رأيتني سادس ستة ما على الأرض مسلم عندنا. (صحيح ابن حبان ٦/ ٣١٥، رقم: ٧٠٧١، مستدرك جديد ٥/ ١٩٤، رقم: ٥٣٦٧)

نیز حضور ﷺ نے ساری امت کو تاکیدی حکم فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمہارے سامنے جو کچھ بھی بیان کریں اس کی ضرور تصدیق کیا کرو۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا وكيع عن سفيان عن عبدالملك بن عمير عن مولى لربعي، عن ربعي عن حذيفة قال: كنا عند النبي ﷺ جلوسا، فقال: إني لا أدري ما قدر بقائي فيكم فاقتدوا بالذين من بعدي، وأشار إلى أبي بكر وعمر وتمسكوا بعهد عمار وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه. (مسند أحمد ٥/ ٣٨٥، رقم: ٢٣٦٦٥- ٢٣٨١٣)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میری زندگی تمہارے درمیان کتنے دنوں تک باقی رہے گی؛ لہٰذا تم میرے بعد ان دونوں کی اقتدا کرتے رہنا اور حضرت ابوبکر وعمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ عمار بن یاسر کے عہد کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی بیان کریں اس کی ضرور تصدیق کیا کرو۔

حضور ﷺ نے بہت زیادہ تاکید سے حکم فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمہارے سامنے جو کچھ بھی بیان کریں اس کی تمہیں ضرور تصدیق کرنی ہے؛ لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آثار اور غیر مرفوع روایات کی تصدیق کر کے حجت شرعی بنانے کا پیغمبر علیہ السلام نے ''فصدقوہ'' کے الفاظ سے تاکیدی حکم فرمایا ہے، اس کے خلاف گنجائش نہیں۔

صحابی (۳) حضرت ابو ہریرہؓ:

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انصرف من صلاة جهر فيها بالقراء ة، فقال: هل قرأ معي أحد آنفاً؟ فقال رجل: نعم يا رسول الله! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إني أقول مالي أنازع القرآن، قال: فانتهى الناس عن القراء ة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقراء ة في الصلاة حين سمعوا ذلک منه. (طحاوي شريف ۱/ ۱۲۸، مطبع اشرفیہ ۱/ ۱۵۸، نسخۂ جديد ۱/ ۲۸۰، برقم: ۱۲۵۵، مسند أبي يعلى ۵/ ۲۱۷ برقم: ۵۸۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی نماز کی فراغت کے بعد فرمایا جس میں جہری قرأت کی گئی تھی، کہا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ تو ایک آدمی نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے جی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہوگیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت ہو رہی ہے، تو اس واقعہ کے بعد لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہری نماز میں قرأت کرنے سے رک گئے، جب سے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا قرأ فانصتوا. (طحاوی شريف ۱/ ۱۲۸ رقم ۱۲۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام کو اقتدا کے لئے مقرر کیا گیا ہے؛ لہٰذا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتمّ به، فإذا كبّر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا. (ابن ماجة/ ٦١ رقم: ٨٤٦، دارقطني ١/ ٣٢٣، رقم: ١٢٣٠، السنن الكبرى للنسائي ١/ ٣٢٠، رقم: ٩٩٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً امام کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے، تاکہ اس کی اقتدا کی جائے؛ لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو خاموشی اختیار کرو۔

وروى ابن أبي شيبة عن أبي خالد عن ابن عجلان، عن زيد بن أسلم، عن أبي صالح عن أبي هريرة هذه الألفاظ بسند صحيح، رجاله ثقات. (مصنف ابن أبي شيبة، جديد ٣/ ٢٨٢، رقم: ٣٨٢٠)

أخبرنا الجارود بن معاذ، حدثنا أبو خالد الأحمر عن محمد بن عجلان، عن زيد بن أسلم عن أبى صالح عن أبى هريرة، قال قال رسول الله ﷺ: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فانصتوا، وإذا قال سمع الله لمن حمد، فقولوا: اللهم ربنا لك الحمد. (سنن كبرى للنسائي ١/ ٣٢٠، رقم: ٩٩٣، نسائي صغرى هندي ١/ ١٠٧، رقم: ٩٢٢)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام کو اس کی اقتدا کے لئے مقرر کیا جاتا ہے؛ لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموشی اختیار کرو اور جب ''سمع اللہ لمن حمد'' کہے تو تم کہو ''اللہم ربنا لک الحمد''۔

رواه ابن أبي شيبة عن أبي خالد بسند صحيح. (جديد ٥/ ٦١، رقم: ٧٢١٤)

(۵) فقال له أبو بكر، فحديث أبي هريرة فقال: هو صحيح، يعني وإذا قرأ فانصتوا، فقال: مسلم وهو عندي صحيح.

(مسلم شريف ١/ ١٧٤)

امام مسلم رحمۃ اللہ سے ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے کہا: پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی صحیح ہے، یعنی جب امام قراءت کرے تو تم خاموشی اختیار کرو، تو امام مسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے۔

صحابی (۴) حضرت علیؓ:

عن عليٍّ قال: من قرأ خلف الإمام فقد أخطأ الفطرة.

(مصنف ابن أبي شيبة ١/ ٣٧٦، جديد ٣/ ٢٧٨، برقم: ٣٨٠٢)

حضرت علیؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی ہے یقیناً اس نے فطرت اسلامی یعنی سنت رسول کی مخالفت کی ہے۔

سری نماز میں قراءت کی ممانعت

صحابی (۵) حضرت عمران بن حصینؓ:

عن عمران بن حصين أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر، فلما سلَّم قال: هل قرأ منكم أحد "بِسبح اسم ربک الأعلى"؟ فقال رجل من القوم، أنا، فقال: قد علمت أن بعضكم خالجنيها. (مصنف ابن أبي شيبة ١/ ٣٧٦، جديد ٣/ ٢٧٣، برقم: ٣٧٩٨،

حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی سلام کے بعد فرمایا کیا تم میں کسی نے سورۂ "سبح اسم ربک الأعلی" پڑھی ہے؟ تو لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے پڑھی ہے، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے بعض لوگوں نے مجھے قرأت کرنے میں خلجان

السنن الكبرى للنسائي ۱/ ۳۱۸، رقم: ۹۸۹، مسلم شريف ۱/ ۱۷۲، رقم: ۳۹۸ جديد)

میں ڈال دیا ہے، یہ ظہر کی سری نماز تھی جس میں مقتدی کو قرأت کرنے سے منع فرمایا۔

عبدالزراق قال: أخبرنا معمر عن قتادة عن زرارة بن أبي أوفى عن عمران بن حصين: أن رسول الله ﷺ صلى بأصحابه الظهر، فلما قضى صلاته قال: أيكم قرأ بسبح اسم ربك الاعلى؟ فقال بعض القوم: أنا يا رسول الله! قال: قد عرفت أن بعضكم خالجنيها. (مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۳۶، برقم: ۲۷۹۹)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو ظہر کی نماز پڑھائی، پھر جب نماز پوری فرمائی تو فرمایا کہ تم میں سے کس نے ''سبح اسم ربک الاعلی'' پڑھا ہے؟ تو لوگوں میں سے بعض نے کہا کہ میں نے پڑھی ہے یا رسول اللہ، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یقین سے معلوم ہوا کہ تم میں سے بعض لوگ مجھے خلجان میں مبتلا کرتے ہیں۔

صحابی (٦) حضرت جابر بن عبداللہؓ:

عن جابر بن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من صلى ركعة فلم يقرأ فيها بأم القرآن، فلم يصل إلا وراء الإمام. ونقل الترمذي موقوفاً، وقال: هذا حديث حسنٌ صحيح. (ترمذي ۱/ ۷۱ رقم: ۳۱۳، طحاوي ۱/ ۱۲۸، جديد ۱/ ۲۸۲، رقم: ۱۲٦۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو گویا کہ اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو، کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف حسن صحیح ہے۔

حدثنا مالك بن اسماعيل عن حسن بن صالح عن أبي الزبير عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل من كان له إمام فقرأته له قرأة. **(إسناده صحيح)** (مصنف ابن أبي شيبة ۳/ ۲۸۲، رقم: ۳۸۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہر وہ شخص جس کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان له إمامٌ فقراءة الإمام له قراءة. **(إسناده صحيح)** (طحاوي شريف ۱/ ۲۸۱، رقم: ۱۲۵۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نمازی کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت کے لئے کافی ہے۔

صحابی (۷) حضرت زید بن اسلمؓ:

عن زيد بن أسلم نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن القراءة خلف الإمام. (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۱۳۹، رقم: ۲۸۱۰)

حضرت زید بن اسلمؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

صحابی (۸) حضرت انسؓ:

عن أنسؓ قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم أقبل بوجهه، فقال: أتقرؤون والإمام يقرأ، فسكتوا فسألهم ثلاثاً، فقالوا: إنّا لنفعل، قال:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نماز پڑھائی، پھر متوجہ ہوکر فرمایا کیا تم قرأت کرتے ہو؟ حالانکہ امام قرأت کرتا ہے، پھر صحابہؓ نے خاموشی اختیار فرمائی تین مرتبہ کہنے کے بعد صحابہؓ نے

فلا تفعلوا. (طحاوي شريف ١/ ١٢٨، جديد ١/ ٢٨٢، برقم: ١٢٦٨)

فرمایا جی ہاں قرأت کرتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسامت کرو۔

صحابی (۹) حضرت ابوالدرداءؓ:

عن أبي الدرداء أن رجلاً قال: يا رسول الله! في كلِّ الصلاة قراٰن؟ قال: نعم، فقال رجل من الأنصار: وجبت قال: وقال أبو الدرداء: أرى أن الإمام إذا أمّ القوم فقد كفاهم. (طحاوي شريف ١/ ١٢٧، جديد ٢٨٠، برقم: ١٢٥٤، انظر السنن الكبرى للنسائي ١/ ٣٢٠، برقم: ٩٩٠)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یارسول اللہ! ہر نماز کے اندر قرآن ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں، تو انصار میں سے ایک آدمی نے کہا کہ قرأت واجب ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت ابودرداء نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ امام جب قوم کی امامت کرے تو اس کی قرأت قوم کے لئے کافی ہے۔

صحابی (۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ:

عن نافع أن عبدالله بن عمر لا يقرأ خلف الإمام. (موطا إمام مالك/ ٢٩)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں فرماتے تھے۔

عن نافع أن عبدالله بن عمر كان إذا سئل هل يقرأ أحدٌ خلف الإمام؟ يقول: إذا صلّى أحدكم خلف الإمام فحسبهٗ قراءة الإمام، وإذا صلى وحده فليقرأ، قال: وكان عبدالله بن عمر لا يقرأ خلف الإمام. (مؤطّا مالك/ ٢٩ طحاوي شريف ١/ ٢٨٤، جديد برقم: ١٢٨٣)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب سوال کیا جاتا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قرأت کرسکتا ہے؟ جواب میں فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے، اور خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں فرماتے تھے۔

صحابی (۱۱) حضرت عبداللہ بن شداد بن الہادؓ:

عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال: أمّ رسول الله صلى الله عليه وسلم في العصر قال: فقرء رجل خلفه، فغمزه الذي يليه، فلما أن صلى قال: لم غمزتني؟ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أمّك فكرهت أن تقرأ خلفه، فسمعه النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام، فإن قراءته له قراءة. (موطا إمام محمد / ١٠، مصنف ابن أبي شيبة جديد ٣/ ٢٧٥، برقم: ٣٨٠٠)

حضرت عبداللہ بن شدادؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز میں امامت فرمائی، تو آپؐ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی، تو بغل والے آدمی نے اسے اشارہ فرمایا تو نماز سے فراغت کے بعد اس نے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں اشارہ کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری امامت فرمارہے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تمہارا پڑھنا میں نے پسند نہیں کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا کہ جس کے لئے امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت کے لئے کافی ہے۔

عبدالرزاق عن الثوري عن موسى بن أبي عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد الليثي قال: صلى النبي ﷺ الظهر أو العصر، فجعل رجل يقرأ خلف النبي ﷺ، ورجل ينهاه، فلما صلى قال: يا رسول الله! كنت أقرأ وكان هذا ينهاني، فقال له رسول الله ﷺ: من كان له إمام فإن قراءة الإمام له قراءة. (مصنف عبدالرزاق ٣/ ١٣٦، برقم: ٢٧٩٧)

حضرت عبداللہ بن شداد لیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، آپ کے پیچھے ایک آدمی قرأت کرنے لگے اور دوسرے آدمی اس کو منع کرنے لگے، پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے کہا یا رسول اللہ! میں پڑھ رہا تھا اور یہ مجھے منع کر رہا تھا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: جس کا کوئی امام ہو تو یقیناً امام کی قراءت اس مقتدی کی قراءت کے لئے کافی ہے۔

جہری اور سری دونوں نمازوں میں ممانعت

صحابی (۱۲) حضرت ابن عباسؓ:

عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يكفيك قراءة الإمام خافت أو جهر. (أخرجه الدار قطني ١/ ٣٢٥، رقم: ١٢٣٨ عمدة القاري بيروتی ٦/ ١٢، عمدة القاري زكريا ٤/ ٤٤٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کی قرأت تمہارے لئے کافی ہے، چاہے امام جہر کرتا ہو یا سر، دونوں صورتوں میں کافی ہے۔

صحابی (۱۳) عبداللہ بن بحینہؓ:

عن عبدالله بن بحينة، وكان من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: هل قرأ أحد منكم معي آنفاً؟ قالوا: نعم، قال: إني أقول مالي أنازع القرآن، فانتهى الناس عن القراءة معه حين قال ذلك. (مسند إمام أحمد بن حنبل ٥/ ٣٤٥، برقم: ٢٣٣١٠)

حضرت عبداللہ بن بحینہ سے مروی ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ابھی ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے، تو لوگوں نے کہا جی ہاں، تو آپؐ نے فرمایا کہ بے شک میں اپنے جی ہی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت کی جارہی ہے، تو لوگ آپ کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے جس وقت آپ کی یہ بات سنی۔

صحابی (۱۴) حضرت عمر بن الخطابؓ:

عن محمد بن عجلان أن عمر بن الخطاب قال: ليت في فمِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چاہئے کہ اس شخص کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا جائے

الذي يقرأ خلف الإمام حجراً.
(موطا إمام محمد/ ۱۰۲)

جوامام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔

صحابی (۱۵) حضرت زید بن ثابتؓ:

عن موسیٰ بن سعد بن زيد بن ثابت يحدثه عن جده أنه قال: من قرأ خلف الإمام فلا صلاة له. (موطا إمام محمد/ ۱۰۲، مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۳۷٦، جديد ۳/ ۲۷۹، برقم: ۳۸۰۹)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کی نماز نہیں ہوگی۔

عن زيد بن ثابت قال: لا تقرأ خلف الإمام إن جهر ولا إن خافت. (مصنف ابن أبي شيبة جديد ۲/ ۲۷۹، برقم: ۳۸۰۸)

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مت پڑھا کرو چاہے جہری نماز ہو یا سری۔

عبدالرزاق، عن داؤد بن قيس قال: أخبرني عمر بن محمد بن زيد بن عمر بن الخطاب قال: حدثني موسى بن سعيد عن زيد بن ثابت قال: من قرأ مع الإمام فلا صلاة له. (مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۳۷، رقم: ۲۸۰۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے ساتھ قراءت کرے گا، اس کی نماز ہی نہ ہوگی۔

صحابی (۱٦) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ:

إن سعداً قال: وددت أن الذي يقرأ خلف الإمام في فيه جمرة. (موطا إمام محمد/ ۱۰۱)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارہ ٹھونس دیا جائے۔

خلفاء راشدین کا فتویٰ

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آپ کے سامنے سولہ صحابہؓ کے واسطے سے آچکا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے ممانعت فرمائی، اور بعض روایات میں جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں قرأت کی ممانعت فرمائی ہے، اب آپ دیکھ لیجئے کہ حضرات خلفاء راشدین حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، اور ماقبل میں صحابی (۳) کے ذیل میں حضرت علیؓ کی ممانعت بھی آپ کے سامنے آچکی ہے، اور چاروں خلفاء راشدین کا فتویٰ بھی قرأت کی ممانعت کے ثبوت پر ہے، تو پھر کس کی ہمت ہے کہ ان کی مخالفت میں آواز اٹھائے، خلفاء راشدین کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے:

عن موسیٰ بن عقبة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبابكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام. (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۱۳۹، برقم: ۲۸۱۰)

حضرت موسیٰ ابن عقبہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ یہ سب کے سب امام کے پیچھے قرأت کرنے سے مقتدی کو منع فرمایا کرتے تھے۔

روایات کا تحقیقی جائزہ

اب آپ کے سامنے دونوں قسم کی روایات آچکیں، اوّل الذکر روایات میں امام کے پیچھے قرأت کا حکم ہے، اور مؤخر الذکر روایات میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت ہے، اور غیر مقلدین کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ پہلی قسم کی روایات صحیح سندوں سے مروی ہیں، اور دوسری قسم کی روایات سند کے اعتبار سے کمزور ہیں؛ بلکہ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ دوسری قسم کی بہت

سی روایات اعلی درجہ کی صحیح سندوں سے مروی ہیں، جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ کی روایات ہیں، جو صحیح مسلم وغیرہ سے نقل کی گئیں ہیں، اور دیگر روایات ان کی مؤید ہیں، اور پہلی قسم کی روایات چار صحابہ سے مروی ہیں، جب کہ دوسری قسم کی روایات سولہ (۱۶) صحابہ سے مروی ہیں،اب دونوں قسم کی روایات کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو بات واضح ہوجائے گی کہ چار وجوہات سے مقتدی کے قرأت نہ کرنے کی روایات کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۱) جن روایات صحیحہ میں فاتحہ خلف الامام کا ذکر ہے، ان میں سے کسی میں بھی صاف الفاظ کے ساتھ آپ کا ارشاد اس طرح مروی نہیں ہے کہ تم امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو؛ بلکہ مطلق اور مجمل الفاظ ہیں، جن سے یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ جب تنہا نماز پڑھ رہا ہو، یا خود امام بن کر نماز پڑھا رہا ہے تو قرأت لازم ہے؛ لہذا مقتدی اس حکم کا مخاطب ہی نہیں ہے۔

(۲) اور ''سکتین'' کے درمیان فاتحہ پڑھنے کی روایات متکلم فیہ ہیں، اس کی سند پر سب ہی محدثین نے کلام فرمایا ہے، نیز سکتہ کے درمیان پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہیں۔

(۳) دونوں قسم کی روایات میں غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کی روایات سورۂ اعراف کی آیت ۲۰۴ ''وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ'' کے نزول سے پہلے کی ہیں؛ اس لئے کہ آیت کے نزول سے پہلے نماز میں سلام وکلام اور مقتدی کے لئے خود قرأت کرنا سب جائز تھا، اور دوسری قسم کی روایات سورۂ اعراف کی آیت ۲۰۴ کے نزول کے بعد کی ہیں؛ لہذا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نماز میں سلام وکلام اور مقتدی کی قرأت وغیرہ سب باتیں منسوخ ہوچکیں؛ لہذا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی روایات اگرچہ صحیح سند سے ثابت ہیں، مگر پھر بھی اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد منسوخ ہوچکی ہیں، ایسی صورت میں دونوں قسم کی روایات کا صحیح محمل سامنے آجاتا ہے، ورنہ لازمی طور پر کہنا پڑے گا کہ ایک قسم کی روایات غلط اور جھوٹ ہیں اور دوسری قسم کی روایات صحیح ہیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

(۴) پہلی قسم کی روایات کا منسوخ ہونا دوسری قسم کی روایات سے صاف واضح ہوتا ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے پہلی قسم کی روایات مروی ہیں، جن میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے، اور پھر انہیں صحابہ کرام سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کا حکم ثابت ہے، خواہ امام جہر کے ساتھ پڑھے یا آہستہ، بہر صورت تم کو امام کی قرأت کافی ہوجائے گی، نیز حضرت جابرؓ، حضرت ابو الدرداء، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن شدادؓ اور حضرت عمر بن خطاب، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ان تمام صحابہ کی روایات میں صاف الفاظ کے ساتھ اس بات کا ذکر ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت مشروع نہیں ہے؛ بلکہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے، نیز حضرت عمرؓ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ایسے مقتدی کے منہ میں پتھر ٹھونس دو تاکہ منہ ہی نہ ہلا سکے، اور حضرت زید بن ثابتؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارہ ڈال دیا جائے تو بہتر ہے، تاکہ منہ ہی نہ ہلا سکے، اس قسم کی روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں۔

(۵) نماز میں سکون وخشوع مقصود ہے؛ لہذا جب مقتدی بھی امام کے پیچھے قرأت کرنے لگیں گے تو کسی کو بھی خشوع اور سکون حاصل نہیں ہوسکتا، جیسا کہ مسلم شریف مصنف ابن ابی شیبہ، سنن کبری، نسائی وغیرہ میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہے، اور اگر سب آہستہ بھی پڑھ لیں تب بھی بڑے مجمع میں کسی کو نماز میں سکون وخشوع حاصل نہیں ہوسکتا، ان تمام دلائل سے امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کی روایات کا راجح ہونا ثابت ہوا، نیز قرأت نہ کرنے کی روایات کو نقل کرنے والے سولہ (۱۶) صحابہ ہیں، ان میں سے اکثر اجلّۂ صحابہ اور فقہاء صحابہ ہیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہم مشہور ترین فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔

اس کے برخلاف امام کے پیچھے قرأت کرنے والے صحابہ میں سے کسی کی بھی فقاہت مشہور نہیں ہے؛ لہٰذا حاصل یہی نکلا کہ آیت قرآنی اور احادیث رسول سے یہی ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا ہی آخری حکم ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو غیر مقلدین کی طرف سے منسوخ شدہ روایات پیش کرنے کی وجہ سے شکوک وشبہات میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر ۱۴۳۳ھ

امام کو رکوع میں پانے والا رکعت پالیتا ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد! یہاں یہ مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں مسجد میں داخل ہو کہ جماعت ہورہی ہو اور امام رکوع میں جاچکا ہو اور یہ شخص فوری طور پر کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہہ کر کے امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوجائے تو اس کی یہ رکعت معتبر ہوگی یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی یہ رکعت معتبر ہوجائے گی، اوراس رکعت کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہے، جس کی دلیل میں اس مضمون میں انشاء اللہ متعدد روایات پیش کی جائیں گی؛ لیکن علامہ ابن حزم ظاہری اندلسیؒ جو غیر مقلدین کی صفِ اول کے پیشوا اور امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ رکعت معتبر نہ ہوگی؛ اس لئے کہ اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی ہے۔
(المحلی بالآثار ۲/۴ ۲۷ تا ۲۷۷، مسئلہ ۳۶۲)

یہی غیر مقلدین کا مسلک ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کے پیشوا میر نورالحسن خاںؒ نے اپنی کتاب عرف الجادی/ ۳۷ میں لکھا ہے، وہ لوگ اس رکعت کو معتبر نہیں مانتے حالانکہ صحابہٴ کرام میں سے کسی سے اس کی صراحت کے ساتھ کوئی روایت مروی نہیں ہے کہ جو شخص رکوع پالے گا اس کی وہ رکعت معتبر نہ ہوگی، اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اس کی صراحت پر موجود ہے، صرف اس بات پر قیاس آرائی کر کے اس رکعت کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں کہ اس

نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی؛ اس لئے اس کی یہ رکعت معتبر نہیں، غیر مقلدین کو اس قیاس آرائی کی ضرورت اس لئے پڑی ہے کہ بحالت رکوع سورۂ فاتحہ یا کسی اور سورت کی قرأت کرنے کی صحیح حدیث سے ممانعت وارد ہوئی ہے، اب یہاں آکر کے غیر مقلدین اٹک گئے کہ وہ لوگ ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر بھی فرض ہے، اگر اس رکعت کو معتبر مانتے ہیں تو مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض نہیں کہہ سکتے اور دوسری طرف یہ بات ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ کو رکوع میں پڑھنے کا حکم لگائیں گے تو ان کے لئے دوسری پریشانی یہ ہے کہ صحیح حدیث شریف میں صاف الفاظ کے ساتھ رکوع میں سورۂ فاتحہ یا دیگر سورت کی قرأت جائز نہیں؛ اس لئے ان لوگوں نے یہ قیاس آرائی کی کہ وہ رکعت ہی معتبر نہیں ہے، اور بقول ان کے اس شخص پر اس رکعت کا اعادہ لازم ہے، غیر مقلدین کی اس قیاس آرائی کی وجہ سے اس مضمون کو لکھنے کی ضرورت پیش آئی ہے، اب اس مضمون کے ذیل میں حضرات صحابہ کرام کے ایسے اعمال اور اقوال پیش کرتے ہیں جن میں صراحت کے ساتھ اس بات کی وضاحت ہے کہ وہ رکعت معتبر ہو جائے گی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، ہم مسلمانوں کو اس بات پر آگاہ کرتے ہیں کہ یہ غیر مقلدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال اور شریعت کو حضرات صحابہ سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے، اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے آپ کو صحابہ سے بھی شریعت کو سمجھنے میں بڑھا ہوا سمجھتے ہیں، اس لئے حضرات صحابہ کرام کے اقوال واعمال اور ان کے فتاوی کو جب اپنی مرضی کے خلاف ہوں تو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اور اپنے من گھڑت قیاس سے کام لیتے ہیں، اب ہم آپ کے سامنے وہ روایات پیش کرتے ہیں جن سے صاف واضح ہو جائے گا کہ وہ رکعت معتبر ہے، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

رکعت کے معتبر ہونے کی روایات

(۱) عن زيد بن وهب قال: خرجت مع عبدالله يعني ابن

حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان

مسعود من داره إلى المسجد، فلما توسّطنا المسجد ركع الإمام فكبر عبدالله وركع وركعت معه، ثم مشينا راكعين حتى انتهينا إلى الصف حين رفع القوم رؤوسهم، فلما قضى الإمام الصلاة قمت وأنا أرى أني لم أدرك فأخذ عبدالله بيدي وأجلسني، ثم قال: إنك قد أدركت. (السنن الكبرى للبيهقي ٢/ ٤١١ برقم: ٢٦٤١)

کے گھر سے آکر مسجد میں داخل ہوا، جب ہم دونوں مسجد کے بیچ میں پہونچے تو امام نے رکوع کرلیا، تو عبداللہ بن مسعودؓ بھی تکبیر کہہ کرکے رکوع میں چلے گئے، اور میں بھی ان کے ساتھ تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا گیا، پھر ہم دونوں رکوع کی حالت میں چلتے ہوئے صف میں جاکر کے مل گئے، جس وقت لوگ اپنے سر اوپر کو اٹھا رہے تھے، پھر جب امام نے نماز پوری کرلی تو میں یہ سمجھتے ہوئے کھڑا ہوا کہ میں نے وہ رکعت نہیں پائی، تو عبداللہ بن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کے مجھے بٹھا دیا، پھر کہا کہ بے شک تم نے یہ رکعت پالی ہے۔

اسی طرح کی ملتی جلتی روایت کچھ اختصار کے ساتھ مروی ہے، جس کی سند کے تمام رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۲) عن زيد بن وهب قال: دخلت أنا وابن مسعود المسجد والإمام راكع، فركعنا ثم مضينا حتى استوينا بالصف، فلما فرغ الإمام قمت أقضي، فقال: قد أدركته. (رجاله ثقات). (المعجم الكبير ٩/ ٢٧١، برقم: ٩٣٥٤، ٩٣٥٥، مصنف عبد الرزاق ٢/ ٢٨٣ برقم: ٣٣٨١، مجمع الزوائد ٢/ ٧٧، إعلاء السنن بيروت ٤/ ٣١٥، برقم: ١٣٠٢)

حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں میں اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں اس حالت میں داخل ہوئے جب کہ امام رکوع میں جاچکا تھا، تو ہم دونوں نے بھی رکوع کرلیا، پھر ہم اسی حالت میں چلتے ہوئے صف میں مل کر برابر ہوگئے، پھر جب امام نماز سے فارغ ہوگئے تو میں اس رکعت کو قضاء کرنے کے لئے بطور مسبوق کھڑا ہوا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یقیناً تم نے اس رکعت کو پالیا۔

(۳) عن نافع عن ابن عمر أنه كان يقول: من أدرك الإمام راكعاً فركع قبل أن يرفع الإمام رأسه، فقد أدرك تلك الركعة. (السنن الكبرى ۲/ ۴۰۹ برقم: ۲۶۳۴)

حضرت امام نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کو رکوع کی حالت میں پالیتا ہے، پھر امام کے سر اٹھانے سے پہلے پہلے یہ بھی رکوع کرلیتا ہے تو یقیناً وہ اس رکعت کو پالیتا ہے۔

حضرت زید بن وہب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسلام لے آئے تھے، مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہوگئے، مگر راستہ میں معلوم ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکی ہے، اس لئے ان کو شرف صحابیت حاصل نہیں ہوسکا، ان کا شمار تابعین میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

زيد بن وهب الجهني أدرك الجاهلية وأسلم في حياة النبي صلى الله عليه وسلم وهاجر إليه، فبلغته وفاته في الطريق، وهو معدود فى كبار التابعين. (أسد الغابة ۲/ ۱۴۹)

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید سے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کچھ بیان کریں اس کی تصدیق تم کو ضرور کرنی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا وكيع عن سفيان عن عبدالملك بن عمير عن مولى لربعي، عن ربعي عن حذيفة قال: كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم جلوسا، فقال: إني لا أدري ما قدر بقائي فيكم فاقتدوا بالذين من بعدي، وأشار إلى أبي بكر وعمر وتمسكوا بعهد عمار وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه. (مسند أحمد ۵/ ۳۸۵، رقم: ۲۳۶۶۵- ۲۳۸۱۳، صحيح ابن حبان ۴/ ۲۵۵، رقم: ۶۹۱۱)

لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی تصدیق لازم اور ضروری ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ جب رکوع پالیا تو رکعت پالی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول مصنف عبدالرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

(٤) عن ابن عمر قال: إذا أدركت الإمام راكعاً فركعت قبل أن يرفع فقد أدركت، وإن رفع قبل أن تركع فقد فاتتك. (مصنف عبدالرزاق ٢/ ٢٧٩ برقم: ٣٣٦١)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم امام کو رکوع کی حالت میں پالو پھر تم امام کے سر اٹھانے سے پہلے پہلے رکوع کرلو تو یقیناً تم اس رکعت کو پالوگے، اور اگر تمہارے رکوع کرنے سے پہلے پہلے امام سر اٹھالے تو یقیناً وہ رکعت تم سے فوت ہوجائے گی۔

(٥) عن الزهري أنّ زيد بن ثابت وابن عمر كانا يفتيان الرجل إذا انتهى إلى القوم وهم ركوع أن يكبّر تكبيرة وقد أدرك الركعة، قالا: وإن وجدهم سجوداً سجد معهم ولم يعتد بذلك. (إسناده صحيح) (مصنف عبدالرزاق ٢/ ٢٧٨ برقم: ٣٣٥٥)

حضرت امام ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس بات کا فتوی دیا کرتے تھے کہ آدمی جب لوگوں کی جماعت میں اس وقت پہونچ جائے کہ جب لوگ رکوع کی حالت میں ہوں، تو یہ شخص تکبیر کہہ کر کے لوگوں کے ساتھ شریک ہوجائے تو یقیناً وہ شخص اس رکعت کو پالیتا ہے، اور دونوں حضرات یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگوں کو سجدہ کی حالت میں پالے اور یہ شخص ان کے ساتھ سجدہ کرلے تو اس رکعت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(٦) عن نافع عن ابن عمر

حضرت امام نافع عبداللہ بن عمرؓ سے روایت

قال: إذا جئتَ والإمام راكع فوضعت يديك على ركبتيك قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت. (مصنف ابن أبي شيبة ٢/ ٤٣٣ برقم: ٢٥٣٤)

کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم امام کے رکوع کی حالت میں پہونچ جاؤ تو تم رکوع کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کو امام کے سر اٹھانے سے پہلے پہلے اپنے گھٹنوں پر رکھ دو گے تو یقیناً تم اس رکعت کو پالو گے۔

(۷) عن أبي هريرة رضـ أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلبهُ. (صحيح ابن خزيمة برقم: ١٥٩٥، دارقطني ١/ ٣٣٩ برقم: ١٢٩٨، السنن الكبرى للبيهقي ٢/ ٤٠٨، برقم: ٢٦٢٩، إعلاء السنن بيروت ٤/ ٣١٧، برقم: ١٣٠٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے نماز کے رکوع کو پالیتا ہے، تو یقیناً وہ اس رکعت کو پالیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع روایت کی سند میں محدثین نے کلام کیا ہے، اس متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اس روایت کو استدلال کے لئے بنیاد نہیں بنایا ہے؛ لیکن ماقبل میں جو آثار آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں ان کے لئے مؤید بن سکتی ہے؛ اس لئے ہم نے اس روایت کو تائید کے طور پر پیش کر دیا ہے۔

روایات کا تحقیقی جائزہ

جو شخص امام کو رکوع کی حالت میں پالیتا ہے اس کی وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے معتبر ہونے کی سات وجوہات (۷) ناظرین کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرات صحابہ کرام سے واضح طور پر اس بات کی صراحت مل گئی ہے کہ جو شخص رکوع پالیتا ہے اس کی وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ وہی صحابیٔ رسول ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، نبوت کے پہلے سال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما کر تشریف لے جانے تک ۲۳؍ سالہ طویل مدت میں سفر وحضر میں ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء سب چیزوں کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس قدر سمجھتے تھے کسی دوسرے کے لئے مشکل تھا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے سب سے بڑے فقیہ تھے، یہ وہی صحابی رسول ہیں جو صاف طور پر فرماتے ہیں کہ وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے، اور جو لوگ اس رکعت کو لوٹانے کے لئے کھڑے ہونا چاہتے تھے ان کو ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا کرتے تھے، جیسا کہ روایت نمبر ۱، ۲؍ سے واضح ہو چکا ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ دونوں فقہاء صحابہ میں سے ہیں، ان دونوں کا مشترکہ فتویٰ بھی آپ کے سامنے آچکا ہے کہ وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے، جیسا کہ روایت نمبر ۵؍ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

(۴) اس رکعت کے معتبر نہ ہونے کے بارے میں خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی صراحت کے ساتھ کوئی روایت ثابت نہیں ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس سلسلے میں کسی صحابی نے نقل کیا ہے، اور نہ ہی کسی صحابی کا قول یا عمل اس بارے میں ثابت ہے۔

(۵) ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اتفاق اس بات پر ہے کہ وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے، اس کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

(۶) ان تمام وجوہات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا جو حکم ہے وہ

مقتدیوں کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ یہ حکم امام اور منفرد کے لئے ہے، کہ امام اور منفرد کی نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے درست نہیں ہوتی ہے، اور مقتدی کی نماز درست ہوجاتی ہے؛ اس لئے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے لئے کافی ہوجاتی ہے، بے شمار روایات سے اس کا ثبوت ہے۔

(۷) اگر مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم اور واجب ہوتا تو پھر ان کو رکوع کی حالت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی جاتی، حالانکہ رکوع میں سورۂ فاتحہ یا کسی اور سورت کے پڑھنے کی ممانعت صحیح حدیث سے وارد ہوچکی ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس أنه قال: نُهيت أن أقرأ وأنا راكع. (مسلم شريف ١/ ١٩١، جديد برقم: ٤٨١)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رکوع کی حالت میں قرأت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

عن علي بن أبي طالب أنه قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن القراءة في الركوع والسجود. (مسلم شريف ٢/ ١٩٣، جديد برقم: ٢٠٧٨، ١/ ١٩١ برقم: ٤٨٠، وهكذا ترمذي ١/ ٦١، جديد برقم: ٢٦٤، مسند أبي يعلى الموصلي ١/ ٢٠٨، برقم: ٤٠٩، صحيح ابن حبان ٣/ ١٤٤، برقم: ١٨٩٢، مسند أحمد ابن حنبل ١/ ١٥٥، برقم: ١٣٣٠)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ روایات کے درمیان کسی قسم کا تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے، کہ جس حدیث شریف میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے، اس کا تعلق امام اور منفرد کے ساتھ ہے مقتدی کے ساتھ نہیں ہے، اور جس حدیث شریف میں رکوع اور سجدہ کی

حالت میں قرأت کی ممانعت کی گئی ہے وہ اپنی جگہ درست ہے، کسی کے لئے بھی رکوع اور سجدہ میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے، اور جن روایات سے امام کو رکوع کی حالت میں پانے کی صورت میں مقتدی کی اس رکعت کو معتبر کہا گیا ہے، وہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں؛ اس لئے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مکلّف نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر ۱۴۳۳ھ

قراءت خلف الامام اور آمین بالجہر کا حکم

سوال [۱۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص امام کے پیچھے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور آمین جہراً کہتا ہے، اس کی نماز مکمل ہوگی یا نہیں؟

(۲) دوسرا شخص امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے اور آمین ہلکی آواز سے کہتا ہے کہ دوسرا شخص سن سکے، تو اس کی نماز مکمل سنت کے مطابق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے، اس کا عمل غلط ہے۔ اور جو شخص نہیں پڑھتا ہے اس کا عمل صحیح اور درست ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم شروع میں پڑھتے تھے، بعد میں جب آیت کریمہ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾. [الأعراف: ۲۰۴] اور آیت کریمہ: ”وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ“ [البقرة: ۲۲۸] نازل ہوئی تو امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم منسوخ ہوچکا ہے۔

عن موسیٰ بن عقبة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا بكر، وعمر، وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۱۳۹، رقم: ۲۸۱۰)

اورآمین کہنے کے بارے میں جہری اورسری دونوں طرح کی روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، مگرسری کہنے کی روایت زیادہ راجح ہے؛ اس لئے افضل اورمسنون عمل اسی کا ہے جوآہستہ آمین کہتا ہے۔

عن علقمة بن وائل، عن أبيه، عن النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقال: آمين، وخفض بها صوته. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التامين، النسخة الهندية ۱/ ۵۸، دارالسلام، رقم: ۲۴۸، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي بيروت ۲۲/ ۴۵، رقم: ۱۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۸/صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۸ھ

مکبّر کا بلند آواز سے آمین کہنا

سوال [۱۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آمین آہستہ کہنا سنت اورافضل ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اس کے برخلاف امام شافعیؒ بلند آواز کے ساتھ آمین کہنے کوافضل اورسنت بتلاتے ہیں؛ اس لئے ایک حنفی مقلد کوتو آہستہ ہی آمین کہنا چاہئے، مگرسوال یہ ہے کہ نماز جمعہ میں جامع مسجد میں ایک مکبر بلند آواز سے آمین کہتا ہے اورکہتا ہے کہ جب تکبیر تحمید وسلام بلند آواز سے کہتا ہوں، تو آمین بلند آواز سے کہنے میں کیا حرج ہے؟ جب کہ اس سے ایک سنت آمین کہنے کی بھی ادا ہوجاتی ہے اور مقتدیوں کوعلم بھی ہوجاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ ختم ہوگئی ہے؛ لہٰذا بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے اور مکبر کے بارے میں کوئی حدیث بھی نہیں ہے کہ وہ بھی آہستہ ہی آمین کہے، آپ علماء کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ آپ ہی جواب عنایت فرمائیں کہ مکبر کوبھی آہستہ ہی آمین کہنا چاہئے یا بلند آواز سے بھی کہنے میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے؟

المستفتی: محمد ناظم عباسی، حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکبر کی تکبیر میں انسانوں تک آواز پہنچانا مقصد ہوتا ہے اور آمین میں انسانوں کو آواز پہنچانا مقصد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ صرف خداوند، سمیع وبصیر کو ہی سنانا مقصد ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کو سنانے کے لئے آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آمین بالجہر سے لوگوں کو سورۂ فاتحہ ختم ہونے کی اطلاع ہوجاتی ہے، اس کی اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس سے کسی کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہے، مگر مکبر کی آواز نہ سننے سے پیچھے کے لوگوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۴ھ

آمین بالجہر کا حکم

سوال [۱۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا آمین سورۂ فاتحہ کے بعد زور سے کہنا جائز ہے؟

المستفتی: مطلوب احمد متولی تھانہ والی مسجد، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں یہ بات بھی واضح کردی جاتی ہے کہ احادیث شریفہ میں آمین کو جہراً پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یا سراً؟ اس سلسلہ میں کتب حدیث میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں، بعض روایات کے اندر جہراً آمین کہنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور بعض روایات میں سراً اور آہستہ آمین کہنے کا حکم ہے؛ لہٰذا آپ کے سامنے دونوں طرح کی روایات پیش کرتے ہیں۔

حدثنا بندار نا يحيى بن سعيد وعبد الرحمن بن مهدي، قالا: نا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال: سمعت النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضآلين، وقال: آمين، ومد بها صوته. وفي روايةأبي داؤد: رفع بها صوته. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التامين، النسخة الهندية ١/ ٥٧، دارالسلام، رقم: ٢٤٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٠/ ٣٤٩، رقم: ٤٤٨٨١، المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/ ١٥٨، رقم: ٥٥٩، أبو داؤد، الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، النسخة الهندية ١/ ١٣٤، دارالسلام، رقم: ٩٣٢)

حدثنا بندار، نا يحيى بن سعيد وعبدالرحمن بن مهدي قال: نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن علقمة بن وائل، عن أبيه، عن النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضآلين، فقال: آمين، وخفض بها صوته. وفي رواية: أخفى بها صوته. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التامين، النسخة الهندية ١/ ٥٨، دارالسلام، رقم: ٢٤٨، مسند أبي داؤد الطيالسى، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥٧٧، رقم: ١١١٧، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٣١٦، رقم: ١٩٠٥٩)

اب آمین کے بارے میں صرف ایک صحابی یعنی حضرت وائل بن حجر سے واضح الفاظ کے ساتھ روایات ہمارے سامنے ہیں، پہلی قسم کی روایت میں **"مد بها صوته"** کے الفاظ ہیں، جس میں آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے، جہر کا ذکر نہیں ہے؛ اس لئے آواز کا کھینچنا جہراً اور سراً دونوں میں ہوسکتا ہے، جب دونوں میں ہوسکتا ہے تو جہر کا امکان ہے، یقین نہیں۔ اور دوسری قسم کی روایت میں **"خفض بها صوته"** کے الفاظ ہیں۔ اور ''خفض'' کے معنی آواز پست کرنا اور بالکل آہستہ کرنے کے ہیں، تو اس قسم کی روایات میں صرف آواز کو سراً اور آہستہ کرنے سے متعلق واضح الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ میں جہر کا کوئی امکان اور شبہ نہیں ہے۔ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مطلقاً آمین کہنے کی روایات مروی ہیں۔ اور سر اور جہر سے متعلق واضح الفاظ نہیں ہیں؛ اس لئے مسئلہ آمین جہری یا سری کے متعلق صرف

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت موضوع بحث ہے، ان کی روایت میں آمین بالجہر سے متعلق جو الفاظ ہیں وہ حضرت سفیان ثوریؒ کی سند سے مروی ہیں، مگر الفاظ میں سر کا بھی احتمال ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں واضح الفاظ کے ساتھ آمین کو آہستہ کہنے کا ذکر ہے، وہ شعبہ بن حجاج کی سند سے مروی ہے۔ اور امام سفیان ثوریؒ اور امام شعبہ بن حجاجؒ دونوں ثقہ اور مضبوط راوی ہیں، جب کہ محدثین کے نزدیک یہ دونوں حضرات حفاظ حدیث اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں؛ اس لئے دونوں کی روایت صحیح اور معتبر ہیں؛ لیکن حدیث کے متن میں حضرت سفیان ثوریؒ کی روایت میں صرف آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے، جس کا تعلق جہر اور سر دونوں سے ہوسکتا ہے؛ اس لئے دونوں احتمال ہیں، حضرت شعبہ بن حجاجؒ کی روایت میں واضح لفظوں میں آواز کو آہستہ اور پست کرنے کا ذکر ہے، اس وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آواز پست کرنے والی روایت کو ترجیح دے کر فرمایا کہ آمین آہستہ کہنا مسنون اور افضل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۶ھ

نماز میں آمین بالجہر یا آمین بالسر

سوال [۱۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں بلند آواز سے یا آہستہ آواز سے آمین کہنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: زوار احمد ۱۰۲/ اون وہار ہاؤسنگ بورڈ عیدگاہ جے پور، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں دونوں طرح کی بات موجود ہے، ایک روایت میں جہراً آمین کہنے کی بات ہے اور دوسری روایت میں آہستہ آمین کہنے کا حکم ہے۔ اور

دونوں روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں سے مروی ہیں، امام ترمذیؒ نے امام سفیان ثوریؒ جو بہت بڑے ثقہ اور معتبر راوی ہیں، ان کی روایت پر کلام فرمایا ہے اور اس کلام کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ سے بڑے بھی ہیں اور پہلے کے بھی ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے آہستہ آمین کہنے کو ترجیح دی ہے؛ اس لئے حنفی مسلک میں زور سے آمین کہنا مسنون نہیں ہے؛ بلکہ آہستہ کہنا مسنون ہے، دونوں طرح کی روایات ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا بندار نا يحيى بن سعيد وعبد الرحمن بن مهدي، قالا: نا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال: سمعت النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضآلين، وقال: آمين، ومد بها صوته. وفي رواية أبي داؤد: رفع بها صوته. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التامين، النسخة الهندية ۱/ ۵۷، دارالسلام، رقم: ۲٤۸، أبو داؤد، الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، النسخة الهندية ۱/ ۱۳٤، دارالسلام، رقم: ۹۳۲)

حدثنا بندار، نا يحيى بن سعيد وعبدالرحمن بن مهدي قالا: نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن علقمة بن وائل، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضآلين، فقال: آمين، وخفض بها صوته. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التامين، النسخة الهندية ۱/ ۵۸، دارالسلام، رقم: ۲٤۸، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي ۲۲/ ٤۵، مسند أبي داؤد الطيالسى، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۷۷، رقم: ۱۱۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۸/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۱۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۷ھ

سری نماز میں مقتدی کا آمین کہنا

سوال [۱۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: سری نمازوں میں امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی آمین کب کہیں؟

المستفتی: محمد عارف دھنورہ منڈی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سری نماز کے اندر مقتدی ''ولا الضآلین'' سن لے تو آمین کہے گا۔ اور اگر نہیں سنے گا تو آمین نہیں کہے گا۔

لو سمع المقتدي من الإمام ''ولا الضآلين'' في صلاة لا يجهر فيها مثل الظهر والعصر، قال بعض مشايخنا: لا يؤمن، وعن الفقيه أبي جعفر الهندواني: يؤمن. (هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧٤، جديد ١/ ١٣١، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، قديم ١/ ٥٣٧، جديد، زكريا ٢/ ١٦٧، رقم: ٢٠٣٦، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فى ما يفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ٢/ ١١٤، رقم: ١٣٤٧، حاشية چلپى، كتاب الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، إمداديه ملتان ١/ ١١٣، زكريا ١/ ٢٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۷/۵ھ

مسئلہ آمین بالسّر کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد! تمام امت کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے ختم پر آمین کہنا امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے مسنون ہے، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے اور کسی کے نزدیک بھی فرض یا واجب نہیں؛ لیکن علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ آمین جہراً پڑھنا افضل ہے یا سراً، چنانچہ امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق امام کا آمین کہنا افضل نہیں ہے،

صرف مقتدیوں کا آمین کہنا افضل ہے۔ (المغنی ۱/ ۲۹۰) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام مقتدی اور منفرد سب کے لئے آہستہ آمین کہنا افضل ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام جہری نماز میں قدرے جہر سے آمین کہے گا اور مقتدیوں کا آہستہ آمین کہنا پسندیدہ ہے۔ (کتاب الام ب: ۵۲، ص: ۸۵ رقم: ۱۷۸) اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک امام و مقتدی دونوں کے لئے جہری نمازوں میں جہراً آمین کہنا افضل ہے۔ (المغنی لابن قدامه ۱/ ۲۹۰) اور یہاں یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ ائمہ کے درمیان کا اختلاف صرف افضلیت اور اولویت کے بارے میں ہے، حلت و حرمت اور حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے، مگر آج کل کے زمانہ میں ''فرقۂ غیر مقلدین'' اس مسئلہ کو بڑی اہمیت دیتا ہے، اور اس اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف قرار دیتے ہوئے آمین بالجہر کو حق کہتا ہے، اور آمین بالسر کرنے والے کو تارک سنت اور حدیث رسول کے مخالف قرار دینے کی کوشش کرتا ہے، تو اس سلسلہ میں اس مختصر سے مضمون کو ہم آپ کے سامنے اس طرح سے پیش کرتے ہیں کہ اولاً بخاری شریف کی وہ حدیث شریف نقل کریں گے جس میں آمین کہنے کی فضیلت آئی ہے، اس کے بعد حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت کو موضوع بحث بنا کر وضاحت کریں گے؛ اس لئے کہ حضرت وائل بن حجرؓ سے صاف الفاظ کے ساتھ جہراً آمین کہنے کی بھی روایت ہے، اور صاف الفاظ کے ساتھ سراً اور آہستہ آمین کہنے کی بھی روایت ہے، پھر اس کے بعد آخر میں سراً اور آہستہ آمین کہنے کے ثبوت میں پانچ (۵) احادیث و آثار پیش کریں گے۔ اب اس تمہید کے بعد مسلمانوں کے سامنے ہم حدیث رسول اور آثار صحابہ کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔

نماز میں آمین کہنے کی فضیلت

بخاری شریف کی روایت ملاحظہ فرمائیے جس میں ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّآلِيْنَ'' کے بعد آمین کہنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قال الإمام ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ بیشک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب امام سورۂ فاتحہ میں ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

عَلَيْهِمْ وَلا الضَّآلِيْن" فقولوا آمين فإنه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ماتقدم من ذنبه. (بخاری شریف ۱/ ۱۰۸، حدیث رقم: ۷۷٤، ف رقم: ۷۸۲)

وَلا الضَّآلِيْن" کہے تو تم آمین کہو؛ اس لئے کہ جس کا آمین کہنا ملائکہ کے آمین کہنے کے موافق ہوجائے گا تو اس کے ماقبل کے سارے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

اب اس حدیث شریف پر غور کرنے سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام کے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّآلِيْن" کہنے کے بعد مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم کیا گیا ہے، اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے آمین جہراً کہی جائے یا سراً، دونوں طرح کا احتمال موجود ہے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں واضح الفاظ کے ساتھ روایت تلاش کرنے کی ضرورت پڑی تو صاف الفاظ کے ساتھ حضرت وائل بن حجر کی روایت بالجہر سے متعلق بھی مل گئی، اور بالسر سے متعلق بھی مل گئی، دونوں قسم کی روایتیں مسلمانوں کے سامنے پیش خدمت ہیں۔

آمین بالجہر کی روایت

حدثنا بندار نا يحيىٰ بن سعيد وعبد الرحمن بن مهدي قالا: نا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قرأ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّآلِيْن" وقال آمين، ومدّ بها صَوْتَهٗ، وفي رواية أبي داؤد: رفع بها صوته. (ترمذی شریف ۱/ ۵۷، جدید برقم: ۲٤۸، أبوداؤد شریف ۱/ ۱۳٤، جدید برقم: ۹۳۲، المعجم الكبير ۲۲/ ۲۰ تا ۲۳ برقم: ۳۰ تا ٤۱ و ۲۲/ ٤۵)

حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے سنا ہے کہ آپ نے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّآلِيْن" پڑھ کر کے آمین کہا اور آمین کے ساتھ آواز کو کھینچا، اور ابوداؤد کی روایت میں آواز کو بلند کرنے کی صراحت ہے۔

آمین بالسّر کی روایت

(۱) حدثنا بندار نا يحيىٰ بن سعيد وعبدالرحمن بن مهدي قالا: نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن علقمة بن وائل عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قرأ ”غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ“ وقال آمين، وخفض بها صَوْتَهُ. (ترمذی شریف ۱/ ۵۸، برقم: ۲۴۸ جدید، المعجم الكبير ۲۲/ ۴۵ برقم: ۱۱۲)

حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ“ پڑھنے کے بعد آمین کہا، اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بالکل آہستہ اور پست فرمایا۔

دونوں قسم کی روایات کا جائزہ

(۱) پہلی قسم کی روایت میں ”ومدّ بها صَوْتَهُ“ کے الفاظ ہیں جس میں آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے، جہر کا ذکر نہیں؛ اس لئے آواز کا کھینچنا جہراً اور سراً دونوں میں ہوسکتا ہے، جب دونوں میں ہوسکتا ہے تو جہر کا امکان ہے، یقین نہیں اور ”رفع بها صوته“ والی حدیث متکلم فیہ ہے، دیکھئے حاشیہ (۲)۔ اور

(۱) اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت واضح الفاظ کے ساتھ ابوداؤد ا/ ۱۳۵، اور سنن ابن ماجہ ا/ ۱۶ میں بشر بن رافع کے طریق سے موجود ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بشر بن رافع ضعیف ہے، دیکھئے **بشر بن رافع الحارثي النجراني فقيه ضعيف الحديث من السابعة.** (تقريب التهذيب: ۱۶۹، بذل المجهود ۲/ ۱۰۴)

(۲) اگر کوئی یہ کہے کہ ابوداؤد ا/ ۱۳۵ میں علی بن صالح کے طریق سے **فجهر بآمين** کے الفاظ کے ساتھ اور سفیان بن ثوری کے طریق سے **رفع بها صوته** کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین نے علی بن صالح کے بارے میں کلام فرمایا ہے کہ امام ابوداؤد کو شبہ ہوگیا ہے کہ یہ علی بن صالح ہے یا علاء بن صالح تمیمی، انہوں نے علاء بن صالح کو علی بن صالح سمجھ لیا ہے۔ اور سفیان ثوری کی روایت جس میں **رفع بها صوته** کے الفاظ ہیں اس کی سند اس طرح ہے **سفيان عن سلمة عن حجر أبي العنبس الحضرمي عن وائل بن حجر.** ابوداؤد ا/ ۱۳۴، اور **حجر ابی العنبس** کے الفاظ کے ساتھ سند بیان کرنے کی وجہ سے امام ترمذی نے ترمذی شریف ا/ ۸۵ پر بہت سخت کلام فرمایا ہے۔ اور وہی سب باتیں امام سفیان ثوری پر عائد ہوجاتی ہیں، اسی وجہ سے **رفع بها صوته** کے الفاظ کے ساتھ امام ترمذی نے سفیان کی روایت کو نقل نہیں فرمایا؛ اس لئے سفیان ثوریؒ کی اس روایت کو موضوعِ بحث نہیں بنایا گیا۔

دوسری قسم کی روایت میں ”وخفض بها صَوْتَهٗ“ کے الفاظ ہیں، اور خفض کے معنی آواز پست کرنے کے ہیں، اور ان الفاظ میں جہر کا کوئی امکان اور شبہ نہیں ہے۔ اور وائل بن حجر کے علاوہ دیگر صحابہؓ سے مطلقاً آمین کہنے کی روایات مروی ہیں۔ اور سر اور جہر سے متعلق واضح الفاظ نہیں ہیں، اور جس میں واضح الفاظ ہیں وہ متکلم فیہ ہے؛ اس لئے مسئلہ آمین جہری یا سری کے متعلق صرف حضرت وائل بن حجر کی روایت موضوعِ بحث ہے، ان کی روایت جو حضرت سفیان ثوریؒ کی سند سے مروی ہے، اس میں ”مدّ بها صَوْتَهٗ“ کے الفاظ ہیں، جس میں سر کا بھی احتمال ہے، اور حضرت وائل بن حجر کی جس روایت میں آمین کو آہستہ کہنے کا ذکر ہے، وہ شعبہ بن حجاجؒ کی سند سے مروی ہے، اس میں ”خفض بها صَوْتَهٗ“ کے الفاظ ہیں، جس میں جہر کا احتمال بھی نہیں ہے۔ اور امام سفیان ثوریؒ اور امام شعبہ بن حجاجؒ دونوں ثقہ اور مضبوط راوی ہیں، دونوں حضرات حفاظِ حدیث اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں؛ اس لئے دونوں کی روایت صحیح اور معتبر ہیں؛ لیکن حدیث کے متن میں حضرت سفیان ثوریؒ کی روایت میں صرف آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے، جس کا تعلق جہر اور سر دونوں سے ہوسکتا ہے؛ اس لئے دونوں احتمال ہیں، حضرت شعبہ بن حجاجؒ کی روایت میں واضح لفظوں میں آواز کو آہستہ اور پست کرنے کا ذکر ہے، اس وجہ سے حضرات حنفیہ نے آواز پست کرنے والی روایت کو ترجیح دیکر فرمایا کہ آمین آہستہ کہنا مسنون اور افضل ہے۔

راوی کے ضعف کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا

ناظرین سے اور خاص طور پر غیر مقلدین سے گذارش ہے کہ اس بات کو خصوصیت کے ساتھ نوٹ کریں کہ امام شعبہ ابن حجاجؒ پر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے جو خطاء اور شبہ کو ثابت کرنے کے لئے کلام فرمایا ہے اس کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا؛ اس لئے کہ امام شعبہ بن حجاجؒ اور امام سفیان ثوریؒ دونوں امام ابوحنیفہؒ کے بعد کے محدثین میں سے ہیں، چنانچہ امام سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ سے ۱۷ رسال چھوٹے ہیں۔

اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی پیدائش ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ اور امام سفیان ثوریؒ کی

پیدائش ۹۷ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اور حضرت امام شعبہ بن حجاجؒ کی پیدائش بقول ابن حبان ۸۳ھ اور وفات امام ابوحنیفہؒ کے دس سال کے بعد ۱۶۰ھ میں ہوئی، پوری تفصیل تہذیب التہذیب ۴/ ۳۴۵ پر موجود ہے۔

لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کو شعبہ سے حدیث حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ نیز حضرت امام ابو حنیفہؒ تابعی تھے، بہت سے صحابہ سے حدیثیں براہِ راست بھی سنی ہیں، تو اگر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے سلسلۂ سند میں امام شعبہؒ پر کلام کیا ہے تو اس کا امام ابوحنیفہؒ پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت آمین بالسر کی حدیث سے جس زمانہ میں استدلال فرمایا ہے، اس وقت روایت کی سند میں امام شعبہ نہیں تھے۔

مزید پانچ حدیثیں

آمین بالسر کے ثبوت میں پانچ حدیثیں ملاحظہ فرمایئے:

حضرت وائل بن حجرؓ کی مزید روایت

ماقبل میں حضرت وائل بن حجرؓ کی جہر اور سر دونوں طرح کی حدیثیں پیش کی گئی تھیں، یہاں پر مزید مسند امام احمد بن حنبلؒ اور سنن دار قطنی اور سنن کبیری بیہقی، ترمذی اور مسند ابوداؤد طیالسی اور مستدرک حاکم کی مرفوع روایات پیش کی جاتی ہیں، جن میں وضاحت اور صاف الفاظ میں آمین کو آہستہ پڑھنے کا ثبوت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(۱) عن وائل بن حجر قال: صلى بنا رسول الله، فلما قرأ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّآلِّيْن" فقال: آمين، وأخفىٰ بها صوته الخ. (مسند أحمد

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی، پس جب "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّآلِّيْن" پڑھا تو کہا آمین۔ اور آمین کہنے

٤/ ٣١٦، بـرقـم: ١٩٠٥٩، دارقطني ١/ ٣٢٨، بـرقـم: ١٢٥٦، ترمذي ١/ ٥٨، جـديـد برقـم: ٢٤٨، سنن كبرى بيهقى ٢/ ٣٦٠، بـرقـم: ٢٥٠٠، مسند أبوداؤد الـطيـاليسى ١/ ٥٧٧، جديد برقم: ١١١٧، مستدرك حاكم ٣/ ١١٠١، برقم: ٢٩١٣)

میں آواز کو پست اور آہستہ کیا ہے۔

خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ کا اثر

حضرت عمرؓ نے واضح طور سے فرمایا کہ آمین کہنے میں جہر نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اخفاء اور سر کرکے پڑھا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۲) رويناعن عبدالرحمن بن أبي ليلى قال: قال عمر بن الخطاب: يخفى الإمام أربعاً: التعوذ، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين، وربنا لک الحمد.

(المحلّي بالآثار اندلسى ٢/ ٢٨٠)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز پڑھانے والا امام چار چیزوں کے پڑھنے میں آواز کو بہت آہستہ اور پست کرے گا (۱) ثناء پڑھنے میں (۲) بسم اللہ پڑھنے میں (۳) آمین کہنے میں (۴) ربنا لک الحمد کہنے میں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سید الکونین علیہ السلام کے خادم خاص تھے، جو ہر وقت ساتھ رہا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ آمین کہنے میں آواز کو پست کیا جائے گا، اور حضرت ابن مسعودؓ کا یہ اثر غیر مقلدین کے پیشوا حضرت علامہ ابن حزم ظاہری اندلسیؒ نے اپنی کتاب ”المحلی بالآثار“ میں نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۳) عن علقمة والأسود كلاهما عن عبدالله بن مسعود قال:

حضرت امام علقمہ رحمہ اللہ اور امام اسود رحمہ اللہ دونوں سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ

يخفي الإمام ثلاثاً: الاستعاذة، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين. (المحلي بالآثار ۲/ ۲۸۰)

بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ امام تین چیزوں کے پڑھنے میں اپنی آواز کو آہستہ اور پست کرے گا (۱) ثناء پڑھنے میں (۲) بسم اللہ پڑھنے میں (۳) آمین کہنے میں۔

حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا مشترکہ اثر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں فرماتے ہیں کہ آمین کہنے میں جہر نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ سر کرنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۴) عن أبي وائل قال: كان علي وابن مسعود لا يجهران ببسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بآمين. (معجم كبير طبراني ۹/ ۲۶۳، برقم: ۹۳۰٤)

حضرت ابووائلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ دونوں بسم اللہ پڑھنے میں اور ثناء پڑھنے میں اور آمین کہنے میں جہر نہیں فرماتے تھے؛ (بلکہ سراً اور آہستہ کرتے تھے)۔

حضرت عمر فاروقؓ وحضرت علیؓ کا مشترکہ اثر

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں خلفائے راشدین میں ہیں، دونوں کا مشترکہ اثر ہے کہ آمین کہنے میں جہر نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ آمین آہستہ ہی کہنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۵) عن أبي وائلؒ قال: كان عمر وعلي لايجهران ببسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتأمين. (طحاوي شريف جديد ۱/۲۶۳، برقم: ۱۱۷۳)

حضرت ابو وائل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ بسم اللہ پڑھنے میں اور ثناء پڑھنے میں اور آمین کہنے میں جہر نہیں کرتے تھے؛ (بلکہ سراً اور آہستہ کرتے تھے)۔

ان تمام احادیث وآثار سے آمین کا سراً اور آہستہ پڑھنا ثابت ہے، اور ان تمام احادیث

شریفہ وآثارِ صحابہ وخلفاء راشدین کو غلط کہنا انتہائی جسارت اور گمراہی ہوگی؛ اس لئے آمین بالسّر ہی افضل ہے، یہی صحیح ہے یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، اس پر عمل کرنے میں مسلمانوں کو کسی قسم کے شکوک وشبہات کا شکار نہ ہونا چاہئے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

ضم سورت کے وقت ''بسم اللہ'' پڑھنا

سوال [۱۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ جب کہ ''معارف القرآن'' ۱/۲۰؍ پر یہ مسئلہ لکھا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے ''بسم اللہ'' نہیں پڑھنی چاہئے، خواہ جہری نماز ہو یا سری نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے۔ اور ''فتاوی رحیمیہ ۱/ ۱۷۶'' پر شامی کے حوالہ سے سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان ''بسم اللہ'' پڑھنے کو بہتر لکھا ہے، جو چیز آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین سے ثابت نہ ہو، کیا اس کو مسنون کہہ سکتے ہیں؟

المستفتی: حکیم مولانا محمد اسماعیل، نزد جامع مسجد افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''معارف القرآن'' میں جو لکھا گیا ہے وہ بھی اپنی جگہ درست ہے اور ''فتاوی رحیمیہ'' میں شامی کے حوالہ سے جو لکھا گیا ہے وہ بھی اپنی جگہ درست ہے؛ لیکن دونوں کا محل الگ الگ ہے، اصل حکم شرعی یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد جب کسی سورت کے درمیان سے قراءت شروع کی جائے تو بسم اللہ پڑھنا مستحب وبہتر نہیں۔ اور ''معارف القرآن'' میں جو لکھا ہے اس میں یہی مراد ہے اور جب سورۂ فاتحہ کے بعد کسی سورت کے شروع سے قراءت شروع کی جائے تو بسم اللہ پڑھنا مستحب وبہتر ہے۔ ''فتاوی رحیمیہ'' اور ''شامی'' میں جو مستحب اور بہتر لکھا ہے، اس میں یہی مراد ہے۔

عن ابن عمر أنه كان إذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فإذا فرغ من الحمد قرأ بسم الله الرحمن الرحيم. (المصنف لابن أبي شيبة ١/ ٣٧٧، رقم: ٤١٥٥، جديد ٤١٧٨، المعجم الأوسط، دارالكفر ١/ ٢٤٥، رقم: ٨٤١)

الخلاف في السنة فلا خلاف أنه لو سمى لكان حسنا لشبهة الخلاف فى كونها آية من كل سورة، ثم هل يخص هذا بما إذا قرأ السورة من أولها، أو يشمل ما إذا قرأ من أوسطها آيات مثلا وظاهر تعليلهم يفيد الأول كذا بحثه بعض الأفاضل. (الطحطاوى على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، قديم ١٤٢، جديد دارالكتاب ٢٦١، إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جزئية البسملة للفاتحة، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢١٤، كراچی ٢/ ١٩٧)

أقول: والأظهر أن يقرأها سرا، ولو في الجهرية؛ لأنها للفصل بين السورتين. (شرح النقاية، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، إعزازيه ديوبند ١/ ٧٥)

وروى عن أبي نصر عن محمد رحمه الله: أنه يأتي بالتسمية عند افتتاح كل ركعة، وعند افتتاح السورة أيضا، وفي الفتاوى الغياثية: وهو المختار. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ٢/ ١٦٦، رقم: ٢٠٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ربیع الثانی ١٤٢٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/٨٩٨٣)

دورانِ نماز ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنا

سوال [١٨٩٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''ایضاح المسائل'' (ص: ٣٠) پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ہر سورۃ کے شروع میں جہراً بسم اللہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے۔

حضرت مدنیؒ کے یہاں ان کے زمانے سے ہی اور اس وقت بھی مولانا ارشد مدنی مدظلہ بہت اہتمام سے ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھتے ہیں، کتاب مذکورہ کے ص: ۳۱ پر مختلف مقامات سے دعائیہ آیات پڑھنا اوراس پر اصرار مکروہ اور بدعت تحریر فرمایا ہے، یہ عمل بھی حضرت کے یہاں بہت اہتمام سے ہوتا دیکھا ہے، یہ غیر درست اعمال کی ان کے یہاں کیا گنجائش ہے؟

المستفتی: عبدالرحیم بڈیڈوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جناب والا نے ''ایضاح المسائل'' کے حوالہ سے جن مسائل کی وضاحت طلب فرمائی ہے، ان مسائل کی پوری وضاحت احقر کی کتاب ''ایضاح المسالک'' (ص: ۵۸-۶۲) تک پانچ صفحات میں موجود ہے، اس کو دیکھ لیا جائے، انشاء اللہ اشکال دور ہو جائے گا۔ آنجناب کے کارڈ کے اندر تفصیل لکھنے کی گنجائش نہیں ہے، نیز ان میں سے ایک آدھ مسئلہ کی وضاحت کی طرف ''فتاوی شیخ الاسلام'' کے حاشیہ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/۱۴۲۱ھ

ضم سورت کے وقت ''بسم اللہ'' سراً پڑھنا

سوال [۱۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کسی قوم کی امامت کرتا ہے اور ہر رکعت میں سورت ملانے کے لئے بسم اللہ پڑھتا ہے، تو آیا یہ بسم اللہ پڑھنا خلاف سنت ہے یا نہیں، حنفی کے مطابق؟ جب کہ ''نور الایضاح'' میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا واضح کیا گیا ہے، مندرجہ بالا دونوں مسئلوں کو واضح تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نسیم احمد، اکبرپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے مسنون ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اولیٰ اور بہتر ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اور ''نور الایضاح'' کی عبارت کے مخالف نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم، زکریا ۲/ ۱۶۱، احسن الفتاوی زکریا ۳/ ۷۴)

واتفقوا على عدم الكراهة في ذكرها بين الفاتحة والسورة، بل هو حسن، سواء كانت الصلوة سرية أو جهرية. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، قديم ۱٤۲، جديد دارالكتاب ۲٦۱، تاتارخانية، كوئٹه ۱/ ۵۳٦، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ۲/ ۱٦٦، رقم: ۲۰۳۵، إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم جزئية البسملة للفاتحة، كراچی ۲/ ۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۱۷۴۰)

کیا آپ ﷺ رفع یدین کیا کرتے تھے؟

سوال [۱۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کیا کرتے تھے؟

المستفتی: مطلوب احمد متولی تھانہ والی مسجد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رفع یدین کے ثبوت سے متعلق ہماری کتاب ''غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات'' میں آٹھ روایات نقل کی گئی ہیں اور رفع یدین کی ممانعت یا اس کی روایات کے منسوخ ہونے سے متعلق ۱۴/ روایات نقل کی گئی ہیں، انشاء اللہ

ناظرین کوان روایات کو پڑھنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین مسنون نہیں ہے؛ اس لئے کہ رفع یدین کی روایات منسوخ ہیں اور رفع یدین نہ کرنے کی روایات ناسخ ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دو قسم کی روایات نقل کی گئی ہیں:

(۱) وہ روایات ہیں جن میں ان کا ارشاد ہے کہ ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے''۔

(۲) وہ روایات ہیں جن میں خود ان کا عمل رفع یدین کے خلاف ہے، جیسا کہ ''طحاوی'' اور ''مؤطا امام محمد'' میں وہ روایات صراحت سے موجود ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، باقی اور کسی تکبیر کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے، جو صحابی رفع یدین کی روایت نقل کر رہے ہیں، پھر اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا آخری عمل ترک رفع یدین ہے؛ اس لئے رفع یدین کا عمل مسنون نہ ہوگا؛ بلکہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین کا حکم منسوخ ہے، اس وجہ سے صحابہ کرام میں سے ایک بڑی جماعت رفع یدین نہیں فرماتی تھی، جن میں چاروں خلفائے راشدین اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب وغیرہم رضی اللہ عنہم رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ رفع یدین کو مسنون نہیں کہتے تھے، نیز اس مسئلہ پر علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں، جو قابل مطالعہ ہیں۔

عن مجاهد، قال: صليت خلف ابن عمر –رضي الله عنهما– فلم يكن يرفع يديه إلا في التكبيرة الأولى من الصلاة، فهذا ابن عمر قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع، ثم قد ترك هو الرفع بعد النبي صلى الله عليه وسلم، فلا يكون ذلك إلا وقد ثبت عنده نسخ ما قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم فعله، وقامت الحجة عليه بذلك. (طحاوي، الصلاة، باب

التکبیر للرکوع، اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۳۳، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/ ۲۹۲، رقم: ۱۳۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۶ھ

کیا خلفائے اربعہ رفع یدین نہیں کرتے تھے؟

سوال [۱۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم سے رفع یدین کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت کریں۔

المستفتی: محمد اقبال شمسی ہاؤس، طویلہ اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتب حدیث میں خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ عنہم) سے صراحتاً رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے؛ البتہ ”آثار السنن ۱/ ۱۰۶، ۱/ ۱۰۸، دار قطنی ۱/ ۲۹۵، بیہقی ۲/ ۷۹، ۲/ ۸۹، کنز العمال ۸/ ۴۶، ۸/ ۴۷، نصب الرایہ ۱/ ۴۰۵، ۱/ ۴۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳۷، شرح معانی الآثار ۱/ ۱۳۲، ۱/ ۱۳۳، موطا امام محمد ص: ۹۰“ نیز دیگر کتب حدیث وآثار صحابہ اور اقوال تابعین سے، خلفائے راشدین سے صراحت کے ساتھ رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے۔

عن علقمة، عن عبدالله، قال: صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ومع أبي بكر وعمر رضی الله عنهما فلم يرفعوا أيديهم إلا عند التكبيرة الأولى في افتتاح الصلاة. (سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، باب ذكر التكبير ورفع اليدين، قديم ۱/ ۱۶۳، جديد دارالكتب العلمية ۱/ ۲۹۵، رقم: ۱۱۲۰، السنن الكبرى

للبيهقي، قديم ۲/ ۷۹، ۸۰، جديد، دارالفكر، بيروت ۲/ ۳۹۳، رقم: ۲۵۸٦، معرفة السنن والآثار ۲/ ٤۲٤، رقم: ۳۲۸٦)

عن عاصم بن كليب، عن أبيه أن عليا كان يرفع يديه في أول تكبيرة من الصلاة، ثم لا يرفع بعد. (شرح معاني الآثار، الصلاة، باب التكبيرة للركوع ...... قديم هندي ۱/ ۱۳۲، ۱۳۳، جديد دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۲۹۱، رقم: ۱۳۲۰، المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، باب من كان يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود، كراچی ۱/ ۲۳٦، ۲۳۷، جديد موسسه علوم القرآن ۲/ ٤۱٦، رقم: ۲٤۵۷، مؤطا إمام محمد، باب افتتاح الصلاة، طبع هندي ۱/ ۹۰، بيروت، رقم: ۱۰۵، ۱۰۹)

قال النووي: الصحابة، ومن بعدهم مختلفون في هذا الباب، وأما الخلفاء الأربعة فلم يثبت عنهم رفع اليدين في غير تكبيرة الإحرام.
(آثار السنن ۱/ ۱۰۹)

نیز کتب حدیث میں ہمیں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں کوئی صراحت نہیں ملی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۵۳۹)

نماز کا صحیح طریقہ

سوال [۱۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہر نماز کا صحیح طریقہ بتلاؤ؛ کیوں کہ ادھر نماز کا طریقہ کچھ علیحدہ ہے، مثلاً رفع یدین کرنا چاہئے یا نہیں؟ یا پھر کس طریقہ سے نماز پڑھا کریں؟

المستفتی: عبدالسلام اندھیری، ویسٹ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر نماز کا صحیح طریقہ ''بہشتی زیور''، ''تعلیم الاسلام'' اور ''ہماری نماز'' نامی کتابوں سے دیکھ لیں، ان سب کتابوں کے اندر ہر نماز کا صحیح طریقہ تفصیل سے موجود ہے؛ البتہ نماز میں ہاتھ نہ اٹھائیں۔

عن البراء قال: رأيت رسول الله ﷺ رفع يديه حين استقبل الصلاة، حتى رأيت إبهاميه قريبا من أذنيه، ثم لم يرفعهما. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٥٣، رقم: ١٦٨٨، طحاوي شريف، قديم ١/ ١٣٢، جديد رقم: ١٣١٣، أبوداؤد، الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، النسخة الهندية ١/ ١٠٩، دارالسلام، رقم: ٧٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۵/۱۴۱۵ھ

رفع یدین

سوال [۱۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتاب ''غیر مقلدین کے ۵۶ اعتراضات کے جوابات'' (ص: ۹۹ تا ۱۰۲) میں ثبوت رفع یدین میں کل آٹھ روایات ہیں اور عدم رفع یدین کی روایات ص: ۱۰۲ تا ۱۰۷ میں ۱۴/ روایات ہیں۔ کتاب ''اثبات رفع یدین احادیث کی روشنی میں'' جمع وترتیب مولانا عبد الرشید انصاری سیالکوٹ پاکستان نے ثبوت رفع یدین میں ۲۴۵ روایات جمع کی ہیں اور عدم رفع یدین کی ۳۸/ روایات۔ اور قرآنی آیات پیش کی ہیں اور ہر دلیل کی توضیح حدیث سے کرتے ہوئے ضعیف وناقابل عمل وغیرہ ثابت کرکے حدیث ہی سے حنفی روایات کا رد کیا گیا ہے۔ اور محدثین نے روایات کے متعلق جو فرمایا ہے صفحہ وار درج کیا ہے۔

بعض حنفی محقق جیسے علامہ سندھیؒ کی آراء اور مولانا عبدالحئی لکھنویؒ کا فتویٰ بھی مرقوم ہے، رفع یدین سے متعلق ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مطابق صرف رفع یدین کے مسئلہ پر تقلید کرنی چاہئے، جیسے علمائے احناف زوج مفقود کے لئے امام مالکؒ کے مسلک پر فتویٰ دیتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔

امام اعظم کا قول ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرو میرا قول چھوڑ دو، دیگر ائمہ ثلاثہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے کہ: ''**إذا صح الحديث فهو مذهبي**'' خلاصہ کلام یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کی باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث صحیح کی موجودگی میں حدیث صحیح پر عمل پیرا ہونا شریعت مطہرہ کا تقاضہ ہے؛ اس لئے مذکورہ بالا حالات وکوائف کی روشنی میں حنفی کے لئے رفع یدین کرنا کوئی گناہ کی بات تو نہیں ہوگی؟ اگر گناہ کی بات ہے تو حدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالعزیز، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ چائباسہ مغربی سنگھ بھوم، جھارکھنڈ، انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ رفع یدین وجوب وعدم وجوب سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ صرف سنیت وافضیلت سے متعلق ہے، جن علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے، تو ان میں دونوں طرف کے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ رفع یدین واجب یا لازم نہیں ہے، ان کے درمیان اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ رفع یدین سنت اور افضل ہے یا نہیں؟ لہٰذا یہ بات پہلے سے ذہن نشیں ہوجانی چاہئے کہ رفع یدین نہ کرنا ان کے نزدیک بھی گناہ نہیں ہے، جو رفع یدین کے قائل ہیں، اسی طرح رفع یدین کرنا ان کے نزدیک بھی گناہ نہیں ہے جو عدم رفع یدین کے قائل ہیں، مسئلہ صرف حصول ثواب وفضیلت سے متعلق ہے، اسی لئے آنجناب نے سوال نامہ کے آخر میں جو گناہ کی بات لکھی ہے اس کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، آنجناب نے زوج مفقود کے مسئلہ کو نظیر بنا کر مسئلہ رفع یدین میں عدول عن المذہب کی ترغیب دی ہے، یہ نہایت قابل غور بات ہے؛ اس لئے کہ مجبوری اور ضرورت شدیدہ کی

صورت میں عدول عن المذہب کر کے مسلک غیر پر فتویٰ دینے اور عمل کرنے کی اجازت ہوتی ہے، زوج مفقود کا مسئلہ ضرورت شدیدہ کا ہے، اس کے معصیت میں مبتلا ہونے اور دوسروں کے در پہ دست سوال دراز کرنے کا خطرہ ہے، اس خطرے ومعصیت سے حفاظت کے لئے مسلک مالکی پر قاضی اوراس کے نائب کو فیصلہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔اور مسئلہ رفع یدین میں کون سی ضرورت شدیدہ ہے؟ اورکونسی معصیت کا خطرہ ہے؟ جس کی وجہ سے مذہب سے عدول کیا جائے؟ اور مولانا عبدالرشید انصاری غیر مقلد کی کتاب ہمارے پاس نہیں ہے؛ اس لئے اس کے بارے میں اثبات ونفی سے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اورآنجناب کی ارسال کردہ فہرست اس کتاب پر بصیرت کے لئے کافی نہیں ہے۔آنجناب نے امام اعظمؒ کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ ''جب صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرو اور میرا قول چھوڑ دو'' امام اعظمؒ کے اس قول کے بارے میں آنجناب کی زیر نظر کتاب ''غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات'' ص: ۲۶ تا ۲۸ تک میں وضاحت کی جا چکی ہے، نیز یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عدم رفع یدین کی روایتیں سب کی سب ضعیف اور متروک یا موضوع ہیں؟ جس کی وجہ سے ان تمام روایتوں کو چھوڑ دیا جائے؟ اور رفع یدین کی روایتوں کو لے لیا جائے یا عدم رفع یدین کی جو روایتیں نقل کی گئی ہیں، ان میں کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ نہیں پائی گئی ہے؟ اگر کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ ملی ہے تو کیا وہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کے موافق نہیں ہے، جس میں صحیح روایات پر عمل کی ترغیب دی گئی ہے؟ نیز امام ترمذیؒ نے خود رفع یدین کے قائل ہونے کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع یدین کی روایت کو روایت حسن قرار دیا ہے اور روایت حسن بھی صحیح روایت ہوتی ہے، نیز اثبات رفع یدین کے قائلین سب سے زیادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پر زور دیتے ہیں، مگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل خود اپنی روایت کے خلاف ہے، وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔اور یہ اصول حدیث کے تمام اساتذہ وطلباء اوران کے علماء کو بھی معلوم ہے، جن کو فن حدیث سے ادنی مناسبت ہے کہ جب صحابی خود اپنی روایت کے

خلاف عمل کرے تو روایت سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور اس صحابی کا یہ عمل روایت کے منسوخ ہونے پر دلیل ہوجاتا ہے، پھر یہ کوشش کیوں کی جائے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے؛ اس لئے اسی پر ہی عمل کرنا چاہئے، کیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل صحیح سند سے ثابت نہیں؟ ان کا عمل بھی صحیح سند سے ثابت ہے، نیز ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین رفع یدین کرتے ہیں، ان پر حنفیہ کی طرف سے کوئی تنقید اور کوئی اعتراض وناز یبا انداز نہیں ہوتا ہے، تو غیر مقلدین کی طرف سے حنفیہ کے اوپر رفع یدین نہ کرنے پر تنقید واعتراض کا سلسلہ اور زنجیر کیوں قائم ہے؟ ہمارے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور میں شافعی المسلک طلباء کافی تعداد میں پڑھتے ہیں، ان کے رفع یدین کرنے پر کوئی اشکال نہیں کیا جاتا؛ بلکہ ان کو یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ آپ لوگ اپنے مسلک پر مضبوط رہ کر عمل پیرا رہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/ ۱۴۲۵ھ

عدم رفع یدین کی حدیثِ صحیح

سوال [۱۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا رفع یدین نہ کرنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

المستفتی: محمد الیاس فیضی مٹیا برج، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی روایات حدیث کی کتابوں میں بے شمار ہیں، ہماری کتاب ''غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات'' میں کافی روایات نقل کی گئی ہیں، اسی طرح رفع یدین کے

مسئلہ پر آٹھ صفحہ کا ایک رسالہ ہے جو انجمن تحفظ شریعت جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے شائع ہوا ہے، وہاں سے منگوا کر دیکھ سکتے ہیں، یہاں صرف دو حدیثیں درج کر دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

عن البراء –رضی الله عنه– قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين استقبل الصلاة، حتى رأيت إبهاميه قريبا من أذنيه، ثم لم يرفعهما. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۵۳، رقم: ۱٦۸۸، أبوداؤد، الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دارالسلام، رقم: ۷٤۹)

عن علقمة، عن عبدالله بن مسعودؓ، قال: صليت خلف النبي ﷺ ومع أبي بكر وعمر رضى الله عنهما فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالكفر بيروت ۲/ ۳۹۳، رقم: ۲۵۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۸۲/۳۹)

کیا آستینوں میں بت چھپائے رکھنے کی وجہ سے رفع یدین کا حکم تھا؟

سوال [۱۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور ﷺ کے زمانہ میں لوگ بغلوں اور آستینوں میں بت چھپالاتے تھے، جس کی وجہ سے رفع یدین کا حکم دیا گیا، یہ بات صحیح ہے یا غلط؟ رفع یدین کرنا فرض ہے واجب ہے یا پھر سنت؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مبین اصغر، محلّہ شاہ چندن چاندپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شروع اسلام میں رفع یدین کرنا مسنون تھا، بعد میں

منسوخ ہوچکا ہے؛ اس لئے اب رفع یدین کرنا مسنون نہیں رہا ہے، اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوبکرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات موجود ہیں۔ اور بغلوں میں بت رکھنے کی بات غلط ہے۔

عن علقمة قال: قال عبدالله بن مسعود: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ قال: فصلى فلم يرفع يديه إلا مرة واحدة. (نسائي، الصلاة، باب الرخصة في ترك ذلك، النسخة الهندية ١/ ١٢٠، دارالسلام رقم: ١٠٥٩، أبوداؤد، الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، النسخة الهندية ١/ ١٠٩، دارالسلام، رقم: ٧٤٨، سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يرفع إلا أول مرة، النسخة الهندية ١/ ٥٩، دارالسلام، رقم: ٢٥٧)

عن البراء -رضي الله عنه- قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين استقبل الصلاة، حتى رأيت إبهاميه قريبا من أذنيه، ثم لم يرفعهما. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٥٣، رقم: ١٦٨٨، طحاوي شريف، قديم ١/ ١٣٢، دارالكتب العلمية ١/ ٢٩٠، رقم: ١٣١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۳ھ

مسئلہ رفع یدین کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد! تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا سب کے نزدیک جائز اور مسنون ہے، اختلاف اس بارے میں ہے کہ بوقت تکبیرِ رکوع وتکبیر سجود وتکبیرِ قیام، رفعِ یدین مشروع ہے یا نہیں؟ تو ثبوت اور عدم ثبوت دونوں طرف کی روایات احادیث شریفہ میں موجود ہیں، اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے

درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، چنانچہ ایک جماعت تکبیراتِ انتقالیہ کے وقت رفع یدین کو مسنون کہتی ہے۔اور دوسری جماعت عدم ثبوت کی روایات کی وجہ سے مسنون نہیں کہتی۔اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں غور کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شروع شروع میں رفعِ یدین کا رہا ہے،دونوں قسم کی روایات صحیح ہیں مگر رفع یدین کی روایات منسوخ ہیں،اور رفع یدین نہ کرنے کی روایات ناسخ ہیں، اب ہم آپ کے سامنے اولاً دونوں قسم کی روایات پیش کرتے ہیں،اس کے بعدان روایات کا جائزہ بھی آپ کے سامنے انشاءاللہ پیش کریں گے۔

رفعِ یدین کی منسوخ روایات

رفعِ یدین کی تقریباًپانچ (۵)منسوخ روایات پیش کرتے ہیں جوحسب ذیل ہیں۔

(۱) عن علي بن أبي طالبؓ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قام إلى الصلاة المكتوبة كبّر ورفع يديه حذو منكبيه، ويصنع مثل ذلك إذا قضى قراءته إذا أراد أن يركع، ويصنعه إذا فرغ ورفع من الركوع، ولا يرفع يديه في شيء من صلاته وهو قاعد، وإذا قام من السجدتين رفع يديه كذلك وكبر. (طحاوی شریف ۱/ ۱۳۱، جدید ۱/ ۲۸۸ برقم: ۱۳۰۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے ،توتکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھوں کو دونوں مونڈھوں کے برابراٹھاتےاورایساہی عمل کرتےجب قرأت سے فارغ ہوکررکوع کاارادہ کرتے ،اوریہی کرتے جب رکوع سے فارغ ہوکرقومہ کے لئے کھڑے ہوجاتے اور دونوں ہاتھوں کو قعدہ کی حالت میں نہیں اٹھاتے تھے۔

اور دونوں سجدوں سے جب کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کواٹھاتے تھے۔

(۲) عن سالمٍ عن أبيه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة يرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه، وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع ولا يرفع بين السجدتين. (طحاوی شریف ۱/ ۱۳۱، جدید ۱/ ۲۸۸ برقم: ۱۳۰۴، ابن ماجه/ ٦١، جديد برقم: ۸۵۸، ترمذی ۱/ ۵۹، جديد برقم: ۲۵۵، أبوداؤد ۱/ ۱۰٤، جديد برقم: ۷۲۱، بخاري ۱/ ۱۰۲، ۷۲۹، ف ۷۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے ہوئے دیکھا، اور آپؐ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے کھڑے ہوجانے کے بعد ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، اور دونوں سجدے کے درمیان میں نہیں اٹھاتے تھے۔

(۳) عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين يكبّر للصلاة وحين يركع وحين يرفع رأسه من الركوع يرفع يديه حيال أذنيه. (طحاوی شریف ۱/ ۱۳۱، جدید ۱/ ۲۸۹ برقم: ۱۳۰۹)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم کو دیکھا جس وقت آپ نماز کے لئے تکبیر کہہ رہے تھے، اور جس وقت آپ رکوع فرمارہے تھے، اور جس وقت آپ رکوع سے سر اٹھارہے تھے، دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں تک اٹھاتے ہوئے۔

(٤) مالك بن الحويرث قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ركع وإذا رفع رأسه من ركوعه رفع يديه حتى يحاذي بهما فوق أذنيه. (طحاوی شریف ۱/ ۱۳۱، جدید ۱/ ۲۸۹ برقم: ۱۳۱۱، ابن ماجه/ ٦٢، جديد برقم: ۸٦٦، بألفاظ مختلفة، مسلم ۱/ ۱٦۸، جديد برقم: ۳۹۱)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع فرماتے اور جس وقت رکوع سے سر اٹھاتے، اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے اوپر تک اٹھاتے۔

(۵) عن أبي هريرة قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه في الصلاة حذو منكبيه حين يفتتح الصلاة، وحين يركع وحين يسجد. (ابن ماجه/ ٦٢، جليد برقم: ٨٦٠)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دیکھا کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے اور جس وقت رکوع فرماتے اور جس وقت سجدہ کو جاتے۔

عدم رفع یدین کی روایات

رفع یدین کی ممانعت یا اس کی روایات کے منسوخ ہونے سے متعلق دس (۱۰) روایات پیش کی جارہی ہیں، انشاء اللہ ان روایات کے پڑھنے کے بعد ناظرین کو معلوم ہوجائے گا کہ بوقتِ تکبیراتِ انتقالیہ رفع یدین مسنون نہیں ہے۔

(۱) حدّثنا اسحاق، حدثنا ابن إدريس قال: سمعت يزيد بن أبي زياد عن ابن أبي ليلى عن البراء قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين استقبل الصلاة، حتى رأيت إبهاميه قريبًا من أذنيه ثم لم يرفعهما. (مسند أبي يعلى الموصلي ٢/ ١٥٣، حديث: ١٦٨٨، طحاوي شريف ١/ ١٣٢، جديد برقم: ١٣١٣، أبوداؤد ١/ ١٠٩، جديد برقم: ٧٤٩)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جس وقت نماز شروع فرمائی تھی، حتی کہ میں نے دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے قریب پہنچایا، اس کے بعد پھر اخیر نماز تک دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔

(۲) عن علقمة عن عبدالله بن مسعودؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يرفع يديه في أوّل تكبيرة ثم لا يعود. (طحاوی شریف ۱/ ۱۳۲، جدید ۱/ ۲۹۰، رقم: ۱۳۱٦)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صرف شروع کی تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر اس کے بعد اخیر نماز تک نہیں اٹھاتے تھے۔

(۳) عن المغيرة قال: قلت لابراهيم: حديث وائل أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع يديه إذا افتتح الصلاة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع، فقال: إن كان وائل رآه مرّة يفعل ذلك فقد رآه عبدالله خمسين مرّة لايفعل ذلك. (طحاوی شریف ۱/ ۱۳۲، جدید ۱/ ۲۹۰، برقم: ۱۳۱۸)

حضرت مغیرہؒ نے حضرت امام ابراہیم نخعیؒ سے حضرت وائل ابن حجرؓ کی حدیث ذکر فرمائی کہ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس پر ابراہیم نخعیؒ نے مغیرہ سے کہا کہ اگر وائل بن حجرؓ نے حضور ﷺ کو اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے ایک مرتبہ دیکھا ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور کو پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(٤) عن جابر بن سمرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة. (مسلم شریف ۱/ ۱۸۱،

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف تشریف لاکر فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا کہ میں تم لوگوں کو نماز کے اندر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں، گویا کہ ایسا لگتا ہے جیسا کہ بے چینی میں اونٹ اپنی دم کو

جديد برقم: ٤٣٠، أبو داؤد شريف ١/ ١٤٣، جديد برقم: ١٠٠٠، نسائي شريف، مطبوعه أشرفي ١/ ١٣٣ برقم: ١١٨٥)

اوپر اٹھا اٹھا کر ہلاتے ہیں، تم نماز کے اندر ایسا ہرگز مت کیا کرو، نماز میں سکون اختیار کرو۔

(۵) عن علقمة قال: قال عبدالله بن مسعودؓ ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فصلى فلم يرفع يديه إلا في أول مرة. (ترمذي شريف ١/ ٥٩، جديد برقم: ٢٥٧، أبوداؤد شريف ١/ ١٠٩، جديد برقم: ٧٤٨)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تم آگاہ ہوجاؤ بے شک میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھا کر دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر نماز پڑھائی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف اول تکبیر میں اٹھایا پھر پوری نماز میں نہیں اٹھایا۔

(٦) عن علقمة قال: قال عبدالله بن مسعودؓ ألاَ أصلّي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فصلى فلم يرفع يديه إلا مرة واحدة. (نسائي قديم ١/ ١٢٠، جديد رقم: ١٠٥٩، أبوداؤد قديم ١/ ١٠٩، جديد برقم: ٧٤٨، ترمذي قديم ١/ ٥٩، جديد رقم: ٢٥٧)

حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آگاہ ہوجاؤ! میں تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر نماز پڑھی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف ایک مرتبہ اٹھایا پھر نہیں اٹھایا۔

قال أبو عيسىٰ حديث ابن مسعود حديث حسن، وبه يقول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي والتابعين،

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے، اور صحابہ تابعین تبع تابعین اور بے شمار محدثین اور علماء نے اس حدیث شریف کو اختیار فرمایا، اور یہی امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ نے کہا

وهو قول سفيان وأهل الكوفة. (ترمذي شريف ١/ ٥٩، أبوداؤد شريف ١/ ١٠٩، وصححه ابن حزم، بذل المجهود مطبع لكهنؤ ٤/ ٤١١، مطبع سهارن فور ٢/ ٥)

ہے۔ اور علامہ ابن حزم ظاہری نے اس حدیث شریف کو صحیح قرار دیا ہے۔

(٧) عن علقمة عن عبدالله ابن مسعودؓ قال: صليت خلف النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر وعمر فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة. (السنن الكبرى للبيهقي ٢/ ٨٠، ٢/ ٧٩، نسخة جديد دارالفكر بيروت ٢/ ٣٩٣ برقم: ٢٥٨٦)

حضرت علقمہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان میں سے کسی نے اپنے ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھایا۔

(٨) عن إبراهيم عن الأسود قال: رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه في أول تكبيرة، ثم لايعود، قال: ورأيت إبراهيم والشعبي يفعلان ذلك. (طحاوي شريف ١/ ١٣٣، جديد ١/ ٢٩٤ برقم: ١٣٢٩)

امام نخعیؒ اسود بن یزیدؒ سے نقل فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں صرف شروع کی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد کسی میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، اور دیکھنے میں آیا کہ ابراہیم اور عامر شعبی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(٩) عن عاصم بن كليب الجرمي عن أبيه قال: رأيت علي بن أبي طالب رفع يديه في التكبيرة الأولى من الصلاة

عاصم بن کلیب اپنے والد کلب جرمی سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ فرض نماز میں صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے تھے،

المكتوبة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك. (مؤطا إمام محمد/ ۹۲)

اور اس کے علاوہ کسی اور تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(۱۰) عن مجاهد قال: صلّيت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه إلا في التكبيرة الأولى من الصلاة، فهذا ابن عمر قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع، ثمَّ قد ترك هو الرفع بعد النبي صلى الله عليه وسلم فلا يكون ذلك إلا وقد ثبت عنده نسخ ما قدرأى النبي صلى الله عليه وسلم فعله وقامت الحجة عليه بذلك. (طحاوي شريف ۱/ ۱۳۳، جديد ۱/ ۲۹۲ برقم: ۱۳۲۳)

حضرت امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ دونوں ہاتھوں کو نماز کی صرف پہلی تکبیر میں اٹھاتے تھے، اس کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھاتے تھے،تو یہ حضرت ابن عمرؓ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا

اور پھر انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ہاتھ اٹھانا ترک کردیا، اور ان کا ہاتھ اٹھانا ترک کرنا ہو نہیں سکتا، الاّ یہ کہ ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع یدین کا عمل یقیناً منسوخ ہو چکا ہے، اور ان کے نزدیک رفع یدین کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہو چکی ہے۔

روایات کا جائزہ

رفع یدین سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ماقبل میں گزریں، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا؛ لیکن بعد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہے، جیسا کہ طحاوی اور موطا امام محمد کے حوالہ سے روایت آپ کے سامنے پیش کی گئی، کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد باقی اور کسی تکبیر کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے، جو صحابی رفع یدین کی روایت بھی نقل کررہے ہیں، پھر اس کے خلاف عمل کررہے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترک رفع یدین ہے؛ اس لئے رفع یدین کا عمل مسنون نہ ہوگا؛ بلکہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین کا حکم منسوخ ہے، اس وجہ سے صحابہ کرامؓ، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ رفع یدین کو مسنون نہیں کہتے تھے، نیز اس مسئلہ پر علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں، جو قابل مطالعہ ہیں۔ نیز علامہ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ دونوں طرف کی روایات صحیح ہیں؛ اس لئے رفعِ یدین کرنا بھی مباح ہے، اور رفع یدین نہ کرنا بھی مباح، مسنون کسی کو نہیں کہتے، دیکھئے (المحلی بالآثار ۲/ ۲۶۴، مسئلہ ۳۵۸،) حالانکہ ان کا یہ نظریہ غلط ہے؛ اس لئے کہ دونوں میں سے ایک طرف کی روایات منسوخ ہیں، اور دوسری طرف کی ناسخ ہیں۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

رفع یدین، آمین بالجہر، سینہ پر ہاتھ رکھنا اور نماز میں پیروں کو کشادہ رکھنا

سوال [۱۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر مقلدین حضرات جو آمین بالجہر اور رفع یدین کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ رفع یدین اور آمین بالجہر کس وقت سے مشروع ہوا تھا اور کب ممنوع ہوا؟ اور سینہ پر نیت یعنی ہاتھ باندھنا اور پاؤں کو کشادہ رکھنا وغیرہ ان سب چیزوں کا احناف کے نزدیک کیا ثبوت ہے اور ان کے عاملین سے کیا کہا جائے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسلم قصبہ سیفنی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آمین بالجہر اور آمین بالسر دونوں ہی حدیث سے ثابت ہیں، اسی بنا پر ائمہ اربعہ نیز دیگر فقہاء وعلماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آمین بالجہر وآمین بالسر دونوں طریقہ سے جائز ہے، صرف اختلاف افضلیت وعدم افضلیت کا ہے، حضرت امام شافعیؒ وامام احمد بن حنبلؒ وغیر مقلدین حضرات آمین بالجہر کو افضل قرار دیتے ہیں، احناف وحضرت امام مالکؒ آمین بالسر کی افضلیت کے قائل ہیں، قائلین بالجہر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قرأ: ”غير المغضوب عليهم ولا الضآلين“ فقال: آمين، ومد بها صوته. (ترمذي، باب ماجاء في التأمين، النسخة الهندية ١/ ٥٧، دارالسلام، رقم: ٢٤٨، سنن الدارقطني، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٣٢٨، رقم: ١٢٥٥)

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی، حضرت امام ابوحنیفہؒ وامام مالک بھی حضرت وائل ہی کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جو شعبہ کے طریق سے مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

إن النبي صلى الله عليه وسلم قرأ: غير المغضوب عليهم ولا الضآلين فقال: آمين، وخفض بها صوته. (ترمذي، باب ماجاء في التأمين، النسخة الهندية ١/ ٥٨، درالسلام، رقم: ٢٤٨، مسند إمام أحمد ٤/ ٣١٦، رقم: ١٩٠٤٨، ١٩٠٥٩، دار قطني ١/ ٣٣٤، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٣٢٨، رقم: ١٢٥٦، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥٧٧، رقم: ١١١٧، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٢٢/ ٩، رقم: ٣، ٢٢/ ٤٤، رقم: ١١٠، بيهقي ٢/ ٥٧، رقم: ٢٤٤٧، آثار السنن/ ٩٦، مستدرك حاكم ٢/ ٢٣٢)

یہ روایات ان تمام کتب میں صحیح سند کے ساتھ ”أخفى بها“ یا ”خفض بها صوته“ کے الفاظ سے

مروی ہیں، اس کے معنی یہ ہیں: کہ آپ نے آہستہ آمین کہی، اس روایت کی ترجیح کی احناف کے پاس بہت سی وجوہات ہیں، جن میں سے کچھ کو ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) قائلین بالجہر کی جانب سے دلیل میں جو سفیان ثوری کی روایت پیش کی جاتی ہے، اس روایت کے راوی کا عمل خود اس کے خلاف موجود ہے، اور ان کے نزدیک آہستہ آمین کہنا ہی افضل ہے۔ اور جب راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اس کی روایت قابل استدلال نہیں رہتی۔

(۲) اس کے علاوہ وہ روایات جو "فقولوا: آمین" یا "فأمنوا" کے الفاظ سے بخاری وغیرہ کتب میں مروی ہیں، ان سے بھی آمین بالسر ہی کا اشارہ ملتا ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی روایات میں امام کے "ولا الضالین" کہنے پر مقتدیوں کو آمین کہنے کا مامور بنایا گیا ہے، امام کو اس کا حکم نہیں کیا گیا، اگر آمین جہراً افضل ہوتا تو خود امام کے آمین کہنے کا تذکرہ کیا جاتا، آمین بالسر کی روایات قرآن کے زیادہ موافق ہیں؛ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: "وادعوا ربکم تضرعا وخفیة"۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آہستہ اور خفیہ طریقہ پر دعا کرنے کا حکم فرمایا اور آمین کا دعا ہونا قرآن وحدیث واقوال مجتہدین سے ثابت ہے؛ لہٰذا حکم قرآنی کے بموجب آمین کا آہستہ کہنا ہی افضل ہے۔

(۴) تعارض روایات کے وقت صحابہ کا عمل بڑی حد تک فیصلہ کن ہوتا ہے، جب ہم اس پہلو کو دیکھتے ہیں تو خلفائے راشدین اور دیگر اجل صحابہ کا عمل آمین بالسر کا ہے۔ (مستفاد: جوہر النقی ۱/ ۴۸، شرح معانی الآثار ۱/ ۱۲۰)

كان عمرؓ وعليؓ لا يجهران بالتأمين. (طحاوي شريف ۱/ ۱۲۰)

قال عمر –رضي الله عنه–: أربع يخفين عن الإمام: التعوذ، والتسمية، وآمين، والتحميد. (جوهر النقي ۱/ ٤۸)

كان علي وابن مسعود –رضي الله عنهما– لايجهران بآمين. (معجم طبراني كبير، داراحياء التراث العربي ۹/ ۲٦۳، رقم: ۹۳۰٤، كنز العمال ۲/ ۲٤۹)

اس کے علاوہ تابعین وتبع تابعین کا عمل بھی آمین بالسر کا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی ۲/ ۹۶، رقم: ۲۶۳۵)

حاصل یہ ہوا کہ خلفائے راشدین ودیگر جلیل القدر صحابہ اور تابعین آمین بالسر پر عامل تھے، جب کہ اس کے خلاف آمین بالجہر پر کسی صحابی سے صراحتاً عمل کرنا منقول نہیں ہے۔ (مستفاد: درس ترمذی ۱/۵۱۴تا۵۲۵، فتح مبین ص: ۷۸تا۸۲، حدیث اہل حدیث ص: ۳۷۳تا۳۸۱،)

مسئلہ رفع یدین: رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں طرح کی حدیثیں صحابہ سے مروی ہیں، رفع یدین کرنے کی روایات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور ترک رفع کی روایات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نبوت کے پہلے سال سے آپ ﷺ کی وفات تک ہر وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے، حضور ﷺ کو جوتا پہنانا اور حضور ﷺ کے جوتے اتارنے کے بعد ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ تھی؛ اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''صاحب النعلین'' سے مشہور تھے، اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی وفات سے صرف چھ سال پہلے غزوہ خندق کے سال بالغ ہوئے تھے، نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی ان کی حضور ﷺ کے ساتھ خادمانہ زندگی نہیں تھی؛ بلکہ کبھی کبھی حاضری ہوا کرتی تھی اور شروع میں رفع یدین کا سلسلہ جاری تھا، بالکل اخیر میں یہ سلسلہ ترک کردیا تھا، جس کا علم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اچھی طرح تھا، اس کے برخلاف ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دونوں طرح کے عملوں کے بارے میں پوری حقیقت معلوم نہیں تھی۔ اور اخیر میں حضور ﷺ نے رفع یدین کو جو ترک کردیا تھا، اس کا علم ابن عمر کو نہیں رہا، اسی وجہ سے حضرات حنفیہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو منسوخ سمجھتے ہیں۔

عن علقمة قال: قال عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه–: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: فصلى فلم يرفع يديه إلا

مرة واحدة. (سنن الترمذي، الصلاة، باب رفع اليدين عند الركوع، النسخة الهندية ١/ ٥٩، دارالسلام، رقم: ٢٥٧، أبوداؤد، الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، النسخة الهندية ١/ ١٠٩، دارالسلام، رقم: ٧٤٨، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٤٤، رقم: ٥٠١٨، ٤/ ٣٤٣، رقم: ٥٠١٧، شرح معاني الآثار ١/ ١٣٢، نسائي، الصلاة، باب الرخصة في ترك ذلك، النسخة الهندية ١/ ١١٧، دارالسلام رقم: ١٠٥٩، مسند أحمد بن حنبل ١/ ٣٨٨، رقم: ٣٦٨١، ١/ ٤٤٢، رقم: ٤٢١٠)

سینہ پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ: اسی طرح سینہ پر ہاتھ باندھنا اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا دونوں ہی حدیث سے ثابت ہے؛ البتہ یہاں بھی اختلاف افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے، غیر مقلدین حضرات سینہ پر ہاتھ باندھنے کو افضل کہتے ہیں، اس کے برخلاف حنفیہ ودیگر ائمہ وفقہاءِ کرام ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب اور افضل قرار دیتے ہیں؛ البتہ جواز میں کسی کا اختلاف نہیں، غیر مقلدین حضرات وائل بن حجر کی روایات سے استدلال کرتے ہیں جو بیہقی نے سعید بن عبدالجبار ابن وائل کے طریق سے روایت کی ہے۔

عن وائل بن حجر قال: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... ثم وضع يمينه على يسره على صدره. (بيهقي، قديم ٢/ ٣٠، إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب وضع اليدين تحت السرة، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/ ١٨٠، كراچی ٢/ ١٤٨، شرح ترمذي أبو طيب/ ١٧٧)

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاءِ کرام کا استدلال بھی حضرت وائل ہی کی روایت سے ہے جو موسیٰ بن عمیر کے طریق سے مروی ہے:

عن علقمة بن وائل ابن حجر، عن أبيه، قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة. (مصنف ابن أبي شيبة ١/ ٣٩٠، ٣٩١، جديد ٣/ ٣٢٠، رقم: ٣٩٥٩، دارقطني ١/ ٢٨٦، جديد ١/ ٢٨٩، رقم: ١٠٨٩، مسند أحمد ١/ ١١٠، رقم: ٨٧٥، إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب وضع اليدين تحت السرة، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/ ١٨١، كراچی ٢/ ١٦٨، بيهقي قديم ٢/ ٣١،

جدید ۲/ ۳۱۹، رقم: ۲۳۹۰)
اخیر کی ان چار کتابوں میں یہ روایت ’’تحت السرۃ‘‘ کے الفاظ سے مروی ہے، جس میں صحابہ کا عمل اور قول مذکور ہے، اس کے علاوہ حنفیہ اس روایت کو کئی وجہوں سے ترجیح دیتے ہیں:
(۱) اسلام میں اکثر احکام میں مرد وعورت کے درمیان امتیاز رکھا گیا ہے، مرد کو عورت کی عورت کو مرد کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، اب چونکہ عورت کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا حکم کیا گیا اور یہی اس کے حق میں تستر کا باعث ہے؛ اس لئے حنفیہ نے حضرت وائل کی مذکورہ روایت کو مردوں کے لئے ترجیح دی، تاکہ مرد وعورت کی نماز کے درمیان امتیاز رہے اور عورت سے مشابہت بھی نہ ہو۔
(۲) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا زیادہ تعظیم کا باعث ہے۔ اور نماز میں تعظیم باری تعالیٰ اور اپنے عجز کا اظہار مقصود ہے۔
(۳) آثار صحابہ، اعمال صحابہ سے بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حضرت انس، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے، اور اسی کا فتویٰ دیتے تھے۔ (مستفاد: مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۹۰، ۳۹۱، جدید ۳/ ۳۲۲، رقم: ۳۹۶۰، دار قطنی ۱/ ۲۸۶، جدید ۱/ ۲۸۹، رقم: ۱۰۹۰، مسند احمد ۱/ ۱۱۰، رقم: ۸۷۵، بیہقی ۲/ ۲۱، رقم: ۲۳۹۰، سنن ابی داؤد، الصلاۃ، باب وضع الیمنی علی الیسریٰ، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۱۰، دار السلام، رقم: ۷۵۶)
نیز تابعین میں حضرت ابراہیم نخعی اور اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری وغیرہم رحمہم اللہ جیسے اکابر نے اسی کو اپنایا اور اسی پر عمل پیرا رہے؛ اس لئے امام صاحب نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی روایت کو ترجیح دی اور اسی کو افضل سمجھا۔
قدمین کے درمیان فاصلہ کا مسئلہ: اس سلسلہ میں بھی روایات دونوں طرح کی منقول ہیں، حنفیہ ودیگر ائمہ کرام کا مسلک قدمین کے درمیان چار انگل فاصلہ رکھنا مستحب ہے، غیر مقلدین حضرات ایک نمازی کے قدم کو دوسرے نمازی کے قدم سے ملانے کو مستحب کہتے ہیں، جس سے دونوں قدموں کے درمیان کافی فاصلہ ہو جاتا ہے، ان کی دلیل صفوں کو درست

کرنے سے متعلق احادیث میں وارد ہوئے الفاظ: ''**قدمه بقدمه**'' ہیں۔(بخاری، کتاب الأذان، باب الزاق المنكب بالمنكب ١/ ١٠٠، رقم: ٧١٦، ف: ٧٢٥)

حنفیہ ودیگر ائمہ کرام کا استدلال بھی تسویۃ الصفوف کی روایت سے ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان. (أبوداؤد، الصلاة، باب تسوية الصفوف ١/ ٩٧، دارالسلام، رقم: ٦٦٦، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٣/ ٣١٩، رقم: ١٤١١٣، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٩٨، رقم: ٥٧٢٤)

اس کے معنی یہ ہیں کہ: نماز میں کندھے سے کندھے ملائے جائیں، درمیان کے خلاء کو پر کیا جائے، یہاں تک کہ شیطان کے لئے درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہے۔حنفیہ کے یہاں اس روایت کو معمول بہا بنانے کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کی درستگی کے لئے کندھے سے کندھے ملانے کا حکم فرماتے تھے اور خود بھی صف درست فرمانے میں کندھے سے کندھا برابر فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو قدم سے قدم ملانے کا حکم فرمایا اور نہ گھٹنے سے گھٹنا اور نہ قدم سے قدم ملانے پر عمل کیا۔اور جن روایات میں قدم سے قدم ملانے کا تذکرہ ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہیں اور نہ قول ہے، وہ صرف ایسے صحابہ کی اپنی سمجھ ہے، جن کو فقہاء، صحابہ میں سے نہیں سمجھا جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ میں کوئی فرمان نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی عمل ہے، اور جب کسی صحابی کا عمل غیر مدرک بالقیاس ہوتا ہے، تو وہ قابل عمل نہیں ہوتا؛ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ہی عمل کیا جائے۔

(۲) اگر قدم سے قدم ملانے والی روایت کو غیر مقلدین کی صراحت کے مطابق اختیار کیا جائے تو سنت پر مکمل عمل نہ ہو سکے گا؛ کیوں کہ جہاں حدیث میں قدم سے قدم ملانے کا تذکرہ ہے، وہیں روایت میں گھٹنے سے گھٹنا ملانے اور کندھے سے کندھا ملانے، نیز ٹخنے سے ٹخنہ

ملانے کا بھی ذکر ہے۔ اور قدم سے قدم ملانے میں اخیر کی ان تین صورتوں پر عمل کی کوئی صورت نہیں اور نہ ہی غیر مقلدین حضرات اس کو کرتے ہیں۔

(۳) احادیث کے اندر صفوں کو درست کرنے کی نہایت تاکید وترغیب آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے صفوں کے درست کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اور ''ابوداؤد شریف'' سے نقل کی گئی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ درمیان میں شیطان کے لئے خلاء نہ چھوڑو؛ بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوں، اس پر عمل حنفیہ کی بیان کردہ صورت ہی پر ممکن ہے، قدم سے قدم ملانے کی صورت میں اس پر عمل کی کوئی صورت نہیں؛ کیوں کہ جب ایک نمازی کا قدم دوسرے نمازی کے قدم سے ملے گا، تو لازمی طور پر درمیان میں خلاء ہوگا۔

(۴) خلفائے راشدین دیگر جلیل القدر صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام وفقہاء عظام تمام کے تمام صفوں کی درستگی کے لئے کندھے سے کندھے ملانے کا حکم کرتے تھے اور اس پر عمل پیرا تھے، ان تمام وجوہ کی بنا پر احناف نے کندھا سے کندھا ملانے والی روایت کو ترجیح دی اور قدمین کے درمیان چار انگل کا فاصلہ متعین کیا، جس میں انسان اپنی ہیئت پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ (مستفاد: حدیث اور اہل حدیث، ص: ۵۰۸ تا ۵۰۹)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ یہ مسائل افضلیت وعدم افضلیت سے متعلق ہیں، فرض واجب کا اختلاف ان میں نہیں ہے؛ لہٰذا ان کو محل نزاع نہ بنایا جائے، رہا ان کے خلاف عاملین کا مسئلہ تو آپ ان سے نہ الجھئے، آپ اس تحریر کے مطابق عمل کریں، اگر بالفرض آپ سے کوئی تعرض کرے تو کہہ دیجئے اس سلسلہ میں ہمیں معلوم نہیں آپ ہمارے علماء کی جانب رجوع کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

رکوع، سجود کی تکبیرات سنت ہیں یا واجب؟

سوال [۱۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع سجود کی تکبیرات فرض ہیں یا سنت یا واجب؟ مذکورہ بالا سوالات کے جوابات باحوالہ دے کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد سجاد قاسمی، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رکوع وسجود کی تمام تکبیریں سنت ہیں۔

وسننها تكبير الركوع، وتسبيحه ثلاثا، وأخذ ركبتيه بيديه، وتفريج أصابعه، وتكبير السجود والرفع. (هندية، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧٢، جديد ١/ ١٣٠، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ١٠٧، زكريا ١/ ٢٧٨، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ٢/ ١٦٧ تا ١٧٣، كوئٹه ١/ ٥١١، البحر الرائق، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، كوئٹه ١/ ٣١٥، زكريا ١/ ٥٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۲۲ھ

کیا قومہ کی دعا مرد عورت دونوں پڑھیں گے؟

سوال [۱۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں رکوع سے اٹھتے وقت ”**سمع اللّٰہ**“ اور ”**ربنا لک الحمد**“ دونوں کہنا تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے؟ نیز صرف مرد کے لئے ہے یا عورتوں کے لئے بھی ہے؟ اور

”سمع الله“ اور ”ربنا لک الحمد“ صرف فرض نماز کے لئے ہے یا سنت اور نفل اور فرض اور وتر سب کے لئے ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ”سمع اللہ“ اور ”ربنا لک الحمد“ دونوں کا منفرد کے لئے پڑھنا افضل ہے، اس میں عورت مرد دونوں برابر ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۲/۲۳۰)

وإن كان مقتديا يأتي بالتحميد ولا يأتي بالتسميع بلا خلاف، وإن كان منفردا الأصح أنه يأتي بهما كذا في المحيط، وعليه الاعتماد، كذا في التاتارخانية، وهو الأصح، كذا في الهداية. (هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٤٧، جديد ١/ ١٣٢، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ٢/ ١٧٠، رقم: ٢٠٤٤، هدايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ١/ ١٠٦، حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفيه ديو بند/ ٣١٨)

ويجمع بينهما لو منفردا على المعتمد يسمع رافعا، ويحمد مستويا، وتحته في الشامية: قوله على المعتمد: وهو الأصح كما في الهداية، والمجمع والملتقى. (شامي كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، كراچى ١/ ٤٩٧، زكريا ٢/ ٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۰۹۳)

قومہ وجلسہ میں کتنی دیر بیٹھے اور کیا پڑھے؟

سوال [۱۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں قومہ وجلسہ واجب ہیں، ان کا واضح طور پر اظہار کیا جائے، رسول پاک ﷺ نے

ان کی ادائیگی ٹھیک طرح نہ کرنے پر ایک صحابی سے تین بار نماز دہروادی، اب سوال یہ ہے کہ امام "سمع اللہ" کہہ کر رکوع سے سیدھا کھڑے ہوکر کیا پڑھے؟ اور دونوں سجدوں کے بیچ آرام سے بیٹھ کر کیا پڑھے؟ اور کتنی مقدار ٹھہرے؛ کیوں کہ رسول پاک ﷺ دونوں جگہ توقف فرماتے اور کبھی کبھی اتنا ٹھہرتے جتنی دیر سجدہ یا رکوع میں ٹھہرتے تھے۔

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں قومہ وجلسہ واجب ہیں اور حدیث پاک کی کتابوں میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم قومہ میں: "**ربنا ولک الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه**". اور جلسہ میں: **اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني**" پڑھا کرتے تھے۔

وينبغي أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة. (حاشية چلبي، الصلاة، باب صفة الصلاة، إمداديه ملتان ١/ ١٠٧، زكريا ١/ ٢٧٩، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١٧/ ٣٠٨، كوئٹه ١/ ٢٦٢، حلبي كبير، الفرض الثامن تعديل الأركان، أشرفيه ديوبند/ ٢٩٤)

وتعديل الأركان، أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود، وكذا في الرفع منهما على ما اختاره الكمال (تحته في الشامية:) قال في البحر: ومقتضى الدليل وجوب الطمأنينة في الأربعة: أي في الركوع، والسجود، وفي القومة والجلسة، ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلك كله. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ١٥٧، كراچی ١/ ٤٦٤، حاشية الطحطاوي على المراقي، دارالكتاب ديوبند ١/ ٢٣٣)

عن رفاعة بن رافع الذرقي قال: كنا يوما نصلي وراء النبي صلى الله

علیه وسلم، فلما رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده، قال رجل: وراءه ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، فلما انصرف قال: من المتكلم؟ قال: أنا، قال: رأيت بضعة وثلاثين ملكا يبتدرونها أيهم يكتبها أول. (بخاري، كتاب الأذان، باب فضل اللهم ربنا لك الحمد، النسخة الهندية ١/ ١١٠، رقم: ٧٩١، ف: ٧٩٩، السنن الكبرى للبيهقي، قديم ٢/ ٨٥، جديد دارالكفر ٢/ ٤٠١، رقم: ٢٦٠٧)

عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول بين السجدتين: اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني. (ترمذي شريف، أبواب الصلاة، باب ما يقول بين السجدتين، النسخة الهندية ١/ ٦٣، دارالسلام، رقم: ٢٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۶ھ

فرائض میں قومہ اور جلسۂ استراحت کی دعا پڑھنا

سوال [۱۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رکوع سے کھڑے ہوکر "**الحمد لله حمدا كثيرا**" اور **رب اغفرلي وارحمني، واهدني وارزقني وعافني**" پڑھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نمازوں میں مستحب ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض کتب میں ہے کہ نوافل میں پڑھے فرائض میں نہ پڑھے۔ "ردالمحتار" میں ہے: "**محمول على النوافل، ومحمول على التهجد**" مدلل ومفسر جواب تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مولانا مشیر احمد لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث میں رکوع سے کھڑے ہوکر ”الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه“ اور رب اغفرلي وارحمني، واهدني وارزقني وعافني“ پڑھنا وارد ہوا ہے۔اورفرض نمازوں میں بھی ان دعاؤں کاپڑھنا مستحب ہے۔ اورمذکورہ عبارت:”محمول على النوافل، ومحمول على التهجد“ علامہ شامی نےخزائن سےنقل کرنے کے بعد آگے خود تحریر فرمایا ہے کہ خزائن کے محشی نے علامہ زیلعیؒ پر رد کیا ہے کہ انہوں نے ان دعاؤں کوتہجد کے ساتھ خاص کیا ہے؛ لہٰذا مذکورہ عبارت سے ان دعاؤں کونوافل وتہجد کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، ڈابھیل ۵/ ٦١٦، کتاب الفتاوی ۳/ ۱۰۸)

عن رفاعة بن رافع الذرقي قال: كنا يوما نصلي وراء النبي صلى الله عليه وسلم، فلما رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده، قال رجل وراءه: ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، فلما انصرف قال: من المتكلم؟ قال: أنا، قال: رأيت بضعة وثلاثين ملكا يبتدرونها أيهم يكتبها أول.

(بخاري، كتاب الأذان، باب فضل اللهم ربنا لك الحمد، النسخة الهندية ١/ ١١٠، رقم: ٧٩١، ف: ٧٩٩، السنن الكبرى للبيهقي، قديم ٢/ ٨٥، دارالفكر جديد ٢/ ٤٠١، رقم: ٢٦٠٧)

عن ابن عباس أن النبي ﷺ كان يقول بين السجدتين: اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني. (ترمذي شريف، أبواب الصلاة، باب ما يقول بين السجدتين، النسخة الهندية ١/ ٦٣، دارالسلام، رقم: ٢٨٤)

وما ورد محمول على النفل (تحته في الشامية:) أي تهجدا أو غيره. (خزائن) وكتب في هامشه: فيه رد على الزيلعي حيث خصه بالتهجد.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ٢١٣، كراچی ١/ ٥٠٥، ٥٠٦)

وقال على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن حالة الإنفراد أو الجماعة، والمأمومون محصورون لا يتثقلون بذلك كما نص عليه الشافعية، ولا

ضرر في التزامه، وإن لم يصرح به مشايخنا، فإن القواعد الشرعية لا تنبو عنه كيف والصلاة والتسبيح والتكبير والقراءة كما ثبت في السنة.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲۱۳، کراچی ۱/ ۵۰۶)

أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه إذ لو كان مكروها لنهي عنه ...... وعدم كونه مسنونا لا ينافي الجواز ...... بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲۱۳، منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۵۶۱، کوئٹہ ۱/ ۳۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱ھ

کیا نماز کی ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں؟

سوال [۱۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں دونوں سجدے فرض ہیں یا ایک؟ مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو واضح فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی ہر رکعت کے دونوں سجدے فرض ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی ایک سجدہ باقی رہ جائے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی، اس کا اعادہ بھی فرض ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، میرٹھ ۹/ ۲۶۶، ڈابھیل ۵/ ۵۶۸)

السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة. (هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، زكريا قديم ۱/ ۷۰، جديد ۱/ ۱۲۷)

والسجود، والمراد من السجود السجدتان فأصله ثابت بالكتاب

والسنة، والإجماع، وكونه مثنى في كل ركعة بالسنة والإجماع، وهو أمر تعبدي لم يعقل له معنى على قول أكثر مشايخنا. (البحر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، کوئٹہ ۱/ ۲۹۳، زکریا ۱/ ۵۱۱، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، کراچی ۱/ ۴۴۷، شامي، زكريا ۲/ ۱۳۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، جديد دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ صفر ۱۴۳۵ھ

سجدہ میں جاتے وقت کی تکبیر کب پوری کی جائے؟

سوال [۱۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نماز کی حالت میں سجدہ میں جانے کے بعد ناک زمین پر رکھنے کے بعد تکبیر ختم ہوئی تو نماز میں کچھ کمی آسکتی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسلام مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں کمی نہیں آتی؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ صرف قیام یا قعدہ سے سجدہ میں جانے کے درمیان میں ہی تکبیر ہو۔

عن أبي بكر بن عبدالرحمن، أنه سمع أبا هريرة يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة يكبر حين يقوم (إلى قوله) ثم يكبر حين يهوي ساجدا. (صحيح مسلم، الصلاة، باب إثبات التكبير في كل خفض ورفع، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۹، بيت الأفكار، رقم: ۳۹۲، صحيح البخاري، الصلاة، باب يهوي بالتكبير حين يسجد، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۰، رقم: ۷۹۵، ف: ۸۰۳، سنن النسائي، كتاب الافتتاح باب التكبير للركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۶، دارالسلام، رقم: ۱۰۱۹،

سنن أبي داؤد، الصلاة، باب تمام التكبير، النسخة الهندية ١/ ١٢١، دارالسلام، رقم: ٨٣٦)

ثم يخر ساجدا، ويكبر في حالة الخرور. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في مايفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العمي ٢/ ١١٩، رقم: ١٣٥٩، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ٢/ ١٧٢، رقم: ٢٠٤٩)

فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور. (عالمگیری، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧٥، جديد ١/ ١٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍رمضان ۱۴۱۴ھ

سجدہ میں کہنیوں کی حالت کا حکم

سوال [۱۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند لوگوں کو دیکھا کہ اکیلے نماز پڑھنے والے سجدہ میں دونوں کہنیاں کھول کر نماز پڑھ رہے ہیں، جب کہ جماعت کی حالت میں کہنیاں سمیٹتے ہیں، کونسی حالت صحیح سمجھی جائے؟

المستفتی: لئیق احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کہنیاں کھول کر اور سمیٹ کر نماز پڑھنا دونوں حالتیں صحیح ہیں، اصل یہ ہے کہ کہنیاں کھول کر ہی پڑھے، مگر جب جماعت کے ساتھ پڑھے اور کہنیوں کو پھیلا کر پڑھنے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو سمیٹ کر پڑھنا بہتر ہے۔

عن مالك بن بحينة أن رسول الله ﷺ إذا صلى فرج بين يديه، حتى يبدو بياض إبطيه. (بخاري، الصلاة، باب يبدى اضبعيه ويجافى جنبه في السجود، النسخة الهندية ١/ ١١٢، رقم: ٧٩٩، ف: ٨٠٧، صحيح مسلم، الصلاة قبيل باب مايجمع صفة الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٩٤، بيت الأفكار، رقم: ٤٩٥)

عن ميمونة بنت الحارث، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد جافى حتى يرى من خلفه وضح إبديه. (صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٩٤، بيت الأفكار، رقم: ٤٩٧، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٨٤٠، رقم: ١٣٦٩، ١٣٧٠، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٢/ ١٦٨، رقم: ٢٩٢٢، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ١/ ٣٤٩، رقم: ٦٤٧، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٢/ ١٨٣، رقم: ١٧٤٥)

ويبدى ضبعيه لقوله عليه الصلاة والسلام: وابد ضبعيك، ويروى: وأبد من الإبداد، وهو المد، والأول من الإبداء، وهو الإظهار، ويجافي بطنه عن فخذيه –إلى قوله– وقيل: إذا كان في الصف لا يجافي كى لا يؤذي جاره. (هدايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ١/ ١٠٩، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني السجود، زكريا ٢/ ١٢٦، رقم: ١٩٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۷)

سجدہ میں پیروں کی انگلیاں کیسے رکھیں؟

سوال [۱۹۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں کچھ صاحبان اس طرح سجدہ کرتے ہیں کہ دونوں پیروں کی انگلیوں کو موڑ کر مشرق کی طرف کر لیتے ہیں، کچھ پیر کھڑے کر کے انگلیوں کی صرف نوکیں زمین پر لگائے رکھتے ہیں اور کچھ جن میں (امام صاحبان بھی شامل ہیں) انگلیاں اس طرح زمین پر رکھتے ہیں کہ ان میں صرف تھوڑا سا خم پیر کی طرف ہوتا ہے، اور ایک انگلی کا بھی پیٹ زمین پر جم کر رخ کعبہ شریف کی طرف نہیں ہوتا، سجدہ کے بارے میں حاصل کی گئی ہماری جانکاری مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ہم نے ایک مستند دینی کتاب میں پڑھا ہے کہ سجدہ کے دوران پیر کی کم از کم ایک انگلی کا

پیٹ زمین پر جما کر انگلی کا رخ کعبہ شریف کی طرف کرنا سجدہ صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، اگر سجدہ اس طرح کیا کہ پیروں کی انگلیوں کی صرف نوکیں زمین پر ٹکی رہیں اور ایک انگلی کا بھی رخ کعبہ شریف کی طرف نہیں ہوا تو سجدہ ادا نہیں ہوگا اور نماز نہیں ہوگی، بہت سے لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

(۲)　کچھ امام صاحبان کی توجہ مندرجہ بالا مسئلہ کی طرف دلانے پر انہوں نے اس سے اختلاف کیا اور بڑے وثوق کے ساتھ کہا کہ سجدہ میں بس پیر زمین سے اٹھنے نہیں چاہئے اور انگلیوں کی نوکوں کا صرف زمین پر ٹکا رہنا کافی ہے، نماز ہو جائے گی اور کم از کم ایک انگلی کا پیٹ زمین پر جما کر رخ کعبہ شریف کی طرف کرنا محض مسنون ہے ضروری نہیں؟

المستفتی: محمد نبی خان پیراماؤنٹ میٹل فیکٹری طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدہ کی حالت میں دونوں پیروں کو زمین پر رکھنا واجب ہے، چاہے کسی بھی طریقہ سے رکھا جائے۔ اور بشرط گنجائش دونوں پیروں میں سے کسی ایک پیر کی کوئی بھی انگلی زمین پر ٹیکنا واجب ہے۔ اور اگر گنجائش نہ نکلے تو انگلی بھی زمین پر رکھنا واجب نہیں، پیروں کو صرف زمین پر رکھنا واجب ہے۔ اور راجح قول کے مطابق دونوں پیروں کی انگلی یا کسی ایک پیر کی انگلی کو پیٹ کے بل پیر کو زمین پر جمانا اور انگلی کا رخ قبلہ کی طرف کرنا بشرط گنجائش مسنون ہے۔ اور فقہ کی بعض جزئیات ایسی ہی ہیں جیسا کہ سائل نے اپنے سوال میں نقل فرمایا ہے کہ کسی بھی ایک انگلی کو قبلہ کی طرف اور اس کے پیٹ کے بل پر سہارا لگانا واجب ہے؛ لیکن یہ قول مرجوح اور غیر مفتی بہ ہے۔ اور سوال ۲ میں کچھ مسجدوں کے امام صاحبان کی طرف منسوب کر کے جو بات پیش کی گئی ہے، اس میں امام صاحب کی رائے صحیح اور راجح قول کے مطابق ہے، جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

عن محمد بن عمرو بن عطاء، أنه كان جالسا مع نفر من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، فذكرنا صلاة النبي صلى الله عليه وسلم –إلى–

فإذا سجد وضع يديه غير مفترش، ولا قابضهما، واستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة. (صحيح البخاري، الصلاة، باب سنة الجلوس في التشهد، النخسة الهندية ١/ ١١٤، رقم: ٨٢٠، ف: ٨٢٨، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ١/ ٣٥٠، رقم: ٦٥١، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٣/ ١٣٥، رقم: ١٨٦٦)

ولو وضع ظهر القدم دون الأصابع، بأن كان المكان ضيقا، أو وضع إحداهما دون الأخرى لضيقه جاز كما لو قام على قدم واحد، وإن لم يكن المكان ضيقا يكره، فهٰذا صريح في اعتبار وضع ظاهر القدم، وإنما الكلام في الكراهة بلا عذر (إلى قوله) لكن هذا ليس صريحا في اشتراط توجيه الأصابع، بل المصرح به أن توجيهها نحو القبلة سنة يكره تركها. (شامي، باب صفة الصلاة، مطلب في طالة الركوع للجائي، زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٥، كراچی ١/ ٥٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۸)

سجدہ میں ’’سبحان ربی الکریم‘‘ کہنا

سوال [۱۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا ’’سبحان ربی العظیم‘‘ کے بجائے ’’سبحان ربی الکریم‘‘ بھی کہہ سکتے ہیں؟

المستفتی: اخلاق احمد سلیم پرو گڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث پاک میں حضور ﷺ سے رکوع میں ’’سبحان ربی

العظیم'' اورسجدہ میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھنا ثابت ہے؛ اس لئے یہی مسنون ہے، اس کے خلاف پڑھنا خلاف سنت ہے۔

عن ابن مسعود – رضي الله عنه – أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا ركع أحدكم ، فقال في ركوعه: سبحان ربي العظيم ثلاث مرات، فقدتم ركوعه، وذلك أدناه، وإذا سجد فقال في سجوده: سبحان ربي الأعلى ثلاث مرات، فقدتم سجوده، وذلك أدناه. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود، النسخة الهندية ١/ ٦٠، دارالسلام، رقم: ٢٦١، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب مقدار الركوع والسجود، النسخة الهندية ١/ ١٢٩، دارالسلام، رقم: ٨٨٦)

عن حذيفة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في ركوعه: سبحان ربى العظيم ثلاثا، وفي سجوده: سبحان ربي الأعلى ثلاثا. (طحاوي شريف، الصلاة، باب ما ينبغي أن يقال في الركوع والسجود، النسخة الهندية ١/ ١٣٨، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٠٥، رقم: ١٣٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۵۲)

سجدۂ ثانیہ سے کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز کے سجدۂ ثانیہ سے کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ کیا ہے غیر معذور کے لئے؟

المستفتی: شریف احمد مؤمن آباد، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کے سجدۂ ثانیہ سے اٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ

زمین سے پہلے سر، پھر ہاتھ، پھر گھٹنوں کو اٹھایا جائے، ہاں البتہ اگر کسی کو عذر ہے تو وہ کسی بھی طرح سے اٹھ سکتا ہے۔

عن وائل بن حجر، قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه، وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، النسخة الهندية ١/ ١٢٢، دارالسلام، رقم: ٨٤٠، سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في وضع الركبتين قبل اليدين في السجود، النسخة الهندية ١/ ٦١، دارالسلام، رقم: ٢٦٨، سنن ابن ماجة، الصلاة، باب السجود، النسخة الهندية ١/ ٦٣، دارالسلام، رقم: ٨٨٢، سنن نسائي، الصلاة، باب أول ما يصل إلى الأرض من الإنسان في سجوده، النسخة الهندية ١/ ١٢٣، دارالسلام، رقم: ١٠٩٠، باب الرفع اليدين عن الأرض قبل الركبتين ١/ ١٢٩، دارالسلام، رقم: ١١٥٥)

عن عبدالله بن يسار، إذا سجد وضع ركبتيه، ثم يديه، ثم وجهه، فإذا أراد أن يقوم رفع وجهه، ثم يديه، ثم ركبتيه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٢/ ١٧٧، رقم: ٢٩٥٨)

ويسن عكسه للنهوض للقيام، بأن يرفع وجهه، ثم يديه، ثم ركبتيه إذا لم يكن به عذر. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ديوبند/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۷۳)

قعدہ میں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے کی کیفیت

سوال [۱۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ’’نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں‘‘ میں تشہد میں ہاتھ رانوں پر رکھنا لکھا ہے اور ’’تعلیم

الاسلام“ میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا لکھا ہے، ان میں کونسا طریقہ افضل ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد یونس احمد گڑھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قعدہ میں ہاتھوں کو رانوں پر اس طرح رکھنا کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں کے قریب ہوں، یہی مسنون طریقہ ہے۔ (مستفاد: علم الفقہ ۲/۸۴)

عن ابن عمر قال: كان رسول الله ﷺ إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى. (مسلم شريف، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، و كيفية وضع اليدين على الفخذين، النسخة الهندية ١/ ٢١٦، بيت الأفكار، رقم: ٥٨٠)

بحيث تكون أطراف أصابعه على حرفي ركبتيه لا مباعدة عنها، كذا في الفتح. (طحطاوي على المراقي، قديم ١٤٦، دارالكتاب ١/ ٢٦٨، ٢٦٩)

وينبغي أن تكون أطراف الأصابع على حرف الركبة لا مباعدة عنها. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١/ ٢١، كوئٹه ١/ ٢٧٢، حاشية چلپی، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ١٢١، زكريا ١/ ٣١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اورآپ نے جو ”تعلیم الاسلام“ کا حوالہ دیا ہے، اس میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے رانوں پر ہاتھ رکھنا ہی لکھا ہے۔ (تعلیم الاسلام ۳/ ۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: تشہد میں شہادت کی انگلی کب تک اٹھائے رکھیں اور حلقہ کب تک بندھا رہے، اس کا کیا ثبوت ہے؟ کیا ''فتاوی عالمگیری'' میں ''الا اللہ'' کے بعد حلقہ کھول دینے کا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تشہد میں کلمہ کے موقع پر داہنے ہاتھ کی اخیر کی دو چھوٹی انگلیوں کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر ''لا الہ'' پر انگلی اٹھائے اور ''الا اللہ'' پر رکھ دے۔ اور حلقہ اخیر تک باقی رکھے، یہی صورت اولیٰ ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۲۰۷)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: كان النبي ﷺ إذا جلس في الصلاة للتشهد نصب يديه على ركبتيه، ثم رفع إصبعه السبابة التي تلى الإبهام، وباقي أصابعه على يمينه مقبوضة كما هي. (المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٥٥٠، رقم: ٢٠٢٥)

وفي المحيط: أنها (أي الإشارة) سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ، وكثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولى. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ٢١٧، كراچی ١/ ٥٠٨)

عالمگیری (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧٥، جديد ١/ ١٣٣) **میں صرف اتنی عبارت ہے: إذا انتهى إلى قوله: أشهد أن لا إله إلا الله يشير بالمسبحة الخ. "إلا الله" کے بعد حلقہ کھول دینے کی وضاحت عالمگیری میں ہمیں نہیں ملی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۶۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۲۱ھ

تشہد میں حلقہ بنا کر آخر تک اسی طرح رکھنا

سوال [۱۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں تشہد پڑھتے ہوئے جو ''**أشهد أن لا**'' پر انگلی اٹھاتے ہیں اور ''**إلا الله**'' پر جھکاتے ہیں، اس میں راجح اور مفتی بہ قول کیا ہے؟ کیا یہ حلقہ آخر تک باقی رہے یا ''**إلا الله**'' پر حلقہ بھی ختم کردیں، راجح قول کیا ہے؟

المستفتی: سعید احمد قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس سلسلہ میں راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ شہادت کے وقت سے حلقہ بنا کر سلام پھیرنے تک حلقہ کو اسی طرح باقی رکھا جائے اور ''الا اللہ'' پر صرف انگلی کو جھکا دیا جائے، حلقہ ختم نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/ ۶۴۷)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أن رسول الله ﷺ كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة. (صحيح مسلم، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۶، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۰)

قال محمد رحمه الله: يصنع بصنع النبي عليه السلام، ثم قال: وهذا قولي وقول أبي حنيفة، وفي الملتقط: الإشارة عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله حسن، ثم كيف يصنع عند الإشارة؟ حكى عن الشيخ الفقيه أبو جعفر رحمه الله أنه قال: يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى مع الإبهام، ويشير بسبابته. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ۲/ ۱۸۷، رقم: ۲۰۹۵، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث فى مايفعله بعد الشروع في الصلاة؟ المجلس العلمي ۲/ ۱۲۸، رقم: ۱۳۸۹)

والصحيح المختار عند جمهور أصحابنا أنه يضع كفيه على فخذيه، ثم بوصوله إلى كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى والإبهام، ويشير بالمسبحة رافعا لها عند النفي واضعا لها عند الإثبات، ثم يستمر على ذلك؛ لأنه ثبت العقد عند الإشارة بلا خلاف، ولم يوجد أمر بتغييره، والأصل بقاء الشيء على ما عليه واستصحابه إلى آخر الأمر.

(تقريرات رافعي، کراچی ۱/ ۶۳، زکریا ۲/ ۶۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۶ھ

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کے بعد حلقہ کھولنا بہتر ہے یا نہیں؟

سوال [۱۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے تشہد میں ”أشهد أن لا إله إلا الله“ پر حلقہ باندھ کر انگلی سے اشارہ کے بعد حلقہ کھول کر انگلیاں سیدھی کر دینی چاہئیں، جب کہ ہمارے یہاں تعلیم یہ ہے کہ شہادت کی انگلی اشارہ کے بعد گرادی جائے اور حلقہ بندھا رہے، حلقہ بندھا رہنے کی سند کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالمعید قاسمی، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تشہد میں کلمہ کے موقع پر داہنے ہاتھ کے اخیر کی دونوں چھوٹی انگلیوں کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر ”لا الہ“ پر انگلی اٹھائے اور ”الا اللہ“ پر رکھ دے۔ اور یہ حالت اخیر تک باقی رکھے یہی صورت اولی ہے۔ (رحیمیہ قدیم ۶/ ۴۱۲، جدید زکریا ۵/ ۳۳)

عن علي بن عبدالرحمن أنه قال: رآني عبدالله بن عمرو أنا أعبث

بـالـحصى في الصلاة، فلما انصرف نهاني، فقال: اصنع كما كان رسول الله صلـى الله عـليـه وسلم يصنع، فقلت: وكيف كان رسول الله صلى الله عليه وسـلـم يصنع؟ قال: كان إذا جلس في الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه اليـمـنـى، وقبـض أصابعه كلها، وأشار بإصبعه التي تلي الإبهام، ووضع كفه اليسـرى على فخذه اليسرى. (صحيح مسلم، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، النسخة الهندية ١/ ٢١٦، بيت الأفكار، رقم: ٥٨٠، سنن نسائي، الصلاة، باب قبض الأصابع من اليد اليمنى دون السبابة، النسخة الهندية ١/ ١٨٧، دارالسلام، رقم: ١٢٦٨، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الإشارة في التشهد، النسخة الهندية ١/ ١٤٢، دارالسلام، رقم: ٩٨٧، ٩٨٨، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٦٥، رقم: ٥٣٣١، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٢/ ١٩٥، رقم: ٣٠٤٨، ٢/ ٢٤٨، رقم: ٣٢٣٩، سنن الترمذي، الصلاة، باب الإشارة في التشهد، النسخة الهندية ١/ ٣٠، دارالسلام، رقم: ٢٩٤)

وفـي الـمـحيط: أنها أي الإشارة سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبـات، وهـو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولى. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ٢١٧، كراچی ١/ ٥٠٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۶۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۲۱ھ

تشہد میں کلمۂ شہادت کی انگلی کب تک اٹھائیں؟

سوال [۱۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں ”أشهد أن لا إله إلا الله“ پر کلمۂ شہادت کی انگلی کو اٹھانا ضروری ہے، بعض

حضرات کا کہنا ہے کہ انگلی کو اٹھائے رکھنا چاہیے جب تک کہ نماز پوری نہ ہوجائے، حکم شرعی کیا ہے ''الا اللہ'' پر انگلی کو گرانا چاہیے یا اٹھائے رکھنا چاہیے؟

المستفتی: ضیاءالدین امام مسجد گلاب باڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تشہد میں ''لا الہ'' پر شہادت کی انگلی اٹھاکر ''الا اللہ'' پر گرا دیا جائے اور آخر تک اسی حالت میں باقی رکھا جائے، یہی سنت طریقہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۴۱۲، جدید زکریا ۵/۳۳)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا جلس في الصلاة للتشهد نصب يديه على ركبتيه، ثم رفع إصبعه السبابة التي تلى الإبهام، وباقي أصابعه على يمينه مقبوضة كما هي. (المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٥٥٠، رقم: ٢٠٢٥)

وفي المحيط: أنها أي الإشارة سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولى. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ٢١٧، كراچی ١/ ٥٠٨)

قال محمد رحمه الله: يصنع بصنع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قال: وهذا قولي وقول أبي حنيفة، وفي الملتقط: الإشارة عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله حسن، ثم كيف يصنع عند الإشارة؟ حكى عن الشيخ الفقيه أبوجعفر رحمه الله أنه قال: يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى مع الإبهام، ويشير بسبابته. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ٢/ ١٨٧، رقم: ٢٠٩٥، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث فى ما يفعله بعد الشروع في الصلاة، جديد المجلس العلمي ٢/ ١٢٨، رقم: ١٣٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/ رجب ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۵۰)

تشہد میں انگلی کب اٹھائی جائے؟

سوال [۱۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تشہد میں انگلی کب اٹھانی چاہئے اور مٹھی بند رکھنی چاہئے یا کھول دینی چاہئے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن، گرام شاہ پور، بلڈھیا گڈا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: التحیات میں جب کلمۂ شہادت پر پہنچے تو انگوٹھا اور وسطی کے درمیان حلقہ بنا کر ”لا الٰہ“ پر شہادت کی انگلی اٹھایا جائے اور ”الا اللہ“ پر گرا دی جائے اور آخر تک اسی حالت پر باقی رکھی جائے۔ اور اس حلقہ بنانے کو عقد ترپین کہا جاتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ، قدیم ۶/۴۱۲، جدید، زکریا ۵/۳۳۳)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أن رسول الله ﷺ كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة. (صحيح مسلم، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، النسخة الهندية ۱ / ۲۱٦، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۰)

وفي المحيط: أنها أي الإشارة سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولى. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲ / ۲۱۷، كراچی ۱ / ۵۰۸)

قال محمد رحمه الله: يصنع بصنع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قال: وهذا قولي وقول أبي حنيفة، وفي الملتقط: الإشارة عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله حسن، ثم كيف يصنع عند الإشارة؟ حكى عن الشيخ الفقيه أبوجعفر رحمه الله أنه قال: يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى مع الإبهام، ويشير بسبابته. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة ۲ / ۱۸۷، رقم: ۲۰۹۵، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث فى ما يفعله بعد الشروع في

الصلاة، جديد المجلس العلمي ٢/ ١٢٨، رقم: ١٣٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۶/۱۴۲۰ھ

نماز میں اشارہ بالسبابہ کی کیفیت اور اس کا شرعی حکم

سوال [۱۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشارہ بالسبابہ کی حیثیت نماز میں کیا ہے اور اشارہ کی کیفیت کیا ہے؟ انگلی کو اٹھا کر گرا دیا جائے گا یا آخر صلوۃ تک اٹھایا جائے گا؟ رفع اور خفض کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت ہو تو ایک حدیث تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: کلیم اللہ سیتاپوری، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ سنت ہے اور اس کی کیفیت یوں ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلی کا حلقہ بنا لیا جائے اور ابہام اور وسطی کو حلقہ کی شکل میں رکھا جائے اور بنصر وخنصر کو بند کر لیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عقد ترپن (۵۳) کا حلقہ بنا لیا جائے، یعنی انگشت وسطی بنصر وخنصر کو بند کر کے ابہام کو وسطی کے مفصل ہی پر لا کر رکھا جائے، پھر وقت شہادت ''لا الہ'' کہتے وقت انگشت شہادت کو اوپر کی طرف اٹھا کر اشارہ کیا جائے اور ''الا اللہ'' پر گرا دیا جائے۔ ''شامی'' میں دونوں شکلیں موجود ہیں اور اشارہ کا ثبوت حدیث مسلم وحدیث مشکوۃ میں موجود ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة. (صحيح مسلم، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، النسخة الهندية ١/ ٢١٦، بيت الأفكار، رقم: ٥٨٠)

صفتها أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطى،

ویقبض الخنصر والبنصر، ویشیر بالمسبحة، أو یعقد ثلاثة وخمسین بأن یقبض الوسطی والخنصر والبنصر، ویضع رأس إبهامه علی حرف مفصل الوسطی الأوسط، ویرفع الإصبع عند النفي، ویضعها عند الإثبات. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، زکریا ۲/ ۲۱۷، کراچی ۱/ ۵۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۸۰۸)

تشہد میں انگلی اٹھانے اور حلقہ کھولنے کا مستحب طریقہ

سوال [۱۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران نماز التحیات میں ''لا الہ الا اللہ'' پر پہنچتے ہی انگوٹھا اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں، کیا التحیات مکمل کرنے کے بعد بھی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے رکھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احسان احمد، محمد علی روڈ، کانٹھ کی پلیا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: التحیات میں ''لا الہ'' پر وسطی اور ابہام کا حلقہ بنا کر سبابہ کو اٹھا لیا جائے اور جب ''الا اللہ'' پر پہنچا جائے تو سبابہ کو جھکا لیا جائے اور اسی حالت میں التحیات مکمل کی جائے اور قعدۂ اخیرہ میں سلام تک اسی طرح باقی رکھا جائے اور اس طرح قبض اصابع اور بسط سبابہ الی آخر الصلاۃ کے موضوع پر تفصیلی جوابات ''امداد الفتاوی زکریا ۱/ ۲۰۶ تا ۲۱۵، اور ایضاح الطحاوی ۲/ ۹۵ تا ۹۹'' میں موجود ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۲ھ

رفع سبابہ کی شرعی حیثیت

سوال [۷۱۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تشہد میں رفع سبابہ کے متعلق ایک مضمون (باد باران یعنی تذکرہ محدث گنگوہیؒ مصنفہ حضرت تھانویؒ، ناشر مکتب تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، مظفرنگر کے ص:۹، تذکرہ:۱۱) نظر سے گذرا، جس میں نقل کیا گیا ہے کہ رفع سبابہ کا اخیر تک باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے۔ اور ''ترمذی شریف'' کتاب الدعوات میں یہ حدیث ہے، ہمیں تو دریافت یہ کرنا ہے کہ حدیث کونسی ہے؟ پوری حدیث کو مع حوالہ کے نقل کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں اور اس سلسلے میں اصل مسئلہ کیا ہے، جس پر فقہاء امت کا عمل ہوا ور رفع سبابہ کا اخری وقت کیا ہے؟ اب بعینہٖ اس ملفوظ کو نقل کرتا ہوں: ''تشہد میں جو رفع سبابہ کیا جاتا ہے، اس میں تردد تھا کہ اشارہ کی بقا کس وقت تک کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں؟ محدث قدس سرہ کی حضور میں پیش کیا گیا تو فوراً ارشاد فرمایا کہ ترمذی کی کتاب الدعوات میں حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کے بعد فلاں دعا پڑھی اور اس میں سبابہ سے اشارہ فرمارہے تھے، اب ظاہر ہے کہ دعا قریب سلام پڑھی جاتی ہے، پس ثابت ہوگیا کہ اخیر تک اس کا باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے، اس سے بھی سرعت انتقال ذہنی اور ملکہ استنباط بخوبی روشن ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ کو باب التشہد میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں ہے، اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے'' تفصیل کیا ہے مع حوالہ کتب فقہ وکتب حدیث مسئلے کو تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: نعمت اللہ عباسی جنرل اسٹور چوک گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''ترمذی شریف'' کتاب الدعوات میں رفع سبابہ سے متعلق جو حدیث شریف دعا کے ساتھ مروی ہے، وہ بعینہٖ نقل کی جاتی ہے:

حدثنا عقبة بن مكرم، نا سعيد بن سفيان الجحدري، نا عبدالله بن

معدان، قال: أخبرني عاصم بن كليب الجري، عن أبيه عن جده، قال: دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم وهو يصلي، وقد وضع يده اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ، ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى، وقبض أصابعه وبسط السبابة، وهو يقول: يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينک، هذا حديث غريب من هذا الوجه. (ترمذي شريف، كتاب الدعوات ۲/ ۱۹۸، دارالسلام، رقم: ۳۵۸۷)

اور(ترمذی شریف ۱/ ۳۹، دارالسلام، رقم: ۲۹۳، باب كيف الجلوس في التشهد) **میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں: ''أشار بإصبعه'' کی عبارت موجود ہے۔اور**(۱/ ۳۹، دارالسلام، رقم: ۲۹۴، باب ماجاء في الإشارة) **میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''رفع إصبعه التي تلى الإبهام يدعو بها'' کی عبارت آئی ہے۔اور**(نسائی شریف ۱/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۶۸، باب احفاء السبابة فى الإشارة) **کے تحت حضرت نمیر بن ابی نمیر خزاعی کی روایت میں ''رافعا إصبعه السبابة قد أحفاها شيئا، وهو يدعو'' کی عبارت آئی ہے، نیز**(أبوداؤد شريف ۱/ ۱۴۲، رقم: ۹۸۷-۹۸۸، باب الإشارة في التشهد) **میں بھی یہی حدیث شریف موجود ہے۔اوراس میں ''هو يدعو'' کا لفظ نہیں ہے۔**

اب اصل جواب پیش کیا جاتا ہے کہ مذکورہ ملفوظ وتذکرہ کے ہم مضمون فتویٰ تالیفات رشیدیہ ص:۲۶۶، اور فتاوی رشیدیہ مبوب ص: ۳۱۲ میں بھی موجود ہے، نیز بہشتی زیور حصہ دوم میں التحیات کی بحث میں بھی اسی مضمون کا مسئلہ لکھا گیا تھا؛ لیکن بعد تحقیق حضرت تھانویؒ قدس سرہ نے اس مسئلہ سے رجوع فرما کر بہشتی زیور کی عبارت میں ترمیم فرمائی ہے کہ حدیث ترمذی سے رفع سبابہ الی آخر الصلوۃ ہرگز مراد نہیں ہے؛ بلکہ قبض اصابع اور بسط سبابہ الی آخر الصلوۃ ہی مراد ہے، نیز بہشتی زیور کی عبارت میں اس طرح ترمیم فرمائی ہے کہ ''لا الٰہ'' کے وقت انگلی اٹھاوے اور ''الا اللہ'' پر جھکاوے، مگر عقد اور حلقہ کی ہیئت کو اخیر نماز تک باقی رکھے۔(امداد

الفتاوی، زکریا ا/ ۲۰۷، بہشتی زیور ۲/ ۱۷، اختری) نیز حضرت تھانوی قدس سرہ کے بہشتی زیور کی عبارت سے رجوع کرنے پر سائل نے مختلف دلائل سے نقد سوالات کئے اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے سب سوالات واعتراضات کے ایک ایک کر کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔اور حدیث ترمذی سے وہی مراد لیتے ہیں جس کی حدیث نسائی اور حدیث ابوداؤد ناطق ہیں، تفصیل امداد الفتاوی، زکریا ا/ ۲۰۶ تا ۲۱۵ میں موجود ہے، نیز اس سلسلہ میں اصل مسئلہ اور فقہاء امت کا عمل وفتوی اسی پر ہے کہ عند النفی انگشت سبابہ اٹھائی جائے اور عند الاثبات جھکائی جائے۔اور قبض اصابع وبسط سبابہ الی آخر الصلاۃ باقی رکھے۔

بسط الأصابع إلى حين الشهادة، فيعقد عندها، ويرفع السبابة عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبي صلى الله عليه وسلم بالأحاديث الصحيحة لصحة نقله عن أئمتنا الثلاثة. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب هيئة جلسة التشهدين، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۰۹، کراچی ۳/ ۸۷)

إن الفتوى عندنا على أن يرفع عند النفي، ويضع عند الإثبات. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب هيئة جلسة التشهدين، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۱، کراچی ۳/ ۸۹، وهكذا في الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲۱۷، کراچی ۱/ ۵۰۸)

يضع كفيه على فخذيه، ثم عند وصوله إلى كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى والإبهام، ويشير بالمسبحة رافعا لها عند النفي، واضعا عند الإثبات، ثم يستمر على ذلك؛ لأنه ثبت العقد عند ذلك بلا خلاف. (بذل المجهود، باب الإشارة في التشهد، سهارن پور قديم ۲/ ۱۲۸، تحت حديث النمير) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۲۷ھ

قعدہ میں اپنی انگلیوں کو اپنی ہیئت پر رکھنا

سوال [۱۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قعدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رہیں یا کچھ کشادہ رہیں، سنت کیا ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: شمس الحق مرادآباد

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی ہیئت پر کشادہ رکھنا مسنون ہے۔

و بسط أصابعه الخ (هندية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة و آدابها و كيفياتها، زكريا ١/ ٧٥، جديد ١/ ١٣٣، هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ١/ ١١١، حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في كيفية تركيب أفعال الصلاة، دارالكتاب ديوبند ٢٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۳/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۹/)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۱۵ھ

عذر کی بنا پر صرف التحیات پڑھ کر سلام پھیرنا

سوال [۱۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی نماز کی نیت باندھے اور قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے لگے، اسی وقت اس کو پیشاب پاخانہ زور سے لگ جائے، تو صرف التحیات پوری کرکے بغیر درود شریف ودعاءِ ماثورہ پڑھے سلام پھیر کر نماز کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کوئی اور زبردست کام کرنے کے لئے صرف التحیات ہی پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب دیں اور اسی طرح کسی کو قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھتے ہوئے پیٹ میں درد اٹھ جائے، تو صرف التحیات ہی پڑھ کر سلام پھیر کر نماز کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پہلی اور تیسری صورت میں التحیات کے بعد درود شریف اور دعائے ماثورہ پڑھے بغیر سلام پھیر کر نماز ختم کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ صلوۃ وسلام سنن ومستحبات صلاۃ میں سے ہیں، جن کا ترک بلا عذر جائز نہیں؛ لیکن حالت عذر شرعی میں گنجائش ہے۔

ثم الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم ليست بفرض، بل هو سنة مستحبة عندنا. (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، بيان مقدار التشهد، زكريا ١/ ٥٠٠، كراچی ١/ ٢١٣)

ولا يكره في حالة العذر؛ لأن مواضع الضرورة مستثناة من قواعد الشرع. (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، ما يستحب في الصلاة وما يكره؟ زكريا ١/ ٥٠٦، كراچی ١/ ٢١٥)

اور دوسری صورت میں زبردست کام کی وضاحت فرمائیں، اس کے بعد جواب لکھا جائے گا۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۳۶)

مقتدی کا التحیات پڑھ کر امام سے قبل سلام پھیرنا

سوال [۱۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب کے بہت سارے مقتدی یا بہت قلیل مقتدی نماز پڑھنے لگے اور جب قعدۂ اخیرہ میں امام صاحب پہنچے تو کسی مقتدی کو پیٹ میں درد ہو جائے یا اسی طرح کی پریشانی جیسے پاخانہ پیشاب لگ جائے یا ریح خارج کرنے کا زبردست تقاضہ ہو جائے، تو ایسے وقت میں مقتدی صرف التحیات پڑھ کر خود بخود اپنی طبیعت سے سلام پھیر کر نماز کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم، سپول بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی شدید حاجت کی بناپر مقتدی کے لئے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام سے پہلے سلام پھیرنے کی گنجائش ہے اور نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے؛ لیکن بلا عذر امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز کا اعادہ وقت کے اندر لازم ہوگا، اگر وقت کے اندر اعادہ نہیں کرے گا تو گنہگار رہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۳/ ۲۹۳، فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/ ۳۴۳، جدید زکریا ۵/ ۱۲۲)

وإن سلم المقتدي قبل الإمام، وذهب، إن كان بعذر يجوز، وإن لم يكن بعذر يكره مخالفة الإمام. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ٢/ ١٩٠، رقم: ٢١٠٤)

ولو أتمه قبل إمامه، فتكلم جاز، وكره، قال ابن عابدين تحت قوله: ولو أتمه الخ، أي لو أتم المؤتم التشهد، بأن أسرع فيه، وفرغ منه قبل إتمامه، فأتى بما يخرجه من الصلاة، كسلام أو كلام، أو قيام جاز، أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان ...... وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذر، فلوبه كخوف حدث، أو خروج وقت جمعة، أو مرور مار بين يديه، فلا كراهة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ٢٤٠، كراچی ١/ ٥٢٥)

لزمه وجوبا أن يعيد في الوقت، فإن خرج الوقت بلا إعادة، أثم. (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت، زكريا ٢/ ١٤٢، كوئٹه ٢/ ٨٠، شامي، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلوة أديت مع الكراهة التحريم تجب إعادتها، زكريا ٢/ ١٤٨، كراچی ١/ ٤٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۵ھ

لفظ ''سلام'' واجب ہے یا سنت؟

سوال [۱۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) خروج عن الصلاۃ کے لئے لفظ ''سلام'' سنت ہے یا واجب یا فرض؟
(۲) دونوں سلاموں کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ؟ مفصل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: کلیم اللہ، مقام فتح پور، پوسٹ کملا پور، ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حضرات حنفیہ کے نزدیک خروج عن الصلاۃ کے لئے لفظ ''سلام'' واجب ہے اور لفظ ''علیکم'' واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

أما صفته: فإصابة لفظة السلام ليست بفرض عندنا، ولكنها واجبة.
(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان الخروج من الصلاة، كراچی ۱/ ۱۹۴، زكريا ۱/ ٤٥٤)

وأما الخروج بلفظ السلام، فهو واجب عندنا، لمواظبته عليه السلام.
(شرح كبيري، اشرفيه ديو بند ص: ۳٦ ۱)

وإصابة لفظ السلام، وما زاد سنة أو ندب. (فتاوى تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، كوئٹه ۱/ ۵۱۰، زكريا ۲/ ۱۳۳، رقم: ۱۹۵٤)

(۲) حضرات حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ دونوں سلام واجب ہیں۔ حکم وجوب میں دونوں کا حکم یکساں ہے اور یہی صحیح ہے۔

ويجب لفظ السلام مرتين في اليمين واليسار. (مراقي الفلاح، مع حاشية الطحطاوي، باب شروط الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، قديم، ص: ۱۳٦، جديد، دارالكتاب ديوبند، ص: ۲۵۱)

ولفظ السلام مرتين، فالثاني واجب على الأصح. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۱٦۲، كراچی ۱/ ٤٦۸، شرح نقايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، اعزازيه ديوبند ۱/ ۸۱، غنية المستملي، شرح كبيري، باب صفة الصلاة،

أشرفيه ديو بند، ص: ٣٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣/١١/١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ٢٢٥٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٤/٦/١٤١١ھ

ایک سلام پھیرنے کے بعد حدث لاحق ہو گیا

سوال [١٩٢٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر نماز ادا کر رہا تھا، آخری رکعت میں سلام سے قبل حدث لاحق ہو گیا، تشہد پڑھ چکا تھا، ایک جانب سلام بھی پھیر چکا تھا کہ حدث لاحق ہو گیا اور نماز سے سلام کے ساتھ نکلنا واجب ہے، تو ایسی صورت میں نماز کا اعادہ بکر پر واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرم، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک اگرچہ دونوں سلام واجب ہیں؛ لیکن جب ایک سلام کے بعد حدث لاحق ہو چکا ہے، تو ارکان صلوۃ میں سے کوئی رکن باقی نہ ہونے کی وجہ سے واجب الاعادہ نہ ہوگی، نماز مکمل ہو گئی ہے۔

وإن تعمد الحدث في هذه الحالة، أو تكلم، أو عمل عملاً ينافي الصلاة تمت صلاته؛ لأنه يتعذر البناء لوجود القاطع، لكن لا إعادة عليه؛ لأنه لم يبق عليه شيء من الأركان. (هدايه، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبه أشرفي ديوبند ١/ ١٣٠، البناية، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، أشرفيه ديو بند ٢/ ٣٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩ ربیع الاول ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٣٨٩٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٩/٣/١٤١٥ھ

لفظ ''سلام'' کے علاوہ کسی دوسرے فعل سے نماز سے نکلنا

سوال [۱۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرات حنفیہ کے نزدیک لفظ ''سلام'' واجب ہے، نماز سے خروج کے لئے خروج بصنعہٖ فرض ہے، تو اگر کوئی شخص لفظ ''سلام'' کے علاوہ کسی دوسرے لفظ یا کسی فعل سے نکلتا ہے، تو اس صورت میں لفظ ''سلام'' جو کہ واجب ہے اس کے ترک کرنے سے نماز کو لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس کو تفصیل سے تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد یاسین، چمپارن، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز سے خروج کے لئے لفظ ''سلام'' واجب ہے، اگر کوئی سلام کے علاوہ کسی دوسرے لفظ یا فعل سے نکلتا ہے، تو اس صورت میں نماز کا اعادہ ضروری ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

المستفاد: لها واجبات لا تفسد بتركها، وتعاد وجوبا، وهي على ماذكره أربعة عشر إلى قوله: ولفظ السلام مرتين، فالثاني واجب على الأصح، وتحته في الشامية: وقيل سنة. (شامي، زكريا ديوبند ٢/ ١٥٦-١٦٢، كراچي ١/ ٤٥٦، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب شروط الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، قديم ١٣٦، جديد، دارالكتاب ديوبند ٢٥١)

وأما الخروج بلفظ السلام، فهو واجب عندنا لمواظبته عليه الصلاة والسلام عليه وعند الأئمة الثلاثة، هو فرض، فلو تركه فسدت صلاته عندهم لا عندنا على ماتقدم أنه لو أحدث عمداً بعد القعود قدر التشهد، أو تكلم، أو عمل عملا منافيا للصلاة تمت صلاته، لكن مع كراهة التحريم، لتركه الواجب. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، أشرفيه ديوبند، ص: ٢٩٨، طحطاوي، باب شروط الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، قديم، ص: ١٣٦،

جدید، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۵۱، الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الخروج عن الصلاة، قديم ۱/ ۵۰۹، جديد ۲/ ۱۳۰، رقم: ۱۹۴۶)

ثم قيل الثانية سنة، والأصح أنها واجبة كالأولى وبمجرد لفظ السلام يخرج و لا يتوقف على عليكم. (فتح القدير، زكريا ۱/ ۳۲۸، كوئٹہ ۱/ ۲۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۸/۹ھ

سلام پھیرتے وقت نگاہ کہاں رکھیں؟

سوال [۱۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سلام پھیرتے وقت نمازی اپنی نگاہ کہاں رکھے، کاندھوں پر یا دائیں بائیں؟ جو کچھ بھی ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عارف کانٹھ دروازہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سلام پھیرتے وقت نمازی اپنی نگاہ کو اپنے کندھوں پر رکھے۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه قال: كنت أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم يسلم عن يمينه وعن يساره، حتى أرى بياض خده. (صحيح مسلم، الصلاة، باب السلام للتحليل من الصلاة عند فراغها، وكيفيته، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۶، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۲، مسند الدارمي، دارالمغني ۲/ ۸۴۹، رقم: ۱۳۸۵)

ومنها نظره إلى المنكبين مسلما. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في آدابها، قديم، ص: ۱۵۱، جديد، دارالكتاب ديوبند، ص: ۲۷۷،

نور الإيضاح، الصلاة، فصل في بيان آداب الصلاة ١/ ٥٩)

وعند التسليمة الأولى إلى كتفه الأيمن، وعند التسليمة الثانية إلى كتفه الأيسر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ٢/ ١٨٦، رقم: ٢٠٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۶/۸/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۸/۱۰ھ

نماز میں دوسرے سلام کی مقدار

سوال [۱۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں دوسرا سلام پہلے سلام سے کچھ مختصر ہو یا دونوں برابر ہوں؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: محی الدین امام بڑی مسجد رام نگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں سلام برابر ہونا چاہئے؛ البتہ پہلے سلام کے مقابلہ میں دوسرے سلام کو کچھ ہلکی اور پست آواز سے ادا کرنا افضل ہے۔

والسنة في السلام أن يكون التسليمة الثانية أخفض من الأولى.

(الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، كوئٹه ١/ ٥٥٢، زكريا ٢/ ١٨٨، رقم: ٢٠٩٧، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فيما يفعله بعد الشروع فى الصلاة، المجلس العلمي ٢/ ١٢٨، رقم: ١٣٩٢، هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧٦، جديد ١/ ١٣٤، تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ١٢٦، زكريا ١/ ٣٢٢-٣٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۸)

سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز کے اختتام پر سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ بعض ائمہ مساجد سلام میں کافی مد کرتے ہیں اور بعض بروایت "**حذف السلام سنة**" مد نہیں کرتے، ایسے ہی بعض لوگ پہلے سلام کو کھینچتے ہیں اور دوسرے سلام کو بہت کم کھینچتے ہیں، حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالکریم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کے اختتام پر سلام پھیرتے ہوئے مد کرنے اور نہ کرنے میں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہئے، مد بہت زیادہ لمبا نہ ہو اور اتنا مختصر بھی نہ ہو کہ پتہ ہی نہ چلے اور حضرت عبداللہ بن المبارک نے "**حذف السلام سنة**" کی تشریح کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے کہ سلام میں زیادہ لمبا مد نہ کیا جائے، ہاں البتہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ پہلے سلام کے مقابلہ میں دوسرے سلام کو ذرا مختصر اور معمولی پست کیا جائے، ایسا بھی نہیں کہ پہلا سلام بہت زور سے اور دوسرا سلام بہت معمولی ہو صرف ۱۹-۲۰ کا فرق ہو اور فقہاء کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دونوں سلام میں بہت زیادہ کھینچنا نہیں چاہئے؛ بلکہ مد میں اعتدال اختیار کرنا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۳/۳۱۲)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: حذف السلام سنة، قال علي بن حجر، وقال ابن المبارك: يعني أن لا تمده مدا، قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسن صحيح، وهو الذي يستحبه أهل العلم. (ترمذي شريف، الصلاة، باب ماجاء أن حذف السلام سنة، النسخة الهندية ۱/ ٦٦، دارالسلام، رقم: ۲۹۷)

وقال في مجمع البحار: هو تخفيفه، وترك الإطالة فيه. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب حذف السلام، مكتبه يحيى سهارنپور ۲/ ۱۳٤، دار البشائر الإسلاميه ٤/ ٥٨١)

وسن جعل الثاني أخفض من الأول (درمختار) أفاد أنه يخفض صوته بالأول أيضا، أي عن الزائد على قدر الحاجة في الإعلام، فهو خفض نسبي، وإلا فهو في الحقيقة جهر، فالمراد أنه يجهر بهما إلا أنه يجهر بالثاني دون الأول. (درمختار مع الشامي، باب صفة الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح، زكريا ۲/ ۲٤۱، كراچی ۱/ ۵۲٦)

والسنة للإمام في السلام أن تكون التسلمة الثانية أخفض أي أسفل من التسليمة الأولى من حيث الصوت؛ لأن ظاهره يجهر بها جهرا دون الجهر بالأولى، وفي بعض النسخ: ومن المشايخ من قال يخفض الأولى من الثانية، أي يخفض الأولى أزيد من الثانية، وهذا غير صحيح ...... والصحيح القول الأول، أنه يجهر بالثانية دون الجهر بالأولى. (حلبي كبير، باب صفة الصلاة، ص: ۳٤۰، هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، زكريا قديم ۱/ ۷٦، جديد ۱/ ۱۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

نماز میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ زید کا کہنا ہے ''السلام علیکم'' سامنے کہہ کر پھر گردن موڑے اور ورحمۃ اللہ داہنی وبائیں طرف کہے۔

(۲) کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر سلام پھیرتے وقت فرشتوں ومقتدیوں کی نیت کرنے کا کیا مطلب ہوگا؟

المستفتی: عبد اللہ متعلم شعبہ افتاء مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں سلام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ لفظ ''السلام'' کہتے ہوئے گردن موڑتا جائے جس میں ''السـلام'' کا کچھ حصہ دائیں طرف اور بائیں طرف موڑتے ہوئے ادا ہو جائے اور ''علیکم و رحمۃ اللّٰہ'' مکمل مڑ چکنے کے بعد ادا ہو۔ سوال میں جو شکل لکھی گئی ہے کہ مکمل ''السلام علیکم'' گردن موڑنے سے پہلے ادا کرلیا جائے، یہ مسنون طریقہ نہیں ہے۔

عن عمار بن ياسر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يسلم عن يمينه وعن يساره، حتى يرى بياض خده، السلام عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب التسليم، النسخة الهندية ١/ ٦٥، دارالسلام، رقم: ٩١٦، ومثله في مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٣/ ٣٠٧، رقم: ١١٠٠، ٥/ ٣٤٥، رقم: ١٩٧٢، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي ١٠/ ١٢٣، رقم: ١٠١٧٢)

وينوي بالسلام من عن يمينه من الرجال والنساء والحفظة، وكذا في التسليمة الثانية. الخ (الجوهرة، دارالكتاب ديوبند ١/ ٦٧، طحطاوي على المراقي، دارالكتاب ديوبند ٢٧٤)

ههنا نذكر سنن التسليم، فمنها: أن يبدأ بالتسليم عن اليمين (إلى قوله) ومنها: أن يبالغ في تحويل الوجه في التسليمتين، ويسلم عن يمينه، حتى يرى بياض خده الأيمن، وعن يساره حتى يرى بياض خده الأيسر (إلى قوله) ولا يكون ذلك إلا عند شدة الالتفات. (بدائع، كتاب الصلاة، صفة السلام، زكريا ١/ ٥٠٢، كراچی ١/ ٢١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴/۸۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۶/۱۴۲۶ھ

سلام پھیرنے کا طریقہ

سوال [۱۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ نے مختلف جگہوں میں سلام پھیرنے کا جو طریقہ لکھا ہے، یا آپ کے خلفاء نے جو نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ داہنی طرف سلام پھیرتے وقت ''السلام علیکم'' کہتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف رہے، جب ''ورحمۃ اللہ'' کہے اس وقت داہنی طرف کندھے پر نظر کرے، پھر چہرہ کو قبلہ کی طرف کر کے ''السلام علیکم'' کہے، پھر ''ورحمۃ اللہ'' کہتے وقت بائیں طرف منہ پھیر لے۔ معلوم یہ کرنا ہے کیا ہم یہی طریقہ معمول میں رکھیں؛ کیوں کہ ہمیں فقہ کی کسی کتاب میں سلام پھیرنے کا یہ طریقہ نہیں ملا، آپ کی نظر میں ہو تو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کی تحریر سوال نامہ میں درج کردہ شکل سے متعلق دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا؛ لیکن کتب فقہ اور احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ سلام کی ابتدا چہرے کے قبلہ کی طرف رہنے کی حالت میں کی جائے اور ابتدا سے چہرے کو موڑتے چلے جائیں اور اپنا چہرہ مکمل دائیں طرف مڑنے کے بعد سلام مکمل ہونا چاہئے، اسی طرح بائیں طرف مکمل مڑنے کے بعد سلام مکمل ہونا چاہئے۔ اور مڑتے ہوئے سلام کے الفاظ کہتے چلے جائیں، اتنی بات ان احادیث شریفہ سے ثابت ہوتی ہے، جن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز کی تکمیل پر دو سلاموں سے سلام پھیرنے کا ثبوت ہے؛ اس لئے یہی سنت کے مطابق معلوم ہوتا ہے؛ البتہ بعض احادیث میں قبلہ کی طرف رخ کر کے صرف ایک سلام کرنے کا ذکر بھی موجود ہے، جس کی بنا پر بعض ائمہ نے ایک ہی سلام کو مسنون کہا ہے۔ اور اس قسم کی روایات کے تحت بعض

محدثین اور شراح حضرات نے اس حدیث کی تاویل تقریباً اسی طرح کی ہے، جیسا کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کے حوالہ سے سائل نے پیش کیا ہے، جمہور ائمہ نے دو سلام والی روایات کو اپنا مستدل بنایا ہے اور ایک سلام والی روایت کی تاویل فرمائی ہے۔ روایات ملاحظہ فرمائیں۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه قال: كنت أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم يسلم عن يمينه وعن يساره، حتى أرى بياض خده. (صحيح مسلم، الصلاة، باب السلام للتحليل من الصلاة عند فراغها، وكيفيته، النسخة الهندية ١/ ٢١٦، بيت الأفكار، رقم: ٥٨٢، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٨٤٩، رقم: ١٣٨٥، سنن النسائي، الصلاة، باب السلام، النسخة الهندية ١/ ١٤٨، دارالسلام، رقم: ١٣١٧، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٣٨١، رقم: ٧٢٦)

عن عبدالله بن مسعود- رضي الله عنه- أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يسلم عن يمينه حتى يرى بياض خده، السلام عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله. (أبو داؤد شريف، الصلاة، باب في السلام، النسخة الهندية ١/ ١٤٣، دارالسلام، رقم: ٩٦٦، مسند أحمد بن حنبل ١/ ٣٩٠، رقم: ٣٦٩٩، ٣٧٠٢، ١/ ٤٠٩، رقم: ٣٨٨٧، ٣٨٨٨، ١/ ٤٤٤، رقم: ٤٢٤١، ١/ ٤٤٨)

عن عدي بن عميرة الحضرمي، حدثه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سلم في الصلاة أقبل بوجهه عن يمينه، حتى يرى بياض خده، ثم يسلم عن يساره ويقبل بوجهه حتى يرى بياض خده الأيسر. (طحاوي شريف، الصلاة، باب السلام في الصلاة كيف هو؟ النسخة الهندية ١/ ١٥٩، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٣٥٠، رقم: ١٥٧١)

عن أبي الأحوص عن عبد الله قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يسلم عن يمنيه وعن يساره حتى يبدو بياض خده، السلام

علیکم ورحمة الله، السلام علیکم ورحمة الله. (طحاوي شريف، الصلاة، باب السلام في الصلاة كيف هو؟ النسخة الهندية ۱/ ۱۵۸، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۳۴۷، رقم: ۱۵۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

بحالت مجبوری ٹرین یا بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۱۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ٹرین یا بس میں فرض نماز بحالت مجبوری بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے؟ نیز ہوائی جہاز میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس سلسلہ میں امام صاحب کا موقف جواز کے خلاف تو نہیں؟

المستفتی: طاہر جامعہ شاہ ولی اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹرین اور بس پر نماز کا حکم وہی ہے جو کشتی میں ہے، اگر دوران سر کا خطرہ ہے تو بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے، ورنہ کھڑے ہوکر پڑھنا لازم ہے اور ٹرین میں دوران سر کا خطرہ عام طور پر نہیں ہوتا ہے، جس کا تجربہ عام لوگوں کو حاصل ہے، اور ہوائی جہاز پر نماز پڑھنے کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر ہوائی جہاز اترنے تک وقت نکل جانے یا وقت تنگ ہوجانے کا خطرہ ہو تو چلتے ہوئے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف ہو تو احقر کو معلوم نہیں۔

إن الصلاة في القطار السائرة كالصلاة في السفينة السائرة، وقوله: الفرق بين القطار والطيارات، أن القطار السائرة إذا تمكن فيها المصلي من القيام والركوع والسجود، واستقبال القبلة فلا داعى إلى تاخير الصلاة إلى

آخر الوقت (إلى قوله) وأما الطيارات فيجب عليه التاخير فيها إلى آخر الوقت (إلى قوله) ومثل السفينة القطر البخارية البرية، والطيارات الجوية، ونحوها ولم يبن فيه اختلاف المذاهب، فكأنهم استنبطوا من المذاهب كلهما القدرة المشترك. (معارف السنن، باب ماجاء في الصلاة على الدابة، أشرفيه ديوبند ۳/ ۳۹۴ - ۳۹۶)

ثم إن مشايخنا كانوا يعدون القطار كالسرير المستقر على الأرض، فلا يجوز الصلاة فيه إلا قائما، وقيل: إنه كالسفينة، فتجوز قائما وقاعدا وهو المختار عندي. (فيض الباري، الصلاة، باب الصلاة على الحصير، كوئٹه ۲/ ۲۴، رقم: ۳۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/۱/۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۰۷)	۱۷/۱/۱۴۲۵ھ

بس میں نماز کا طریقہ

سوال [۱۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص سفر کر رہا ہے، نماز کا وقت ہوگیا اور بس میں سوار ہے، نماز کا وقت جارہا ہے، اس صورت میں نماز کیسے ادا کرے؟ رہنمائی فرمائیں مع الدلائل۔

المستفتی: فراز قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بس میں سفر کرتے ہوئے چونکہ کھڑے ہوکر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا ناممکن ہے، اسی طرح بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز کے لئے جگہ نہیں ہوتی اور بس سے اتر کر وقت کے اندر اندر نماز پڑھنا بھی غیر متوقع ہے؛ اس لئے ایسی

صورت میں اشارے سے نماز پڑھ لے اور بعد میں اس نماز کا اعادہ کرلے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا ۱/ ۵۸۶)

وفي الخلاصة، وفتاوى قاضيخان وغيرهما: الأيسر في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج ...... فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالىٰ لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحر الرائق، الكتاب الطهارة، باب التيمم، كوئٹه ۱/ ۱۴۲، زكريا ۲۴۸، هندية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، زكريا قديم ۱/ ۲۸، جديد ۱/ ۸۱، فتاوى قاضى خان، كتاب الصلاة، فصل فيما يجوز له التيمم، زكريا جديد ۱/ ۴۰، وعلى هامش الهندية ۱/ ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۲۸ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال [۱۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں جب نمازی رکوع کرے گا، تو دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے یا گھٹنوں کو انگلیاں کشادہ کرکے پکڑے، جیسا کہ کھڑے ہونے کی حالت میں گھٹنوں کو رکوع میں پکڑا جاتا ہے یا جیسے قعدہ کی حالت میں ہاتھ رانوں پر گھٹنوں سے پیچھے رکھے جاتے ہیں، ایسے رکھے، فقہاء کا کیا قول ہے؟

المستفتی: عبد الرشید، قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو بیٹھنے کی کیفیت وہی ہونی

چاہئے جو التحیات کی ہوتی ہے اور جس طرح التحیات کی حالت میں ہاتھوں کو گھٹنوں اور زانوؤں پر رکھنے کا مسنون و مستحب طریقہ ہے کہ انگلیوں کو اپنی ہیئت پر رکھا جائے، وہی بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بیٹھنے کی حالت میں مستحب ہے اور رکوع کے وقت ہاتھوں کو اس طرح رکھا جائے گا جس طریقہ سے بیٹھنے کی حالت میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں فقہی جزئیات صراحت سے موجود نہیں ہیں، اصول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

ويقعد المتنفل جالسا كالمتشهد في المختار. (الطحطاوي على المراقي، باب الوتر وأحكامه، فصل في صلاة النفل جالسا، أشرفي ٤٠٤)

ويقعد المتنفل جالسا كالمتشهد في المختار. (نور الإيضاح، الصلاة، فصل في صلاة النفل جالسا، والصلاة على الدابة/ ٨١)

ويضع يمناه على فخذه اليمنى، ويسراه على اليسرى، ويبسط أصابعه مفرجة قليلا جاعلا أطرافها عند ركبتيه. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ٢١٦، كراچی ١/ ٥٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

شیخ فانی اشارہ سے نماز پڑھے

سوال [۱۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اتنا بوڑھا ہوگیا کہ نماز پڑھنے سے عاجز ہے، تو کیا وہ بھی فدیہ ادا کرے گا؟ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ارقم علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بوڑھے عاجز آدمی کے لئے بھی نماز کا فدیہ زندگی میں ادا

کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ ایسے ضعیف کے لئے اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

لا فدية في الصلوة حالة الحياة، بخلاف الصوم -إلى- ولا يتحقق عجزه عن الصلاة؛ لأنه يصلي بما قدر، ولو مؤميا برأسه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، زكريا ٢/ ٢٠٤، ٢٠٥، كوئٹه ١/ ١١٦، شامي، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، زكريا ٢/ ٥٣٥، كراچى ٢/ ٧٤)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۲۷)

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں سرین کو اٹھانا کیسا ہے؟

سوال [۱۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نفل نماز جو بیٹھ کر پڑھتے ہیں، تو کیا بیٹھ کر پڑھنے کی حالت میں رکوع کرتے وقت سرین پاؤں سے اٹھانا چاہئے یا نہیں؟ اس کے بارے میں خلاصہ جواب تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عبدالستار، مسجد کنڈا والی بچھڑایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مستحب طریقہ یہ ہے کہ پیٹھ اتنی جھکائی جائے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جائے، سرین اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/ ۲۹۹، جدید، زکریا ۲۷)

ولو كان يصلي قاعدا ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع قلت، ولعله محمول على تمام الركوع، وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس، أي مع انحناء الظهر. (شامي، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، كراچى ١/ ٤٤٧، مصري ١/ ٤١٦، زكريا ٢/ ١٣٤، نفع المفيي

والسائل، ص: ۷٦، طحطاوي على المراقي، باب شروط الصلاة، وأركانها، قديم، ص: ۱۲۵، جديد، دارالكتاب ديوبند، ص: ۲۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۱۰/۲۵)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع میں کتنا جھکا جائے؟

سوال [۱۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بیٹھے بیٹھے نفل نماز پڑھ رہا ہے، جب وہ رکوع کرے گا تو کتنا جھکے گا؟ کیا کمر، سر اور پیٹھ کو برابری میں رکھے گا یا صرف دو تین انچ تک منڈی جھکا لے؟

المستفتی: مولوی عبد الماجد مبارک نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیٹھ کر نفل پڑھتے ہوئے رکوع میں پیشانی گھٹنوں کے سامنے تک جھکایا کریں، تاکہ صحیح طریقہ سے رکوع ادا ہو جائے، اب اس کے لئے منڈی کو جتنا جھکانے کی ضرورت ہو جھکائیں۔

ولو كان يصلي قاعدا ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع.

(شامي، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، زكريا ۲/ ۱۳٤، كراچی ۱/ ٤٤٧)

فإن ركع جالسا، ينبغي أن تحاذي جبهته ركبتيه ليحصل الركوع.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب شروط الصلاة، وأركانها، دارالكتاب ديوبند ۲۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۷۲/۳۳)

بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں سرین کو اٹھانا

سوال [۱۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نوافل بیٹھ کر پڑھنے کی حالت میں رکوع کرتے وقت سرین کو دونوں پیر کھڑے کرکے اٹھادینا چاہئے یا کیا صورت مسنون ہے؟

المستفتی: حفظ الرحمٰن، قصبہ سمدھن فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے متعلق کوئی جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ اصول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رکوع میں سرین نہ اٹھانا بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۱۱/۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۰ھ